قد فرغنا من الرّدّ علی قومٍ یسمّون آریہ فالحمد للّٰہ ربّ العلمین

انّا اذا نزلنا بساحۃ قومٍ فساء صباح المنذرین

(ترجمہ)

ہم آریوں کا ردّ لکھنے سے فراغت کر چکے سو اُس خدا کو سب تعریف ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے، ہم جب ایک قوم پر چڑھائی کرتے ہیں اور اُنکے صحن میں اُترتے ہیں تو وہ صبح اُن کی ایک بُری صبح ہوتی ہے جو تباہی کی خبر دیتی ہے

یہ کتاب آریہ صاحبوں کے اس مضمون کے جواب میں ہے جسکو اُنہوں نے اپنے مذہبی جلسہ میں دسمبر ۱۹۰۷ء میں بمواجہہ چار سو معزز ہماری جماعت کے مسلمانوں کے خود اُنکو اپنے گھر میں بلا کر سنایا تھا جو ہمارے سید و مولیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین اور دشنام دہی سے پُر تھا جس میں دین اسلام پر جابجا توہین اور ہنسی اور ٹھٹھا کیا گیا تھا اور نہایت شوخی سے گندی گالیاں دے کر اور بے جا تہمتیں ہمارے مقدس ذات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر لگا کر صدہا مسلمانوں کو خود مدعو کر کے نہایت دُکھ دیا تھا اور اِس کتاب کا نام ہے

چشمۂ معرفت
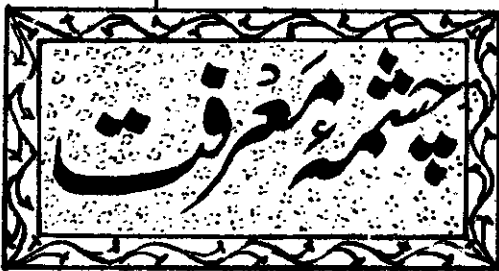
از مؤلفات حضرت مرزا غلام احمد صاحب مسیح موعود

جو ۱۵ مئی ۱۹۰۸ء کو

مطبع انوار احمدیہ مشین پریس قادیان ضلع گورداسپور میں طبع ہوئی

باہتمام شیخ یعقوب علی تراب منیجر

دو ہزار چار قیمت فی جلد عا اور قیمت مجلد تین روپے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَأَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِيْنَ[1]۔ آمین

اے ہمارے خدا ہم میں اور ہماری قوم میں سچا فیصلہ کردے اور تو سب سے بہتر فیصلہ کرنیوالا ہے۔

جب سے خدا نے مجھے مسیح موعود اور مہدی معہود[*] کا خطاب دیا ہے میری نسبت جوش اور غضب اُن لوگوں کا جو اپنے تئیں مسلمان قرار دیتے ہیں اور مجھے کافر کہتے ہیں انتہا تک پہنچ گیا ہے پہلے میں نے صاف صاف ادلہ کتاب اللہ اور حدیث سے اپنے دعوے کو ثابت کیا مگر قوم نے دانستہ ان دلائل سے مُنہ پھیر لیا اور پھر میرے خدا نے بہت سے آسمانی نشان میری تائید میں دکھلائے مگر قوم نے اُن سے بھی کچھ فائدہ نہ اُٹھایا اور پھر اُن میں سے کئی لوگ مباہلہ کیلئے اُٹھے اور بعض نے علاوہ مباہلہ کے الہام کا دعویٰ کرکے یہ پیشگوئی کی کہ فلاں سال یا کچھ مدت تک ان کی زندگی میں ہی یہ عاجز ہلاک ہوجائیگا مگر آخر کار وہ میری زندگی میں خود ہلاک ہوگئے مگر نہایت افسوس ہے کہ قوم کی پھر بھی آنکھ نہ کھلی اور اُنہوں نے یہ خیال نہ کیا کہ اگر یہ کاروبار انسان کا ہوتا تو ہر ایک پہلو سے وہ مغلوب نہ ہوتے۔ قرآن شریف اُنکو جھوٹا ٹھہراتا ہے۔ معراج کی حدیث اور حدیث امامکم منکم انکو جھوٹا ٹھہراتی ہے۔ مباہلوں کا انجام اُنکو جھوٹا ٹھہراتا ہے۔ پھر اُنکے ہاتھ میں کیا ہے جو خدا کے اِس فرستادہ کی دلیری سے تکذیب کررہے ہیں جو تقریباً چھبیس ۲۶ برس سے اُنکو حق اور راستی کیطرف بُلا رہا ہے کیا اب تک اُنہوں نے

---

[*] حاشیہ:۔ بعض کم سمجھ لوگ جو کتاب اللہ اور حدیث نبوی میں تدبر نہیں کرتے وُہ میرے مہدی ہونے کو سنکر یہ کہا کرتے ہیں کہ مہدی موعود تو سادات میں سے ہوگا۔ سو یاد رہے کہ باوجود اسقدر جوش مخالفت کے انکو احادیث نبویہ پر بھی عبور نہیں مہدی کی نسبت احادیث میں چار قول ہیں (۱) ایک یہ کہ مہدی سادات میں سے ہوگا (۲) دوسرے یہ کہ قریش میں سے سادات ہوں یا نہ ہوں (۳) تیسرے یہ حدیث ہے کہ رجل من امتی یعنی مہدی میری اُمت میں سے ایک مرد ہے خواہ کوئی ہو۔ (۴) چوتھے یہ حدیث ہے کہ لا مہدی الا عیسٰی۔ یعنی بجز عیسٰی کے اور کوئی مہدی نہیں ہوگا وہی مہدی ہے جو عیسٰی کے نام پر آئیگا۔ اسی آخری قول کے مصدق وہ اقوال محدثین ہیں جن میں یہ بیان ہے کہ مہدی کے بارے میں جسقدر احادیث ہیں بجز حدیث عیسٰی مہدی کے کوئی اُن حدیثوں میں سے جرح سے خالی نہیں۔ مگر عیسٰی کا مہدی ہونا بلکہ سب سے بڑا مہدی ہونا تمام اہلِ حدیث اور ائمہ اربعہ کے نزدیک بغیر کسی نزاع کے مسلّم ہے۔ پس میں وہی مہدی ہوں جو عیسٰی بھی کہلاتا ہے اور اس مہدی کے لئے شرط نہیں ہے کہ حسنی یا حسینی یا ہاشمی ہو۔ منہ

[1] الاعراف: ۹۰

آیت کریمہ یصبکم بعض الذی یعدکم کا مزہ نہیں چکھا۔ کہاں ہے مولوی غلام دستگیر جس نے اپنی کتاب فیض رحمانی میں میری ہلاکت کے لئے بددعا کی تھی اور مجھے مقابل پر رکھ کر جھوٹے کی موت چاہی تھی؟ کہاں ہے مولوی چراغدین جموں والا جس نے الہام کے دعوے سے میری موت کی خبر دی تھی اور مجھ سے مباہلہ کیا تھا۔ کہاں ہے فقیر مرزا جو اپنے مریدوں کی ایک بڑی جماعت رکھتا تھا جس نے بڑے زور شور سے میری موت کی خبر دی تھی اور کہا تھا کہ عرش پر سے خدا نے مجھے خبر دی ہے کہ یہ شخص مفتری ہے آئندہ رمضان تک میری زندگی میں ہلاک ہو جائے گا لیکن جب رمضان آیا تو پھر آپ ہی طاعون سے ہلاک ہو گیا۔ کہاں ہے سعد اللہ لودہانوی؟ جس نے مجھ سے مباہلہ کیا تھا اور میری موت کی خبر دی تھی آخر میری زندگی میں ہی طاعون سے ہلاک ہو گیا۔ کہاں ہے مولوی محی الدین لکھو کے والا؟ جس نے مجھے فرعون قرار دیکر اپنی زندگی میں ہی میری موت کی خبر دی تھی اور میری تباہی کی نسبت کئی اور الہام شائع کئے تھے آخر وہ بھی میری زندگی میں ہی دنیا سے گذر گیا۔ کہاں ہے بابو الٰہی بخش صاحب مؤلف "عصائے موسٰی" اکونٹنٹ لاہور؟ جس نے اپنے تئیں موسٰی قرار دیکر مجھے فرعون قرار دیا تھا اور میری نسبت اپنی زندگی میں ہی طاعون سے ہلاک ہونے کی پیشگوئی کی تھی اور میری تباہی کی نسبت اور بھی بہت سی پیشگوئیاں کی تھیں آخر وہ بھی میری زندگی میں ہی اپنی کتاب عصائے موسٰی پر جھوٹ اور افترا کا داغ لگا کر طاعون کی موت سے بصد حسرت مرا۔ اور ان تمام لوگوں نے چاہا کہ میں اس آیت کا مصداق ہو جاؤں کہ اِنْ یَّکُ کَاذِبًا فَعَلَیْہِ کَذِبُہٗ [1] لیکن وہ آپ ہی اس آیت ممدوحہ کا مصداق ہو کر ہلاک ہو گئے۔ اور خدا نے اُن کو ہلاک کر کے مجھ کو اس آیت کا مصداق بنا دیا۔ وَاِنْ یَّکُ صَادِقًا یُّصِبْکُمْ بَعْضُ الَّذِیْ یَعِدُکُمْ [1]۔ کیا ان تمام دلائل سے خدا تعالیٰ کی حجت پوری نہیں ہوئی۔ مگر ضرور تھا کہ مخالف لوگ انکار سے پیش آتے کیونکہ پہلے سے یعنی آج سے چھبیس ۲۶ برس پہلے براھین احمدیہ میں خدا کی یہ پیشگوئی موجود ہے دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اُس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اُسکی سچائی ظاہر کر دیگا۔ سو ہم ایمان رکھتے ہیں کہ خدا اپنے حملوں کو نہیں روکے گا اور نہ

[1] المؤمن: ۲۹

بس کریگا جب تک کہ دُنیا پر میری سچائی ظاہر نہ ہو جائے۔

لیکن آج ۱۵؍مئی ۱۹۰۸ء کو میرے دل میں ایک خیال آیا ہے کہ ایک اور طریق فیصلہ کا ہے شاید کوئی خداترس اس سے فائدہ اُٹھاوے اور انکار کے خطرناک گرداب سے نکل آوے اور وُہ طریق یہ ہے کہ میرے مخالف منکروں میں سے جو شخص اشد مخالف ہو اور مجھ کو کافر اور کذّاب سمجھتا ہو وُہ* کم سے کم دس نامی مولوی صاحبوں یا دس نامی رئیسوں کی طرف سے منتخب ہو کر اس طور سے مجھ سے مقابلہ کرے جو دو سخت بیماروں پر ہم دونوں اپنے صدق و کذب کی آزمائش کریں یعنی اس طرح پر کہ دو خطرناک بیمار لیکر جو جُدا جُدا بیماری کی قسم میں مبتلا ہوں قرعہ اندازی کے ذریعہ سے دونوں بیماروں کو اپنی اپنی دُعا کیلئے تقسیم کرلیں۔ پھر جس فریق کا بیمار بکلّی اچھا ہو جاوے یا دوسرے بیمار کے مقابل پر اُسکی عمر زیادہ کی جائے وُہی فریق سچا سمجھا جاوے۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے اور مَیں پہلے سے اللہ تعالیٰ کے وعدہ پر بھروسہ کرکے یہ خبر دیتا ہوں کہ جو بیمار میرے حصّہ میں آویگا یا تو خدا اُسے بکلّی صحت دیگا اور یا بہ نسبت دُوسرے بیمار کے اُسکی عمر بڑھا دیگا اور یہی امر میری سچائی کا گواہ ہوگا۔ اور اگر ایسا نہ ہوا تو پھر یہ سمجھو کہ مَیں خدا تعالیٰ کیطرف سے نہیں۔ لیکن یہ شرط ہوگی کہ فریق مخالف جو میرے مقابل پر کھڑا ہوگا وُہ خود اور ایسا ہی دس اور مولوی یا دس رئیس جو اسکے ہم عقیدہ ہوں یہ شائع کردیں کہ درحالت میرے غلبہ کے وُہ میرے پر ایمان لائینگے اور میری جماعت میں داخل ہونگے اور یہ اقرار تین نامی اخباروں میں شائع کرانا ہوگا۔ ایسا ہی میری طرف سے بھی یہی شرائط ہونگی۔ .... اس قسم کے مقابلہ سے فائدہ یہ ہوگا کہ کسی خطرناک بیمار کی جو اپنی زندگی سے نومید ہو چکا ہے خدا تعالیٰ جان بچائیگا اور احیاء موتٰی کے رنگ میں ایک نشان ظاہر کریگا۔ اور دُوسرے یہ کہ اس طور سے یہ جھگڑا بڑے آرام اور سہولت سے فیصلہ ہو جائیگا۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی ۔

المشتہر میرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعودؑ

۱۵؍مئی ۱۹۰۸ء

---

* یہ بھی شرط ہے کہ وُہ شخص عام لوگوں میں سے نہ ہو بلکہ قوم میں خصوصیت اور علمیت اور عزت اور تقویٰ کے ساتھ مشہور ہو۔ جس کا مغلوب ہونے کی حالت میں دوسروں پر اثر پڑ سکے۔ منہ

(الف)

وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ [۱]

جو شخص مظلوم ہونے کے بعد بدلہ لے اُس پر کوئی الزام نہیں

باعث تالیف کتاب ہذا

میری طرف سے اِس کتاب کے ہر ایک پڑھنے والے کو خدا تعالیٰ کی قسم ہے کہ اِس کتاب کے پڑھنے سے پہلے اِس مضمون کو پڑھ لے

اگرچہ مَیں نے اپنی کئی کتابوں میں آریہ صاحبوں کے اُن تمام حملوں کا جواب دیا ہے جو اسلام پر وہ کیا کرتے ہیں چنانچہ میں نے اُس زمانہ میں بھی اُن کے شبہات کے ردّ میں اپنی کتاب براہین احمدیہ کو شائع کیا تھا جبکہ پنجاب میں آریہ مذہب کی ابھی تخم ریزی ہوئی تھی اور براہین احمدیہ کی تالیف کا یہ باعث ہؤا تھا کہ پنڈت دیانند نے سر نکالتے ہی اسلام پر زبان کھولی اور اپنی کتاب ستیارتھ پرکاش میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت بے ادبی کی اور قرآن شریف کا بہت توہین کے ساتھ ذکر کیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جس پر آج سے قریباً اٹھائیس برس گذر گئے۔ امید تھی کہ آریہ لوگ میری اُس کتاب کے بعد اپنی زبان بند کر لیتے لیکن افسوس کہ آریہ صاحبوں کے ایسے دل ہیں کہ وہ اپنی عادت سے باز نہ آئے۔ بلکہ دن بدن بڑھتے گئے اور جب اُنکی بدزبانی انتہا تک پہنچ گئی ... تو اُن میں ایک شخص لیکھرام نام پیدا ہؤا۔ اور لیکھرام نے صرف بدزبانی پر بس نہ کی بلکہ اپنی موت کیلئے مجھ سے پیشگوئی چاہی چنانچہ میں نے اُسکے بار بار کے اصرار کی وجہ سے خدائے عزّوجل سے اطلاع پاکر اُسکو خبر کردی کہ وہ چھ برس کے اندر مرجائیگا مگر اُس نے اِسپر کفایت نہ کر کے مجھ سے تحریری مباہلہ کیا اور ایسے وقت میں اُس نے مباہلہ کیا جبکہ خدا کے نزدیک اُسکی زندگی کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ اُس نے اپنے مباہلہ میں جو اُسکی کتاب خبط احمدیہ میں درج ہو کر اُسکے مرنے سے ایک مدّت پہلے شائع ہو گیا تھا اِس مضمون کی دعا کی جس کا خلاصہ مطلب یہ تھا کہ اَے پرمیشر! مَیں جانتا ہوں کہ چاروں وید سچے ہیں اور

(ب)

[۱] الشوریٰ: ۴۲

قرآن شریف (نعوذ باللہ) جھوٹا ہے اور اسی بناء پر میں مرزا غلام احمد قادیانی سے مباہلہ کرتا ہوں پس اگر میں اس عقیدہ میں سچا نہیں ہوں تو اے پرمیشر! میری مُراد کے مخالف فیصلہ کر اور جو شخص تیری نظر میں جھوٹا ہے اُسکو سزا دے اور اپنے قطعی فیصلہ سے سچائی کو ظاہر فرما۔ چنانچہ خدا نے اُس مباہلہ کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ لیکھرام کو میری زندگی میں ہی ہلاک کر دیا۔ اور اب اُس کی موت پر بارھواں سال گذر رہا ہے مگر افسوس یہ ہے کہ آریوں نے خدا تعالیٰ کے اِس صریح اور کُھلے کُھلے نشان سے کچھ فائدہ نہیں اُٹھایا بلکہ اُنکی شوخی پہلے سے بھی زیادہ ہوگئی۔

بعد اسکے ایسا اتفاق ہوا کہ دسمبر ۱۹۰۷ء کے مہینہ میں انکی طرف سے مذہبی جلسہ کیلئے ایک اشتہار نکلا۔ اور وہ اشتہار خصوصیت سے میری طرف بھیجا گیا اور میری جماعت کے بہت سے معزز لوگوں میں تقسیم کیا گیا۔ جس کا حاصل مطلب یہ تھا کہ ایک مذہبی جلسہ ہوگا آپ صاحب تشریف لائیں اور اپنے مذہب کی تائید میں لکھ کر مضمون لاویں۔ مضامین میں یہ شرط ہے کہ کسی فریق کا کوئی مضمون خلاف تہذیب نہ ہو اور علاوہ اسکے میری طرف کئی انکساری کے خط لکھے کہ ہم لوگ آپکے درشن کے بھی مشتاق ہیں۔ چونکہ مومن سادگی سے خالی نہیں ہوتا میں اس اشتہار اور ان خطوط کو پڑھ کر بہت خوش ہوا اور دل میں سوچا کہ آریہ صاحبوں نے آخر کار زمانہ کی ہَوا دیکھ کر اپنی بدکلامی اور بدتہذیبی سے توبہ کرلی ہے اور یہ بھی خیال آیا کہ چونکہ بعض آریوں کی بعض حرکات کیوجہ سے گورنمنٹ کو اس فرقہ کی نسبت کچھ شکوک و شبہات پیدا ہوگئے تھے اِسلئے غالباً یہ جلسہ ان شکوک کے ازالہ کیلئے ہے تا گورنمنٹ کو معلوم ہو کہ اب یہ آریہ قوم وُہ آریہ نہیں ہیں جو پہلے تھے بلکہ انہوں نے اس گوشمالی کے بعد بڑی تبدیلی اپنے اندر حاصل کرلی ہے اور تہذیب کو اپنا پیرایہ بنالیا ہے اور وُہ اِس جلسہ سے گورنمنٹ عالیہ کو اپنی تہذیب کا نمونہ دکھانا چاہتے ہیں۔ سو اِس خیال سے نہ صرف مجھے خوشی ہوئی بلکہ ہر ایک فرد میری جماعت کا بہت خوش تھا اور میرے عزیز ڈاکٹر میرزا یعقوب بیگ صاحب اسسٹنٹ سرجن لاہور تو گویا قسم کھانے کو اس بات کیلئے تیار تھے کہ یہ جلسہ بڑی تہذیب سے ہوگا اور انہوں نے کئی مرتبہ مجھے کہا کہ آپ آریوں کی پہلی حالت پر خیال نہ کریں۔ اب تو اُنکے اندر بڑی تبدیلی معلوم ہوتی ہے۔ اور

ط ۲

مَیں نے اُنکو کہا بھی کہ عادت کا بدلنا مشکل ہے اور تجربہ ہو چکا ہے کہ اُن کی قلموں سے بجز گند کے اور کچھ نہیں نکل سکتا اور وُہ ضرور ہمارے نبی صلّی اللہ علیہ وسلم کی اپنے مضمون میں توہین کریں گے اور قرآن شریف کا ذکر تکذیب اور ہتک کے الفاظ سے کرینگے۔ مگر ڈاکٹر صاحب موصوف مکار آریوں کے ایسے دھوکہ میں آچکے تھے کہ وُہ بار بار یہی کہتے تھے کہ وُہ زمانہ گذر گیا اور اب مَیں دیکھتا ہوں کہ اُن کی کلام میں بڑی تہذیب اور شرافت پائی جاتی ہے اور انہوں نے وعدہ کیا ہے کہ بڑی تہذیب سے یہ جلسہ ہوگا۔ در اصل مَیں تو نہ آریوں کے ملمع دار اشتہار پر اعتماد کرسکتا تھا اور نہ اُنکے انکسار کے خطوط مجھے یہ تسلّی دے سکتے تھے کہ وُہ شرافت اور تہذیب سے مضمون سُنائینگے لیکن سادہ طبع ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب کے بار بار بیان سے مَیں دھوکہ میں آگیا۔ بہرحال میں نے خطوط کے ذریعہ سے کئی سَو اپنے مُرید کو اطلاع دی کہ وُہ آریہ صاحبوں کے جلسہ پر حاضر ہوں اور اُن کو تسلّی دی کہ آریہ صاحبان بڑی شرافت اور تہذیب سے مضمون سنائینگے چنانچہ تاریخ مقررہ پر کئی سَو معزز میری جماعت کے دُور دراز ملکوں سے ہزار ہا روپیہ خرچ کرکے اُس جلسہ میں شامل ہوئے اور فی کس سہ ار کے حساب سے جلسہ کی مقررہ فیس بھی آریوں کو دی اور بہت سے روپیہ کے ساتھ اُنکا کیسہ پُر کر دیا۔ اور ہماری طرف سے جو مضمون پڑھا گیا وہ اِس کتاب کے ساتھ شامل ہے اور پڑھنے والوں کو معلوم ہوگا کہ وُہ کس تہذیب سے لکھا گیا تھا اور عجیب تر یہ بات ہے کہ جب مَیں مضمون ختم کرچکا تھا تو ساتھ ہی مجھ کو یہ الہام خدا کی طرف سے ہُوا تھا انھم ما صنعوا ھو کید ساحر۔ ولا یفلح الساحر حیث اتی۔ انت منّی بمنزلۃ النجم الثاقب۔ ترجمہ۔ آریہ لوگوں نے جو یہ جلسہ تجویز کیا ہے یہ مکّار لوگوں کی طرح ایک مکر ہے اور اسکے نیچے ایک شرارت اور بدنیتی مخفی ہے مگر فریب کرنیوالا میرے ہاتھ سے کہاں بھاگیگا؟ جہاں جائیگا مَیں اُسکو پکڑونگا اور میرے ہاتھ سے چھٹکارا نہیں پائیگا۔ تُو مجھ سے ایسا ہی ہے جیسا کہ وُہ ستارہ جو شیطان پر گرتا ہے۔

یہ وُہ خدا تعالیٰ کی پیشگوئی ہے جو اُس مضمون کے ساتھ ہی چھاپ کر اس مذہبی جلسہ میں سُنائی گئی تھی۔ اگر آریوں کے دلوں میں کچھ خدا کا خوف ہوتا اور کچھ شرافت ہوتی تو اس الہام الٰہی کو

سُنکر وُہ توہین اور تکذیب سے باز آجاتے مگر دوسرے دن جو اُنکا مضمون تھا اسمیں اُنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اسقدر توہین کی کہ سارا مضمون گالیوں سے بھرا ہوا تھا۔ اگر میری طرف سے اپنی جماعت کیلئے صبر کی نصیحت نہ ہوتی اور اگر مَیں پہلے سے اپنی جماعت کو اس طور سے تیار نہ کرتا کہ وہ ہمیشہ بدگوئی کے مقابل پر صبر کریں تو وہ جلسہ کا میدان خون سے بھر جاتا مگر یہ صبر کی تعلیم تھی کہ اُس نے اُنکے جوشوں کو روک لیا۔ آریوں نے اُن معزز لوگوں کے مُنہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیں اور اسلام کی سخت توہین کی لیکن وُہ سب معزز مُسلمان چُپ رہے۔ وُہ سخت طور پر دُکھ دیے گئے مگر اُنہوں نے دم نہ مارا صرف اتنا کیا کہ آریوں کے نوٹ بڑی احتیاط سے لکھ کر لے آئے اور مَیں نے دیکھا کہ اُنکو آریوں کے مضمون سے بڑا صدمہ پہنچا۔ خاصکر اس وجہ سے کہ گھر پر بُلا کر گالیاں دی گئیں۔ اگر اپنے طور پر کوئی کتاب شائع کرتے تو اَور بات تھی۔ اُن کے دِل پاش پاش ہو گئے۔ اور اُنکو جھوٹ بول کر دھوکہ دیا گیا۔ نہ معلوم یہ آریہ لوگ کس فطرت کے انسان ہیں۔ ہر ایک شخص دوسرے کی حالت کو اپنے پر قیاس کر سکتا ہے۔ کیا وُہ توہین جو انہوں نے مسلمانوں کو گھر پر بُلا کر اسلام کی کی۔ کیا وُہ بدزبانی جو اُنہوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بالمواجہ کی وُہ نہیں سمجھ سکتے تھے کہ ہم نے کیا کیا۔ اگر ہم اپنے مضمون میں جو اُنکے جلسہ میں سنایا گیا۔ یہی گالیاں اُنکے رشیوں کو دیتے جنکو بقول اُنکے پرمیشر کیطرف سے وید ملا تھا اور یا وید کی نسبت توہین سے پیش آتے۔ تو کیا وُہ ہمارے اس مضمون سے خوش ہوتے؟ یقیناً سمجھو کہ اُس انسان سے زیادہ تر خبیث اور ناپاک طبع کوئی نہیں ہوتا کہ جو مہمانوں کو گھر پر بُلا دے اور پھر فریب کے طور پر بہت سا روپیہ بھی وصول کر لے اور آخر گالیاں دیکر اور دِل دُکھا کر رخصت کرے۔ بعض نے آریوں میں سے مضمون سُنا چکنے کے بعد یہ بھی کہا کہ بیشک یہ مضمون جو آریوں کیطرف سے سُنایا گیا ہے یہ گندہ ہے اور اسمیں توہین اور گالیاں ہیں مگر اسکی ہمیں اطلاع نہیں تھی۔ مگر کوئی عقلمند اس عُذر کو باور نہیں کریگا کہ یہ گندہ مضمون بغیر مشورہ اِن معزز ممبروں کے سُنایا گیا تھا۔ غرض وُہ نوٹ جو بڑی احتیاط سے لکھے گئے تھے اُنہیں کی بنا پر یہ رسالہ لکھا گیا ہے جسمیں آریوں کے اعتراضات کا جواب ہے اگرچہ اُن کا رسالہ بھی مجھے پہنچ گیا ہے۔ مگر جن گندی باتوں کو ہزارہا لوگوں نے سُنا تھا اسکا جواب اس رسالہ میں دیا گیا ہے۔ ممکن ہے کہ انہوں نے اپنے مطبوعہ رسالہ میں کمی بیشی کی ہو۔ اسکو خود ناظرین پڑھ لیں گے۔ مَیں نے یہ رسالہ دو غرض سے لکھا ہے۔ (۱) ایک یہ کہ اُن اعتراضوں کا جواب پبلک کو معلوم ہو جائے۔ (۲) دُوسری یہ کہ تا مُسلمانوں کے دِلوں میں جو آریہ لوگوں کی سخت گوئی کی وجہ سے ایک جوش ہے وُہ جوش جواب تک کی بتر کی سُنکر کم ہو جائے اور شاید آریہ لوگ آئندہ شرارتوں سے باز آجائیں۔ وَالسّلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔ الراقم میرزا غلام احمدؐ قادیانی۔

۱۵ مئی ۱۹۰۸ء مطابق ۱۴ ربیع الثانی ۱۳۲۶ ہجری موافق ۱۵ بیساکھ سمت ۱۹۶۵ بکرمی

صہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

آریہ سماج کا جلسہ اور انکی شرافت کا نمونہ
اور
اُن کے وید کی تعلیم اور اُنکے وساوس کا ازالہ

آریہ سماج لاہور کا جلسہ ۴ دسمبر ۱۹۰۷ء کے بعد جو رات تھی اس میں ختم ہوگیا۔ جو لوگ ہمارے مضمون کے پڑھے جانے کے وقت حاضر تھے اُن کو معلوم ہوگا کہ کس تہذیب اور نرمی اور صلحکاری کا وہ مضمون تھا اور کس ادب سے ہم نے اُن کے رشیوں اور اوتاروں اور اُن لوگوں کے نام لئے جن کی طرف وید منسوب کئے جاتے ہیں اور جو اُن کی قوم کے پیشوا اور رہبر خیال کئے جاتے ہیں لیکن بقول شخصیکہ ہر ایک برتن سے وہی ٹپکتا ہے جو اُس کے اندر ہے۔ آریہ صاحبوں نے اپنے مضمون میں وہ گند ظاہر کیا اور اس قدر توہین اور تحقیر انبیاء علیہم السلام کی کی جو اس سے بڑھ کر متصوّر نہیں ہوسکتی۔ بالخصوص ہمارے سیّد و مولیٰ حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت وہ دلآزار اور گندے لفظ اور توہین اور تحقیر کے کلمے اور سراسر دروغ اور جھوٹی تہمتیں اور بے جا الزام جو سراسر گالیاں تھیں اس قدر

ص۲

بار بار آواز بلند سے تمام مجمع کو سنائیں جو تین ہزار آدمی سے کم نہ تھا اور ایسے طور سے سمجھا کر اپنے ناپاک اور فتنہ انگیز بیان کو ادا کیا کہ اگر پاک طبع مسلمانوں کو اپنی تہذیب کا خیال نہ ہوتا اور بموجب قرآنی تعلیم کے صبر کے پابند نہ رہتے اور اپنے غصہ کو تھام نہ لیتے تو بلاشبہ یہ بدنیت لوگ ایسی اشتعال دہی کے مرتکب ہوئے تھے کہ قریب تھا کہ وہ جلسہ کا میدان خون سے بھر جاتا۔ مگر ہماری جماعت پر ہزار آفرین ہے کہ انہوں نے بہت عمدہ نمونہ صبر اور برداشت کا دکھایا اور وہ کلمات آریوں کے جو گولی مارنے سے بدتر تھے ان کو سُنکر چپکے چپ رہ گئے۔ دراصل ہماری جماعت نے جو اُن کی دعوت جلسہ کو قبول کیا تو وہ اپنی سادگی اور نیک ظنی سے اُن کے دھوکہ میں آگئی۔ پیچھے سے پتہ لگ گیا کہ اُن کا اس جلسہ میں بلانے سے اور ہی ارادہ تھا۔ پر ان مہذب لوگوں کے صبر اور برداشت نے اس بد ارادہ کو ظاہر نہیں ہونے دیا۔ اگر آریہ لوگ بغیر انعقاد جلسہ کے اپنے طور سے کوئی کتاب لکھتے اور یہ گالیاں اس کتاب میں چھاپتے جیسا کہ سفلہ طبع لیکھرام نے اسی کام میں اپنی عمر گذاری جبتک کہ اُسکی زبان کی چھری نے اس دنیا سے اُسکو اُٹھا لیا تو یہ اور صورت تھی لیکن ان لوگوں نے تو اپنے جلسہ میں مہمان کے طور پر ہمیں مدعو کیا اور میری طرف بہ یاسات انکساری کے خط لکھے اور منافقانہ طور پر عجز و نیاز ظاہر کرکے یہ چاہا کہ ہم اس جلسہ میں شریک ہوں اور وعدہ کیا کہ کوئی بے تہذیبی نہیں ہوگی اور ہر ایک کے لئے مہذبانہ طرز کو شرط ٹھہرا دیا۔ اور مجھے ترغیب دی کہ جہاں تک ممکن ہو سکے آپ کی جماعت سُننے کیلئے آوے۔ مَیں اُن کے خطوں کے پڑھنے سے جو سراسر نرمی سے لکھے گئے تھے بہت خوش ہوا اور دل میں خیال کیا کہ اگرچہ آریہ صاحبوں کی حالت جس قدر آجتک تجربہ میں آچکی ہے وہ یہی ہے کہ بجز اپنے وید اور اس کے چار رشیوں کے باقی تمام انبیاء علیہم السلام کو نہایت سخت گالیاں دیتے اور طرح طرح کی توہین کرتے ہیں اور اس طرح پر کروڑہا مسلمانوں کے دل دُکھاتے ہیں۔ لیکن کیا تعجب کہ اب ایک تازہ تنبیہ کی وجہ سے جو اُنکے بعض افراد کی شوخیوں کی نسبت ضرورتاً گورنمنٹ کیطرف سے عمل میں آئی ہے

صفحہ ۱۲

اُن کے دل کسی قدر درست ہو گئے ہوں اور اس تنبیہ سے کسی قدر انہوں نے سبق حاصل کر لیا ہو اور صلح پسندی کی خواہش ظاہر کی ہو۔ مگر پیچھے سے معلوم ہوا کہ یہ خیال ہمارا سراسر غلط تھا۔ اور خدا تعالیٰ کے پاک نبیوں کی نسبت اُن کی بد زبانی اب پہلے سے بھی بہت بڑھ کر ہے کیونکہ پہلے کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوا کہ کسی جلسہ مذاہب میں جو اپنی طرف سے انہوں نے قائم کیا ہو مسلمانوں کو مدعو کیا ہو اور پھر عین جلسہ کے وقت میں اُن کے بزرگ اور برگزیدہ پیغمبروں کو گالیاں دی ہوں پس یہ پہلا موقعہ ہے جس میں آریوں نے اپنے مکان پر ہمیں بلا کر اور اُس مجمع میں پانسو۵۰۰ سے زیادہ مسلمان اکٹھے کر کے پھر گندی گالیوں کے ساتھ اُن کا دل دُکھایا۔ یہ وُہ واقعہ ہے جس کو وہ کسی طرح پوشیدہ نہیں کر سکتے۔

بارہا یہ امر ثابت ہو چکا ہے کہ یہ لوگ تمام برگزیدہ نبیوں کے دشمن ہیں نہ حضرت آدم کو بدگوئی سے چھوڑیں نہ حضرت نوح کو نہ حضرت ابراہیم کو نہ حضرت یعقوب کو نہ حضرت موسیٰ کو نہ حضرت داؤد کو نہ حضرت عیسیٰ کو نہ ہمارے سیّد و مولیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جیسا کہ انکی کتابوں سے ظاہر ہے مگر افسوس کہ یہ بے باکی اور بدگوئی کا تخم بدقسمت دیانند اس ملک میں لایا اور دوسرے آریہ حسب مناسبت اسکے وارث ہوئے۔ خاص کر لیکھرام پشاوری جو محض نادان اور ابلہ تھا اُس کا خاص چیلا بنا۔ خیر وُہ زمانہ تو گذر گیا مگر اسوقت مجھے بار بار افسوس آتا ہے کہ آریوں کے حال کے جلسہ میں کس قدر ہم نے نرمی اور ملائمت سے اُن کے بزرگوں کا ذکر کیا تھا جو سراسر صلحکاری سے بھرا ہوا تھا۔ اگر ان لوگوں میں ایک ذرّہ بھی حیا ہوتی اور کچھ بھی شرافت ہوتی تو مسلمانوں کے رُوبرو جو چار سو۴۰۰ کے قریب معزز اور شریف لوگ اُن کے مضمون کو سُن رہے تھے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کو مسلمانوں کے ایک مجمع کثیر کے رُوبرو اسقدر گندی گالیاں نہ دیتے کہ بجز نہایت خبیث آدمی کے کوئی شخص ایسے دلآزار اور پُر توہین الفاظ زبان پر نہیں لاسکتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ آریوں کا تکبر اور آریوں کی شوخی اور آریوں کی شرارت انتہا تک پہنچ گئی ہے اور اب وُہ خدا کی اصلاح اور اس کے آسمانی

ص۴۰ کاموں کے محتاج ہیں۔ انسانی وعظ و نصیحت ہرگز اُن کو کچھ کارگر نہ ہوگی۔ اُن کو سوچنا چاہیئے کہ اگر ہم بھی اپنے مضمون میں وہی طریق گالیوں کا اختیار کرتے اور اُن کے وید کے رشیوں کی نسبت وہی گندے اور ناپاک لفظ اس مجمع میں استعمال میں لاتے تو کیا وہ خوش ہوتے۔ اور مَیں خیال نہیں کرسکتا کہ وہ لوگ ایسے احمق اور نادان ہیں کہ اس بات کو محسوس نہیں کرسکتے کہ وہ الفاظ جو استعمال کئے گئے نہایت درجہ رنج دِہ اور جوش پیدا کرنیوالے اور خطرناک تھے نہیں نہیں بلکہ وہ ضرور محسوس کرتے ہیں مگر عمدًا چاہتے ہیں کہ دُکھ دیں اور فساد پیدا کریں عجیب تر یہ کہ اُن کے جلسہ کے پُر رونق ہونے کے لئے ہماری جماعت ہی کے بڑے بڑے معزز آدمی باعث ہوئے تھے اور انکی لاف و گزاف پر بھروسہ کرکے دُور دُور سے ریل اور یکّوں کے ہزارہا روپیہ کے اخراجات اُٹھاکر اور اپنے کاموں کا حرج کرکے اُنکے جلسہ میں شریک ہوئے تھے اور ہر ایک نے چار چار آنہ چندہ بھی ادا کیا تھا اور چونکہ وہ چار سَو کے قریب آدمی تھے اِس لئے اس جماعت کے چندوں سے بھی آریوں کو ایک سو روپیہ نقد وصول ہوگیا تھا۔ یہ تمام خرچ اور حرج ہماری جماعت نے محض اسلئے کیا تھا کہ آریوں نے اپنے ایک اشتہار کے ذریعہ سے جو ہندوستان سٹیم پریس لاہور میں چھاپا گیا تھا تمام فرقوں کو اپنے جلسہ میں بلایا تھا اور تسلّی دی تھی کہ اس جلسہ میں کوئی مضمون خلاف تہذیب نہ پڑھا جائیگا اور میری جماعت کے حاضر ہونے کیلئے خاص کر میری طرف چھ سات خط لکھے تھے جن میں محض منافقانہ طور پر بہت انکسار ظاہر کیا گیا تھا۔ مگر جب مہمانوں کے طور پر ہماری جماعت اُن کے جلسہ میں حاضر ہوئی تو آریوں کی طرف سے یہ مہمان نوازی کی گئی کہ اُنکے پیارے اور بزرگ نبی علیہ السلام کی نسبت گندی گالیاں سُنائی گئیں اور وہ لوگ آریوں کی بد زبانی سے نہایت دردمند اور زخمی دلوں کے ساتھ اپنے وطنوں کی طرف روانہ ہوئے۔

کیا یہی لوگ ہیں جو آئے دن صلح صلح کرتے ہیں۔ ہر ایک شخص جو اپنے تئیں مسلمان سمجھتا ہے اور اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے کچھ غیرت رکھتا ہے اسکو خوب یاد رہے کہ یہ

صفحہ ۵

لوگ سانپوں سے بدتر ہیں اُنکو مناسب تھا کہ اگر ہمارے انبیاء علیہم السلام کی نسبت ایسا ہی دُشنام آمیز مضمون سُنانا تھا تو وُہ یہ کہہ کر مسلمانوں کو رخصت کر دیتے کہ ہمارا مضمون ایک گندہ مضمون ہے اسلئے ہم پسند نہیں کرتے کہ آپ لوگ اس مضمون کو سُنیں۔ بلکہ انہوں نے تو اپنے مضمون کے سُنانے کے لئے بلند آواز سے سب کو کہا کہ کل آپ لوگ ہمارا مضمون ضرور آکر سُنیں اور ضرور آویں۔ مگر اُنہوں نے تہذیب کے وعدہ کو پورا نہ کیا بلکہ ۳ر دسمبر ۱۹۰۷ء کے مضمون کے بعد جو ہماری طرف سے تھا پھر جب ہماری جماعت جو چار سَو کے قریب آدمی تھے اُن کا مضمون سُننے کے لیے اُن کے جلسہ میں آئے تو اُنہوں نے نہایت بلند آواز سے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دُوسرے انبیاء علیہم السلام کو وُہ گالیاں دیں جن سے قریب تھا کہ جگر پھٹ جاتے۔ اُن میں سے کوئی نہیں کہہ سکتا کہ میری خلاف مرضی وہ مضمون عام جلسہ میں سُنا گیا تھا بلکہ کچھ شک نہیں کہ اِس پرلے درجہ کی شرارت اور بدگوئی میں وُہ سب شریک تھے اور اُن کے مشورہ سے یہ کام ہُوا تھا اور یہی وجہ تھی کہ ایسے مضمون کو انہوں نے فی الفور روک نہ دیا بلکہ اکثر اُن کے ہنستے اور اُس گندے مضمون کے پڑھنے سے بہت خوش ہوتے اور کہتے تھے کہ بہت اچھا لکھا ہے اور خوب لکھا ہے۔

یہ ہے آریہ صاحبوں کی توحید اور ویدکی سَت وِدّیا۔ جو شخص ہمارے مضمون کو پڑھے گا جو آریوں کے جلسہ میں ۳ر دسمبر ۱۹۰۷ء کی رات میں سُنایا گیا اور پھر بمقابل اُس کے اُن کے اس مضمون کو دیکھے گا جو اُنہوں نے ۴ر دسمبر ۱۹۰۷ء کی رات کو پڑھا تو اسپر واضح ہو جائیگا کہ نیکی کرنے والوں کے ساتھ اگر دُنیا میں کوئی بدی کرنے والی قوم ہے تو یہی قوم ہے۔ پادری صاحبان بھی اگرچہ خدا تعالےٰ کے مقدس اور برگزیدہ نبی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ہتک کرنے میں دن رات مشغول ہیں۔ لیکن انہوں نے اب تک کبھی ایسا نہیں کیا کہ مسلمانوں کو اپنے مکان میں مدعو کرکے اور مہذّبانہ تقریروں کا وعدہ دیکر پھر کوئی مضمون گندہ اور توہین آمیز سُنایا ہو۔ اس قسم کی شوخ چشمی اور بدزبانی اور بے باکی

صد ۶ غاص آریوں کے حصہ میں ہے مگر ہم تمام قوم کو بدنام نہیں کرتے۔ سناتن دھرم والے بھی تو قدیم آریہ ہیں جن کی کثرت کے مقابل پر یہ چھوٹا سا گروہ نئے آریوں کا کچھ بھی چیز نہیں۔ مگر ہزارہا لوگ اُن میں ایسے ہیں کہ جو شرافت سے کلام کرتے ہیں اور کسی نبی کی توہین نہیں کرتے اور بے حیائی اور بدزبانی سے پرہیز کرتے ہیں۔ مگر ان لوگوں کی نسبت کیا کہیں اور کیا لکھیں کہ بدزبانی میں حد سے بڑھ گئے ہیں + اگر پاک باطنی اور رُوحانیت کا کچھ حصہ نہیں تو آخر شرافت اور تہذیب بھی کچھ چیز ہے۔ مسلمان ان کے قدیم ہمسایہ تھے انکا دِل کھلے کھلے طور پر دُکھانا اور گالیوں کے ساتھ پیش آنا روا نہ تھا۔ اصل بات یہ ہے کہ یُوں تو یہ لوگ وید وید کرتے ہیں مگر سچی پاکیزگی اور رُوحانیت اور خدا ترسی ان کے دِلوں سے اُٹھ گئی ہے اور اخلاق فاضلہ کے عوض کینہ اور شرارت اور بُغض اور بداندیشی اور دل آزاری نے جگہ لے لی ہے جس کا انجام اچھا نہیں۔ خدا کو پسند نہیں کہ یہ بدزبانیاں اس کے پاک رسولوں کے ساتھ کی جائیں۔ ان بدقسمت ظالموں کو ایک ذرّہ حقیقت اسلام معلوم نہیں اور نہ وُہ پاک تعلیم معلوم ہے جس کو قرآن شریف لیکر آیا ہے صرف محض پادریوں کی کاسہ لیسی سے جن کا دن رات تحریف و تبدیل کام ہے دشمن اسلام ہو گئے ہیں۔

قرآنی تعلیم وہ تعلیم ہے جس کی ایک بات بھی حق اور حکمت سے باہر نہیں اور جو سراسر پاکیزگی سکھاتا ہے مگر افسوس کہ وُہ لوگ اُسکو تحقیر کی نظر سے دیکھتے ہیں جو ایک ذرّہ ذرّہ کو غیر مخلوق ہونے میں خدا کے برابر کرتے ہیں اور خدا کی نسبت یہ گمان کرتے ہیں کہ وُہ نعوذ باللہ کسی روح اور کسی ایک ذرّہ کا بھی پیدا کرنے والا نہیں اور ایسا بخیل طبع ہے جو اپنے عاشقوں اور سچے پرستاروں کے گذشتہ گناہ نہیں بخشتا اور باوجودیکہ اُسکی راہ میں کوئی جان بھی دے دے تب بھی پُرانا کینہ نکالتا ہے اور ضرور اُس کو سزا دیتا ہے پس جن کے خیالات خدا تعالےٰ کی نسبت یہ ہیں اور پھر انسانوں کے لئے یہ تعلیم ہے کہ گویا وُہ حکم دیتا ہے کہ اولاد پیدا کرنے کے لئے ایک آریہ اپنی منکوحہ بیوی کو عین اس حالت میں کہ اُس کے

مث

نکاح میں ہے دوسرے سے ہم بستر کرادے۔ بلکہ ایک مدّت دراز تک ___ دس۱ شخصوں سے ہمبستر کرا سکتا ہے۔ ایسے لوگوں سے افسوس ہی کیا ہے اگر وہ اپنے سخت الفاظ سے ہمارا دِل دُکھاویں تو ہمیں صبر کرنا چاہیئے۔ جب تک کہ ہمارا اور اُن کا خدا تعالیٰ فیصلہ کرے۔ اور اسی صبر کے لئے خدا تعالیٰ کے قرآن شریف میں یہ تعلیم ہے جیساکہ وُہ فرماتا ہے لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ؕ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ (اٰلِ عمران ع ۱۹)۱ (ترجمہ) البتہ تم اپنے مالوں اور جانوں کے بارے میں آزمائے جاؤ گے اور تم اہلِ کتاب اور مشرکوں سے بہت دل آزار باتیں سُنو گے اور اگر تم صبر کرو گے اور جوش اور اشتعال سے اپنے تئیں بچاؤ گے تو یہ بات ہمّت کے کاموں سے ہے۔

اور یاد رہے کہ آریہ صاحبوں نے جو ہمارے مضمون سے اپنے مضمون کا پڑھنا آخری دن پر رکھا تو اُن کی یہ غرض تھی کہ تا اپنے مضمون میں جہاں تک بس چل سکے ہماری کسی بات کا رَدّ لکھ دیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنے مضمون میں ایسا کرنا چاہا مگر پھر بھی اپنی پردہ دری کرائی۔ اگر وُہ بے جا حملہ نہ کرتے تو ہمیں کچھ ضرور نہ تھا کہ ہم اُن کے اس غلط بیان کا پردہ کھولتے جو انہوں نے وید کی اعلیٰ تعلیم ہونے کے بارے میں پیش کیا ہے۔ مگر اب ہمیں اُن کے جھوٹ کا پردہ کھولنے کیلئے پبلک کے آگے اس بات کو ظاہر کرنا پڑا کہ اُن کا بیان وید کی تعلیم کی نسبت کہاں تک صحیح اور راست ہے۔ اور بعد اس کے ہم اُن حملوں کا جواب دیں گے جو نادان معترض نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن شریف اور اسلام پر کئے ہیں۔ سو ہم اپنی تحریر کو دو حصوں پر منقسم کرتے ہیں ٭

---

۱ آل عمران: ۱۸۷

حصّہ اوّل

اُس بیانِ دروغ کے رَدّ میں جو وید کی حمایت میں اور اُس کی خوبیوں کے اظہار کی غرض سے کیا گیا ہے

مضمون کے سُنانیوالے نے وید کے حوالہ سے اپنے مضمون میں بڑے زور سے بیان کیا کہ پرمیشر روح اور مادّہ کا مالک ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ تو سچ ہے کہ وُہ صانع عالم جان اور اجسام کے ہر ایک ذرّہ کا مالک ہے مگر آریہ صاحبوں کے اصول کی رُو سے وُہ مالک نہیں ٹھیرتا۔ کیونکہ پرمیشر نے نہ ارواح کو پیدا کیا اور نہ ذرّاتِ عالم کو۔ بلکہ وہ یعنی رُوح اور مادّہ اپنی تمام قوتوں کے ساتھ پرمیشر کی طرح قدیم اور انادی اور اپنے اپنے وجود کے آپ ہی خدا ہیں تو پھر کیونکر پرمیشر اُن کا مالک ٹھیر سکتا ہے جن پر اُن کا کوئی بھی حق نہیں۔ کیا پرمیشر نے رُوحوں اور ذرّاتِ عالم کو اپنے پاس سے قیمت دے کر کسی سے خریدا تھا۔ کیونکہ وُہ اُن کا خالق تو نہیں۔ پس کوئی اور وجہ بیان کرنی چاہیئے جس کی وجہ سے وُہ ایسی چیزوں کا جو اُس کی طرح قدیم اور خود بخود ہیں، مالک سمجھا جائے۔ کیونکہ بلاوجہ تو ہم کسی کی نسبت نہیں کہہ سکتے کہ وُہ فلاں چیز کا مالک ہے اگر کہو کہ ملکیت پُرانے قبضہ سے بھی پیدا ہو سکتی ہے جیسا کہ قانون انگریزی کا اصول ہے۔ اور کبھی ملکیت اِس طرح بھی پیدا ہو جاتی ہے کہ ایک سلطنت دوسری سلطنت سے جنگ کر کے اُس پر غالب آجاتی ہے۔ تو اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ کیا خدا کی ملکیت کا مفہوم انسانی ملکیت کے مفہوم سے برابر ہے۔ ظاہر ہے کہ چونکہ انسان ناقص ہے اس لئے انسان اُن تمام چیزوں کو جو اپنی ملکیت ٹھیراتا ہے وُہ لفظ ملکیت بھی ناقص معنوں میں ہی لیا جاتا ہے مگر کسی چیز کو خدا تعالیٰ کی ملکیت اُن معنوں کے رُو سے قرار دینا جن معنوں سے انسان کی ملکیت

قرار دی جاتی ہے۔ یہ ایک ایسا قرارداد ہے جس کی رُو سے خدا تعالیٰ انسان کے برابر ٹھیر جاتا ہے حالانکہ انسان اُس کی کسی صفت میں اُس کے برابر نہیں ہو سکتا۔ غرض آریوں کے پاس اِس بات کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ وہ کیوں رُوح اور مادّہ کو پرمیشر کی ملکیت ٹھیراتے ہیں۔ لیکن قرآن شریف نے وید کی طرح بے وجہ اور محض زبردستی کے طور پر اللہ جلشانہ کو تمام ارواح اور ہر ایک ذرّہ ذرّہ اجسام کا مالک نہیں ٹھیرایا بلکہ اسکی ایک وجہ بیان کی ہے جیساکہ وہ فرماتا ہے لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ[1]۔ خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا[2] (ترجمہ) یعنی زمین اور آسمان اور جو کچھ اُن میں ہے سب خدا تعالیٰ کی ملکیت ہے کیونکہ وہ سب چیزیں اُسی نے پیدا کی ہیں اور پھر ہر ایک مخلوق کی طاقت اور کام کی ایک حد مقرر کر دی ہے تا محدود چیزیں ایک محدِّد پر دلالت کریں جو خدا تعالیٰ ہے سو ہم دیکھتے ہیں کہ جیساکہ اجسام اپنے اپنے حدود میں مقید ہیں اور اس حد سے باہر نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح ارواح بھی مقید ہیں اور اپنی مقررہ طاقتوں سے زیادہ کوئی طاقت پیدا نہیں کر سکتے۔ اب پہلے ہم اجسام کے محدود ہونے کے بارہ میں بعض مثالیں پیش کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ مثلاً چاند ایک مہینہ میں اپنا دورہ ختم کر لیتا ہے یعنی انتیس ۲۹ یا تیس دن تک۔ مگر سُورج تین سو چوسٹھ ۳۶۴ دن میں اپنے دورہ کو پُورا کرتا ہی اور سُورج کو یہ طاقت نہیں ہی کہ اپنے دورہ کو اِس قدر کم کر دے جیساکہ چاند کے دورہ کا مقدار ہے اور نہ چاند کی یہ طاقت ہی کہ اس قدر اپنے دورہ کے دن بڑھا دے کہ جس قدر سُورج کے لئے دن مقرر ہیں اور اگر تمام دنیا اِس بات کے لئے اتفاق بھی کر لے کہ ان دونوں نیّروں کے دوروں میں کچھ کمی بیشی کر دیں تو یہ ہرگز اُن کے لئے ممکن نہیں ہوگا اور نہ خود سُورج اور چاند میں یہ طاقت ہے کہ اپنے اپنے دوروں میں کچھ تغیّر تبدّل کر ڈالیں۔

پس وہ ذات جس نے ان ستاروں کو اپنی اپنی حد پر ٹھیرا رکھا ہے یعنی جو ان کا محدِّد اور حد باندھنے والا ہے وُہی خدا ہے۔ ایسا ہی انسان کے جسم اور ہاتھی کے جسم

[1] الحدید: ۳ [2] الفرقان: ۳

صفحہ ۱ میں بڑا فرق ہے اگر تمام ڈاکٹر اس بات کے لئے اکٹھے ہوں کہ انسان اپنی جسمانی طاقتوں اور جسم کی ضخامت میں ہاتھی کے برابر ہو جاوے تو یہ اُن کے لئے غیر ممکن ہے۔ اور اگر یہ چاہیں کہ ہاتھی محض انسان کے قد تک محدود رہے تو یہ بھی اُن کے لئے غیر ممکن ہے پس اس جگہ بھی ایک تحدید ہے یعنی حد باندھنا۔ جیساکہ سُورج اور چاند میں ایک تحدید ہے اور وہی تحدید ایک محدّد یعنی حد باندھنے والے پر دلالت کرتی ہے یعنی اس ذات پر دلالت کرتی ہے جس نے ہاتھی کو وہ مقدار بخشا اور انسان کیلئے وہ مقدار مقرر کیا۔ اور اگر غور کر کے دیکھا جائے تو ان تمام جسمانی چیزوں میں عجیب طور سے خدا تعالیٰ کا ایک پوشیدہ تصرّف نظر آتا ہے اور عجیب طور پر اس کی حد بندی مشاہدہ ہوتی ہے۔ اُن کیڑوں کی مقدار سے لے کر جو بغیر دُوربین کے دکھائی نہیں دے سکتے۔ اُن بڑی بڑی مچھلیوں کی مقدار تک جو ایک بڑے جہاز کو بھی چھوٹے سے لقمہ کی طرح نگل سکتی ہیں حیوانی اجسام میں ایک عجیب نظارہ حد بندی کا نظر آتا ہے کوئی جانور اپنے جسم کی رُو سے اپنی حد سے باہر نہیں جاسکتا۔ ایسا ہی وہ تمام ستارے جو آسمان پر نظر آتے ہیں اپنی اپنی حد سے باہر نہیں جاسکتے۔ پس یہ حد بندی دلالت کر رہی ہے کہ درپردہ کوئی حد باندھنے والا ہے۔ یہی معنی اس مذکورہ بالا آیت کے ہیں کہ خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا۔[1]

اب واضح ہو کہ جیساکہ یہ حد بندی اجسام میں پائی جاتی ہے ایسا ہی یہ حد بندی ارواح میں بھی ثابت ہے۔ تم سمجھ سکتے ہو کہ جس قدر انسانی روح اپنے کمالات ظاہر کرسکتا ہے یا یُوں کہو کہ جس قدر کمالات کی طرف ترقی کرسکتا ہے وُہ کمالات ایک ہاتھی کی رُوح کو باوجود ضخیم اور جسیم ہونے کے حاصل نہیں ہوسکتے۔ اِسی طرح ہر ایک حیوان کی رُوح بلحاظ اپنی قوتوں اور طاقتوں کے اپنے نوع کے دائرہ کے اندر محدود ہے اور وہی کمالات حاصل کر سکتے ہیں کہ جو اُسکے نوع کے لئے مقرر اور مقدر ہیں۔ پس جس طرح اجسام کی حد بندی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اُن کا کوئی حد باندھنے والا اور خالق ہے۔ اسی طرح ارواح کی طاقتوں

[1] الفرقان : ۳

حاشیہ ۱۱

کی حد بندی اِس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ اُن کا بھی کوئی خالق اور حد باندھنے والا ہے۔ اور اس جگہ تناسخ کا لغو اور بیہودہ جھگڑا پیش کرنا خدا تعالیٰ کے کاموں میں اختلاف ڈالنا ہے کیونکہ عقل صریح شہادت دیتی ہے کہ یہ دونوں حد بندیاں ایک ہی انتظام کے ماتحت ہیں اور ان دونوں حد بندیوں سے ایک ہی مقصود ہے اور وُہ یہ کہ تا حد بندی سے حد باندھنے والے کا پتہ لگ جائے اور تا معلوم ہو جائے کہ جیسا کہ وہ اجسام کا خالق اور حد باندھنے والا ہے ایسا ہی وُہ ارواح کا خالق اور حد باندھنے والا ہے۔

پس آریہ صاحبوں کی یہ عجیب چالاکی ہے کہ دراصل تو وُہ پرمیشر کو مالک ہونے سے جواب دیتے ہیں اور ہر ایک رُوح اور ذرّہ کو خود بخود سمجھتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ وہ ہر ایک چیز کا مالک ہے۔ مالک تو تب ہو تا کہ ہر ایک کی حد بندی کرنے والا وہی ٹھیرتا۔ اور ہم پھر کہتے ہیں کہ حیوانات کی طاقتوں اور قوتوں کی تفاوت کا سبب تناسخ اور آواگون کو قرار دینا خدائے حکیم کے علم اور سنّتِ قدیمہ کو ضائع کرنا اور اس کی وحدت نظامی کو درہم و برہم کرنا ہے۔ جس حالت میں تم مثلاً ستاروں اور سُورج اور چاند پر نظر ڈال کر اپنے مُنہ سے اقرار کرتے ہو کہ وہ تفاوت جو ان ستاروں کی قوت اور طاقت اور تمام لوازم میں واقع ہے وُہ کسی تناسخ اور آواگون کا موجب نہیں بلکہ حکمت اور مصلحت الٰہیّہ نے یہی چاہا۔ تا ہر ایک چیز اپنی اپنی حد بندی کی رُو سے حد باندھنے والے پر دلالت کرے اور اس طرح اس غیب الغیب اور وراء الوراء پر ایک دلیل قائم ہو جائے تو پھر کیوں اُسی مُنہ سے وُہ تفاوت جو حیوانات میں پایا جاتا ہے۔ اس کو تم تناسخ اور آواگون کی طرف کھینچ کر لے جاتے ہو۔ یا تو یہ مان لو کہ کل تفاوت اور باہمی فرق طاقتوں اور قوتوں اور خاصیتوں کا جو آسمان کے ستاروں اور زمین کے جمادات نباتات حیوانات میں پایا جاتا ہے ان سب کا سبب تناسخ اور آواگون ہے اور یا یہ مان لو کہ یہ تمام تفاوت اور مختلف قسم کی حد بندیاں تمام عالم کی چیزوں میں خواہ وہ حیوانات ہیں یا غیر حیوان یہ صرف اسی وجہ سے ہیں کہ تا ان حد بندیوں سے ایک ذات حد باندھنے

ص۱۲

والے کا پتہ لگ جائے یہ کیا حماقت ہے کہ ان حد بندیوں کی دلیل بیان کرنے کے وقت ایک جگہ کچھ بیان ہے اور دُوسری جگہ اس کے مخالف بیان ہے اس قسم کا تناقض خدا کے کلام میں نہیں ہوسکتا۔ اور جو کلام اس تناقض کو پیش کرے اس کی ردّ اور کھنڈن کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی وحدت نظامی کے برخلاف ہے۔ بھلا ہمیں بتاؤ کہ کیا وید میں وحدت نظامی کی تعلیم پائی جاتی ہے یعنی یہ کہ وہ تمام تفاوت قوتوں اور طاقتوں اور خاصیتوں کا جو ستاروں اور دُوسری نباتات اور روحوں کی قوتوں میں پایا جاتا ہے ازرُوئے تعلیم وید وہ محض اسلئے ہی کہ تا وہ مختلف طور کی حد بندی کہ جو ان تمام چیزوں کی قوتوں اور طاقتوں اور اجسام کی شکلوں اور رنگوں اور مقداروں میں پائی جاتی ہے ایک حد بست کرنے والے پر بختہ اور کامل دلیل ہو۔ یاد رہے کہ انسان کو صرف خدا کی شناخت کیلئے پیدا کیا گیا ہے پس اگر یہ نظام عالم کا اِس طرح پر واقع ہو کہ خدا کے وجود پر دلالت نہ کرے تو تمام مصنوعات کا ایک فضول وجود ہوگا جس پر نظر ڈالنے سے ہم اپنے خدا کو شناخت نہیں کرسکتے۔ پس فقط اسی حالت میں خدا تعالیٰ کی شناخت کیلئے یہ نظام عالم مفید ہوسکتا ہے جبکہ اس کی وحدت نظامی پر نظر کرکے خدا تعالیٰ کے وجود پر دلیل قائم ہوسکے اور وہ صورت صرف یہی صورت ہے کہ اجسام اور حیوانات میں جو جو تفاوت مقدار اور طاقت اور قوت میں پایا جاتا ہے اعمال کا نتیجہ نہ سمجھا جائے بلکہ یہ تمام امور خدا کی ذات پر استدلال کرنے کے لئے اُسکے قدرتی کام سمجھے جائیں اور یہ تمام حد بندی اس کی محض اس ارادہ سے اور اس غرض سے سمجھی جائے کہ تا اس قادر کے وجود پر جو حد باندھنے والا ہے ایک دلیل ہو۔ اور تا اسکی مخلوقات کو محض اُس کی صنعت قرار دیکر اس پہلو سے بھی اسکے وجود پر دلیل قائم ہوسکے کہ اُس نے نہ تناسخ کی مجبوری سے بلکہ خود عمدًا ارادہ کیا ہے کہ انسان کی نسل زمین پر پھیلے اور جو کچھ انسانی وجود کے لئے آرام اور راحت اور دوا اور غذا کے لئے ضروریات ہیں سب اس کیلئے مہیّا ہوں اگر ایسا سمجھا جائے تو بلاشبہ یہ تمام چیزیں اس کے وجود پر دلالت کرتی ہیں جیسا کہ کسی نے کہا ہے ؎

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

ص۱۳ لیکن اگر یہ تمام چیزیں جن سے انسان فائدہ اٹھاتا ہے یا جن پر بقائے نسل موقوف ہے محض اتفاقی طور پر تناسخ کے ذریعہ سے پیدا ہوگئی ہیں تو پھر یہ چیزیں خدا کے وجود پر ہرگز دلالت نہیں کریں گی۔ کیونکہ وہ تناسخ کی مختلف ہواؤں سے اختلاف پذیر ہو کر ایک نظام کے شیرازہ میں منضبط نہیں رہیں گی اور اس صورت میں انسانی آرام و آسائش کیلئے ان چیزوں پر بھروسہ کرنا نہایت خطرناک ہوگا۔ مثلاً اگر یہ بات سچ ہے کہ نوع انسان میں سے جو بعض مرد ہیں اور بعض عورت یہ اختلاف آواگون یعنی تناسخ کی شامت سے ہے تو اس صورت میں امان اٹھ جاتا ہے کیونکہ ممکن ہے کہ بعض زمانوں میں انسانوں کے ایسے اعمال واقع ہوں کہ کوئی روح اعمال کی رو سے مرد بننے کے لائق ہی نہ ہو۔ یا کوئی روح عورت بننے کے لائق نہ ہو۔ اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ بعض ضروری چیزیں کہ جو انسان کی خوراک یا آرام اور آسائش کے لئے ضروری ہیں جیسے گائے بیل گھوڑے وغیرہ۔ وہ بباعث نہ ہونے اعمال تناسخ کے زمین پر سے مفقود ہو جائیں یعنی نوع انسان سے ایسے اعمال ہی ظہور میں نہ آئیں جن کی وجہ سے اُن کو گائے یا بیل گھوڑا بننا پڑے۔ پس ظاہر ہے کہ اگر یہ تمام چیزیں جو انسانی زندگی کے لئے ضروری ہیں اُن کا وجود محض اتفاقی ہوتا تو یہ سلسلہ کبھی نہ کبھی ٹوٹ جاتا اور نہ اس سلسلہ کو خدا کے وجود پر کوئی دلالت رہتی۔

اِس تمام تقریر سے ظاہر ہے کہ آریوں کے اصول کی رُو سے خدا تعالیٰ اُن تمام مختلف اشکال کے حیوانات کا حقیقی مالک نہیں ہے اور نہ اس کے اپنے ارادہ اور خواہش سے یہ مختلف اشکال کے حیوان زمین پر پیدا ہو گئے ہیں اور نہ اس کی مصلحت اور حکمت کی رُو سے اُنکا وجود زمین پر ضروری ہے بلکہ اُن تمام حیوانات کا زمین پر ہونا یا نہ ہونا صرف اُن اعمال پر موقوف ہے جو تناسخ کے چکر میں ڈالتے ہیں اور جبکہ ان چیزوں میں سے کسی چیز کو اپنی ذات میں دوام نہیں ہو سکتا بلکہ ہر ایک حیوان کا وجود وابستۂ تناسخ ہے تو اس صورت میں ایسی چیزوں کو جو محض تناسخ کی وجہ سے ظہور پذیر ہیں کیونکر خدا تعالیٰ کے وجود پر دلالت ہو سکتی ہے۔

صفحہ ۱۴۱

اور کیونکر عقل تسلیم کر سکتی ہے کہ ہر ایک حیوان کی تناسخی صورت ہمیشہ دنیا میں رہے گی۔ اگر کہو کہ ان تمام حیوانات کا مجموعہ ابتداء سے چلا آتا ہے اور یہی دلیل انکی آئندہ کے بقاء پر ہے تو ہم کہتے ہیں کہ یہ دلیل تو ہمارے لئے ہے نہ تمہارے لئے۔ کیونکہ جبکہ بقول تمہارے کروڑہا برسوں بلکہ کروڑہا اربوں سے گائیاں زمین پر چلی آتی ہیں اور ایسا ہی گھوڑے اور ایسا ہی مرد اور عورتیں بھی۔ پس اگر محض تناسخ کے اتفاقی اسباب سے ان چیزوں کا وجود ہوتا تو کبھی نہ کبھی بہت سی چیزیں ان میں سے مفقود بھی ہو جاتیں اور کبھی ایسا بھی اتفاق ہوتا کہ مرد ہی پیدا ہوتے یا محض عورتیں ہی پیدا ہوتیں۔ اب خلاصہ کلام یہ کہ آریوں کے عقیدۂ تناسخ کے رُو سے اُن کا پرمیشر اس دُنیا کا مالک نہیں ٹھہر سکتا۔

یاد رہے کہ کوئی آریہ اپنی وید کی تعلیم کے رُو سے نہیں کہہ سکتا کہ ارواح اور ذرّات پرمیشر کی ملکیت ہیں اور وہ اُن کا مالک ہے بلکہ آریوں کا اقرار ہے کہ پرمیشر رُوحوں کی طاقتوں اور قوتوں اور خواص میں دخل دینے سے بکلّی قاصر اور عاجز ہے۔ کیونکہ پرمیشر اُن کا خالق نہیں اور رُوحوں کی تمام طاقتیں اور قوتیں قدیم سے خود بخود ہیں اور ہر ایک رُوح اپنے وجود کا آپ ہی پرمیشر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نہ رُوحیں پرمیشر کے لئے ایک پیدا کردہ ملکیت کی طرح ہیں اور نہ پرمیشر کا اُن پر مالکانہ اختیار نافذ ہے۔ ہاں حاکمانہ اختیار ہے یعنی حکام کی طرح اُن کو اعمال کی جزا سزا دیتا رہتا ہے۔ پس اگر پرمیشر کو رُوحوں اور ذرّات کی طرف کچھ نسبت ہے تو وہ صرف اِس طور کی نسبت ہے جو ایک بادشاہ کو اپنی رعیت کی طرف ہوتی ہے لیکن مالکانہ رنگ میں پرمیشر کو رُوحوں اور ذرّات سے کچھ بھی نسبت اور تعلق اور واسطہ نہیں ہے کیونکہ ہر ایک انسان سمجھ سکتا ہے کہ پُورے طور پر مالک وہ ہوتا ہے جو اپنی ملکیت پر پُورا پورا اختیار رکھتا ہو مثلاً کسی کے پاس کسی قدر اپنی ملکیت کی زمین ہے تو وُہ اختیار رکھتا ہے کہ چاہے تو اُس زمین پر پاخانہ بناوے یا روٹی پکانے کی جگہ بناوے۔ پس مالک کے مقابل پر وُہ جو اُس کا مملوک ہے

یعنی بندہ ہے کوئی حق پیش نہیں کر سکتا اور انصاف جوئی کی بناء پر کوئی اس سے مطالبہ نہیں کر سکتا۔

یاد رہے کہ مالک ایک ایسا لفظ ہے جس کے مقابل پر تمام حقوق مسلوب ہو جاتے ہیں اور کامل طور پر اطلاق اس لفظ کا صرف خدا پر ہی آتا ہے کیونکہ کامل مالک وُہی ہے۔ جو شخص کسی کو اپنی جان وغیرہ کا مالک ٹھہراتا ہے تو وُہ اقرار کرتا ہے کہ اپنی جان اور مال وغیرہ پر میرا کوئی حق نہیں اور میرا کچھ بھی نہیں سب مالک کا ہے اِس صورت میں اپنے مالک کو یہ کہنا اس کے لئے ناجائز ہو جاتا ہے کہ فلاں مالی یا جانی معاملہ میں میرے ساتھ انصاف کر۔ کیونکہ انصاف حق کو چاہتا ہے اور وُہ اپنے حقوق سے دست بردار ہو چکا ہے۔ اِسی طرح انسان نے جو اپنے مالک حقیقی کے مقابل پر اپنا نام بندہ رکھایا اور اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَيۡهِ رٰجِعُوۡنَ[1] کا اقرار کیا یعنی ہمارا مال۔ جان۔ بدن۔ اولاد سب خدا کی مِلک ہے۔ تو اِس اقرار کے بعد اس کا کوئی حق نہ رہا جس کا وُہ خدا سے مطالبہ کرے۔ اِسی وجہ سے وہ لوگ جو درحقیقت عارف ہیں باوجود صدہا مجاہدات اور عبادات اور خیرات کے اپنے تئیں خدا تعالیٰ کے رحم پر چھوڑتے ہیں اور اپنے اعمال کو کچھ بھی چیز نہیں سمجھتے اور کوئی دعویٰ نہیں کرتے کہ ہمارا کوئی حق ہے یا ہم کوئی حق بجالائے ہیں۔ کیونکہ درحقیقت نیک وُہی ہے جس کی توفیق سے کوئی انسان نیکی کر سکتا ہے اور وہ صرف خدا ہے۔ پس انسان کسی اپنی ذاتی لیاقت اور ہُنر کی وجہ سے خدا تعالےٰ سے انصاف کا مطالبہ ہرگز نہیں کر سکتا۔ قرآن شریف کی رُو سے خدا کے کام سب مالکانہ ہیں جس طرح کبھی وُہ گناہ کی سزا دیتا ہے۔ ایسا ہی وہ کبھی گناہ کو بخش بھی دیتا ہے یعنی دونوں پہلوؤں پر اس کی قدرت نافذ ہے۔ جیسا کہ مقتضائے مالکیت ہونا چاہیئے۔ اور اگر وہ ہمیشہ گناہ کی سزا دے تو پھر انسان کا کیا ٹھکانہ ہے بلکہ اکثر وُہ گناہ بخش دیتا ہے اور تنبیہ کی غرض سے کسی گناہ کی سزا بھی دیتا ہے۔ تا غافل انسان متنبہ ہو کر اس کی طرف متوجہ ہو جیسا کہ قرآن شریف میں یہ آیت ہے۔ مَاۤ اَصَابَكُمۡ

[1] البقرۃ: ۱۵۷

۱۶۱ مِّنْ مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُوا عَنْ كَثِيرٍ[1] دیکھو سورۃ الشوریٰ (ترجمہ) اور جو کچھ تمہیں کچھ مصیبت پہنچتی ہے پس تمہاری بداعمالی کے سبب سے ہے اور خدا بہت سے گناہ بخش دیتا ہے۔ اور کسی گناہ کی سزا دیتا ہے۔ اور پھر اسی سورت میں یہ آیت بھی ہے۔

وَهُوَ الَّذِي يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَعْفُوا عَنِ السَّيِّئَاتِ[2]۔

یعنی تمہارا خدا وہ خدا ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور انکی بدیاں ان کو معاف کر دیتا ہے۔ کسی کو یہ دھوکا نہ لگے کہ قرآن شریف میں یہ آیت بھی ہے۔ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ[3]۔ یعنی جو شخص ایک ذرہ بھی شرارت کریگا وہ اسکی سزا پائیگا۔ پس یاد رہے کہ اس میں اور دوسری آیات میں کچھ تناقض نہیں۔ کیونکہ اس شر سے وہ شر مراد ہے جس پر انسان اصرار کرے اور اس کے ارتکاب سے باز نہ آوے اور توبہ نہ کرے۔ اسی غرض سے اس جگہ شر کا لفظ استعمال کیا ہے نہ ذنب کا۔ تا معلوم ہو کہ اس جگہ کوئی شرارت کا فعل مراد ہے جس سے شریر آدمی باز آنا نہیں چاہتا۔ ورنہ سارا قرآن شریف اس بارہ میں بھرا پڑا ہے کہ ندامت اور توبہ اور ترکِ اصرار اور استغفار سے گناہ بخشے جاتے ہیں بلکہ خدا تعالیٰ توبہ کرنے والوں سے پیار کرتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمایا ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ[4]۔

یعنی اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں سے پیار کرتا ہے اور نیز اُن لوگوں سے پیار کرتا ہے کہ جو اس بات پر زور لگاتے ہیں کہ کسی طرح گناہ سے پاک ہو جائیں۔ غرض ہر ایک بدی کی سزا دینا خدا کے اخلاق عفو اور درگذر کے برخلاف ہے کیونکہ وہ مالک ہے نہ صرف ایک مجسٹریٹ کی طرح جیسا کہ اُس نے قرآن شریف کی پہلی سورت میں ہی اپنا نام مَالِك رکھا ہے اور فرمایا کہ

مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ[5]

یعنی خدا جزا سزا دینے کا مالک ہے اور ظاہر ہے کہ کوئی مالک مالک نہیں کہلا سکتا جب تک دونوں پہلوؤں پر اس کو اختیار نہ ہو یعنی چاہے تو پکڑے اور چاہے تو چھوڑ دے پھر ایک اور

[1] الشوریٰ: ۳۱ [2] الشوریٰ: ۲۶ [3] الزلزال: ۹ [4] البقرۃ: ۲۲۳ [5] الفاتحہ: ۴

جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ عَذَابِیْ اُصِیْبُ بِہٖ مَنْ اَشَآءُ وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ۔[۱] یعنی عذاب تو میرا خاص صورتوں میں ہے جس کو چاہتا ہوں دیتا ہوں مگر میری رحمت ہر ایک چیز تک پہنچ رہی ہے۔ اور پھر سورۃ آل عمران میں خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں کو یہ دُعا سکھلائی ہے اور وُہ یہ ہے رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِیْٓ اَمْرِنَا[۲] یعنے اے ہمارے خدا ہمارے گناہ بخش اور جو اپنے کاموں میں ہم حد سے گذر جاتے ہیں وُہ بھی معاف فرما۔ پس ظاہر ہے کہ اگر خدا گناہ بخشنے والا نہ ہوتا تو ایسی دُعا ہرگز نہ سکھلاتا اور پھر سُورۃ البقرہ کے آخر میں خدا تعالیٰ نے مندرجہ ذیل دُعا سکھلائی ہے اور وُہ یہ ہے رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِیْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَیْنَآ اِصْرًا کَمَا حَمَلْتَہٗ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَۃَ لَنَا بِہٖ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا الخ[۳]

یعنی اے ہمارے خدا نیک باتوں کے نہ کرنے کی وجہ سے ہمیں مت پکڑ جن کو ہم بھول گئے اور بوجہ نسیان ادا نہ کر سکے اور نہ اُن بدکاموں پر ہم سے مؤاخذہ کر جن کا ارتکاب ہم نے عمدًا نہیں کیا بلکہ سمجھ کی غلطی واقع ہوگئی اور ہم سے وُہ بوجھ مت اُٹھوا جس کو ہم اُٹھا نہیں سکتے اور ہمیں معاف کر اور ہمارے گناہ بخش اور ہم پر رحم فرما۔ پس اس جگہ بھی خدا تعالیٰ نے یہی دُعا سکھلائی ہے کہ ہم اُس سے گناہوں کی معافی مانگیں۔ پھر سورہ آل عمران میں فرمایا ہے وَالَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَۃً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَہُمْ ذَکَرُوا اللّٰہَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِہِمْ وَمَنْ یَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰہُ وَلَمْ یُصِرُّوْا عَلٰی مَا فَعَلُوْا وَھُمْ یَعْلَمُوْنَ۔ اُولٰٓئِکَ جَزَآؤُھُمْ مَّغْفِرَۃٌ مِّنْ رَّبِّہِمْ الخ[۴]

اور وہ لوگ کہ جب کوئی بے حیائی کا کام کریں یا اپنی جانوں پر ظلم کریں اور پھر اپنے ایسے حال

[۱] الاعراف: ۱۵۷ [۲] آل عمران: ۱۴۸ [۳] البقرۃ: ۲۸۷ [۴] آل عمران: ۱۳۶-۱۳۷

صـــ ۱۸ میں اللہ تعالیٰ کو یاد کریں اور اُس سے اپنے گناہوں کی بخشش مانگیں اور اپنے گناہ پر اصرار نہ کریں اُن کا خدا آمرزگار ہوگا اور گنہ بخش دیگا۔

پس ان تمام آیتوں سے ظاہر ہے کہ جیسے خدا انسان کا اس طور سے مالک ہے کہ اگر چاہے تو اُس کے گناہ پر اُس کو سزا دے۔ ایسا ہی اس طور سے بھی اُس کا مالک ہے کہ اگر چاہے تو اُس کا گناہ بخش دے کیونکہ ملکیت تبھی متحقق ہوتی ہے کہ جب مالک دونوں پہلوؤں پر قادر ہو۔ بلکہ ان تمام آیات سے بڑھ کر ایک اَور آیت ہے اور وُہ یہ ہے:۔ قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا[1] یعنی اے وُہ لوگو جنہوں نے اسراف کیا یعنی گناہ کیا۔ تم خدا کی رحمت سے نو امید مت ہو وُہ تمہارے سارے گناہ بخش دے گا یعنی وُہ اس بات سے مجبور اور عاجز نہیں کہ گنہ گار کو بغیر سزا دینے کے چھوڑ دے۔ کیونکہ وُہ اس کا مالک ہے اور مالک کو ہر ایک اختیار ہے۔ یہ تو وُہ قادر اور کریم خدا ہے جس کو قرآن شریف نے ہم پر ظاہر کیا۔ اور اس کے کرم اور عفو کی صفتیں ہمیں سُنائیں۔ لیکن آریوں کا پرمیشر اپنی حیثیت کی رُو سے ایک مجسٹریٹ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا جو جُرم اور عدم جُرم کی بنا پر سزا دیتا یا بری کرتا ہے مالکانہ اختیار اُسکو کچھ بھی حاصل نہیں۔ یہاں تک کہ نعوذ باللہ وُہ انسان سے بھی گیا گذرا ہے۔ مثلاً ہم اپنے خطا کار نوکر کا گنہ بخش سکتے ہیں مگر آریوں کا پرمیشر اپنے کسی گنہ گار کا گنہ بخش نہیں سکتا۔ ایسا ہی ہم اپنے نوکر کی خدمات کے علاوہ جس قدر چاہیں بطور جُود و احسان اُس کو دے سکتے ہیں مگر آریوں کا پرمیشر اپنے پرستار کو اُس کے حق واجب سے زیادہ کچھ بھی نہیں دے سکتا۔ اسی وجہ سے وُہ دائمی مکتی نہیں دے سکتا۔

پنڈت دیانند کی ستیارتھ پرکاش اُردو کے صفحہ ۵۰۱ میں لکھا ہے کہ پرمیشر کسی کا گناہ بخش نہیں سکتا ایسا کرے تو بے انصاف ٹھہرتا ہے۔ پس اُس نے مان لیا ہے کہ پرمیشر محض ایک جج کی طرح ہے مالکانہ حیثیت اُس کو حاصل نہیں۔ ایسا ہی پنڈت

[1] الزمر : ۵۴

دیانند نے اپنی کتاب ترجمہ شدہ کے صفحہ ۱۰۵ میں لکھا ہے کہ پرمیشر محدود افعال کا ثمرہ غیر محدود نہیں دے سکتا۔ پس ظاہر ہے کہ اگر وہ مالکانہ اختیار رکھتا ہے تو محدود خدمت کے عوض میں غیر محدود ثمرہ دینے میں اس کا کیا حرج ہے کیونکہ مالک کے کاموں کے ساتھ انصاف کو کچھ تعلق نہیں۔ ہم بھی اگر کسی مال کے مالک ہو کر سوالیوں کو کچھ دینا چاہیں تو کسی سوالی کا حق نہیں کہ یہ شکایت کرے کہ فلاں شخص کو زیادہ دیا اور مجھے کم دیا۔ اِسی طرح کسی بندہ کا خدا تعالےٰ کے مقابل پر حق نہیں کہ اُس سے انصاف کا مطالبہ کرے۔ کیونکہ جس حالت میں جو کچھ بندہ کا ہے وہ سب کچھ خدا کا ہے۔ تو نہ تو یہ بندہ کا حق ہے کہ انصاف کی رُو سے اُس سے فیصلہ چاہے اور نہ خدا کی یہ شان ہے کہ اپنی مخلوق کا یہ مرتبہ تسلیم کرلے کہ وہ لوگ اُس سے اپنے حقوق کا مطالبہ کرنے کیلئے مجاز ہیں۔ پس درحقیقت جو کچھ خدا تعالیٰ بندہ کو اُس کے اعمال کی جزا میں دیتا ہے وہ اُس کا محض انعام اکرام ہے ورنہ اعمال کچھ چیز نہیں بغیر خدا کی تائید اور فضل کے اعمال کب ہو سکتے ہیں۔ پھر ماسوا اس کے جب ہم خدا کے قانون قدرت کی طرف نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں صاف معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالےٰ نے جو کچھ اپنے بندوں کے لئے مہیا کیا ہے یا کرتا ہے وہ دو قسم کی بخشش ہے۔

ایک تو اس کے وہ انعام اکرام ہیں جو انسانوں کے وجود سے بھی پہلے ہیں۔ اور ایک ذرّہ انسانوں کے عمل کا اُن میں دخل نہیں جیسا کہ اُس نے انسانوں کے آرام کیلئے سورج چاند۔ ستارے۔ زمین۔ پانی۔ ہوا۔ آگ وغیرہ چیزیں پیدا کی ہیں اور کچھ شک نہیں کہ ان چیزوں کو انسانوں کے وجود اور ان کے عملوں پر تقدم ہے اور انسان کا وجود انکے وجود کے بعد ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کی وہ رحمت کی قسم ہے جس کو قرآنی اصطلاح کی رُو سے رحمانیت کہتے ہیں یعنے ایسی جُود و عطا جو بندہ کے اعمال کی پاداش میں نہیں بلکہ محض فضل کی راہ سے ہے۔

دوسری قسم رحمت کی وہ ہے جس کو قرآنی اصطلاح میں رحیمیت کہتے ہیں۔ یعنی

صفحہ ۱۹

وہ انعام اکرام جو بنام نہاد پاداش اعمال حسنہ انسان کو عطا ہوتا ہے۔ پس جبکہ خدا نے اپنی فیاضانہ مالکیت کا وہ نمونہ دکھلایا کہ عاجز بندوں کیلئے زمین و آسمان اور چاند سورج وغیرہ بنا دئیے۔ اُس وقت میں جبکہ بندوں اور اُنکے اعمال کا نام و نشان نہ تھا کیا اسکی نسبت یہ گمان کر سکتے ہیں کہ وہ بندوں کا مدیون ہو کر صرف اُنکے حقوق ادا کرتا ہے اس سے بڑھ کر نہیں؟ کیا بندوں کا کوئی حق تھا کہ وہ اُن کے لئے زمین و آسمان بناتا اور ہزاروں چمکتے ہوئے اجرام آسمان پر اور ہزارہا آرام اور راحت کی چیزیں زمین پر مہیا کرتا۔ پس اس فیاض مطلق کو محض ایک جج کی طرح فقط انصاف کرنے والا قرار دینا اور اسکے مالکانہ مرتبہ اور شان سے انکار کرنا کس قدر کفران نعمت ہے۔ اور اگر کہو کہ ہم اُسکو مالک سمجھتے ہیں تو اس کا یہی جواب ہے کہ تم جھوٹ بولتے ہو۔ تم ہرگز اُس کو مالک نہیں سمجھتے۔ یہ صرف دکھلانے کے دانت ہیں جو تم دکھلا رہے ہو۔ مالک اُسی کو کہتے ہیں کہ دونوں پہلوؤں سزا اور درگذر اور عطا اور ترک عطا پر قادر ہو۔ پس کہاں تم اپنے پرمیشر کو ایسا سمجھتے ہو۔ بلکہ بقول تمہارے پرمیشر ان دونوں پہلوؤں پر ہرگز قادر نہیں اور اس کی مخلوق اس سے اپنے حقوق کا ایسا ہی مطالبہ کر سکتی ہے جیسا کہ ایک قرضخواہ اپنے قرضدار سے۔ اور وہ کسی کا گناہ نہیں بخش سکتا۔ اور جب تم نے اس کا نام بمقابلہ مخلوقات کے منصف رکھا تو بتلاؤ کہ منصف کے مفہوم میں یہ بات داخل ہے یا نہیں؟ کہ وہ لوگوں کے حقوق اپنے ذمہ تسلیم کرے اور ہر ایک فرد بشر اپنے حق واجب کا اُس سے مطالبہ کر سکے اور پھر اگر حقوق کو ادا نہ کرے تو ظالم کہلاوے۔ اور ظاہر ہے کہ جب یہ تسلیم کیا گیا کہ پرمیشر کو اپنے بندوں کے مقابل پر منصف سے بڑھ کر اور کوئی حیثیت نہیں تو پھر پرمیشر مخلوقات کا مالک نہ ٹھیرا کیونکہ جیسا کہ ہم کئی دفعہ بیان کر چکے ہیں مالک کے مقابل پر مملوک کا کوئی حق نہیں ہوتا لیکن ابھی ہم بیان کر چکے ہیں کہ خدا کا مالک ہونا ثابت ہوتا ہے کیونکہ جو کچھ اُس نے ہزارہا قسم کی نعمتیں انسان کو دی ہیں یہاں تک کہ زمین کی چیزیں اور آسمان کے روشن اجرام اسکے لئے بنائے ہیں یہ تمام

۲۱

اس کا جُود و احسان ہے کسی حق کے ادا کرنے کے لئے نہیں۔
واضح ہو کہ وُہ تعلیم جو وید کی طرف منسوب کی جاتی ہے بڑی بھاری غلطی اُس کی یہی ہے کہ پرمیشر کو صرف ایک منصف تصوّر کرکے مخلوقات کے حقوق کا اُس کے سر پر بوجھ ڈالا گیا ہے اور دُوسری طرف خواہ نخواہ یہ قرار دیا گیا ہے کہ مخلوقات بھی اپنے حق سے زیادہ کسی عطا اور جود کی مستحق نہیں ہے۔ یہ ہے وید وِدّیا جس پر آریوں کو بڑا ناز ہے۔ ایک قدیم زمانہ وید کا جو اس کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اگر فرض بھی کر لیں کہ وُہ اتنا لمبا زمانہ ہے جیساکہ آریوں نے بغیر کسی قطعی دلیل کے خیال کیا ہے تب بھی وید بموجب نمونہ پیش کردہ آریوں کے ایک ایسے لمبے اور اُونچے پہاڑ سے مشابہ ہوگا جس میں سے کوئی قسم جواہرات کی کبھی نہیں نکلی اور بہت کھودنے کے بعد آخر نکلا تو ایک **چُوہا نکلا**۔

افسوس اگر وید خدا تعالیٰ کو درحقیقت ارواح کا خالق تسلیم کرتا۔ تو یہ غلطی کبھی واقع نہ ہوتی۔ کیونکہ اس صورت میں واقعی طور پر ماننا پڑتا ہے کہ پرمیشر رُوحوں کا مالک ہے اور جبکہ مالک ہے تو اُس کے مقابل پر کسی کو دعوےٰ نہیں پہنچتا کہ اُس سے اپنے کسی حق کا مطالبہ کرے۔ کیونکہ پیدا کردہ پیدا کنندہ کی ایک ملکیّت ہے اور درحقیقت مُکتی کے مسئلہ میں یعنی نجات کے بارہ میں جو کچھ آریوں نے غلطیاں کھائی ہیں وُہ بھی اسی بناء پر ہیں۔ مثلاً وُہ دائمی نجات کے قایل نہیں ہیں اور اُنکو سخت مجبوری کی وجہ سے ماننا پڑتا ہے کہ ایک مُدّت مقررہ کے بعد پرمیشر اپنے بندوں کو گو ویدوں کے رشی ہی کیوں نہ ہوں مُکتی خانہ سے باہر نکال دیتا ہے۔ اور ناکردہ گناہ طرح طرح کی جونوں میں ڈال دیتا ہے اور ساتھ اس کے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ پرمیشر اس مجبوری سے کہ ایک مُدّت کے بعد رُوحوں کو مُکتی خانہ سے باہر نکالنا ضروری ہے بہانہ جوئی کے طور پر ایک ذرہ گناہ اُن کا باقی رکھ لیتا ہے اور وُہی الزام

ص۲۲

اُن کے سر پر تھاپ کر مُکتی خانہ سے باہر نکال دیتا ہے مگر اب سوچنے کا مقام ہے کہ اسی ذرہ سے گُنہ کے عوض میں ایک تو انسان بنایا جاتا ہے اور دُوسرا کُتّے کی جون میں ڈالا جاتا ہے اور تیسرے کو گھوڑا بناتے ہیں۔ اور اسی گنہ کے عوض میں کوئی گائے بن جاتا ہے اور کوئی بکری اور کوئی مرغی اور کوئی نجاست کا کیڑا اور کوئی مَرد اور کوئی عورت۔ پس یہ پرمیشر کے نیاؤ یعنی انصاف کا نمونہ ہے کہ گناہ تو صرف ایک ذرہ کی مقدار تھا اِسی گنہ کے عوض میں ایک تو وید کے رشی پیدا ہوئے جن کے دِلوں پر خدا نے الہام کا پرکاش کیا اور پھر اسی گناہ کے عوض میں بعض کُتّے اور سُؤر اور بندر بنائے گئے کیا یہی انصاف ہے یہی وید کا فلسفہ ہے اور یہی وید مقدّس کی وِدّیا ہے کوئی صاحب ہمیں جواب دیں۔

اور میعادی مُکتی یعنی نجات پر یہ دلیل لاتے ہیں کہ محدود افعال کا ثمرہ غیر محدود نہیں ہوسکتا گویا پرمیشر تو دائمی نجات دینے پر قادر تھا مگر کیا کرے اعمال محدود ہیں دیکھو یہ کیسا مکر ہے کہ اس بات کو پرمیشر چھپاتا ہے کہ اس میں خود ہی یہ طاقت نہیں کہ دائمی نجات دے سکے۔ دِل میں کچھ اور زبان پر کچھ اور۔ عجیب تر یہ کہ آریہ صاحبان اِس بات کے قائل ہیں کہ چند روزہ نیکی اور عبادت کے عوض میں کئی ارب تک پرمیشر مکتی خانہ میں رکھ سکتا ہے۔ پس وہ اپنے اس قول سے ملزم ہوسکتے ہیں کیونکہ جس پرمیشر نے یہ گوارا کیا کہ تھوڑی مدّت کے عوض میں اس قدر مدّت پاداش عمل کی رکھی تو اگر وہ دائمی نجات عطا کر دیتا تو کونسا الزام اُسپر وارد ہوتا تھا جس سے وُہ بچ گیا۔ انسانی گورمنٹ بھی کسی کو پنشن دے کر اس بہانہ سے ضبط نہیں کرسکتی کہ خدمت کے ایام سے پنشن کے ایام زیادہ ہوگئے ہیں۔

اور پھر مُکتی دینے کے وقت ایک گنہ باقی رکھ لینا اور آخر اسی گناہ کو مُکتی یافتوں کے ذمہ لگا کر مکتی خانہ سے باہر نکالنا اور پھر بعضوں کی رعایت کرنا اور بعض

صـــ۲۳

گورنرٹی سی رڈی جون میں ڈالنا اور بے جا پکش پات اور طرفداری کو استعمال میں لانا۔ کیا ایسا مکروہ فریب اور مکر اُس بے عیب ذات کی طرف منسوب ہوسکتا ہے جو بے انتہا فیضوں کا سرچشمہ ہے۔ جس حالت میں درحقیقت پرمیشر دائمی نجات دینے پر قادر ہی نہیں تو اس فضول عذر پیش کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی کہ محدود اعمال کی غیر محدود جزا نہیں ہوسکتی۔ واقعی بات کو چھپانا اور محض اپنی پردہ پوشی کے طور پر اور اور عذرات پیش کرنا گیا وید میں یہی صفات پرمیشر کے لکھے ہیں۔ واقعی بات تو یہ تھی کہ بقول آریہ وید کے اصول کی رُو سے پرمیشر کسی رُوح کو دائمی نجات دے ہی نہیں سکتا کیونکہ جبکہ تمام ارواح غیر مخلوق ہیں اور بموجب اصول وید کے یہ بھی ضروری کہ سلسلہ دنیا کا ہمیشہ جاری رہے تو اس صورت میں اگر پرمیشر روحوں کو دائمی نجات دیتا تو اس کا یہ لازمی نتیجہ ہوتا کہ ہر ایک رُوح جو دائمی نجات پالیتی وہ ہمیشہ کے لئے پرمیشر کے ہاتھ سے نکل جاتی اور رفتہ رفتہ آخر وہ زمانہ آجاتا کہ ایک روح بھی پرمیشر کے ہاتھ میں نہ رہتی اور پھر مجبوراً پرمیشر خالی ہاتھ بیٹھ جاتا اور جیسا کہ وید کی رُو سے مانا گیا ہے آئندہ دُنیا کا سلسلہ چل نہ سکتا۔ کیونکہ پرمیشر کسی رُوح کے پیدا کرنے پر تو قادر نہ تھا۔ تا نئی روحوں سے دُنیا کا سلسلہ چلاتا۔ اور جبکہ پہلی رُوحیں دائمی نجات پاکر آواگون کے سلسلہ سے ہمیشہ کے لئے مخلصی پاجائیں تو اس صورت میں پرمیشر اس شخص کی مانند ہوتا جس کا دیوالہ نکل جاتا ہے۔ ناچار اس مجبوری سے اسکو آواگون کا سلسلہ ختم کرنا پڑتا اور ایسا کرنا وید کی رُو سے اُسکے مقرر کردہ اصول کے مخالف تھا۔ پس درحقیقت محدود مکتی کا یہ راز تھا مگر پرمیشر نے دنیاداروں کے رنگ میں جو اپنا پول ظاہر کرنا نہیں چاہتے اصل حقیقت کو چھپایا۔ بھلا کوئی ایسی شُرتی پیش تو کرو جس میں پرمیشر نے یہ کہا ہو کہ مَیں دائمی نجات دینے پر قادر تو تھا لیکن مَیں نے نہ چاہا کہ محدود اعمال کا غیر محدود بدلہ دُوں۔ ہم ایسے کسی آریہ کو ہزار روپیہ نقد دینے کو تیار ہیں کہ اپنے اصول کو ملحوظ رکھ کر پھر ایسی

۲۴

شُرتی وید میں سے ہمیں دکھلا دے۔

ناداں آریہ قرآن شریف پر ہمیشہ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا نام خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ[1] رکھا ہے یعنی ایسا مکر کرنیوالا جس میں کوئی شر نہیں مگر اس جگہ تو وید کا پرمیشر شرّ الماکرین ٹھہرتا ہے کیونکہ جھوٹے بہانوں سے مکتی یافتوں کو بار بار آواگون میں ڈالتا ہے اور پھر جونوں کی تقسیم میں انصاف کا پابند نہیں رہتا اور دائمی نجات نہ دینے کے بارے میں ایک جھوٹا عذر پیش کرتا ہے اور اپنی ناحق کی شیخی دکھلانے کے لئے اصل واقعہ کو چھپاتا ہے اور سچائی کی پابندی سے یہ نہیں کہتا کہ دراصل میں دائمی مکتی دینے پر قادر ہی نہیں اور یہ جھوٹا بہانہ پیش کرتا ہے کہ محدود اعمال کا پاداش صرف محدود چاہیئے کیونکہ مکر بموجب تشریح قرآن شریف کے دو قسم کے ہوتے ہیں۔ نیک مکر اور بد مکر۔ لیکن وید کا پرمیشر اپنی مذکورہ بالا کارروائی کی رُو سے بد مکر کو استعمال کرتا ہے کیونکہ اپنی کمزوری چھپا کر لوگوں کو دھوکہ دیتا ہے کہ محدود عمل کا ثمرہ کیونکر غیر محدود دیا جائے۔ حالانکہ اصل واقعہ یہ ہے کہ وہ نجات دینے پر قدرت ہی نہیں رکھتا۔ اور پھر یہ بھی سراسر دھوکہ دہی ہے کہ اعمال محدود ہیں کیونکہ راستباز لوگ کسی محدود زمانہ تک خدا کو یاد کرنا نہیں چاہتے بلکہ ہمیشہ کی اطاعت کے لئے دل میں عہد رکھتے ہیں اور یہ تو اُن کے اختیار میں نہیں کہ موت آجائے۔ موت کا بھیجنا تو خدا کا کام ہے اُن کا اِس میں کیا قصور؟

پھر ہم اصل بحث کی طرف رجوع کر کے لکھتے ہیں کہ آریوں کے اصول کی رُو سے اُن کے پرمیشر کا نام مالک ٹھہر نہیں سکتا کیونکہ جو کچھ اسکے پاس ہے وہ قدرت نہیں رکھتا کہ بغیر کسی کے حق واجب کے اس کو بطور اکرام انعام کچھ دے سکے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ جو شخص کسی مال کا مالک ہوتا ہے وہ اختیار رکھتا ہے کہ جسقدر اپنے پاس سے چاہے کسی کو دیدے۔ مگر پرمیشر کی نسبت آریوں کا یہ اصول ہے کہ نہ وہ گناہ بخش سکتا ہے

[1] آل عمران: ۵۵

صفحہ ۲۵

اور نہ جود و عطا کے طور پر کسی کو وہ کچھ دے سکتا ہے اور اگر وہ ایسا کرے تو اس سے بے انصافی لازم آتی ہے لہذا تناسخ کے ماننے والے کسی طرح کہہ نہیں سکتے کہ پرمیشر مخلوقات کا مالک ہے۔ یہ تو ہم کئی دفعہ لکھ چکے ہیں کہ مالک کی نسبت انصاف کی پابندی کی شرط لگانا بالکل بے جا ہے۔ ہاں ہم مالک کی صفات حسنہ میں سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ رحیم ہے وہ جواد ہے وہ فیّاض ہے وہ گنہ بخشنے والا ہے مگر یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ اپنے زرخرید غلاموں اور گھوڑوں اور گائیوں کی نسبت منصف مزاج ہے کیونکہ انصاف کا لفظ وہاں بولا جاتا ہے جبکہ دونوں طرف ایک قسم کی آزادی حاصل ہو۔ مثلاً ہم مجازی سلاطین کی نسبت کہہ سکتے ہیں کہ وہ منصف ہیں اور رعایا کے ساتھ انصاف کا سلوک کرتے ہیں اور جب تک رعایا اُن کی اطاعت کرے اُن پر بھی انصاف کا قانون یہ واجب کرتا ہے کہ وہ بھی رعایا کی اطاعت اور خراج گذاری کے عوض میں اُن کے مال و جان کی پوری نگہبانی کریں اور ضرورتوں کے وقت اپنے مال میں سے اُن کی مدد کریں۔ پس ایک پہلو سے سلاطین رعایا پر حکم چلاتے ہیں اور دوسرے پہلو سے رعیت سلاطین پر حکم چلاتی ہے۔ اور جب تک یہ دونوں پہلو اعتدال سے چلتے ہیں تب تک اس ملک میں امن رہتا ہے اور جب کوئی بے اعتدالی رعایا کی طرف سے یا بادشاہوں کی طرف سے ظہور میں آتی ہے تبھی ملک میں سے امن اُٹھ جاتا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ ہم بادشاہوں کو حقیقی طور پر مالک نہیں کہہ سکتے کیونکہ اُن کو رعایا کے ساتھ اور رعایا کو اُن کے ساتھ انصاف کا پابند رہنا پڑتا ہے مگر ہم خدا کو اُسکی مالکیت کے لحاظ سے رحیم تو کہہ سکتے ہیں مگر منصف نہیں کہہ سکتے۔ کوئی شخص مملوک ہو کر مالک سے انصاف کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔ ہاں تضرع اور انکسار سے رحم کی درخواست کر سکتا ہے اسی وجہ سے خدا تعالےٰ نے تمام قرآن شریف میں اپنا نام منصف نہیں رکھا کیونکہ انصاف دوطرفہ برابری اور مساوات کو چاہتا ہے۔ ہاں اس طرح پر خدا تعالیٰ منصف ہے کہ بندوں کے باہمی

ملا ۲۶

حقوق میں انصاف کرتا ہے لیکن اس طرح منصف نہیں کہ کوئی بندہ شریک کی طرح اس سے کوئی حق طلب کر سکے کیونکہ بندہ خدا کی ملک ہے اور اُس کو اختیار ہے کہ اپنی ملک کے ساتھ جس طرح چاہے معاملہ کرے جس کو چاہے بادشاہ بنا دے جس کو چاہے فقیر بنا دے اور جس کو چاہے چھوٹی عمر میں وفات دے اور جس کو چاہے لمبی عمر عطا کرے اور ہم بھی تو جب کسی مال کے مالک ہوتے ہیں تو اُس کی نسبت پُوری آزادی رکھتے ہیں۔ ہاں خدا رحیم ہے بلکہ ارحم الراحمین ہے وہ اپنے رحم کے تقاضا سے نہ کسی انصاف کی پابندی سے اپنی مخلوقات کی پرورش کرتا ہے کیونکہ ہم بار بار کہہ چکے ہیں کہ مالک کا مفہوم منصف کے مفہوم سے بالکل ضد پڑا ہوا ہے جبکہ ہم اُس کے پیدا کردہ ہیں تو ہمیں کیا حق پہنچتا ہے کہ ہم اُس سے انصاف کا مطالبہ کریں۔ ہاں نہایت عاجزی سے اُس کے رحم کی ضرور درخواست کرتے ہیں اور اس بندہ کی نہایت بد ذاتی ہے جو خدا سے اُسکے کاروبار کے متعلق جو اس بندہ کی نسبت خدا تعالےٰ کرتا ہے انصاف کا مطالبہ کرے جبکہ انسانی فطرت کا سب تار و پود خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے اور تمام قوائے رُوحانی جسمانی اُسی کی عطا کردہ ہیں اور اُسی کی توفیق اور تائید سے ہر ایک اچھا عمل ظہور میں آسکتا ہے تو اپنے اعمال پر بھروسہ کرکے اُس سے انصاف کا مطالبہ کرنا سخت بے ایمانی اور جہالت ہے اور ایسی تعلیم کو ہم وِدّیا کی تعلیم نہیں کہہ سکتے بلکہ یہ تعلیم سچے گیان سے بالکل محروم اور سراسر حماقت سے بھری ہوئی تعلیم ہے سو ہمیں خدا تعالےٰ نے اپنی پاک کتاب میں جو قرآن شریف ہے یہی سکھایا ہے کہ بندہ کے مقابل پر خدا کا نام منصف رکھنا نہ صرف گناہ بلکہ کفر صریح ہے ہاں جب وہ خود ایک وعدہ کرتا ہے تو اس وعدہ کا پُورا کرنا اپنے پر ایک حق ٹھہرا لیتا ہے جیسا کہ وہ قرآن شریف میں فرماتا ہے:۔

حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ[1] ؏

یعنی ہم جو ابتدا سے مومنوں کے لئے نصرت اور امداد کا وعدہ دے چکے ہیں اِسلئے ہم اپنے

[1] الرّوم: ۴۸

پر یہ حق ٹھیراتے ہیں کہ اُن کی مدد کریں ورنہ دُوسرا شخص اُسپر کوئی حق نہیں ٹھہرا سکتا۔ ۲۵

مبارک وہ جو اپنی کمزوریوں کا اقرار کر کے خدا سے رحم چاہتا ہے اور نہایت شوخ اور شریر اور بدبخت وہ شخص ہے جو اپنے اعمال کو اپنی طاقتوں کا ثمرہ سمجھ کر خدا سے انصاف چاہتا ہے۔ اور ابھی میں بیان کر چکا ہوں کہ آریہ صاحبوں نے جو اپنے اعمال کے مقابل پر خدا کا نام مُنصف رکھا ہے۔ یہ غلطی محض اس وجہ سے واقع ہوئی ہے کہ اُنہوں نے اپنے ارواح اور اُن کی تمام قوتوں کو ایسا ہی اپنے اجسام اور اُن کی طاقتوں کو خدا کی طرح قدیم اور انادی اور غیر مخلوق سمجھ لیا ہے جو پرمیشر کی طرف سے نہیں بلکہ خود بخود ہیں۔ اور اگر وہ مخلوق کی نسبت قدامت نوعی کے قائل ہوتے نہ قدامت شخصی کے تو اس کفر میں نہ پڑتے مگر انہوں نے قدامت شخصی کا اعتقاد رکھ کر یعنے یہ کہہ کر کہ ارواح اور ذرّاتِ اجسام سب انادی ہیں مخلوق نہیں ہیں ایک بھاری کفر اپنے لئے ٹھیر لیا۔

غرض وہ لوگ قدامت شخصی کے قائل ہو کر پرمیشر کے مقابل پر اُس کے شریکوں کی طرح اپنے تئیں تصوّر کرتے ہیں یا مثلاً اس طرح تصوّر کرتے ہیں جیساکہ رعایا کو اپنے بادشاہ کے مقابل پر خیال ہوتا ہے اور جیساکہ رعایا اپنے بادشاہ سے اپنے حقوق طلب کر سکتی ہے اور اگر کوئی ظالم بادشاہ اُن کے حقوق کو پامال کرنا چاہے۔ تو اپنے حقوق پیش کر کے اُس سے انصاف چاہتی ہے یا ناچار بغاوت کے لئے سر اُٹھاتی ہے اور آریہ صاحبوں کے اصول کے رُو سے یہ بات سچ بھی ٹھہرتی ہے کیونکہ جس حالت میں تمام روحیں اور جسموں کے تمام ذرّات پرمیشر کے پیدا کردہ نہیں ہیں تو کیوں نہ اُس سے اپنے حقوق خدمت طلب کئے جائیں اور کیوں نہ اُس کو انصاف دینے کے لئے مجبور کیا جائے اس حالت میں وہ ہوتا کون ہے جو حقوق دبا کر بیٹھا ہے بلکہ اگر وہ واجب حقوق کو ادا نہ کرے تو اگر آسمان کے نیچے اُس کے اُوپر کوئی دوسری عدالت ہوتی تو

۲۸ مـ
اپیل کے وقت ضرور مع خرچہ اُس پر ڈگری ہو سکتی تھی۔ سبحان اللہ عما یصفون[1]۔

سو اے ہموطن پیارو! یہ وید و دیا کا ایک نمونہ ہے جو ہم نے اس جگہ پیش کیا ہے اور آگے چل کر انشاء اللہ اور بھی کئی نمونے بیان کریں گے۔ تم خود سوچ لو کہ کیا یہ سچ نہیں ہے کہ اوّل خدا کو مالک قرار دینا اور اقرار کرنا کہ وہ مالکانہ تصرّفات اپنی مخلوق میں کر سکتا ہے اور پھر اُسی مُنہ سے یہ بھی کہنا کہ وہ مالک نہیں ہے بلکہ وہ صرف ایک بادشاہ کے درجہ پر ہے اور اسکی مخلوقات محض رعایا کی مانند ہے اور جیسا کہ رعایا اپنے حقوق اپنے بادشاہ سے طلب کر سکتی ہے ایسا ہی اُسکے بندے حق رکھتے ہیں کہ انصاف کرنے کے لئے اسکو مجبور کریں کہ ہماری نسبت ایسا تُو نے کیوں کیا اور ایسا کیوں نہ کیا اور وُہ مجبور ہو کر یہ جواب دیتا ہے کہ یہ کمی بیشی میری طرف سے نہیں بلکہ تمہارے اعمال کیوجہ سے ہے۔ یہ امر واقعی ہے کہ ہر ایک شخص جو اپنی نسبت خدا کو منصف ٹھہراتا ہے وُہ اپنے ذہن میں اپنا حق خدا پر ٹھہرا لیتا ہے جو واجب الادا ہے اور دل میں خیال کر لیتا ہے کہ میں نے خدا کی اسقدر جو اطاعت کی۔ یہ میرا ایک حق خدمت ہے جس کا عوض ادا کرنا اُس کا فرض ہے۔ اور اگر وُہ حق کو ادا نہ کرے تو ناانصافی کے جُرم کا مرتکب ہوگا۔ لیکن قرآن شریف نے ہمیں یہ سکھایا ہے کہ انسان مع اپنی رُوح اور تمام قوتوں اور ذرّہ ذرّہ وجود کے خدا کی مخلوق ہے جس کو اُس نے پیدا کیا۔ لہذا قرآن شریف کی تعلیم کی رُو سے ہم خدا تعالیٰ کے خالص ملک ہیں اور اُسپر ہمارا کوئی بھی حق نہیں ہے جس کا ہم اُس سے مطالبہ کریں یا جس کے ادا نہ کرنے کی وجہ سے وُہ ملزم ٹھہر سکے اس لئے ہم اپنے مقابل پر خدا کا نام منصف نہیں رکھ سکتے بلکہ ہم بالکل تہیدست ہونے کی وجہ سے اُس کا نام رحیم رکھتے ہیں۔ غرض منصف کہنے کے اندر یہ شرارت مخفی ہے کہ گویا ہم اُسکے مقابل پر کوئی حقوق رکھتے ہیں اور اُس حق کے ادا نہ کرنے کی صورت میں اُس کو حق تلفی کی طرف منسوب کر سکتے ہیں۔ سو قرآن کی تعلیم اس جگہ آریوں کی تعلیم کے سراسر

[1] المومنون: ۹۲

صـ۲۹ برخلاف ہے اور یہی سچی تعلیم ہے تم دونوں تعلیموں پر نظر ڈال کر خود سوچ لو اور پھر اُس تعلیم کو اختیار کرو جو سچے گیان اور سچی معرفت کی رُو سے صحیح ٹھہرتی ہے۔ خدا تمہیں ہدایت دے۔ آمین

پھر آریہ صاحبوں کی طرف سے جو مضمون سُنایا گیا اُس میں ایک یہ بھی فقرہ تھا کہ پرماتما یعنی پرمیشر سب میں ہے جاہلوں سے دُور عقلمندوں سے نزدیک۔ اس عبارت میں جو تناقض ہے اُسکے بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ ایک فقرہ عبارت میں تو وید کی تعلیم یہ بیان کرتی ہے کہ پرماتما سب میں ہے اور پھر دوسرے فقرہ میں یہ بیان ہی کہ وہ جاہلوں سے دُور ہی۔ علاوہ اسکے چونکہ بموجب اصول آریہ سماج کے کوئی رُوح یا کوئی اجسام کا ذرّہ پرمیشر کا بنایا ہوا نہیں اور پرمیشر کو قرب مخلوق کا وہ موقعہ بھی نہیں ملا جو بنانیوالے کو اُس چیز کے لئے ضروری ہوتا ہی جسکو وُہ بناتا ہی تو پھر کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ پرماتما سب میں ہی جبکہ اُسکو قدیم اور انادی چیزوں سے کچھ بھی تعلق نہیں اور نہ پرمیشر اُنکے اندر جاکر اُن کی قوتوں کو اصل تعداد سے بڑھا سکتا ہے اور نہ اصل تعداد سے گھٹا سکتا ہے تو اس مداخلت بے جا کے کیا معنی ہوئے کہ پرماتما سب میں ہے۔ ہر ایک شخص سوچ سکتا ہے کہ محض فضول طور پر پرمیشر کا اندر ہونا سراسر ایک لغو حرکت ہے جس سے اگر ثابت ہوتا ہے تو بس یہی کہ پرمیشر نے مخلوق کے اندر داخل ہوکر اپنا محدود ہونا ثابت کر دیا ہے کیونکہ جو چیز کسی محدود چیز کے اندر سما سکتی ہی وہ بھی بلاشبہ محدود ہے آریہ صاحبوں کی یہ عجیب عقل ہی کہ ایک طرف تو خدا تعالیٰ کے عرش پر ہونے کے معنوں کو نہ سمجھ کر محض جہالت سے یہ اعتراض پیش کرتے ہیں کہ مسلمانوں کا خدا محدود اور عرش کا محتاج ہی اور دوسری طرف خود اپنے پرمیشر کی نسبت یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ تمام مخلوق چیزوں کے اندر ہے اور جبکہ وہ تمام چیزوں کے اندر ہی تو کیا وُہ اُن بتوں اور مورتیوں کے اندر نہیں ہی جنکی بُت پرست لوگ پرستش کرتے ہیں بلکہ آریوں کو تو چاہیئے کہ بُت پرستوں سے زیادہ مخلوق پرستی کریں کیونکہ بُت پرست تو پرمیشر کا مظہر صرف اُن بُتوں کو خیال کرتے ہیں کہ جو اُن کی مذہبی رسم کے

موافق آباہن کے منتر کی رُو سے شدھ کئے جاتے ہیں اور پھر بعد اس کے یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اب پرمیشر اُن کے اندر داخل ہوگیا ہے" مگر آریوں کے اصول کے موافق پرمیشر ہر ایک چیز کے اندر ہے خواہ وہ چیز پاک ہے یا ناپاک اور کسی منتر کی ضرورت نہیں. پھر اس جگہ یہ بھی اعتراض ہوتا ہے کہ اگر پرمیشر ہر ایک چیز میں پورے طور پر یعنی بتمام و کمال اندر ہے تو اس سے تعدد لازم آتا ہے یعنی ایک پرمیشر نہیں بلکہ کروڑہا پرمیشر ہوگئے اور اگر پورے طور پر کسی کے اندر نہیں تو اس سے پرمیشر ٹکڑے ٹکڑے ہوتا ہے اور دونوں امر باطل۔

پھر اسی مضمون میں یہ فقرہ ہے کہ "پرمیشر عالم الغیب ہے" ہم کہتے ہیں کہ بلاشبہ خدا تعالےٰ عالم الغیب تو ہے مگر خدا کی کتاب کا یہ منصب نہیں ہے کہ محض ایک قصہ گو کی طرح خدا تعالیٰ کو عالم الغیب قرار دے بلکہ اُس کا یہ منصب ہے کہ خدا کے عالم الغیب ہونے کے لئے اُس کا کوئی نمونہ پیش کرکے ثابت کرے یعنے ایسے ایسے آئندہ کے واقعات پیشگوئی کے طور پر بیان فرماوے جن سے یقین ہو جاوے کہ حقیقت میں خدا عالم الغیب ہے تا خدا تعالےٰ کی کتاب پر ایمان لاکر ظنی ایمان یقین کے درجہ تک پہنچ جائے۔ کیونکہ ظنی طور پر تو دنیا کے اکثر لوگ خدا کے وجود کے قائل ہیں اور اُس کو عالم الغیب بھی خیال کرتے ہیں تو پھر اُن کے علم اور اس علم میں جو وید پیش کرتا ہے فرق کیا ہوا۔ پس اگر وید میں یقینی علم کی تعلیم دینے کے لئے کوئی پیشگوئی بیان کی گئی ہے اور وہ پوری ہو چکی ہے تو اس شرتی کو پیش کرنا چاہیئے ورنہ وید کے بیان اور ایک گنوار نادان کے بیان میں کچھ فرق نہیں۔ اور یہ ضروری امر ہے کہ جو کتاب خدا کی کتاب کہلاتی ہے وہ خدا کا عالم الغیب ہونا صرف زبان سے بیان نہ کرے بلکہ اُس کا ثبوت بھی دے کیونکہ بغیر ثبوت کے نرا یہ بیان کہ خدا عالم الغیب ہے انسان کے ایمان کو کوئی ترقی نہیں دے سکتا اور ایسی کتاب کی نسبت شبہ ہو سکتا ہے کہ اُس نے صرف سُنی سُنائی باتیں لکھی ہیں۔ اسی وجہ سے قرآن شریف خدا تعالےٰ کی ایسی صفات کے بیان کرنے کے وقت صرف قصہ گو کی طرح

۳۱

بیان نہیں فرماتا بلکہ نمونہ کے طور پر اپنا علم غیب ظاہر کرتا ہے اور اپنی ہر ایک صفت کا ثبوت دیتا ہے مگر وید صرف قصہ کے رنگ میں خدا کی صفات کا ذکر کرتا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ایسے قصّے اُس نے کسی دوسرے سے سُنے ہیں اور اُن کی نقل کر دی ہے۔

پس ایسی کتاب کسی انسان کو تازہ گیان اور تازہ معرفت نہیں بخش سکتی بلکہ اپنی مجبوری ظاہر کر کے رفتہ رفتہ ایسے لوگوں کو جو اُس کے پیرو ہیں دہریت کی طرف کھینچتی ہے اور انجام کار اپنا درماندہ ہونا دِکھلا کر اُن کے معمولی ایمان کے لئے بھی سمِ قاتل ہو جاتی ہے کیونکہ آخر کار اُن کے ذہن اس طرف منتقل ہو جاتے ہیں کہ اگر مثلاً پرمیشر عالم الغیب ہوتا تو اس کا بیان عالم الغیب ہونے کے بارہ میں صرف قصہ کے طور پر نہ ہوتا بلکہ وُہ اپنے علم غیب کا کوئی نمونہ پیش کرتا۔ کیا وید کا پرمیشر صرف قصوں کے رنگ میں اپنی صفات پیش کر کے یہ اُمید رکھتا ہے کہ اُسکی اُن بے ثبوت صفات کو مان لیا جاوے اور بغیر کسی پیشکردہ دلیل کے اُس کو عالم الغیب سمجھ لیا جائے یا ایسا ہی دوسری صفات اُس کی تسلیم کر لی جائیں۔ خدا کی کتاب کا تو یہ مقصد ہونا چاہیئے کہ انسان کے معمولی علم سے جو خدا تعالیٰ اور اُس کی صفات کی نسبت محض قصوں کے رنگ میں ہے ترقی دیکر یقینی علم تک اُس کو پہنچا دے نہ کہ وہ علم ناقص جو انسانوں کو پہلے ہی سے حاصل ہے وُہی اُس کے سامنے پیش کرے۔ خصوصًا اس زمانہ میں جبکہ عام حالت اکثر انسانوں کی دہریت تک پہنچ گئی ہے ایسی قصہ گوئی بجز اس کے کیا فائدہ دے سکتی ہے کہ دہریہ طبع لوگ اور بھی اُس پر ہنسی ٹھٹھا کریں۔ ہر ایک واقفکار جانتا ہے کہ آجکل خدا تعالےٰ کے وجود کے بارے میں نہایت تیز مخالفت کی گئی ہے اور اُسکی ہستی کی نسبت ہزارہا اعتراض اُٹھائے گئے ہیں پس اِس زمانہ میں وُہی خدا کی کتاب بگڑی ہوئی طبیعتوں کو سیدھا کر سکتی ہی کہ اس بھڑکتی ہوئی آگ پر اپنے زبردست نشانوں کے ساتھ پانی کا کام دے۔ جبکہ صرف قصّے

۲۴۷ پہلے ہی سے د ریوں اور بے قید لوگوں کی نظر میں زیر مواخذہ ہیں تو کیا وید کا قصہ گوئی سے یہ مطلب ہے کہ اُسی زندان میں اپنے تئیں بھی ڈال دے جس میں دُوسرے قصہ گو بھی پڑے ہوئے ہیں۔

اے ہموطن پیارو! یہ بُرا ماننے کی بات نہیں مَیں سچ سچ کہتا ہوں کہ اسی نقصان سے جو وید میں پایا جاتا ہے آریہ ورت کے لاکھوں ہندو جو جین مت وغیرہ ناموں سے اپنے تئیں منسوب کرتے ہیں۔ خدا تعالےٰ کے وجود سے منکر ہو گئے۔ کیونکہ انہوں نے خدا کے وجود اور اس کی صفات کی نسبت وید کی تعلیم سے کوئی تسلی نہیں پائی۔ بعض پنڈتوں سے ہم نے خود سُنا ہے کہ ہم نے چاروں وید پڑھے مگر ہمیں اب تک یقینی طور پر معلوم نہیں ہؤا کہ کہیں وید میں خدا کا ذکر بھی ہے۔ بعض نے اس دعویٰ کی ذمہ واری اس قدر اپنے ذمہ قبول کر لی ہے کہ اگر وید میں کوئی خدا کا ذکر ثابت کر کے دکھلا دے تو ہم اُسکو اپنی لڑکی دینے کو تیار ہیں اور یہ عذر پیش کرنا فضول ہو کہ وید ابتدائے زمانہ کی کتاب ہے لہذا اُسوقت وید نے غیر ضروری سمجھا کہ خدا کی ہستی اور اُسکی صفات کاملہ کا تازہ طور پر ثبوت دے اور اُس کے علم غیب اور دُوسری صفات کے تازہ نمونہ دکھلا دے کیونکہ بلاشبہ جیسا کہ انسان اِس زمانہ میں اس بات کا محتاج ہے کہ خدا کی صفات کے تازہ نمونے دیکھے اُس وقت بھی محتاج تھا کیونکہ انسان محض تاریکی میں پیدا ہوتا ہے اور پھر خدا کے کلام کے ذریعہ سے اُس کو روشنی ملتی ہے۔ اور پھر اس دعوے کا ثبوت کہاں ہے کہ وید ابتدائی زمانہ کی کتاب ہے بلکہ خود وید سے پتہ ملتا ہے کہ مختلف زمانوں میں اس کا مجموعہ تیار ہؤا ہے اور وُہ درحقیقت بہت سے رشیوں کے اقوال ہیں نہ صرف چار کے۔ چنانچہ سکتوں کے عنوان پر جا بجا یہ اشارہ پایا جاتا ہے۔ ماسوا اس کے پارسیوں کو اپنی کتاب کی قدامت کی نسبت آریوں سے بڑھ کر دعوےٰ ہے۔ پس ان غیر مثبت دعووں کو پیش کرنا جائے شرم ہے۔ اوّل آریوں کو یہ چاہیئے کہ کسی عدالت میں پارسیوں پر نالش کر کے ویدوں کی قدامت کی نسبت اپنے حق میں ڈگری کرا لیں

۳۲

اور پھر قدامت کا دعویٰ کریں اور بغیر ایسے فیصلہ کے جو ناطق ہو تمہیں کیا معلوم ہے کہ قدامت کے دعویٰ میں تم سچے ہو یا پارسی سچے ہیں۔

علاوہ اس کے خدا کا کلام صرف ابتدائے زمانہ کے لئے نہیں ہوتا بلکہ وہ تو حاجت کے وقت پر انسانی نسل کے درست کرنے کے لئے آتا ہے پس یہ عذر بدتر از گناہ ہے اور ہرگز قبول کرنے کے لائق نہیں بلکہ ہم کہتے ہیں کہ اور تو اور ان رشیوں کا ایمان بھی خدا کے وجود پر محض شکی اور ظنی درجہ پر ہوگا جن پر خدا کی ہستی اور اُس کی صفات کے بارے میں کوئی یقینی حقیقت نہیں کھولی گئی اور محض قصے اُنکے آگے رکھ دئے گئے کہ پرمیشر عالم الغیب ہے اور پرمیشر سرب شکتی مان ہے اور پرمیشر دیالو ہے۔ ایک دانشمند جو سچی معرفت کا پیاسا ہے سمجھ سکتا ہے کہ بھلا ان قصوں سے کیا بن سکتا ہے؟

پھر مضمون خواں صاحب نے یہ سُنایا کہ "وہ پرمیشر سب پر حاکم انادی پرجا کو اپنی سناتن ودّیا سے گیان دینے والا ہے" مگر اس کی وجہ کوئی پیش نہیں کی کہ کیوں سب پر حاکم ہے کیا کسی جابرانہ قبضہ سے یہ حکومت اُسکو میسر آئی ہے یا فتحیاب بادشاہ کی طرح رُوحوں کی فوج پر اُس نے فتح پاکر اپنا مطیع اور منقاد اُن کو بنالیا ہے کیونکہ وہ حکومت تو اُسکو میسر نہیں جو پیدا کنندہ کو اپنی پیدا کردہ چیزوں پر ہوتی ہے کوئی اور وجہ حکومت ہوگی اور جبتک اُس کی حکومت کی کوئی وجہ بیان نہ کی جائے تب تک یہ دعویٰ کہ پرمیشر اپنی پرجا یا رعیت پر حاکم ہے فضول اور بے معنی ہے۔ باقی رہا یہ کہ پرمیشر اپنی سناتن ودّیا سے گیان دینے والا ہے اگر گیان سے یہی مُراد ہے کہ وہ کسی رُوح یا رُوح کی کسی قوت کا پیدا کرنیوالا نہیں اور سب روحیں خود بخود ہیں اور ایسا ہی ہر ایک ذرّہ اجسام کا اور اُن کی قوتیں خود بخود ہیں اور پرمیشر کو نہ کبھی طاقت ہوئی اور نہ ہوگی کہ وُہ ایک رُوح یا ایک ذرّہ پیدا کر سکے تو خدا نہ کرے کہ ایسا گیان کسی ایماندار کو نصیب ہو۔ بلکہ ایسی باتیں تو وُہ کرے گا جو لوگوں کو دہریہ بنانے کیلئے کوشش کرتا ہے۔ اور اگر یہ خیال کیا جائے کہ پرمیشر نے وید میں نیک عملوں کی ہدایت

۲۴ مـ

کی ہے وہی وید کا گیان ہے تو تناسخ کے عقیدہ سے معلوم ہوتا ہے کہ پرمیشر پاکیزگی کی راہوں پر چلانا نہیں چاہتا۔ کیونکہ تناسخی جنم کے ساتھ کوئی فہرست پرمیشر نہیں بھیجتا جس سے معلوم ہو کہ دوبارہ آنے والی رُوح فلاں شخص کی ماں ہے اور فلاں شخص کی دادی اور فلاں شخص کی بہن۔ اور اس طرح پر محض پرمیشر کی لاپروائی کی وجہ سے لوگ دھوکہ کھا کر حرامکاری میں پڑ جاتے ہیں کیونکہ جس مرد کی کسی عورت سے شادی ہوئی اور شادی سے ایک مُدّت دراز پہلے اسکی ماں اور دادی اور ہمشیرہ مر چکی ہیں تو اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ جس عورت سے شادی کی گئی ہے شاید وہ اُس کی ماں ہی ہو یا دادی ہو یا ہمشیرہ ہو اور معلوم ہوتا ہے کہ ایسی حرامکاری پھیلنے کی پرمیشر کو کچھ پروا نہیں بلکہ وہ عمدًا چاہتا ہے کہ ناپاکی دُنیا میں پھیلے ورنہ کیا اس بات کی قدرت نہ تھی کہ وہ ہر ایک نوزاد بچہ کے ساتھ ایک تحریر بھیجتا جس میں ظاہر کیا گیا ہو تا کہ اس بچّہ کو فلاں فلاں شخص سے فلاں فلاں رشتہ ہے یا اس بچہ کو یہ قدرت بخشتا کہ وہ آپ ہی بتلا دیتا کہ مثلاً میں فلاں فلاں کی دادی یا ماں ہوں مگر چونکہ پرمیشر نے ایسا نہیں کیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آریوں کے پرمیشر کے نزدیک ہر ایک بدعملی جائز ہے۔ اِسپر ایک اور بھی دلیل ہے کہ وید صرف اِسی قسم کی حرامکاری کو جائز نہیں رکھتا بلکہ ایک اور قسم کی حرامکاری بھی وید کی رُو سے جائز قرار دی گئی ہے اور وہ عقیدہ نیوگ ہے جو آریہ صاحبوں کے نزدیک وید کے نہایت قیمتی خیالات ہیں۔ یا یُوں کہو کہ وید کے تمام گیان کی جڑھ اور سرچشمہ وُہی ہے بلکہ سچ تو یہ ہے کہ وید کی تمام تعلیم کا نفس مضمون وہی ہے جس کے ذریعہ مکتی حاصل ہوتی ہے اور جسپر پوشیدہ طور پر آریہ قوم میں عمل ہو رہا ہے۔

اور خلاصہ تعلیم نیوگ یہ ہے

کہ جس آریہ کے گھر میں لڑکا پیدا نہ ہو یا صرف لڑکیاں پیدا ہوں تو اسکے لئے وید کا حکم یہ ہے کہ وُہ اپنی بیوی کو کسی دوسرے سے ہم بستر کرا کر اولاد حاصل کرے بغیر

اِس کے اُس کو مکتی نہیں ملے گی۔ سوچنے کا مقام ہے کہ بازاری عورتیں بھی اگرچہ ایسے گندے کام کرتی ہیں مگر پھر بھی وُہ ایسی عورتوں سے ناپاکی میں کمتر ہیں جو باوجود خاوندوں کے ہونے کے دوسروں سے ہم بستر ہوتی ہیں اور اگر کوئی اپنی بیوی کو طلاق دیدے اور وہ عورت قطع تعلق کے بعد دُوسرے سے نکاح کرے تو اس پر عند العقل کوئی اعتراض نہیں کیونکہ میاں بیوی کا رشتہ نکاح ٹوٹنے کے بعد مطلّقہ سے نکاح کرنا کوئی اعتراض کی جگہ نہیں۔ وجہ یہ کہ اس صورت میں وہ اس پہلے شخص کی بیوی نہیں رہی مگر اس بے غیرتی کو دنیا کی کوئی قوم بجُز آریوں کے پسند نہیں کرتی اور اس سے مرنا بہتر سمجھتے ہیں کہ اپنی منکوحہ بیوی ہونے کی حالت میں دوسرے سے ہمبستر کراویں۔ اِس عقیدہ سے ظاہر ہے کہ وید کی رُو سے حرامکاری کا وقوع میں آنا کچھ مضائقہ نہیں ہاں یہ ضروری ہے کہ کسی طرح لالہ صاحب کے گھر میں اولاد پیدا ہو جاوے۔

پس جو لوگ وید کی تعلیم کے پابند ہو کر اپنی عورتوں کو دُوسروں سے ہمبستر کراتے ہیں اور بیرج داتا کی تلاش میں لگے رہتے ہیں ایسے لوگ اگر خدا کے پاک نبیوں کی توہین کریں تو کوئی محل شکایت نہیں کیونکہ جبکہ اُن کی فطرت سے پاکیزگی کی حِس ہی جاتی رہی ہے۔ تو وُہ تمام دُنیا کو اپنے نفس پر خیال کر لیتے ہیں اور عجیب تر یہ کہ اِس ناپاک مراد کے لئے کوئی یقینی راہ کامیابی کی بھی نہیں۔ بہتیری آریہ زاد ایسی عورتیں ہیں کہ دس دس برس تک بہ بہانہ نیوگ حرامکاری کراتی رہتی ہیں اور رات کو خاوندوں کو چھوڑ کر غیر مردوں کے ساتھ جا سوتی ہیں پھر بھی کوئی لڑکا پیدا نہیں ہوتا اور بجائے کوئی لڑکا پیدا ہونے کے ایک خراب عادت اُن میں پیدا ہو جاتی ہے اور وُہ یہ کہ چونکہ ایک مُدت دراز تک غیر مردوں کے ساتھ وہ تعلق کرتی رہتی ہیں اور دل میں جانتی ہیں کہ وہ اُن کے خاوند نہیں ہیں مگر پھر بھی اُن سے ہمبستر ہو جاتی ہیں آخر کار اِس دائمی مشق سے تمام شرم و حیا اُن کی اُٹھ جاتی ہے۔ ہم اس سے زیادہ اس جگہ کچھ

۲۶

نہیں لکھ سکتے۔ ناظرین خود سوچ لیں اور سمجھ لیں کہ جس مذہب نے پرمیشر کی خدائی پر وہ داغ لگایا ہے کہ گویا اُسکو پرمیشر ہونے سے ہی جواب دے دیا اور پھر انسانی پاکیزگی پر وہ داغ لگایا کہ آریہ ورت کی کروڑہا شریف عورتوں کو غیر مردوں سے ہمبستر کرا دیا اور اُنکی عفّت کو خاک میں ملا دیا۔ کیا ایسے مذہب سے کوئی پاک گیان یا پاک ہدایت سکھلانے کی توقع ہو سکتی ہے؟ مگر پھر بھی ہم یہ الزام وید پر لگانا نہیں چاہتے اصل بات یہ ہے کہ بعض جوگی یا سنیاسی جو بظاہر مجرّدانہ زندگی بسر کرتے تھے اور اندر سے سخت ناپاک تھے انہوں نے نامحرم عورتوں کے ساتھ تعلق پیدا کرنے کیلئے نادان لوگوں کو یہ باتیں سکھائی تھیں اور ظاہر کیا تھا کہ گویا وید کی یہی ہدایتیں ہیں اور تا اُن کیلئے بدکاری کا دروازہ کھل جائے اور اِس طرح پر وہ اپنے نفسانی جذبات کو پورا کر لیں اسی بنا پر

ڈاکٹر برنیئر نے

اپنی کتاب میں بہت کچھ لکھا ہے اور اُس نے بیان کیا ہے کہ میں نے جگن ناتھ کے مقام میں ہزارہا ہندو عورتیں دیکھی ہیں جن کی جوگیوں اور سنیاسیوں سے آشنائی تھی اور حماقت سے سمجھتی تھیں کہ وہ آشنائی اُن کے لئے مکتی کا موجب ہو گئی ہے۔

پھر مضمون خوان صاحب نے اپنے مضمون میں بیان کیا کہ پرماتما کی کوئی شکل اور صورت نہیں حالانکہ وید نے اُسی پرماتما کے نام اگنی۔ وایو۔ جل۔ دھرتی۔ سورج۔ چاند وغیرہ رکھے ہیں اور وہی محدود صفات آگ اور ہوا وغیرہ کے اُس میں قائم کئے ہیں پھر کیونکر وہ کہہ سکتے ہیں کہ اُسکی کوئی شکل اور صورت نہیں۔ کیا ہوا اپنے کُرّہ میں اور آگ اپنے کُرّہ میں اور ایسا ہی سورج اور چاند شکل اور صورت سے خالی ہیں۔ جو شخص چند ورق رگ وید کے پڑھے گا اسکو معلوم ہو جائیگا کہ وید کی تعلیم کی رو سے یہ سب عناصر اجرام فلکی خدا ہی ہیں اور پھر مخلوق بھی ہیں۔ ہم نے اپنی کتاب براہین احمدیہ میں بڑا حصہ اُن شرتیوں کا لکھ دیا ہے جن میں یہ ذکر ہے اس لئے دوبارہ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ وید کا خواہ کچھ مطلب تھا مگر آریہ ورت کے کروڑہا ہندوؤں نے اور بڑے بڑے

۳۷

پنڈتوں نے یہی سمجھ لیا تھا کہ آگ اور جل اور چاند اور سُورج وغیرہ سب خدا ہی ہیں۔ اسی وجہ سے یہ تمام فرقے آریہ ورت میں پیدا ہو گئے۔ اگر وید جل کی پُوجا کی ہدایت نہ کرتا تو گنگا مائی کے پُوجنے والے کیوں پیدا ہو جاتے۔ ہردوار وغیرہ مقامات کے بڑے بڑے میلوں پر جا کر دیکھنا چاہیئے کہ کس صدق اور ارادت سے کئی لاکھ ہندو گنگا کی پُوجا کرتے ہیں اور گنگا کے لاکھوں برہمنوں کا اُن کے چڑھاووں پر گذارہ ہے اور گنگا سے انواع اقسام کی مرادیں مانگی جاتی ہیں اور یہ سب لوگ وید کے پَیرو کہلاتے ہیں اگر وُہ وید کے ماننے والے نہ ہوتے تو ہندو مذہب میں شمار نہ کئے جاتے۔ بلاشبہ اب بھی ایک بڑا حصّہ ہندوؤں کا گنگا کو پرمیشر کرکے مانتا ہے یہانتک کہ یہ قدیم سے رسم ہے کہ پہلا بچہ اپنا گنگا مائی کی نذر کیا جاتا تھا جس کو جل پرواکہتے ہیں اور اس طرح پر نہایت بے رحمی سے گنگا میں ڈال کر اُس کو ہلاک کر دیتے تھے مگر گورنمنٹ انگریزی نے اپنے خاص حکم سے اِس بد رسم کو دُور کر دیا اور لاکھوں جانوں کو ہلاکت سے بچایا۔

اب ہر ایک عقلمند سوچ سکتا ہے کہ آریہ ورت کے ہندو جو درحقیقت ایک ہی قوم ہے کیوں عناصر اور اجرام پرستی میں گرفتار ہو گئے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ ویدوں میں اُنہوں نے ایسا ہی لکھا پایا۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ درحقیقت یہی ویدوں کی تعلیم ہے بلکہ ہر ایک جگہ جو ہم اس رسالہ میں ایسا ذکر کریں گے تو اُس سے مراد یہی ہے کہ غلطی سے یہی تعلیم ویدوں کی سمجھی گئی ہے اور پھر رفتہ رفتہ اُس پر حاشیے چڑھائے گئے یہانتک کہ مخلوق پرستی اصل مذہب آریہ ورت کا قرار دیا گیا اور یہ فتنہ جو آریوں میں مخلوق پرستی کا پیدا ہؤا تمام الزام اس کا ویدکی تعلیم پر ہے کیونکہ جبکہ رگوید اور دُوسرے ویدوں میں صریح صریح اور کھلے طور پر آتش پرستی اور آب پرستی اور آفتاب پرستی اور ماہتاب پرستی وغیرہ مخلوق پرستیوں کا ذکر ہے تو پھر جن لوگوں نے یہی تعلیم وید کی سمجھ لی اُن کا کیا قصور ہے؟ اگر ویدوں میں صاف اور صریح لفظوں میں مخلوق پرستی کی ممانعت ہوتی تو ویدوں کے

صفحہ ۲۸

ماننے والے اور پڑھنے پڑھانے والے پنڈت کیوں مخلوق پرستی میں گرفتار ہو جاتے اور کیوں بڑے بڑے پنڈت جن کو وید کنٹھ تھے اس بلا میں پھنس جاتے؟ اور کیوں ہندو لوگ بُت شکن بادشاہوں کے جانی دشمن بن جاتے اور کیوں وہ لڑائیاں ہوتیں جو سلطان محمود غزنوی کے مقابل **سومنات** کے بُت کی حمایت کے لئے ہندو راجوں نے کیں اور باہمی لڑائیوں سے خون کی ندیاں بہ گئیں؟ پس یہ تمام گمراہ فرقے اور بُت پرستی کے حامی درحقیقت وید سے ہی پیدا ہوئے ہیں۔

پھر اُسی مضمون میں جو جلسہ میں پڑھا گیا مضمون کے پڑھنے والے نے یہ بیان کیا کہ پرمیشر غضب اور کینہ اور بُغض اور حسد سے الگ ہے۔ شاید اس تقریر سے اُس کا یہ مطلب ہے کہ قرآن شریف میں خدا تعالیٰ کی نسبت غضب کا لفظ آیا ہے تو گویا وہ اپنے اس مضمون میں قرآن شریف کے مقابل پر وید کو اس تعلیم سے مبرّا کرتا ہے کہ خدا غضب بھی کیا کرتا ہے مگر یہ اُس کی سراسر غلطی ہے۔ یاد رہے کہ قرآن شریف میں کسی بیجا اور ظالمانہ غضب کی طرف خدا تعالیٰ کو منسوب نہیں کیا گیا بلکہ مطلب صرف اس قدر ہے کہ بوجہ نہایت پاکیزگی اور تقدس کے خدا تعالیٰ میں ہمرنگ غضب ایک صفت ہے اور وہ صفت تقاضا کرتی ہے کہ نافرمان کو جو سرکشی سے باز نہیں آتا اس کی سزا دی جائے۔ اور ایک دُوسری صفت ہمرنگ محبت ہے اور وہ تقاضا کرتی ہے کہ فرمانبردار کو اُسکی اطاعت کی جزا دی جائے۔[۱] پس سمجھانے کے لئے پہلی صفت کا نام **غضب** اور دوسری صفت کا نام **محبت** رکھا گیا ہے لیکن نہ وہ غضب انسانی غضب کی طرح ہے اور نہ وہ محبت

[۱] حاشیہ۔ تیسری صفت خدا تعالیٰ میں ایک رحم بھی ہے اور وہ صفت تقاضا کرتی ہے کہ رجوع کرنے والوں کا گناہ بخش دیا جائے۔ پس یہ تین صفت ہیں غضب۔ محبت۔ رحم۔ جو خدا تعالیٰ کی ذات میں موجود ہیں مگر نہ انسانی صفات کی طرح بلکہ اُس طرح جو خدا کی شان کے لائق ہے۔ منہ

انسانی محبت کی طرح جیساکہ خود اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمایا ہے۔

لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ[1]

یعنی خدا کی ذات اور صفات کی مانند کوئی چیز نہیں۔ بھلا ہم پوچھتے ہیں کہ آریوں کے وید کی رُو سے اُن کا پرمیشر کیوں گنہ گاروں کو سزا دیتا ہے یہاں تک کہ انسانی جُون سے بہت نیچے پھینک کر کُتا۔ سُؤر۔ بندر۔ بلّا بنا دیتا ہے۔ آخر اُس میں ایک ایسی صفت ماننی پڑتی ہے کہ جو اس فعل کے لئے وُہ محرک ہو جاتی ہے۔ اسی صفت کا نام قرآن شریف میں غضب ہے۔ چنانچہ رگوید بھی اس غضبی صفت سے جو پرمیشر میں پائی جاتی ہے بھرا پڑا ہے جیساکہ رگوید میں مندرجہ ذیل شُرتیاں درج ہیں۔ ص ۲۹

(۱) اے اِندر اور اگنی بجّر گھمانے والو۔ شہروں کے غارت کرنے والو ہمیں دولت عطا کرو لڑائیوں سے ہماری مدد کرو۔

(۲) اے اِندر جو سب دیوتاؤں میں اوّل درجہ کا دیوتا ہے ہم تجھے بُلاتے ہیں۔ تُو نے لڑائیوں میں فتوحات حاصل کی ہیں۔ ایسا ہو کہ اندر کارساز غضبناک جو تمام مانع چیزوں کا جڑھ سے اُکھاڑنے والا ہے۔ ہمارے رتھ کو لڑائیوں میں سب سے آگے رکھے۔

(۳) تُو اے اِندر فتح کرتا ہے لیکن لُوٹ کو نہیں روکتا۔ چھوٹی چھوٹی لڑائیوں میں اور بڑی سخت لڑائیوں میں ہم تجھے اے میگواہن اپنی حفاظت کیلئے تیز کرتے ہیں۔

(۴) اے اجیت اندر ایسی لڑائیوں میں ہماری حفاظت کر جہاں سے بہت لوٹ ہمارے ہاتھ آوے۔

(۵) اے اگنی ہمارے دشمنوں کو جلا دے۔ تو بہتوں کے فائدہ کیلئے پیدا کی گئی ہے۔✝

✝ حاشیہ۔ ان تمام شرتیوں سے معلوم ہوتا ہے کہ قدیم سے آریہ لوگ ان عناصر وغیرہ کو اپنے زعم میں پرمیشر سمجھتے تھے اور غضب وغیرہ تمام صفات خدا تعالیٰ کے انکی طرف منسوب کرتے تھے پھر نہ معلوم کہ کیوں اور کس وجہ سے مضمون سُنانے والے نے وید کی تعلیم کے مخالف جلسہ میں یہ مضمون سُنایا

[1] الشوریٰ : ۱۲

صفحہ ۴۸

اور ستیارتھ پرکاش میں لکھا ہے کہ پرمیشر کا نام رُدر ہے یعنی بُرے کام کرنیوالوں کو رولاتا ہے۔ ایسا ہی لکھا ہے کہ پرمیشر کا نام اریما بھی ہے یعنی جزا سزا دینے والا۔ اور ایسا ہی پرمیشر کا نام انّ بھی لکھا ہے یعنی تمام دنیا کو کھانے والا۔ پس ان ناموں سے ظاہر ہوتا ہے کہ پرمیشر میں ایک غضبی صفت ضرور ہے جس کے تقاضا سے وُہ گنہ گاروں کو سزا دیتا ہے اور جس کے تقاضا سے وہ قصور واروں کو گنّا بلّا بناتا ہے۔ اگر اُس میں اس قسم کی صفت موجود

بقیہ حاشیہ: کہ پرمیشر میں **غضب نہیں** اور وہ جو گناہگاروں کو سزا دیتا ہے اُسکی بنا کسی ذاتی تقاضا پر نہیں اور اس میں یہ صفت موجود ہی نہیں کہ اُسکی ذات تقاضا فرمائے کہ نافرمان کو سزا دے۔ گویا نعوذ باللہ صرف مجانین اور دیوانوں کی طرح اس سے یہ حرکت صادر ہوتی ہے۔ کہ گنہ گاروں کو سزا دیتا ہے ورنہ دراصل اسکی ذات میں کوئی ایسی صفت نہیں جو تقاضا فرمائے کہ نافرمان کو سزا دی جائے۔ یہ ہے آریہ لوگوں کی وید ودیا جو اندھوں کی طرح باتیں کرتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ اس صفت کے بیان کرنے میں محض قرآن شریف مخصوص نہیں بلکہ ویدوں کی صدہا شرتیاں گواہی دے رہی ہیں کہ پرمیشر میں ضرور ایک صفت غضبی ہے ہاں یہ بات سچ ہے کہ ویدوں میں پرمیشر کا نام تک نہیں ہے اور تمام ویدوں میں بجائے پرمیشر کے اگنی اور وایو اور جل اور چاند اور سورج وغیرہ مخلوقات کی اُستت و مہما و تعریف موجود ہے اور انہیں چیزوں کی نسبت غضب کی صفات بیان کی گئی ہیں۔ پس اگر آریہ صاحبان یہ کہیں کہ ہم ان تمام چیزوں کو جن کی پرستش ویدوں میں موجود ہے (یعنی اگنی وغیرہ کو) پرمیشر نہیں مانتے لہذا ان چیزوں کا غضب اور کینہ وغیرہ جو وید میں لکھا ہے یہ قول ہم پر حجت نہیں یہ دکھلاؤ کہ کہاں وید میں لکھا ہے کہ پرمیشر بھی غضب کرتا ہے؟

صفحہ ۴۸

پس اے ہموطن پیارو! جبکہ تمام ویدوں میں پرمیشر کا نام تک نہیں تو ہم ویدوں میں سے پرمیشر کا لفظ کہاں سے نکالیں۔ تمہارا پرمیشر وید کی رُو سے جو کچھ ہے وہ یہی چیزیں ہیں اور کوئی پرمیشر نہیں۔ ہاں اس سے بھی تو تعجب ہے کہ ویدوں میں ان چیزوں کے صفات بیان کرنے میں عجیب تناقض سے کام لیا ہے۔ اگر ذرہ غور سے دیکھو تو ظاہر ہوگا کہ تمام بیان وید کا ایک مخبط الحواس انسان کی طرح ہے۔ شرتیوں کا مضمون ایسا بے سر و پا اور مہمل ہے کہ فقرہ فقرہ

صفحہ ۴۱

نہیں کہ وہ تقاضا کرتی ہے کہ پرمیشر گنہ گاروں کو سزا دے تو پھر کیوں پرمیشر کی طبیعت سزا دینے کی طرف متوجہ ہوتی ہے؟ آخر اُس میں ایک صفت ہے جو بدلہ دینے کیلئے توجہ دلاتی ہے پس اُسی صفت کا نام غضب ہے لیکن وُہ غضب نہ انسان کے غضب کی مانند ہے بلکہ خدا کی شان کی مانند۔ اسی غضب کا ذکر قرآن شریف میں موجود ہے اور جیساکہ قرآن شریف نے نافرمانوں کے حق میں غضب کا لفظ فرمایا ہے۔ ایسا ہی فرمانبرداروں کے حق میں محبت کا لفظ فرمایا ہے اور ذکر کیا ہے کہ یہ دونوں صفتیں خدا میں موجود ہیں لیکن نہ اُسکی محبت انسان کی محبت کی طرح ہے اور نہ اُس کا غضب انسان کے غضب کی طرح ہے بلکہ اُسکی یہ دو پاک صفتیں ہر ایک نقص سے مبرّا ہیں۔ جب وہ ایک اچھے عمل کرنے والے پر اپنا انعام و اکرام وارد کرتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ اُس نے اُس سے محبت کی اور جب وہ ایک بُرا عمل کرنے والے کو سزا دیتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ اُس نے اُس پر غضب کیا۔ غرض جیساکہ ویدوں میں غضب کا ذکر ہے ایسا ہی قرآن شریف میں بھی ذکر ہے صرف یہ فرق ہے کہ ویدوں نے خدا کے غضب کو اس حد تک پہنچا دیا کہ یہ تجویز کیا کہ وہ شدت غضب کی وجہ سے انسانوں کو گناہ کی وجہ سے کیڑے مکوڑے بنا دیتا ہے مگر قرآن شریف نے خدا تعالیٰ کے غضب کو اس حد تک نہیں پہنچایا بلکہ قرآن شریف میں لکھا ہے کہ خدا باوجود

بقیہ حاشیہ: میں باہمی تناقض پایا جاتا ہے مثلاً ایک فقرہ میں اگنی کو خدا بنایا گیا ہے اور اُس کی اُستت اور مہما گائی گئی ہے اور اس سے مُرادیں مانگی گئی ہیں اور خدائی طاقت اس کی طرف منسوب کی گئی ہے اور پھر دوسرے فقرہ میں اسی اگنی کو مخلوق قرار دیا گیا ہے اور بیان کیا گیا ہے کہ اسے اگنی تو بہتوں کے فائدہ کیلئے پیدا کی گئی ہے۔ اسی طرح بعض مقامات میں اندر کیطرف خدائی صفات منسوب کیے گئے ہیں اور پھر بعض مقامات میں اسی اندر کو کسی رشی کا بیٹا قرار دیا گیا ہے گویا بیان کرنیوالے کے حواس قائم نہیں اور یا اسکی قوت حافظہ مفقود ہے کہ پہلے جو کچھ کہتا ہے پھر دُوسری دفعہ اپنے پہلے بیان کے مخالف بولتا ہے۔ خدا کے کلام میں اختلاف نہیں ہوسکتا اور نہ وہ چاہتا ہے کہ اُس کی جگہ مخلوق کی پرستش کی جائے۔ منہ

۴۲

سزا دینے کے پھر بھی انسان کو انسان ہی رکھتا ہے کسی اور جُون میں نہیں ڈالتا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن شریف کی رُو سے خدا تعالیٰ کی محبت اور رحمت اسکے غضب سے بڑھ کر ہے۔ اور وید کی رُو سے گنہ گاروں کی سزا ناپیداکنار ہے اور پرمیشر میں غضب ہی غضب ہے رحمت کا نام و نشان نہیں مگر قرآن شریف سے صریح معلوم ہوتا ہے کہ انجام کار دوزخیوں پر ایسا زمانہ آوے گا کہ خدا سب پر رحم فرمائے گا۔ لیکن وید کی رُو سے اگر پرمیشر کا ارادہ دیکھنا ہو تو ایک نظر اُن حیوانات پر ڈالو جو جنگلوں اور دریاؤں اور آسمان کے فضا اور آبادیوں میں موجود ہیں اور اُن کیڑوں پر نظر ڈالو جو ایک ایک قطرہ پانی میں جس سے سمندر اور دریا بھر پڑے ہیں ہزارہا موجود ہیں تو کیا اس سے سمجھا جاتا ہے کہ مکتی دینے میں پرمیشر کی نیت بخیر ہے۔ نہیں ہرگز نہیں۔ بلکہ اے آریہ صاحبان! خوب یاد رکھو کہ پرمیشر ان تمام انسانوں کے جونوں کو انسان بنانے کا ہرگز ارادہ نہیں رکھتا۔ اگر ارادہ رکھتا تو پرمیشر اُسی قدر زمین کو فراخ بناتا جس قدر تمام کیڑوں مکوڑوں کو انسان بنانے کی حالت میں فراخ بنانے کی حاجت پیش آنے والی تھی۔

یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہے کہ دُنیا کے تمام مذاہب میں سے صرف وید ہی کا ایک ایسا مذہب ہے جو اپنے پرمیشر کو پُرغضب اور کینہ ور قرار دیتا ہے اور اس بات کا سخت مخالف ہے کہ خدا تعالیٰ توبہ اور استغفار سے اپنے بندوں کا گناہ بخش دیتا ہے اور عجیب تر یہ کہ اس مذہب میں یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ پرمیشر تمام مخلوقات کا مالک ہے اور تمام مخلوق جانداروں کی قسمت اُسکے ہاتھ میں ہے اور وُہی ایک ہے جس کے سامنے تمام گنہ گار پیش کئے جاتے ہیں۔ لیکن انسانوں کی بدقسمتی کیوجہ سے اس میں یہ صفت غضب تو موجود ہے جو گناہ کو دیکھ کر اسکی سخت سے سخت سزا دیتا ہے لیکن اسمیں یہ دوسری صفت موجود نہیں کہ کسی گنہ گار کی توبہ اور تضرع سے اسکا گناہ بھی بخش سکتا ہے بلکہ جس سے ایک ذرہ بھی قصور ہوگیا۔ پھر نہ اُس کی توبہ قبول نہ تضرع عاجزی قابل التفات۔ حالانکہ یہ بات ظاہر ہے

صـ۴۳

کہ انسان ضعیف البنیان بوجہ اپنی فطرتی کمزوریوں کے گناہ سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ اور قدم قدم پر ٹھوکر کھانا اسکی فطرت کا خاصہ ہے مگر وید نے انسان کی حالت پر رحم کرکے کوئی نجات کا طریق پیش نہیں کیا بلکہ وید کو صرف ایک ہی نسخہ یاد ہے جو سراسر غضب اور کینہ سے بھرا ہوا ہے اور وہ یہ کہ ایک ذرہ سے گنہ کیلئے بھی ایک لمبا اور ناپیدا کنار سلسلہ جُونوں کا تیار کر رکھا ہے٭ حالانکہ گنہگار اس وجہ سے بھی قابل رحم ہے کہ اُسکی کمزور قوتیں جن سے گناہ صادر ہوتا ہے اسکی طرف سے نہیں بلکہ اُسی خدا نے پیدا کی ہیں۔ پس اِس حالت میں عاجز بندے اِس بات کے مستحق تھے کہ اس مجبوری کا بھی اُنکو فائدہ دیا جاتا۔ مگر بقول آریہ صاحبان پرمیشر نے ایسا نہیں کیا اور سزا دینے کے وقت یہ امر ملحوظ نہیں رکھا کہ آخر گناہ کے ارتکاب میں اس کا بھی تو کچھ دخل ہے اور وید نے مکتی دینے کے بارہ میں یہ شرط رکھی ہے کہ تب مکتی ملے گی کہ جب انسان گناہ سے بالکل پاک ہو جاوے مگر اس شرط کو جب قانون قدرت کے معیار کے ساتھ آزمایا جاوے تو ثابت ہوگا کہ اس شرط سے عہدہ برآ ہونا بالکل انسان کیلئے غیر ممکن ہے کیونکہ جب تک انسان خدا تعالیٰ کے تمام حقوق ادا نہ کرے تب تک نہیں کہہ سکتا کہ اُس نے فرمانبرداری کے تمام دقائق کو ادا کر دیا ہے اور ظاہر ہے کہ قانون قدرت صاف یہ شہادت دے رہا ہے اور انسان کا صحیفہ فطرت اس شہادت پر اپنے دستخط کر رہا ہے اور بزبان حال بیان کر رہا ہے کہ انسان کسی مرتبہ ترقی اور کمال میں اس قصور سے مبرّا نہیں ہو سکتا کہ وہ بمقابل خدا کی نعمتوں اور اس کے حقوق کے شکر نہیں کر سکا اور اسکے احکام کی کامل پیروی اور پوری بجا آوری میں بہت قاصر رہا۔ پس اگر انسان کی نجات صرف اِسی صورت میں ہے کہ جیسا کہ چاہیئے

٭ دُنیا کے تفاوت مراتب اور دُکھ سُکھ کی حالت کو دیکھ کر اسکو اواگون یعنی تناسخ کی دلیل بتانا سراسر نادانی ہے کیونکہ جب دُوسرا عالم آنیوالا ہے تو دُکھ پانے والے کو وہاں اسکے عوض میں سُکھ مل جائیگا۔ ایسے بھی تو لوگ ہیں کہ جپ تپ سے اپنے لئے آپ ہی دُکھ پیدا کرتے ہیں تا دُوسرے عالم میں سُکھ اُٹھا دیں۔ منہ

تمام حقوق خدا تعالیٰ کے اس سے ادا ہو جاویں اور کسی پہلو سے ایک ذرہ قصور باقی نہ رہے اور اطاعت کی راہ میں ایک ذرّہ بھی لغزش اس سے صادر نہ ہو تو یہ طریق نجات تعلیق بالمحال ہے نہ اس درجہ کی عہدہ برآئی کسی کو حاصل ہوگی اور نہ وہ نجات پائیگا پس ایسا حکم خدا کا حکم نہیں ہو سکتا جو محال سے وابستہ اور صریح قانون قدرت کے برخلاف اور صحیفۂ فطرت کے منافی ہی۔ بھلا تم تمام مشرق و مغرب میں تلاش کر کے کوئی آدمی پیش تو کرو جو صغائر و کبائر اور کسی قسم کی غفلت سے بکلی پاک اور مبرا ہو اور جس نے تمام حقوق بندہ پروری ادا کر دیئے ہیں اور جس کا یہ دعویٰ ہو کہ وہ تمام دقائق فرمانبرداری اور شکر گذاری کے بجالا چکا ہی اور جب اس زمانہ میں کوئی موجود نہیں تو یقیناً سمجھو کہ ایسا آدمی کبھی دُنیا میں ظہور پذیر نہیں ہوا اور نہ آئندہ اُسکے پیدا ہونے کی اُمید ہی اور جبکہ اپنے زور بازو سے تمام حقوق خدا تعالیٰ کے ادا کرنا اور ہر ایک نہج سے شکر گذاری کے طریقوں میں عہدہ برآ ہونا قانون قدرت اور صحیفۂ فطرت کی رُو سے غیر ممکن ہی اور خود تجربہ ہر ایک انسان کا اسپر گواہ ہی تو پھر مکتی کی بنا ایسے امر پر رکھنا کہ خود وہ محال اور ناشدنی ہی کسی ایسی کتاب کے شان کے مناسب نہیں ہی جو خدا تعالیٰ کیطرف سے ہو۔ مگر ممکن ہی کہ جیسا کہ اور کئی باتوں میں وید میں خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں یہ خرابی بھی کسی زمانہ میں پیدا ہو گئی ہو اور ممکن ہی کہ دراصل یہ وید کی تعلیم نہ ہو بلکہ محرف مبدل ہو۔

۴۴

اور پھر باوجود متذکرہ بالا خرابی کے جو قانون قدرت اور صحیفۂ فطرت کے مخالف آریوں کے مندرجہ بالا اصول میں پائی جاتی ہے۔ جب مکتی کی طرف دیکھا جائے تو وہ بھی اپنے اندر ایک نفرتی طریق مخفی رکھتی ہے جو خدائے کریم کے شان کے شایاں نہیں اور وہ یہ کہ مکتی پانے والے انجام کار مکتی خانہ سے باہر نکالے جاتے ہیں پس کس طرح قبول کیا جائے کہ یہ طریق اس خدا کا مقرر کردہ ہے جو سرچشمہ تمام رحمتوں کا ہی اور بخیل اور حاسد نہیں ہے خدا کی شان اس سے بلند تر ہے کہ وہ اپنے سچے پرستاروں کو ایک مرتبہ اپنی قرب اور محبت کی عزت دے کر پھر کُتے بِلّے بناوے اور کیڑوں مکوڑوں کی جُونوں میں ڈالے۔

۹۵

اور پھر ہم جب اس پہلو کو دیکھتے ہیں کہ کیوں اور کس وجہ سے ایک مدت کے بعد تمام لوگ مکتی خانہ سے نکالے جاتے ہیں تو ہمیں اور بھی وید کی تعلیم پر افسوس آتا ہے کہ وہ کس قدر خلاف حق خدائے کریم کی ذات پر بخل اور بغض اور نادانی کی تہمت لگا رہی ہے یعنی یہ عذر بیان کیا جاتا ہے کہ پرمیشر جو مکتی دے کر پھر مکتی خانہ سے باہر نکال لیتا ہے تو وہ اس اخراج کے لئے پہلے سے مکتی یابوں کا ایک ذرہ سا گناہ باقی رکھ لیتا ہے اور آخر اسی گناہ پر دوبارہ مواخذہ کر کے سب کو مکتی خانہ سے باہر نکال دیتا ہے۔ اب خود سوچ لو کہ کیا یہ نہایت بد اور قابل نفرت مکر خداوند کریم کی طرف منسوب کر سکتے ہیں۔ کیا اس کے اختیار میں نہ تھا کہ جہاں اور گناہوں کے دُور کرنے کے لئے ایک مدت تک جونوں میں رکھا تھا اس تھوڑے سے گناہ کے لئے بھی چند روز آواگون کے چکر میں رکھتا اور پھر دائمی مکتی دیتا اور پھر اسجگہ منصفین کے لئے یہ بات بھی سوچنے کے لائق ہے کہ گناہ تو صرف ایک ذرہ تھا پھر اسکی سزا میں انسانوں کو بڑے بڑے گناہوں کی سزا کے موافق کتے بلیاں بنانا اور مختلف طور کی جونوں میں ڈالنا یہ کس قسم کا انصاف ہے اور پھر یہ بھی سوچو کہ وہ گناہ جو صرف ایک ذرہ کے مقدار تھا اس کی سزا میں بعض کے لئے بڑی سزائیں اور بعض کیلئے چھوٹی سزائیں کیونکر تجویز کی گئیں یعنی اُسی ایک ذرہ گناہ کی وجہ سے ایک گروہ کو تو مکتی خانہ سے نکال کر انسان کی جُون میں ڈالا گیا مگر پھر بھی بعض کو مرد اور بعض کو عورت بنایا اور پھر اُسی ایک ذرہ گناہ کیوجہ سے دُوسرے گروہ کو کتے اور تیسرے کو سؤر اور چوتھے کو بندر بنایا گیا۔ حالانکہ گناہ صرف ایک ذرہ تھا۔ اوّل تو ایک ذرہ گناہ چیز ہی کیا تھا کہ اسکی وجہ سے انسان کو کسی جُون میں ڈالا جاتا کیونکہ اگر پرمیشر کی نظر میں وہ گناہ قابل سزا ری ہوتا تو باوجود ایسے گناہ کے کیوں پرمیشر لوگوں کو مکتی خانہ میں داخل کرتا۔ کیا وہ گناہ بھی کچھ وزن رکھتا ہے جو مکتی دینے کیوقت نظر انداز کیا گیا تھا۔ اور اگر ایسی بیرحمی ہی منظور تھی تو صرف ایک ذرہ گناہ سے ایک ہی جون میں ڈالنا چاہیئے تھا۔ تا کسی کی رعایت نہ ہو۔ مگر اس میں تو صریح پکش پات اور طرفداری ہے کہ

تمام لوگ جو مکتی خانہ سے باہر نکالے جاتے ہیں گناہ تو سب کا برابر ہوتا ہے کم و بیش نہیں ہوتا۔ یعنی صرف ایک ذرہ۔ مگر جونیں برابر درجہ کی نہیں ہوتیں اُسی گناہ سے مرد بنایا جاتا ہے اور اُسی سے عورت اور اُسی سے بندر اور اُسی گناہ سے نجاست کا کیڑا۔ کیا کوئی سمجھ سکتا ہے کہ وید کی یہ فلاسفی کس قسم کی ہے۔ کیا اب بھی پرمیشر کا نام نیا کار اور منصف رکھو گے پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ جونوں کی مختلف صورتیں چاہتی ہیں کہ گناہ بھی مختلف صورتوں کے ہوں پس اس سے لازم آتا ہے کہ جس قدر دنیا میں جاندار کیڑے مکوڑے پائے جاتے ہیں اُسی قدر گناہ بھی ہوں اور اس بات کے بیان کرنے کی حاجت نہیں کہ تمام سطح زمین اور فضا اور سمندر مختلف جانداروں اور کیڑوں مکوڑوں سے بھرا ہوا ہے۔ پس اگر یہ سچ ہے کہ اسی قدر گناہ بھی ہیں جنکی درجہ بہ مختلف حالتوں کے جاندار زمین پر نظر آتے ہیں تو آریہ صاحبوں کا یہ فرض ہے کہ وید میں سے نکال کر اُن گناہوں کی ایک فہرست ہمیں دیویں تا ہم مقابلہ کر کے دیکھ لیں کہ جس قدر زمین پر اور سمندر میں اور آسمان کی فضا میں اور زمین کے اندر جانور اور کیڑے مکوڑے پائے جاتے ہیں کیا اسی کے موافق ٹھیک ٹھیک تعداد گناہوں کی وید میں لکھی گئی ہے۔ کیونکہ اگر یہ فہرست گناہوں کی اُن تمام جانوروں کی تعداد کے برابر نہیں ہوگی تو اس صورت میں ہمیں تناسخ اور نیز وید کے باطل ٹھہرانے کے لئے کسی اور دلیل کی حاجت نہیں ہوگی سو یہ بارِ ثبوت آریہ صاحبوں پر ہے کہ گناہوں کی فہرست اسی اندازہ اور تعداد کی پیش کریں جس قدر مختلف جانور زمین میں پائے جاتے ہیں۔

اس جگہ یہ بھی یاد رہے کہ جبکہ آریہ صاحبوں کا پرمیشر ایسا سخت دل ہے کہ عفو اور درگذر اور رحم اور کرم کی اس میں عادت ہی نہیں اور نیز اُسکی مکتی میں بھی ایک مخفی دغا ہے تو بلاشبہ یہی اخلاق آریہ صاحبوں کے ہونگے اور ہونے چاہئیں کیونکہ یہ سخت بد ذاتی ہے کہ انسان وہ اخلاق اختیار کرے جو اُس کے خدا کے اخلاق کے برخلاف ہیں اور ظاہر ہے کہ انسان کا کمال یہی ہے کہ صفت تخلّق باخلاق اللہ سے متصف ہو

۴۶

پس جبکہ وید انکو پرمیشر کے یہی اخلاق سکھاتا ہے کہ ہرگز ہرگز کسی کا گناہ معاف نہیں کرنا ۴۷
چاہیئے اور کرم اور جود اور احسان کسی کی نسبت ہرگز نہیں کرنا چاہیئے۔ تو اس صورت میں
آریہ صاحبوں کا یہ فرض ہے کہ جہاں تک ممکن ہو اپنے دلوں کو سخت
رکھیں اور درگذر اور معافی کا نام نہ لیں اور جود و احسان کو حرام سمجھیں
لیکن ایک سچے مسلمان کے اخلاق اس کے برخلاف ہونگے۔ اور وہ چونکہ قرآن شریف میں
پڑھتا ہے کہ خدا تعالیٰ توبہ قبول کرتا ہے۔ گناہوں کو معاف فرماتا ہے۔ یہاں تک کہ اس
معافی کے لئے وہ اس بات کا محتاج نہیں کہ کوئی ناکردہ گناہ سُولی پر کھینچا جائے تا وہ
گناہ معاف کرے بلکہ وہ صرف توبہ اور تضرع اور استغفار سے گناہ معاف
کر دیتا ہے اس لئے ایک صادق مسلمان بھی اپنے قصور واروں کے قصور اسی طرح
معاف کرتا ہے اور اس معافی کے لئے کسی کو سُولی پر چڑھانے کی شرط پیش نہیں کرتا۔ بلکہ
ایک قصوروار کی توبہ اور رجوع کی حالت میں وہ تمام قصور بخش دیتا ہے کیونکہ اُس کا
خدا بھی اسی طرح قصوروں کو بخشتا ہے اور وہ تمام لوگوں سے مروّت اور احسان سے
پیش آتا ہے کیونکہ اُس کا خدا بھی جوّاد اور کریم اور رحیم ہے۔ لیکن جن لوگوں کا پرمیشر
بجز غضب اور بخل اور بغض کے گنہگاروں کے ساتھ اور کوئی معاملہ نہیں کر سکتا اُن پر ہم
کیسی توقع رکھ سکتے ہیں کہ وہ اخلاق فاضلہ اختیار کرینگے جو اُنکے پرمیشر میں موجود نہیں ہیں۔
ہر ایک مسلمان کو چاہیئے کہ ان کی دوستی سے پرہیز کرے ایسا نہ ہو کہ دوستی کے
ایام میں اپنے پرمیشر والے اخلاق ظاہر کردیں کیونکہ بموجب وید کے جس کو آریہ صاحبان
پیش کرتے ہیں پرمیشر کے یہ اخلاق ہیں کہ کسی کے ایک ذرہ گناہ پر بھی سخت مؤاخذہ کرتا ہے
اور بے شمار برسوں تک پلید اور گندی جونوں میں ڈالتا رہتا ہے اور پھر اگر ایک گنہگار دلی درد
اور پشیمانی سے اُس کے آگے رووے چلاوے نہایت عاجزی سے ناک رگڑے اور
نہایت درجہ رنج اور غم کے ساتھ اپنے پر ایک موت وارد کرلے اور آئندہ کیلئے سچے دل سے

۴۸ص عہد کرے کہ پھر ایسا گناہ نہیں کریگا مگر پھر بھی کیا ممکن کہ وہ گناہ جو خفیف سی خفیف ہے
پرمیشر چھوڑ دے اور چشم پوشی فرماوے اور اگر کروڑوں اور کئی ارب کے بعد مکتی بھی دے گا تو
وہ بھی ایک زمانہ محدود تک ہوگی اور پھر بعد اسکے جونوں کے عذاب میں ڈال دے گا اور
نہیں چاہیگا کہ اُسکے بندے ہمیشہ کا آرام پاویں۔ شاید اس کا یہ سبب ہے کہ رُوحوں اور پرمیشر
میں خالق اور مخلوق کا تعلق نہیں۔ پرمیشر قدیم سے الگ اور رُوحیں قدیم سے الگ ہیں۔
لہذا پرمیشر صرف ایک مجسٹریٹ کی حیثیت سے اُن سے معاملہ کرتا ہی نہ ماں باپ کی طرح
اور یہ سچ ہی کہ رحم تعلق سے ہی پیدا ہوتا ہے۔ ایک ماں بوجہ اس تعلق کے جو اپنے بیٹے سے
رکھتی ہے اور جانتی ہے کہ وہ بیٹا اُسکے پیٹ سے نکلا ہے اور اُسکی چھاتیوں کا دُودھ پیا
ہے اُس کے لئے ایک رحمت کا دریا ہوتی ہے۔ پس جبکہ رُوحوں اور پرمیشر میں خالق اور
مخلوق کا تعلق ہی نہیں اور اُسکے ہاتھ سے رُوح پیدا ہی نہیں ہوئی تو اُسکی بلا سے اگر وہ
ہمیشہ کے عذاب سے مریں تو بیشک مریں کونسا درمیان تعلق ہی جس کی وجہ سے اُس کا رحم
جوش مارے؟ مگر قرآن شریف میں جو خدا نے یہ فرمایا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اے بندو مجھ سے
نومید مت ہو مَیں رحیم و کریم اور ستّار و غفّار ہوں اور سب سے زیادہ تم پر رحم کرنیوالا ہوں اور
اس طرح کوئی بھی تم پر رحم نہیں کریگا جو مَیں کرتا ہوں اپنے باپوں سے زیادہ میرے ساتھ
محبت کرو کہ درحقیقت مَیں محبت میں اُن سے زیادہ ہوں اگر تم میری طرف آؤ تو مَیں
سارے گناہ بخش دُونگا اور اگر تم توبہ کرو تو مَیں قبول کرونگا۔ اور اگر تم میری طرف آہستہ قدم
سے بھی آؤ تو مَیں دوڑ کر آؤنگا۔ جو شخص مجھے ڈھونڈیگا وہ مجھے پائیگا۔ اور جو شخص میری طرف
رجوع کریگا وہ میرے دروازہ کو کھلا پائیگا۔ مَیں توبہ کرنے والے کے گنہ بخشتا ہوں خواہ
پہاڑوں سے زیادہ گنہ ہوں میرا رحم تم پر بہت زیادہ ہے اور غضب کم ہے کیونکہ تم میری
مخلوق ہو۔ مَیں نے تمہیں پیدا کیا اِس لئے میرا رحم تم سب پر محیط ہے۔
یہ ہے خلاصہ قرآن شریف کی تعلیم کا۔ اور یاد رہے کہ درحقیقت رحم تعلق سے ہی پیدا

ہوتا ہے اور جبکہ یہ بات ہے کہ کہیں کا پرمیشر اور کہیں کی رُوحیں نہ تعلق نہ واسطہ نہ جوڑ نہ رشتہ نہ اُس کے پیدا کردہ بندے۔ تا بباعث اس تعلق کے محبت اور رحم جوش مارے اور یاد آوے کہ آخر یہ بیچارے میرے پیدا کردہ ہیں تو پھر پرمیشر اُن پر کیوں رحم کرے وہ لگتے کیا ہیں۔

خیال کرنا چاہیئے کہ اس سختی اور غضب کی بھی کوئی حد ہے کہ بموجب اصول آریہ سماج کے اس دُنیا کو کروڑ ہا برس گذر گئے مگر اب تک پرمیشر نے حیوانات اور کیڑوں کو انسان بنانے میں کوئی قابل قدر کارروائی نہیں کی۔ تمام سطح زمین کا حیوانات اور کیڑوں مکوڑوں سے بھرا ہوا ہے اور پھر جب دیکھو کہ اُن کے مقابل پر انسان کتنے ہیں تو اتنے بھی معلوم نہیں ہوتے کہ جیسے سمندر میں سے ایک قطرہ۔ بلکہ دیکھا جاتا ہے کہ انسانوں کی توالد تناسل بھی بہت ہی کم ہے۔ اسکے مقابل پر ایک رات میں اس قدر نئے کیڑے پیدا ہوسکتے ہیں کہ ایک لاکھ برس میں اس قدر انسان پیدا نہیں ہوسکتے۔ نہ معلوم پرمیشر کو کہاں کا انسان سے یہ بغض ہے کہ اسکے بارے میں نہایت سخت قواعد رکھے ہیں اور انجام کار جو مکتی دیجاتی ہے وہ بھی در اصل ماتم کی جگہ ہے۔ خیر یہ تو پرمیشر کا حکم معلوم ہی ہو چکا ہے۔ مگر ایک اور بے انصافی یہ ہے کہ پرمیشر سب کو ایک ہی مقررہ مدّت گذرنے کے بعد مکتی خانہ سے باہر نکال دیتا ہے لیکن جیسا کہ ہم لکھ چکے ہیں باہر نکالنے کے وقت بھی ناانصافی سے کام لیتا ہے اور باوجود اختلاف اعمال کے جو اختلاف زمانہ اجر کا موجب ہونا چاہیئے تھا سب کو ایک ہی دفعہ ایک ہی وقت میں مکتی خانہ سے باہر دفع کرتا ہے اور پھر بے انصافی یہ کہ گناہ تو صرف اسی قدر ہیں جو ویدمیں لکھے گئے ہیں مگر ان معدود اور محدود گناہوں کے عوض میں جو وید کے ایک ورق پر آسکتے ہیں تمام سطح زمین کا کروڑ ہا جانوروں اور بے شمار کیڑوں مکوڑوں سے بھر رکھا ہے اور وید کی تعلیم تناسخ یعنی جونوں کے متعلق یہ ہے کہ ہر ایک گناہ ایک خاص جُون کو چاہتا ہے۔ کیونکہ پرمیشر تو گناہوں کی سزا میں اپنے ارادہ کا کچھ دخل ہی نہیں دیتا اور ہر ایک گنہگار

ص۵۰

جو آپنے گناہوں کی وجہ سے کسی خاص جون کو چاہتا ہے وُہی جُون پرمیشر اُسکو دے دیتا ہی
پس اس صُورت میں لازم آتا ہی کہ سطح زمین پر جس قدر پرند چرند درند خزندہ اور کیڑے مکوڑے
ہیں اُسی قدر انسان کے گناہ بھی ہوں مگر وید نے کوئی اس قدر لمبی چوڑی فہرست گناہوں کی
پیش نہیں کی اور عقل سلیم تو خود اس خیال کو سراسر لغو اور بیہودہ اور خلاف واقعہ سمجھتی
ہے۔ پس یہ وید ودیا کے نمونے ہیں جو ہم ظاہر کرتے جاتے ہیں۔ سب سے زیادہ افسوس کی
جگہ یہ ہے کہ پرمیشر باوجود مالک کہلانے کے کسی کا گناہ بخش نہیں سکتا اپنے زور بازو
سے کوئی نجات پاوے تو پاوے ورنہ آریوں کو پرمیشر کے فضل اور رحم سے ہاتھ دھو لینا
چاہیئے۔ ہم پرمیشر کی اس خصلت سے جس قدر تعجب میں ہیں کسی دوسری خصلت سے
ہمیں تعجب نہیں یعنی جبکہ وُہ جانتا ہی کہ انسانی فطرت کمزور ہی اور انسانی فطرت اُسی کی
ایک کل بنائی ہُوئی ہے اور اس کل کے تمام پُرزے پرچے اُسی کی طرف سے ہیں۔ تو
اس قدر سخت دِلی اُس کے تقدس کے برخلاف کیوں ہے۔ اگر وہ ایسا کمزور تھا کہ نہ تو
گناہ بخش سکے نہ رُوحوں کو پیدا کر سکے نہ جاودانی مکتی دے سکے تو کیوں اُس نے یہ نازک
کام خدائی کا اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ کیا ایسا پرمیشر جو نیک اخلاق سے کچھ بھی حصہ نہیں
رکھتا اور بات بات میں اس کا غضب اور کینہ ظاہر ہے برداشت تو ذرہ نہیں پھر کیونکر اُسکو
کینہ اور غضب سے مبرّا سمجھ سکتے ہیں کیا غضب کرنے والوں اور کینہ وروں کے سر پر سینگ
ہوتے ہیں۔ اور اگر وُہ توبہ کرنیوالوں اور عجز و نیاز سے اُسکی راہ میں گداز ہونیوالوں اور آتش محبت
میں بھسم ہونے والوں کے گنہ بخش نہیں سکتا اور خواہ انسان تضرع کرتا کرتا موت تک پہنچ جائے
اس کا دل نرم ہی نہیں ہوتا اور بدلہ لینے سے باز نہیں آتا تو اگر اُسکو غضب کرنیوالا اور کینہ ور نہیں
کہینگے تو اور کیا کہینگے اور اگر وُہ دائمی مکتی باوجود قدرت کے اُن بندوں کو نہیں دے سکتا جن کا
ایمان چند روزہ نہ تھا بلکہ ہمیشہ کیلئے تھا تو کیا اُسکے حق میں یہ کہنا بےجا ہوگا کہ وُہ حاسدوں
کی طرح اپنے صادق پرستاروں کا آرام نہیں چاہتا کیا بار بار پاس کرکے پھر فیل کرنا اور عزت

صفحہ ۵۱

دے کر پھر بے گناہ ذلیل کرنا اور رحم و کرم سے معاملہ نہ کرنا کیا اس شخص کی عادت ہو سکتی ہے جسکی طبیعت غضب اور حسد اور کینہ اور بغض سے خالی ہے جبکہ مکتی پانے والے لوگ اپنے زور بازو سے مکتی حاصل کرتے ہیں نہ پرمیشر کی کسی مروّت اور احسان سے تو کیا روا تھا کہ انکو مکتی خانہ سے باہر نکالا جاوے اور کون کہتا ہے کہ اُن کے محدود اعمال ہیں بلکہ موت تو ایک عارضہ تھا کہ پرمیشر کی طرف سے اُن کو لاحق ہو گیا ورنہ اُنکا ارادہ غیر محدود اعمال کا تھا پس چاہیئے تھا کہ پرمیشر انکی نیت کے موافق اُنکے ساتھ عمل کرتا نہ کہ وہ وجہ پیش کرتا جو کہ خود اسکی اپنے فعل سے پیدا ہوئی ہے نہ اُنکی نیت اور اختیار سے۔ افسوس وید نے ایک ایسا حلیہ پرمیشر کا دکھلایا ہے کہ گویا ہر ایک عیب اور غضب اور کینہ وری اور بے رحمی میں اسکی کوئی نظیر نہیں نہ قدرت کامل نہ رحم نہ اخلاق نہ اپنے وجود کا پتہ دے سکا کہ میں موجود ہوں کیونکہ اسکے وجود کا پتہ یا تو اسکی خالقیت سے ملتا تا مصنوع کو دیکھ کر صانع کو شناخت کیا جاتا مگر بموجب تعلیم وید کے وہ ارواح اور ذرّات عالم کا پیدا کنندہ نہیں۔ اور یا اسکے وجود کا پتہ اسکے تازہ نشانوں اور معجزات سے ملتا سو وہ نشانوں کے دکھلانے پر قادر نہیں۔ پس درحقیقت آریوں کا ایسے پرمیشر پر احسان ہے کہ باوجودیکہ اُس نے کوئی ثبوت اپنی ہستی کا نہیں دیا پھر بھی اُسکو مانتے ہیں۔

ہم آریہ صاحبوں کو اس بات کی طرف نہایت تاکید سے توجہ دلاتے ہیں کہ وہ صرف بیہودہ گو پنڈتوں کی باتوں پر اعتماد کر کے کسی ودیا کو وید کی طرف منسوب نہ کریں موجودہ وید میں کوئی ودّیا نہیں نہ دین کی نہ دُنیا کی۔ جس وید نے خدا کے وجود پر ہی کوئی دلیل قائم نہیں کی اور پہلا قدم ہی اُس کا غلط نکلا اسکے دُوسرے علوم و فنون تلاش کرنا صرف وقت ضائع کرنا ہے کیونکہ بموجب تعلیم وید کے پرمیشر رُوحوں اور اُنکی طاقتوں کا پیدا کرنے والا نہیں اور ایسا ہی ذرّات اور اُن کی طاقتوں کا پیدا کرنے والا نہیں تو پھر کیونکر شناخت کیا جائے کہ پرمیشر موجود بھی ہے اور یہ کہنا کہ پرمیشر روحوں اور جسموں کو باہم ملاتا ہے یہ قول کوئی دلیل نہیں جو رُوحیں اور ذرّات خود بخود ہیں وہ خود بخود مل بھی سکتی ہیں۔

صہ۵۲ اور پھر جس وید نے یہ خیال اپنا ظاہر کیا کہ سطح زمین کے تمام حیوانات اور آسمان کی فضا اور زمین کے اندر کے جانور اور تمام برّی بحری پرند چرند اور پانی کے کیڑے جو سمندر اور دریاؤں کے ہر ایک قطرہ میں ہزارہا ہیں یہ سب آدمی ہیں اس وید کو حق اور حکمت سے کیا تعلق ہے کیونکہ اگر یہ فرض کیا جائے کہ ان جانوروں کا کروڑم حصہ بھی کسی وقت آدمی بن کر اس زمین پر آباد ہوگا تب بھی ایسا فرض کرنا سراسر محال اور بالکل محال ہے بلکہ اگر زمین پر سے تمام سمندر اور تمام دریا اُٹھ جائیں اور تمام پہاڑ زمین سے ہموار ہو جاویں اور تمام زمین ایک صاف میدان آبادی کے لائق ہو جاوے تب بھی اگر کروڑم حصہ زمین کے جانداروں اور کیڑوں مکوڑوں کا انسان بن جائے اور اُنکو زمین پر آباد کرنا چاہیں اور زمین بھی اندازہ موجودہ سے دہ چند سے زیادہ ہو جائے پھر بھی اُن جانداروں کی بصورت آدمی بن جانے کے زمین پر گنجائش نہیں ہو سکتی۔ ہر ایک شخص جو ایک گروہ مہمانوں کا کسی گھر میں بلانا چاہتا ہے تو اوّل وہ دیکھ لیتا ہے کہ وہ گھر اُن کے لئے گنجائش بھی رکھتا ہے یا نہیں۔ پس اگر پرمیشر کا فی الحقیقت یہ ارادہ تھا کہ ان تمام جانداروں کو انسان بناکر زمین پر آباد کرے تو اس ارادہ کے مطابق زمین کو اس قدر فراخ بنانا چاہیئے تھا جس میں ان تمام انسانوں کی گنجائش ہو سکتی جو کیڑوں مکوڑوں کی جونوں سے انسان کے جون میں آنے والے تھے اور صاف ظاہر ہے کہ پرمیشر کا اس قدر چھوٹی زمین بنانا کہ جس میں ایک کوئیں کے کیڑے بھی اگر آدمی بنائے جائیں سما نہیں سکتے۔ اُس کا یہ فعل اُسکے اِس ارادہ پر دلالت کر رہا ہے کہ اُس کا منشاء ہی نہیں کہ یہ تمام کیڑے مکوڑے آدمی بن جائیں۔ ہاں اگر یہ کہو کہ پرمیشر سے یہ غلطی ہوئی کہ وہ صحیح اندازہ زمین اور تمام جانداروں کا نہیں کر سکا تو ایسے جواب سے نہ وید نہ وید کا پرمیشر اور نہ وید کا مذہب قائم رہ سکتا ہے۔

ایک اور وید وِدیا کا نمونہ ہم پیش کرتے ہیں اور وہ یہ کہ جیسا کہ ہم ابھی بیان کر چکے۔ زمین کی آبادی صرف ایک رُبع مسکون ہے جو نہایت قلیل

صـ ۵۳

آبادی ہے۔ ایسی صورت میں جبکہ وہ لوگ جو ایک مقررہ مدّت کے بعد مکتی خانہ سے نکالے جاتے ہیں اور شمار میں زمین سے ہزارہا حصہ زیادہ ہوتے ہیں اُن کی اس زمین پر کیونکر گنجائش ہو سکتی ہے کیونکہ جو لوگ مکتی خانہ سے باہر نکالے جاتے ہیں وہ صرف ایک صدی کے لوگ نہیں ہوتے بلکہ بموجب اصول قرار دادہ آریہ صاحبوں کے کروڑ ہا صدیوں کے آدمی ہوتے ہیں۔ پس وہ زمین جس کی سطح پر صرف ایک صدی کے آدمی بمشکل آباد ہیں اُس پر کروڑ ہا صدیوں کے آدمی کیونکر سما سکتے ہیں۔ کیا کوئی آریہ صاحب وید کے اِس عجیب و غریب فلسفہ سے ہمیں اطلاع دے سکتے ہیں۔

یاد رہے کہ یہ اعتراض اسلام کے عقیدہ پر نہیں ہو سکتا کیونکہ اسلام کے عقیدہ کے رُو سے پہلے آدمی اور پچھلے آدمی زمین پر کبھی جمع نہیں کئے گئے مگر وید کی رُو سے تو تمام پہلی پچھلی رُوحیں مکتی خانہ سے باہر نکالی جاتی ہیں اور پھر وہ تمام رُوحیں زمین پر طرح طرح کے حیوانوں کی شکل میں آجاتی ہیں۔ اب جب وہ تمام جاندار جو وقتاً فوقتاً زمین پر سے کوچ کر گئے تھے ایک ہی وقت میں زمین پر جمع ہوتے ہیں تو کوئی ہمیں سمجھائے کہ کیونکر اس زمین پر اُنکی گنجائش ہو سکتی ہے* اور پھر تمام مکتی پانے والوں کا ایک ہی وقت میں مکتی خانہ سے باہر نکالنا ایک عجیب بات ہے جو سمجھ نہیں آتی کیونکہ جب مکتی پانے والے مختلف زمانوں میں زمین سے انتقال کر کے مکتی خانہ میں داخل کئے جاتے ہیں تو چونکہ مکتی کا زمانہ محدود ہے اسلئے یہ اعتراض لازم آتا ہے کہ ان مختلف زمانوں کے لوگوں کو ایک ہی دفعہ مکتی خانہ سے باہر نکالنا بے انصافی ہوگی۔ بلکہ یہ لازم آتا ہے کہ جیل کے قیدیوں کی طرح جس مکتی یافتہ کی میعاد پوری ہو جائے اور وہ اِس لائق ٹھہرے کہ مکتی خانہ سے باہر نکال دیا جاوے اُسکو فی الفور نکال دیا جاوے۔ اور وہ دوسرا جس کی ابھی میعاد پوری نہیں ہوئی اسکو میعاد کے پورے ہونے تک مکتی خانہ میں رکھا جائے۔ غرض

*حاشیہ۔ اسلام میں جو حشر اجساد کی نسبت خبر دی گئی ہے یعنی یہ کہ قبروں میں سے مُردے بھی اُٹھیں گے ساتھ ہی یہ بھی خبر دی گئی ہے کہ اُس دن زمین اس قدر پھیلائی جائے گی کہ جو کروڑ ہا حد سے اس زمین سے بڑھ کر ہوگی۔ منہ

ویدودّیا کے نمونے یہ ہیں جو ہم نے بیان کئے ہیں۔ اور اگر کوئی آریہ صاحب اپنے خوش عقیدگی کی وجہ سے زیادہ کے مشتاق ہونگے۔ تو ہم اور بھی لکھیں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔ ۵۴

آریوں کی حالت پر بڑا افسوس ہے کہ وہ محض اپنی نادانی اور تعصب کیوجہ سے قرآن شریف پر جو سرچشمۂ **معارف** اور حقائق ہے اعتراض کرتے ہیں اور اپنے وید کی خبر نہیں لیتے کہ کس تاریکی میں پڑا ہوا ہے اور اُسکی باتیں ایسی خلاف عقل اور بیہودہ ہیں جو یقیناً اس سے بڑھ کر کسی قوم کی کتاب میں ایسی باتیں نہیں ہونگی۔ وید نے پرمیشر کو سراسر غضب اور کینہ وری کا پُتلا ٹھہرا دیا ہے جو کسی حالت میں سزا کے ارادہ کو نہیں چھوڑتا لیکن قرآن شریف نے خدا تعالیٰ کے غضب کو اس طور سے بیان نہیں کیا جو وید بیان کرتا ہے بلکہ وہ غضب ایک رُوحانی فلسفہ اپنے اندر رکھتا ہے جیساکہ خدا تعالیٰ سزا دہی کی کیفیت کے بارہ میں ایک جگہ قرآن شریف میں فرماتا ہے نَارُ اللّٰہِ الْمُوْقَدَۃُ الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَی الْاَفْئِدَۃِ[1]۔ یعنی دوزخ کیا چیز ہے دوزخ وہ آگ ہے جو دِلوں پر بھڑکائی جاتی ہے۔ یعنی انسان جب فاسد خیال اپنے دل میں پیدا کرتا ہے اور وہ ایسا خیال ہوتا ہے کہ جس کمال کیلئے انسان پیدا کیا گیا ہے وہ اُسکے مخالف ہوتا ہے۔ تو جیساکہ ایک بھوکا یا پیاسا بوجہ نہ ملنے غذا اور پانی کے آخر مر جاتا ہے۔ ایسا ہی وہ شخص بھی جو فساد میں مشغول رہا اور خدا تعالیٰ کی محبت اور اطاعت کی غذا اور پانی کو نہ پایا وہ بھی مر جاتا ہے۔ پس بموجب تعلیم قرآن شریف کے بندہ ہلاکت کا سامان اپنے لئے آپ تیار کرتا ہے خدا اُسپر کوئی جبر نہیں کرتا اسکی ایسی مثال ہے کہ جیسے کوئی اپنے حجرہ کے تمام دروازے بند کردے اور روشنی داخل ہونے کیلئے کوئی کھڑکی کھلی نہ رکھے تو اس میں شک نہیں کہ اُسکے حجرہ کے اندر اندھیرا ہو جائیگا۔ سو کھڑکیوں کا بند کرنا تو اُس شخص کا فعل ہے مگر اندھیرا کر دینا یہ خدا تعالیٰ کا فعل اُسکے قانون قدرت کے موافق ہے۔ پس اسی طرح جب کوئی شخص خرابی اور گناہ کا کام کرتا ہے تو خدا تعالیٰ اپنے قانون قدرت کی رُو سے اُس کے اِس فعل کے بعد کوئی اپنا فعل ظاہر کر دیتا ہے جو اس کی سزا ہو جاتا ہے لیکن باایں ہمہ توبہ کا دروازہ بند نہیں کرتا۔ مثلاً جب ایک شخص نے اپنے

[1] الھمزۃ : ۷-۸

ایسے حجرہ کی کھڑکی کھول دی جس کو اُس نے بند کر دیا تھا تو معاً خدا تعالیٰ اُس گھر میں روشنی داخل کرے گا۔ پس قرآن شریف کی رُو سے خدا کے غضب کے یہ معنی نہیں ہیں کہ وہ انسان کی طرح اپنی حالت میں ایک مکروہ تغیر پیدا کر کے خشمناک ہو جاتا ہے کیونکہ انسان تو غضب کے وقت میں ایک رنج میں پڑ جاتا ہے اور اپنی حالت میں ایک دُکھ محسوس کرتا ہے اور اس کا سرور جاتا رہتا ہے مگر خدا ہمیشہ سرور میں ہے اُس کی ذات پر کوئی رنج نہیں ہوتا۔ بلکہ اُسکے غضب کے یہ معنی ہیں کہ وُہ چونکہ پاک اور قدوس ہے اسلئے نہیں چاہتا کہ لوگ اُسکے بندے ہو کر ناپاکی کی راہیں اختیار کریں اور تقاضا فرماتا ہے کہ ناپاکی کو درمیان سے اُٹھا دیا جاوے۔ پس جو شخص ناپاکی پر اصرار کرتا ہے آخر کار وہ خدائے قدوس اپنے فیض کو جو مدار حیات اور راحت اور آرام ہے اس سے منقطع کر لیتا ہے اور یہی حالت اُس نافرمان کے لئے موجب عذاب ہو جاتی ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے ایک باغ ہے جو ایک نہر کے پانی سے سرسبز اور شاداب ہوتا تھا اور جب باغ والوں نے نہر کے مالک کی اطاعت چھوڑ دی تو مالک نہر نے اس باغ کو اپنے نہر کے پانی سے محروم کر دیا اور بند لگا دیا تب باغ خشک ہو گیا۔

اب واضح ہو کہ ضرورت الہام کو بیان کرنا اُس قوم کا کام نہیں ہے جو الہام کو کسی گذشتہ زمانہ تک محدود سمجھ بیٹھی ہے۔ کیونکہ جو چیز واقعی طور پر ضروری ہے اُس کی ہمیشہ اور ہر وقت ہمیں ضرورت ہے۔ اور اگر کہیں کہ پہلے زمانوں میں **الہام** کی ضرورت تھی اور اب نہیں ہے تو گویا ہم خود ضرورت الہام کے **منکر ہیں**۔ مثلاً ہمیں زندگی کے لئے سانس لینے کی ضرورت ہے پس نہیں کہہ سکتے کہ کل وُہ ضرورت تھی مگر آج نہیں ہے اور آج ہم کسی دوسرے کو سانس لیتے دیکھ کر جی سکیں گے۔ بلکہ الہام ہی ایک ایسی چیز ہے کہ جو خدا کو نزدیک کر کے ہمیں دکھلا دیتا ہے اور ہمارا رشتہ خدا سے محکم کر دیتا ہے اور ہم جیسے پہلے آسمان سے آئے تھے الہام دوبارہ ہمیں آسمان کی طرف لے جاتا ہے۔

اب جاننا چاہیئے کہ دلیل دو قسم کی ہوتی ہے ایک اِنّی اور لِمّی دلیل اُس کو کہتے

صفحہ ۵۶

ہیں کہ دلیل سے مدلول کا پتہ لگالیں جیساکہ ہم نے ایک جگہ دھواں دیکھا تو اس سے ہم نے آگ کا پتہ لگالیا۔ اور دوسری دلیل کی قسم انّی ہے اور انّی اُسکو کہتے ہیں کہ مدلول سے ہم دلیل کی طرف انتقال کریں جیساکہ ہم نے ایک شخص کو شدید تپ میں مبتلا پایا تو ہمیں یقین ہوا کہ اس میں ایک تیز صفرا موجود ہے جس سے تپ چڑھ گیا۔ سو اس جگہ ہم انشاء اللہ تعالیٰ دونوں قسم کی دلیلیں پیش کریں گے۔

سو پہلے ہم لمّی دلیل ضرورت الہام کے لئے پیش کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ اس میں کچھ شک نہیں کہ انسان کے جسم کا جسمانی اور رُوحانی نظام ایک ہی قانون قدرت کے ماتحت ہے پس اگر ہم انسان کے جسمانی حالات پر نظر ڈال کر دیکھیں تو ظاہر ہوگا کہ خداوند کریم نے جسقدر انسان کے جسم کو خواہشیں لگادی ہیں اُنکے پُورا کرنے کیلئے بھی سامان مہیا کئے ہیں چنانچہ انسان کا جسم بباعث بھوک کے اناج کا محتاج تھا سو اسکے لئے طرح طرح کی غذائیں پیدا کی ہیں۔ ایسا ہی انسان بباعث پیاس کے پانی کا محتاج تھا سو اسکے لئے کوئیں اور چشمے اور نہریں پیدا کردی ہیں اسی طرح انسان اپنی بصارت سے کام لینے کیلئے آفتاب یا کسی اور روشنی کا محتاج تھا سو اسکے لئے خدا نے آسمان پر سورج اور زمین پر دوسری اقسام کی روشنی پیدا کردی ہے۔ اور انسان اس ضرورت کے لئے کہ سانس لے اور نیز اس ضرورت کیلئے کہ کسی دوسرے کی آواز کو سُن سکے۔ ہوا کا محتاج تھا سو اس کیلئے خدا نے ہوا پیدا کردی ہے۔ ایسا ہی انسان بقائے نسل کیلئے اپنے جوڑے کا محتاج تھا سو خدا نے مرد کیلئے عورت اور عورت کیلئے مرد پیدا کردیا ہے۔ غرض خدا تعالیٰ نے جو جو خواہشیں انسانی جسم کو لگادی ہیں اُن کیلئے تمام سامان بھی پیدا کردیا ہے۔ پس اب سوچنا چاہیئے کہ جبکہ انسانی جسم کو باوجود اُسکے فانی ہونے کے تمام اُسکی خواہشوں کا سامان دیا گیا ہے تو انسان کی رُوح کو جو دائمی اور ابدی محبت اور معرفت اور عبادت کیلئے پیدا کی گئی ہے کس قدر اُسکی پاک خواہشوں کے سامان دئے گئے ہونگے۔ سو وُہی سامان خدا کی وحی ہے اور اُس کے تازہ نشان ہیں جو ناقص العلم انسان کو یقین تام تک پہنچاتے ہیں۔ خدا نے جیساکہ جسم کو

۵۵

اُس کی خواہشوں کا سامان دیا ایسا ہی رُوح کو بھی اُس کی خواہشوں کا سامان دیا۔ تا جسمانی اور رُوحانی نظام دونوں باہم مطابق ہوں۔

جن کو رُوحانی حسّ دی گئی ہے وُہ اس بات کو محسوس کرتے ہیں کہ رُوح اپنی تکمیل کیلئے ایک روحانی غذا اور پانی کی محتاج ہے جس سے روحانی زندگی قائم رہ سکتی ہے۔ رُوحانی زندگی کیا چیز ہے؟ وہ اپنے محبوب حقیقی کی محبّت اور اُس سے قطع تعلق ہو جانے کا خوف ہے۔ اور محبّت سے مُراد وہ حالت ہے کہ بکلّی دل اُسی کی طرف کھینچا جائے اور اُس کے مقابل پر کوئی دُوسرا باقی نہ رہے۔ اور روحانی خوف سے یہ مراد ہے کہ قطع تعلق کے اندیشہ سے گناہ کا مادّہ جل جائے اور روح میں ایک پاک تبدیلی پیدا ہو جائے اور دنیا میں کوئی ایسی انسانی رُوح نہیں جو روحانی زندگی کی طالب نہیں۔ ہاں جو لوگ محض دنیا کے کیڑے ہیں انکی رُوح کی بصارت قریباً مردار پڑجاتی ہے اور وُہ خدا سے قطع تعلق کر لیتے ہیں اور خدا سے نہیں ڈرتے اور صرف دُنیا کو اپنی اصلی غرض سمجھنے لگتے ہیں مگر تاہم کسی خوفناک نظارہ کے وقت جیسا کہ سخت زلزلہ یا کسی خطرناک بیماری کیوجہ سے ایک بجلی کی طرح اُس مالک حقیقی کی ہیبت کی چمک اُن کے سامنے بھی آجاتی ہے اور پھر غافل ہو جاتے ہیں۔

مگر یاد رہے کہ فقط یہ کہنا کہ جس خدا نے جسم کی حالتوں کے موافق اس کو سامان دئے ہیں ایسا ہی رُوح کو اُسکی حاجتوں کے موافق سامان دئے ہونگے جیسا کہ مضمون پڑھنے والے آریہ نے بیان کیا یہ وجودِ الہام پر کامل دلیل نہیں ہے کیونکہ مخالف کہہ سکتا ہے کہ ممکن ہے کہ انسان کو ایک چیز کی ضرورت تو ہو مگر وہ چیز اُس کو حاصل نہ ہو۔ پس سچ تو یہ ہے کہ یہ دلیل جو لمّی ہے پُوری نہیں ہو سکتی جب تک اُسکے ساتھ انّی دلیل نہ ہو یعنی جب تک تازہ نمونہ الہام کا نہ دیکھا جائے بلاشبہ ضرورت کا محسوس کرنا اور چیز ہے اور پھر اس ضرورت کو حاصل بھی کر لینا یہ اَور امر ہے۔ پس آریوں کے مضمون پڑھنے والے نے جو ضرورت الہام کیلئے صرف یہ چند فقرے بیان کئے کہ جس طرح خدا انسان کی جسمانی خواہشوں کو پُورا کرتا ہے مثلاً

۵۸ پیاس کے وقت پانی عطا کرتا ہے اور بھوک کے وقت طرح طرح کی غذائیں عنایت کرتا ہے اسی طرح خدا روحانی خواہشوں کا بھی پورا کرنیوالا ہے اور وہ الہام ہے یہ کامل دلیل نہیں ہے۔ اور اگر یہ کامل ہے تو تم جسمانی اور روحانی قانون قدرت ہمیں مطابق کر کے دکھلاؤ جنکے واقعات میں ایک ذرہ تفاوت نہ ہو۔ تم دیکھتے ہو کہ اس زمانہ میں تمہارے جسم کیلئے غذا اور پانی دونوں موجود ہیں یہ نہیں کہ فقط کسی پہلے زمانہ میں تھیں اور اب نہیں ہیں مگر جب الہام اور وحی کا ذکر آتا ہے تو پھر تم کسی ایسے پہلے زمانہ کا حوالہ دیتے ہو جسپر کروڑہا برس گذر چکے ہیں مگر موجود کچھ نہیں دکھلا سکتے۔ پھر خدا کا جسمانی اور روحانی قانون قدرت باہم مطابق کیونکر ہوا۔ ذرا ٹھہر کر سوچو یونہی جلدی سے جواب مت دو۔ تم اس سے انکار نہیں کر سکتے کہ جسمانی خواہشوں کے سامان تو تمہارے ہاتھوں میں موجود ہیں مگر روحانی خواہشوں کے سامان تمہارے ہاتھوں میں موجود نہیں بلکہ صرف قصے تمہارے ہاتھوں میں ہیں جو بودے اور باسی ہو چکے ہیں۔ تم جانتے ہو کہ اس زمانہ تک تمہارے جسمانی چشمے بند نہیں ہوئے جن کا تم پانی پی کر پیاس کی جلن اور سوزش کو دور کرتے ہو اور نہ جسمانی کھیتوں کی زمین ناقابل زراعت ہو گئی ہے جن کے اناج سے تم دو وقت پیٹ بھرتے ہو۔ مگر وہ روحانی چشمے اب کہاں ہیں جو الہام الٰہی کا تازہ پانی پلا کر پیاس کی سوزش کو دور کرتے تھے اور اب وہ روحانی اناج بھی تمہارے پاس نہیں ہے جس کو کھا کر تمہاری روح زندہ رہ سکتی تھی۔ اب تم گویا ایک جنگل میں ہو جس میں نہ اناج ہے نہ پانی ہے۔ تم سوچ کر دیکھ لو کہ کیا صرف اناج کے نام سے تمہارا پیٹ بھر سکتا ہے یا صرف پانی کے خیال سے تمہاری پیاس کی سوزش دور ہو سکتی ہے۔ ہم نے قبول کیا کہ تمہارے رشی روحانی اناج کھاتے تھے اور روحانی پانی پیتے تھے۔ مگر تم تو اس سے محروم ہو اور اب تو تمہاری وہ مثال ہے کہ کسی نے کسی شخص سے پوچھا تھا کہ کیا تو نے کبھی کنک کی روٹی کھائی ہے تو اس نے جواب دیا کہ میں نے تو کبھی نہیں کھائی مگر میرے دادا صاحب بات کیا کرتے تھے کہ انہوں نے ایک

۵۹

شخص کو کھاتے دیکھا تھا۔

اے غافلو تمہیں اِن قصّوں سے کیا فائدہ کہ وید کے رشیوں کو الہام ہوتا تھا اب تمہارے لئے وُہ سب قصّے ہیں اور تمہاری یہ حماقت ہے کہ ضرورت الہام کے مطالبہ کے وقت صرف قصّے پیش کر دیتے ہو۔ یاد رکھو کہ الہام کا ثبوت طلب کرنے کے وقت صرف یہ بات پیش کرنا کہ ویدوں کے رشیوں کو الہام ہوتا تھا یہ الہام کے وجود کی کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ یہ تو ایک دُوسرا دعویٰ ہے۔ کسی کو کیا خبر کہ اُن کو الہام ہوتا تھا یا نہ ہوتا تھا۔ **صاحبو!** جو کچھ میں آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں اُس کے سمجھنے کے لئے کچھ زیادہ عقل کی ضرورت نہیں بلکہ میں آپ کی بات سے ہی آپ کو ملزم کرتا ہوں اور وہ یہ کہ **آپ کا یہ اصول** ہے کہ الہام چاروں ویدوں سے ہی خاص تھا۔ اور بقول آپ کے الہام کا زمانہ آگے نہیں بلکہ پیچھے رہ گیا ہے اور اسی وجہ سے آپ لوگ خدا تعالیٰ کے مقدس نبیوں کو مفتری قرار دیتے ہیں۔ مگر اب آپ اپنے اس اصول کی پروا نہ رکھ کر بقول شخصے کہ دروغ گو را حافظہ نباشد خدا کے رُوحانی انتظام کو جسمانی انتظام کے مطابق قرار دیتے ہیں اور ہم قبول کرتے ہیں کہ یہ آپ کا قول سچ ہے کیونکہ قانون قدرت تطابق ہی چاہتا ہے مگر کیا یہ سچ ہے کہ جیسا کہ یہ تمہاری جسمانی خواہشیں بھوک اور پیاس کی جو تمہیں ہر روز لگتی ہیں موجودہ اناج اور پانی سے پُوری کی جاتی ہیں ایسا ہی رُوحانی خواہشیں بھی رُوحانی موجودہ غذا اور پانی سے پُوری ہو رہی ہیں **خلاصہ کلام** یہ کہ آپ لوگ خدا کے الہام کو ہرگز ثابت نہیں کر سکتے۔ جسمانی حاجتوں کے وقت تو ہمیں آپ پانی اور اناج دکھا دیتے ہیں۔ مگر رُوحانی حاجتوں کے وقت آپ صرف قصّے پیش کرتے ہیں کیا صرف قصوں کو کوئی کھاوے یا پیوے۔ مگر ہم صرف قصّے پیش نہیں کرتے بلکہ آپ کو تازہ بتازہ **الہام** دکھلا دیتے ہیں۔ وُہ خدا کا الہام ہی تھا جس نے لیکھرام کے قتل ہونے کی پانچ برس پہلے خبر دی تھی اور وُہ خدا کا الہام ہی تھا جس نے

تین شریر آریوں کی نسبت جو قادیان کے آریہ اخبار شبھ چنتک کے ایڈیٹر اور منتظم تھے اور سخت بدگو تھے خبر دی تھی کہ وُہ طاعون سے ہلاک ہو نگے چنانچہ وہ اس پیشگوئی سے دوسرے یا تیسرے دن طاعون سے ہی مرے۔ آپکے پرمیشر کو کیا چیز سمجھیں وُہ تو صرف قصوں سے طفل تسلّی دیتا ہی مگر ہمارے خدا نے خود ہمیں الہام سے مشرف کر دیا۔

پھر مضمون پڑھنے والے نے وید کی تائید میں یہ سُنایا کہ الہام آدسرشٹی یعنی ابتدائے زمانہ آفرینش سے ہونا چاہیئے مگر اس بات پر دلیل نہیں بیان کی کہ کیوں ابتدائے آفرینش سے ہونا چاہیئے اور کیوں بعد اسکے الہام نازل کرنا حرام ہی۔ پس واضح ہو کہ یہ بات تو ضروری ہی اور ہم مانتے ہیں کہ دُنیا کی ابتدا میں انسان کو خدا سے الہام پانے کی ضرورت ہی مگر ہم یہ نہیں مانتے کہ وُہ ضرورت صرف ابتدائے زمانہ میں پیش آتی ہی اور بعد اسکے کبھی پیش نہیں آتی۔ ابتدائے زمانہ میں خدا کے الہام کی طرف صرف اسلئے انسان محتاج ہی کہ وہ محض بے خبری کی حالت میں پیدا ہوتا ہی اور نہیں جانتا کہ ایمان کیا ہی اور اعمال صالح کن اعمال کو کہتے ہیں۔ مگر یہ بے خبری کچھ ابتدائے زمانہ پر موقوف نہیں بلکہ انسان کی فطرت کچھ ایسی واقع ہی کہ گو اُسکے باپ دادے راہ راست سے بے خبر نہ تھے اور ایمان رکھتے تھے اور نیک اعمال بجا لاتے تھے مگر انسان ایک مدّت دراز گذرنے کے بعد اُن کے طریق کو بھول جاتا ہے اور اُن کے مخالف طریق اختیار کرتا ہی اور بسا اوقات وُہ کتاب محرّف و مبدّل ہو جاتی ہے جس سے پہلے لوگ ہدایت پاتے تھے اور بعض اوقات پیچھے آنے والے لوگوں کو اُن کے معنی سمجھنے میں غلطیاں پیدا ہو جاتی ہیں جیساکہ یہی غلطیاں وید کے پڑھنے والوں کو پیش آئیں کہ انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ وید مخلوق پرستی سکھاتا ہے اسی وجہ سے تمام ہندو مخلوق پرستی میں گرفتار ہیں۔ اور تمام آریہ ورت بُت پرستی اور آتش پرستی اور آفتاب پرستی اور ماہتاب پرستی اور آب پرستی اور انسان پرستی سے بھرا ہوا ہے بلکہ دُنیا میں کوئی مخلوق پرستی کی قسم نہیں جو ہندوؤں نے اختیار نہیں کر رکھی۔ یہاں تک کہ بعض درختوں کی بھی پوجا ہوتی

صلہ ۶۱

ہے اور بعض ہندو سانپوں کی بھی پرستش کرتے ہیں۔ اور ایک قسم کی نہایت گندی پُوجا بھی کرتے ہیں جس کو لِنگ پُوجا کہتے ہیں اور کایستھ قوم کے پڑھے لکھے ہندو قلم کی پُوجا کرتے ہیں ایسا ہی اور کئی قسم کی پُوجا ہیں جو اس قوم میں پائی جاتی ہیں جیسا کہ ہندوؤں نے بہت سے دیوتا بھی بنا رکھے ہیں کہ شاید تینتیس کروڑ یا اس سے بھی زیادہ ہیں ان سب کی پُوجا ہوتی ہے اور اس میں صرف عوام ہی نہیں بلکہ بڑے بڑے پنڈت اور عالم فاضل ہندو مذہب کے قریباً سب کے سب مخلوق پرست ہیں۔ یہ تو وہ اعمال ہیں جن میں خدا کا حق مخلوق کو دیا گیا ہے۔ ماسوا اسکے ہندوؤں میں **قومی تفریق** اس قدر ہے کہ ایک قوم دُوسری قوم کو نہایت تحقیر سے دیکھتی ہے۔ برادرانہ ہمدردی کا نام و نشان نہیں۔ ایک ہندو دوسرے ہندو کو بغیر سُود کے قرضہ نہیں دے سکتا۔ اور باہمی اختلاط کا یہ حال ہے کہ ایک ہندو دوسرے ہندو ادنیٰ قوم کو کُتّے کی طرح سمجھتا ہے۔ کیا مجال کہ اُس کا پس خوردہ کھا سکے بلکہ کُتّوں کے پس خوردہ میں بھی کچھ مضائقہ نہیں دیکھتے۔ اور جو ادنیٰ ذات کے ہندو ہیں جیسے حجام۔ نجار۔ زرگر وغیرہ وہ نہایت ذلیل سمجھے جاتے ہیں۔ اور شاستروں کے رُو سے اگر وہ برہمن کا مقابلہ کریں تو اُنکی جان کی خیر نہیں۔ اور اگر مقابلہ کے وقت کچھ بولیں تو اُن کی زبان کاٹ دی جاوے۔ اور اگر برابری کریں تو جان سے مارے جائیں۔ اور برہمنوں کو وہ حق دئے گئے ہیں کہ دُوسری قوموں کو وہ حق حاصل نہیں ہیں یہاں تک کہ نیوگ کے **بیرج داتا** بھی برہمن ہی قرار دئے جاتے ہیں۔ یہ حکم ہے کہ اگر کسی کے گھر میں لڑکا پیدا نہ ہو تو وُہ اپنی عورت کو برہمن سے ہمبستر کراوے۔ اور وید کا پڑھنا پڑھانا بھی برہمنوں سے خاص ہے اگر دُوسری قومیں وید کو پڑھیں تو اُن کے لئے سخت سزائیں مقرر ہیں۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ تا وید برہمنوں کے ہی ہاتھ میں رہے اور وُہ جو کچھ چاہیں بیان کر دیا کریں اور دُوسرے لوگ اُن کی چالاکیوں پر اطلاع نہ پاویں بلکہ وُہ سب اِن کے دست نگر رہیں۔

پس وید کے اس نمونہ سے ظاہر ہے کہ ایک مدّت گذرنے کے بعد کس قدر

۶۲

کتابوں میں تغیرات پیدا ہو جاتے ہیں اور کس قدر خرابیاں ظہور میں آجاتی ہیں۔ پس سچ تو یہ ہے کہ ابتدائے زمانہ میں جبکہ انسانی نفوس سادہ اور شر سے خالی ہوتے ہیں ایسی سخت ضرورت الہامی کتاب کی نہیں ہوتی جیسا کہ اس فاسد زمانہ میں الہامی کتاب کی ضرورت ہوتی ہے جبکہ دنیا میں حد سے زیادہ بدعقیدگی اور بدچلنی پھیل جاتی ہے اور ہر ایک قسم کے عیب اور بدکاری اور شرک اور ہر ایک قسم کا ظلم اور انواع اقسام کے معاصی اور جرائم اور مخلوق پرستی طبیعت میں جم جاتی ہے اور سینہ میں نقش ہو جاتی ہے اور دل میں گھر کر جاتی ہے اور پھر سچائی سے اس قدر بُغض ہو جاتا ہے کہ ایسے مفسد لوگ اپنے واعظ اور ناصح کے جانی دشمن ہو جاتے ہیں اور مرنے مارنے پر طیار ہو جاتے ہیں اور دُکھ دیتے ہیں اور سخت مقابلہ کرتے ہیں۔

پس ایسے وقت پر جو خدا کا کوئی رسول اصلاح کے لئے آتا ہے تو اس پر بڑی مشکلیں پڑتی ہیں لیکن جو شخص ابتدائے زمانہ میں خدا کا رسول ہو کر آتا ہے اس کا تو صرف یہ کام ہے کہ جیسا کہ ماں بچوں کو پرورش کرتی ہے ایسا ہی وہ بھی ابتدائے پیدائش کے لوگوں کو رُوحانی طور پر بچوں کی طرح پرورش کرتا ہے اور ہنسی خوشی میں اپنی تعلیم اُن کے دِلوں میں ڈال دیتا ہے۔[1] کیونکہ ابتدائے آفرینش کے وقت دل سادہ ہوتے ہیں۔

---

[1] حاشیہ۔ جو کتاب ابتدائے آفرینش کے وقت آئی ہوگی اس کی نسبت عقل قطعی طور پر تجویز کرتی ہے کہ وہ کامل کتاب نہیں ہوگی بلکہ وہ صرف اُس استاد کی طرح ہوگی جو ابجد خواں بچوں کو تعلیم دیتا ہے صاف ظاہر ہے کہ ایسی ابتدائی تعلیم میں بہت لیاقت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ہاں جس زمانہ میں انسانی تجربہ نے ترقی کی اور نیز نوع انسان کئی قسم کی غلطیوں میں پڑ گئی تب باریک تعلیم کی حاجت پڑی۔ بالخصوص جب گمراہی کی تاریکی دنیا میں بہت پھیل گئی اور انسانی نفوس کئی قسم کی علمی اور عملی ضلالت میں مبتلا ہو گئے تب ایک اعلیٰ اور اکمل تعلیم کی حاجت پڑی اور وہ قرآن شریف ہے لیکن ابتدائے زمانہ کی کتاب کے لئے اعلیٰ درجہ کی تعلیم کی ضرورت نہ تھی کیونکہ ابھی انسانی نفوس سادہ تھے اور ہنوز اُن میں کوئی ظلمت اور ضلالت جاگزیں نہیں ہوئی تھی۔ ہاں اس کتاب کے لئے اعلیٰ تعلیم کی ضرورت تھی جو انتہائی درجہ کی ضلالت کے وقت ظاہر ہوئی اور اُن لوگوں کی اصلاح کیلئے آئی جن کے دِلوں میں عقائد فاسدہ راسخ ہو چکے تھے اور اعمالِ قبیحہ ایک عادت کے حکم میں ہو گئے تھے۔ منہ

اور وہ انواع اقسام کی گمراہی جو رفتہ رفتہ پیچھے سے لاحق حال ہو جاتی ہے اور دلوں پر میل ﴿۶۳﴾
کی طرح جم کر جامہ ناپاک کی طرح کر دیتی ہے اُس وقت موجود نہیں ہوتی بلکہ دل سفید کپڑے کی
طرح ہوتے ہیں مگر بعد میں رفتہ رفتہ طرح طرح کے بُرے کام اور انواع اقسام کے گناہ
پیدا ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ کثرت گناہوں کے سبب سے لوگ ہلاکت کے قریب پہنچ جاتے
ہیں اور بُری عادتیں اُن کے دلوں میں جم جاتی ہیں یہاں تک کہ وہ خراب عقیدوں اور خراب
عادتوں کو اپنا ایک مذہب بنا لیتے ہیں اور پھر اُن باطل طریقوں کی حمایت کے لئے اُنکے
دلوں میں تعصب اور حمیّت پیدا ہو جاتی ہے اور ان بدعقیدوں اور بدرسوم کا چھوڑنا
اس لئے بھی اُن پر مشکل ہو جاتا ہے کہ قومی تعلقات اس سے مانع ہو جاتے ہیں اور باہمی
رشتہ ناطہ کی بھاری زنجیریں اس بات سے روکتی ہیں کہ قومی مذہب کو ترک کیا جائے۔
اب آپ سوچ سکتے ہیں کہ ایسے وقت میں جو کوئی رسول خدا تعالیٰ کی طرف سے آئیگا
تا ایسے بگڑے ہوئے لوگوں کی اصلاح کرے تو کس قدر مشکلات کا اُسکو سامنا کرنا پڑیگا
اور کس قدر ضروری ہوگا کہ ایسے پُرآشوب اور پُرفساد زمانہ میں خدا تعالیٰ نوع انسان پر
رحم فرما کر انکی اصلاح کیلئے کوئی رسول بھیجے۔ کیا ہم گمان کر سکتے ہیں کہ ابتداء آفرینش کے
زمانہ میں جبکہ یہ تمام مفاسد اور نہایت گندے عقیدے اور گندے گناہ دنیا میں موجود
نہ تھے تب تو خدا تعالیٰ نے نوع انسان پر رحم کر کے کوئی الہامی کتاب اُن کو
عنایت فرمائی لیکن جب زمین ناپاکی سے بھر گئی اور وہ پہلی کتاب اصلاح نہ کر سکی بلکہ
صدہا بدعقیدے اُسکی غلط فہمی سے پیدا ہو گئے اور نیز اُس کی تعلیم سے بہت سے حصے
دُنیا کے بے خبر رہے اور انہوں نے بے خبری کی حالت میں جو کچھ عقیدہ اور عمل چاہا اختیار کیا
اور ہر ایک بُرے کام سے حصہ لیا۔ ایسے زمانہ میں کوئی الہامی کتاب خدا نے نازل نہ کی۔
اور کیا ہم یہ خیال کر سکتے ہیں کہ ابتدائے آفرینش کے زمانہ میں تو خدا تعالیٰ کو یہ
طاقت اور قدرت حاصل تھی کہ لوگوں کو اپنے احکام پر قائم ہونے کے لئے کوئی

الہامی کتاب نازل فرماتا۔ مگر بعد میں ایک ایسے زمانہ میں کہ جب ایک طوفان گناہوں کا برپا ہُوا۔ یہ طاقت اُس کی مسلوب ہوگئی اور اُس کو قدرت نہ رہی کہ انسانوں کی موجودہ حالت کے موافق اُن کی اصلاح کے لئے کوئی کتاب بھیجتا۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ ابتدائے زمانہ میں تو کسی الہامی کتاب کی چنداں ضرورت نہیں مگر جبکہ زمانہ پر فساد اور گمراہی غالب آگئی ہو اور بدعقیدگی اور بدکاری کے جذام سے روحانیت کا خون بگڑ گیا ہو۔ تو اس صُورت میں **الہامی کتاب کی اشد ضرورت پیش آئے گی۔**

... ... لیکن جیسا کہ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں نوع انسان ابتدائے آفرینش میں اصلاح کی ایسی محتاج نہیں جیسا کہ اس زمانہ میں محتاج ہے جس میں ایک طوفان بدعقیدگی اور بدکاری کا برپا ہو۔ خاص کر جبکہ بقول آریوں کے ابتدائے آفرینش میں مکتی پانے کا زمانہ قریب تھا اور بوجہ قرب زمانہ مکتی کے پہلی تمام ہدایتیں اور گیان اور معرفت کی باتیں خوب یاد تھیں اور ابھی دل خراب نہیں ہوئے تھے اور عملی حالت بگڑی نہیں تھی تو ایسے پاک دلوں کو جو ابھی کسی بدعقیدگی اور بدعملی میں مبتلا نہیں ہوئے تھے کسی مصلح اور کسی الہامی کتاب کی چنداں ضرورت نہ تھی۔ اور یہ تو ہم مانتے ہیں کہ ابتدائے آفرینش میں بھی اُسوقت کے انسانوں کے لئے خدا تعالیٰ نے کوئی کتاب دی تھی مگر یہ نہیں مانتے کہ وہ کتاب وید ہی ہے اور نہ وید نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ وہ ابتدائے زمانہ کی کتاب ہے۔ بلکہ رِگ وید جا بجا اس مضمون سے بھرا پڑا ہے کہ وید سے پہلے کئی راستباز گذر چکے ہیں اور وید میں جا بجا ایسی چیزوں کا ذکر ہے جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وید اُس زمانہ کی کتاب ہے جبکہ دنیا ہر ایک نیک و بد سے خوب آباد ہو چکی تھی اور اہل دُنیا کے تمام ضروری اسباب پیدا ہو چکے تھے اور ہم اس دلیل کو بھی نہیں مانتے کہ جو وید کے الہامی ہونے پر اِس طور سے پیش کی جاتی ہے کہ اوّل صرف دعوے کے طور پر یہ بیان کیا جاتا ہے کہ وید ایک ایسی کتاب ہے کہ جو ابتدائے آفرینش میں انسانوں کو دی گئی اور پھر بعد اس کے یہ کہا

۶۵

جاتا ہے کہ ابتدائے زمانہ میں یہ گمان نہیں ہو سکتا کہ بجز خدا کے کسی نے افتراء کے طور پر کتاب بنائی ہو۔ کیونکہ اُس زمانہ میں بولی سکھلانے والا محض خدا تھا اُسکے سوا کوئی نہ تھا سو اُس نے ویدک سنسکرت سکھلائی اور ظاہر ہے کہ بغیر سکھلانے کے کوئی بولی یاد نہیں آسکتی۔ اگر کسی نوزاد بچہ کو کچھ بھی نہ سکھلایا جائے تو وہ گنگا رہ جاتا ہے۔

یہ عجیب دلیل ہے جو آریہ مضمون سُنانے والے نے پیش کی ہے کہ پہلے تو وہ لوگوں کو اِس بات کے لئے مجبور کرتا ہے کہ تم بلا دلیل مان لو کہ وید ابتدائے زمانہ کی کتاب ہے اور پھر اپنے مذکورہ بالا بیان کے ساتھ وید کو الہامی کتاب ٹھہراتا ہے۔ سو اسکی یہ دلیل محض اِس طور کی ہے کہ جیسے کوئی کہے کہ اوّل تم بلا دلیل اِس بات کو مان لو کہ پنڈت دیانند کے جسم پر پرندوں کی طرح پر بھی تھے جو عقاب کے پروں کی طرح نہایت قوی اور مضبوط تھے اور پھر ہم یہ بات ثابت کر دیں گے کہ آریہ ورت میں جس قدر اُس نے دورہ کیا اُس تمام دورہ میں وہ ریل وغیرہ کا محتاج نہ تھا بلکہ پرواز کر کے ایک شہر سے دُوسرے شہر تک جاتا تھا۔ افسوس یہ لوگ نہیں جانتے کہ ایک بلا دلیل دعویٰ پیش کر کے پھر اُسی دعویٰ کی بناء پر کوئی بکواس کر کے اُس کا نام دلیل رکھنا عقلمندوں کا کام نہیں۔ سو یاد رہے کہ پہلے تو یہی بارِ ثبوت آریہ صاحبوں کی گردن پر ہے کہ وہ وید کو ابتدائے آفرینش کی کتاب ثابت کریں اور پھر بعد اس کے کوئی بات کریں۔

اور پھر یہ کہنا کہ بغیر سکھلانے کے کوئی بولی یاد نہیں آسکتی۔ یہ امر بھی بموجب اصول آریہ کے پہلے زمانہ کے نیا جنم لینے والے لوگوں پر صادق نہیں آسکتا کیونکہ وہ اپنے مکتی کے زمانہ سے قریب العہد ہوتے ہیں اور تازہ بتازہ مکتی خانہ سے باہر آتے ہیں اور چونکہ وہ ایسے گھر سے دُنیا کی طرف آتے ہیں جس میں بقول آریہ سماج داخل ہونیوالے پورے طور پر وید کی ہدایتوں کے پابند ہوتے ہیں اور وید اُنکو کنٹھ ہوتا ہے اسلئے اُن کی نسبت یہ گمان نہیں ہو سکتا کہ وہ اُن بچوں کی طرح ہوں جو کئی لاکھ برس گذرنے کے بعد پیدا ہوتے ہیں

۶۶

بھلا عقل اس بات کو قبول کر سکتی ہے کہ جو لوگ نہایت قریب زمانہ میں مکتی خانہ سے باہر نکلتے ہیں اُن کے حافظہ اور علوم اور معارف پر ایسے پتھر پڑ جائیں کہ جو لوگ کروڑہا برس بعد آتے ہیں اُن کے ساتھ برابر ہو جائیں؟ غرض ہم یہ تو مانتے ہیں کہ جو لوگ مکتی کے زمانہ سے کروڑہا برس بعد میں آتے ہیں وُہ بوجہ زمانہ درازکی غفلت کے وید وِدیا کو یاد نہیں رکھتے اور نہ سنسکرت کو یاد رکھتے ہیں سب کچھ بھول جاتے ہیں اور یہ بات بالکل سچ ہے کہ ایسے بچوں کو اگر اُن کے پیدا ہونے کے بعد زبان نہ سکھائی جائے تو وُہ بالکل گنگے رہ جاتے ہیں مگر کیا وہ لوگ بھی گنگے ہی رہ سکتے ہیں جو تازہ بتازہ مکتی خانہ سے باہر آتے ہیں اُن کیلئے تو ضرور ہے کہ بغیر حاجت الہام کے سنسکرت کی زبان یاد ہو جو مکتی خانہ میں باہم بولتے تھے اور نیز ضروری ہے کہ سب کو **وید اَزْبَر** ہو کیونکہ وُہ مکتی خانہ میں وید ہی تو دن رات پڑھتے رہتے تھے اور کیا کام تھا؟

پھر ہم اصل مدعا کی طرف رجوع کر کے لکھتے ہیں کہ یہ بات فی الواقع صحیح اور درست ہے کہ ابتدائے آفرینش میں بھی ایک الہامی کتاب نوع انسان کو ملی تھی مگر وُہ وید ہرگز نہیں ہے اور موجودہ وید کو خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا اُس پاک ذات کی توہین ہے۔

اِس جگہ اگر کوئی یہ سوال کرے کہ ابتدائے زمانہ میں صرف ایک **الہامی کتاب*** انسانوں کو کیوں دی گئی ہر ایک قوم کے لئے جُدا جُدا کتابیں کیوں نہ دی گئیں اِس کا جواب یہ ہے کہ ابتدائے زمانہ میں انسان تھوڑے تھے اور اس تعداد سے بھی کمتر تھے۔

*حاشیہ یاد رہے کہ الہام یا الہامی کتاب کا لفظ جو بار بار اس رسالہ یا دوسری کتابوں میں ہم نے لکھا ہے صرف عام فہم کرنے کے لئے یہ لفظ لکھا گیا ہے ورنہ الہام کے تو صرف یہ معنی ہیں کہ جو کچھ دل میں ڈالا جاوے نیک ہو یا بد وُہ الہام ہے اور اس میں یہ بھی ضروری نہیں کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے الفاظ ہوں۔ مگر اس جگہ ہماری مراد الہام سے وحی الٰہی ہے اور وحی اُس کو کہتے ہیں کہ خدا کا کلام مع الفاظ کسی پر نازل ہو۔ اِس وحی سے آریہ سماج والے بالکل بےخبر ہیں۔ منہ

جو اُنکو ایک قوم کہا جائے اِس لئے اُن کے لئے صرف ایک کتاب کافی تھی پھر بعد اس کے جب دُنیا میں انسان پھیل گئے اور ہر ایک حصّہ زمین کے باشندوں کا ایک قوم بن گئی اور بباعث دُور دراز مسافتوں کے ایک قوم دُوسری قوم کے حالات سے بالکل بے خبر ہوگئی ایسے زمانوں میں خدا تعالیٰ کی حکمت اور مصلحت نے تقاضا فرمایا کہ ہر ایک قوم کے لئے جُدا جُدا رسول اور الہامی کتابیں دی جائیں چنانچہ ایسا ہی ہُوا۔ اور پھر جب نوع انسان نے دُنیا کی آبادی میں ترقی کی اور ملاقات کے لئے راہ کُھل گئی اور ایک ملک کے لوگوں کو دوسرے ملک کے لوگوں کے ساتھ ملاقات کرنے کے لئے سامان میسّر آگئے اور اس بات کا علم ہوگیا کہ فلاں فلاں حصّہ زمین پر نوع انسان رہتے ہیں اور خدا تعالیٰ کا ارادہ ہُوا کہ ان سب کو پھر دوبارہ ایک قوم کی طرح بنا دیا جائے اور بعد تفرقہ کے پھر اُنکو جمع کیا جائے ✠۔ تب خدا نے تمام ملکوں کیلئے ایک کتاب بھیجی اور اس کتاب میں حکم فرمایا کہ جس جس زمانہ میں یہ کتاب مختلف ممالک میں پہنچے اُن کا فرض ہوگا کہ اُن کو قبول کرلیں اور اُس پر ایمان لاویں اور وُہ

کتاب قرآن شریف ہے

جو تمام ملکوں کا باہمی رشتہ قائم کرنے کے لئے آئی ہے۔ قرآن سے پہلی سب کتابیں مختص القوم کہلاتی تھیں یعنی صرف ایک قوم کے لئے ہی آتی تھیں۔ چنانچہ شامی۔ فارسی۔ ہندی۔ چینی مصری۔ رومی یہ سب قومیں تھیں جن کے لئے جو کتابیں یا رسول آئے وہ صرف اپنی قوم تک

✠ حاشیہ۔ ایک قوم بنانے کا ذکر قرآن شریف کی سورہ کہف میں موجود ہے جیسا کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے وترکنا بعضھم یومئذ یموج فی بعض و نفخ فی الصور فجمعناھم جمعًا۔ یعنی ہم آخری زمانہ میں ہر ایک قوم کو آزادی دینگے تا اپنے مذہب کی خوبی دوسری قوم کے سامنے پیش کرے اور دوسری قوم کے مذہبی عقائد اور تعلیم پر حملہ کرے اور ایک مدت تک ایسا ہوتا رہیگا پھر قرنا میں ایک آواز پھونک دیجائیگی تب ہم تمام قوموں کو ایک قوم بنا دینگے اور ایک ہی مذہب پر جمع کر دینگے۔ منہ

ص ۶۸ محدود تھے دوسری قوم سے ان کو کچھ تعلق اور واسطہ نہ تھا مگر سب کے بعد قرآن شریف آیا۔ جو ایک عالمگیر کتاب ہے اور کسی خاص قوم کے لئے نہیں بلکہ تمام قوموں کے لئے ہے ایسا ہی قرآن شریف ایک ایسی اُمت کیلئے آیا جو آہستہ آہستہ ایک ہی قوم بننا چاہتی تھی۔ سو اب زمانہ کے لئے ایسے سامان میسر آگئے ہیں جو مختلف قوموں کو وحدت کا رنگ بخشتے جاتے ہیں۔ باہمی ملاقات جو اصل جڑھ ایک قوم بننے کی ہے ایسی سہل ہو گئی ہے کہ برسوں کی راہ چند دنوں میں طے ہو سکتی ہے اور پیغام رسانی کیلئے وہ سبیلیں پیدا ہو گئی ہیں کہ جو ایک برس میں بھی کسی دُور دراز ملک کی خبر نہیں آسکتی تھی وہ اب ایک ساعت میں آسکتی ہے۔ زمانہ میں ایک ایسا انقلاب عظیم پیدا ہو رہا ہے اور تمدّنی دریا کی دھار نے ایک ایسی طرف رُخ کر لیا ہے جس سے صریح معلوم ہوتا ہے کہ اب خدا تعالیٰ کا یہی ارادہ ہے کہ تمام قوموں کو جو دُنیا میں پھیلی ہوئی ہیں ایک قوم بنا دے اور ہزارہا برسوں کے بچھڑے ہوؤں کو پھر باہم ملا دے۔ اور یہ خبر قرآن شریف میں موجود ہے اور قرآن شریف نے ہی کھلے طور پر یہ دعویٰ کیا ہے کہ وہ دنیا کی تمام قوموں کے لئے آیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔ قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا[1]۔ یعنی تمام لوگوں کو کہہ دے کہ مَیں تم سب کے لئے رسول ہو کر آیا ہوں۔ اور پھر فرماتا ہے۔ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ[2] یعنی مَیں نے تمام عالموں کے لئے تجھے رحمت کر کے بھیجا ہے۔ اور پھر فرماتا ہے۔ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا[3] یعنی ہم نے اس لئے بھیجا ہے کہ تمام دُنیا کو ڈراوے۔ لیکن ہم بڑے زور سے کہتے ہیں کہ قرآن شریف سے پہلے دُنیا کی کسی الہامی کتاب نے یہ دعویٰ نہیں کیا بلکہ ہر ایک نے اپنی رسالت کو اپنی قوم تک ہی محدود رکھا یہاں تک کہ جس نبی کو عیسائیوں نے خدا قرار دیا اُس کے مُنہ سے بھی یہی نکلا کہ میں اسرائیل کی بھیڑوں کے سوا اور کسی کی طرف نہیں بھیجا گیا۔ اور زمانہ کے حالات نے بھی گواہی دی کہ قرآن شریف کا یہ دعویٰ تبلیغ عام کا عین موقعہ پر ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کے

[1] الاعراف: ۵۹ [2] الانبیاء: ۱۰۸ [3] الفرقان: ۲

ص۶۹

وقت تبلیغ عام کا دروازہ کھل گیا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے ہاتھ سے بعد نزول اس آیت کے کہ قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا[1] دنیا کے بڑے بڑے بادشاہوں کی طرف دعوت اسلام کے خط لکھے تھے کسی اور نبی نے غیر قوموں کے بادشاہوں کی طرف دعوتِ دین کے ہرگز خط نہیں لکھے کیونکہ وہ دُوسری قوموں کی دعوت کے لئے مامور نہ تھے یہ عام دعوت کی تحریک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے ہی شروع ہوئی اور مسیح موعود کے زمانہ میں اور اُس کے ہاتھ سے کمال تک پہنچی۔

جو کچھ قرآن شریف نے توحید کا تخم بلاد عرب۔ فارس۔ مصر۔ شام۔ ہند۔ چین۔ افغانستان کشمیر وغیرہ بلاد میں بو دیا ہے اور اکثر بلاد سے بُت پرستی اور دیگر اقسام کی مخلوق پرستی کا تخم جڑھ سے اُکھاڑ دیا ہے یہ ایک ایسی کارروائی ہے کہ اس کی نظیر کسی زمانہ میں نہیں پائی جاتی مگر بمقابل اسکے جب ہم وید کی طرف دیکھتے ہیں تو ثابت ہوتا ہے کہ وہ آریہ ورت کی بھی اصلاح نہیں کرسکا اور اس ملک کے انسانوں پر نیک اثر ڈالنے میں نہایت نکمّا ثابت ہُوا ہے اور نہ صرف ہمارے اس زمانہ میں بلکہ اس ملک کی ایک لمبی تاریخ پر نظر ڈال کر ظاہر ہوتا ہے کہ کبھی اس ملک میں وید کے ذریعہ سے توحید نہیں پھیلی بلکہ بجائے اسکے نفع کے اُس کا ضرر قریباً تمام آرین لوگوں کو ہلاک کرتا رہا ہے اور جب وید کے پَیرو لوگوں کے عقائد اور اعمال پر نظر ڈالی جاوے تو نہایت درد اور افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ وید ایک گمراہ کرنے والی کتاب ہے۔ کون اس واقعہ سے انکار کرسکتا ہے کہ جس قدر مخلوق پرست فرقے ہندوؤں کے اِس ملک میں پائے جاتے ہیں اور یا جس قدر نہایت گندے اور ناپاک مذہب اس ملک میں رائج ہوگئے ہیں جیسے شاکت مت وغیرہ وہ سب وید ہی کے ذریعہ سے پیدا ہوئے ہیں۔ اگر وید میں یہ لیاقت ہوتی کہ وہ کھلے کھلے طور پر بیان کرتا کہ سُورج چاند اور پانی اور آگ وغیرہ کی پرستش مت کرو اور بدکاری اور زناکاری

[1] الاعراف : ۵۹

حاشیہ

کو اپنا مذہب مت بناؤ۔ تو کیوں آریہ قوم ساری کی ساری ان چیزوں کی پرستش میں مشغول ہو جاتی اور کیوں اس قدر بدکاری آریہ قوم میں پھیلتی مگر وید نے تو بجائے منع کرنے کے بیگانہ عورتوں سے تعلق پیدا کرنے کی راہ بذریعہ نیوگ کھول دی اور سُورج وغیرہ کی پرستش کی ترغیب دی۔ اور جا بجا اجرام سماوی اور عناصر کو معبود ٹھہرا کر انکی مدح و ثنا کی۔ اسی طرح جوالا مکھی کی آگ کے پجاری اور گنگا کے پرستار اور سورج کے آگے ہاتھ جوڑنے والے اِس ملک میں کروڑہا شخص پیدا ہوگئے۔ اگر کہو کہ ان کروڑہا لوگوں نے جن میں ہزارہا پنڈت و عالم فاضل ہیں وید کے معنی اچھی طرح نہیں سمجھے تو مَیں کہتا ہوں کہ اگر یہ عُذر مان بھی لیں تب بھی وید کا ہی قصور ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ اس حالت میں اس کی عبارت غیر فصیح اور مبہم اور مشتبہ اور معمّا کی طرح ماننی پڑتی ہے تبھی تو کئی کروڑ آریہ ورت کے پنڈتوں کو سمجھ نہ آسکی اور کروڑہا انسان وید کی نسبت یہی خیال کرتے گذر گئے کہ وہ مخلوق پرستی کی تعلیم دیتا ہے۔ اور جبکہ بہتوں نے اس کے سمجھنے میں غلطی کھائی تو پھر کیونکر سمجھا جائے کہ ایک تھوڑا سا فرقہ آریوں کا کہ جو اُنکے مقابل پر ایک ذرہ کے موافق بھی نہیں غلطی سے بچا رہا ہے تم سچ کہو اور اپنے دھرم سے کہو کہ کیا وید میں کہیں لکھا ہے کہ سُورج اور چاند اور ہَوا اور اگنی اور جل وغیرہ کی پُوجا مت کرو؟ اور بجز خدا کے جو غیب الغیب اور نہاں در نہاں ہے کسی کو اپنا معبود مت قرار دو۔ اور جو چیزیں تمہیں آسمان پر یا زمین پر دکھائی دیتی ہیں وُہ تمہارے خُدا نہیں ہیں بلکہ خدا وُہی ہے جس نے ان چیزوں کو پیدا کیا۔ اگر کہیں لکھا ہے تو ہمیں بتاؤ۔ لیکن قرآن شریف تو سارا اِس بات سے بھرا پڑا ہے کہ بجز خدا کے کسی کی پرستش جائز نہیں بلکہ کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے ہی یہی معنے ہیں کہ تمہارا معبود بجز خدا کے اور کوئی نہیں اور یہ بھی قرآن شریف فرماتا ہے لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰہِ الَّذِیْ خَلَقَھُنَّ[1]۔ یعنی نہ تم سُورج کی پرستش کرو اور نہ چاند کی بلکہ اُس ذات کی پرستش کرو کہ جو ان سب چیزوں کا پیدا کرنیوالا ہے۔ اگر وید میں اس آیت کے ہم معنے کوئی شُرتی ہوتی تو کروڑہا

[1] حٰمٓ السجدۃ : ۳۸

صد ۷۵

آدمی مخلوق پرستی سے ہلاک نہ ہوتے۔ دیانند نے جس قدر وید کی حمایت میں تکلفات کئے ہیں وُہ سب بیہودہ اور لچر ہیں اور سچ تو یہ ہے کہ دیانند نے اصلی وید کی طرف آرین لوگوں کو رجوع نہیں دلایا بلکہ اُس نے زمانہ کی ہُوا کو دیکھ کر ایک نیا وید بنا کر پیش کیا ہے۔ چونکہ کئی کروڑ ہندو وید سے بیزار ہو کر مُسلمان ہو چکے تھے اس لئے اُس نے خواہ نخواہ وید میں توحید کو دِکھلانا چاہا سو اِس بات کے ثابت کرنے سے وُہ نامُراد مرا۔ وید کی حالت آزمانے کے لئے سہل طریق یہ ہے کہ ایک تحت اللفظ ترجمہ اُس کا جس میں بطور شرح اپنی طرف سے کوئی فقرہ نہ ملایا جائے کسی غیر قوم کی طرف بھیجدو تو پھر اُن کو پُوچھ کر دیکھ لو کہ وید کی ان عبارتوں سے توحید ثابت ہوتی ہے یا مخلوق پرستی۔

اور پھر ہم اپنے مضمون کی طرف رجوع کر کے لکھتے ہیں کہ ہماری اس تمام تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ خیال کہ صرف ابتدائے آفرینش میں ہی الہامی کتاب انسانوں کو دی گئی ہو بعد میں کوئی کتاب نازل نہیں ہوئی۔ یہ خیال جیسا کہ ثابت شدہ واقعات کے برخلاف ہے ایسا ہی عقل کے بھی برخلاف ہے۔ کیونکہ انسان اللہ تعالیٰ کے جسمانی قانون قدرت کو بھی دیکھ کر سمجھ سکتا ہے کہ نوع انسان ہمیشہ اپنی موجودہ حالت کے موافق ہر ایک زمانہ میں خدا کی تربیت کی محتاج ہے کیونکہ اگر موجودہ حالت میں کوئی ایسی تبدیلی پیدا ہو جائے کہ جو پہلے زمانہ میں نہیں تھی تو کچھ شک نہیں کہ خدا تعالیٰ کی تربیت اس تبدیلی کے موافق ہونی چاہیئے۔ مثلاً تم غور کر لو کہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اُسوقت سے اُس زمانہ تک کہ وُہ جوان ہوتا ہے کس قدر تبدیلیاں اُس کی خوراک اور پوشاک میں ظہور میں آتی ہیں اور پھر جب انسانی بدن صحت سے منحرف ہو کر طرح طرح کے امراض میں گرفتار ہو جاتا ہے تو کس قدر نئی اور خاص تدبیریں عمل میں لانا مقتضائے ہمدردی ہوتا ہے یہی حال انسان کی رُوحانی حالت کا ہے اور جیسا کہ انسان اُس روٹی سے جی نہیں سکتا کہ کسی وقت اُس نے پہلے زمانہ میں کھائی تھی بلکہ ہمیشہ اُس کو بھوک کے وقت ایک تازہ روٹی کی ضرورت ہے ایسا ہی انسان کو ضرورت کے زمانہ میں تازہ وحی اور الہام کی ضرورت ہے۔

تا اُس کے ذریعہ سے تکمیل معرفت ہو۔ خدا کا نام مُلہم اور منزّل الوحی بھی ہے اور خدا کی صفات کی نسبت تعطّل اور بیکاری جائز نہیں بلکہ جیسا کہ جسمانی تربیت کے لحاظ سے خدا ہمیشہ رزّاق ہے ایسا ہی اُس کا رُوحانی رزق بھی رُوحانی تربیت کے لئے کبھی منقطع نہیں ہوتا اور ظاہر ہے کہ جیساکہ ہمارے پہلے بزرگوں کی خوراک کے لئے زمین سے اناج پیدا ہوتا تھا۔ آسمان سے بارش ہوتی تھی۔ اب ہمارے زمانہ میں اُس قانونِ قدرت میں فرق نہیں آیا بلکہ ہمارے لئے بھی زمین اناج پیدا کرنے کیلئے موجود ہے بشرطیکہ ہم خود سعی اور کوشش میں کاہل نہ ہو جائیں۔ اور پانی بھی اپنے وقتوں پر ضرور برستا ہے اور یہ الگ امر ہے کہ ہم خود اُس پانی سے فائدہ نہ اُٹھاویں۔ پھر جبکہ خدا تعالیٰ کا جسمانی قانون قدرت ہمارے لئے اب بھی وہی موجود ہے جو پہلے تھا۔ تو پھر رُوحانی قانون قدرت اس زمانہ میں کیوں بدل گیا؟ نہیں ہرگز نہیں بدلا۔ پس وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ وحی الٰہی پر آئندہ کیلئے مُہر لگ گئی ہے وہ سخت غلطی پر ہیں ہاں خدا کے احکام جو امر اور نہی کے متعلق ہیں وہ عبث طور پر نازل نہیں ہوتے بلکہ ضرورت کے وقت خدا کی نئی شریعت نازل ہوتی ہے یعنی ایسے زمانہ میں نئی شریعت نازل ہوتی ہے جبکہ نوع انسان پہلے زمانہ کی نسبت بدعقیدگی اور بدعملی میں بہت ترقی کر جائے اور پہلی کتاب میں اُن کیلئے کافی ہدایتیں نہ ہوں لیکن یہ امر ثابت شدہ ہے کہ قرآن شریف نے دین کے کامل کرنے کا حق ادا کر دیا ہے جیساکہ وہ خود فرماتا ہے:۔ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا[1] یعنی آج مَیں نے تمہارا دین تمہارے لئے کامل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر پُوری کر دی ہے اور مَیں اسلام کو تمہارا دین مقرر کرکے خوش ہُوا۔ سو قرآن شریف کے بعد کسی کتاب کو قدم رکھنے کی جگہ نہیں کیونکہ جس قدر انسان کی حاجت تھی وہ سب کچھ قرآن شریف بیان کر چکا اب صرف مکالمات الٰہیہ کا دروازہ کُھلا ہے اور وہ بھی خود بخود نہیں بلکہ سچے اور پاک مکالمات جو صریح اور کُھلے طور پر نصرت الٰہی کا رنگ اپنے اندر رکھتے ہیں اور بہت سے امور غیبیہ پر مشتمل ہوتے ہیں وہ بعد تزکیۂ نفس محض پیروی قرآن شریف اور اتباع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل ہوتے ہیں۔

[1] المائدۃ: ۴

صفحہ ۳۹ اِس جگہ اس نکتہ کا ذکر کرنا بے جا نہ ہوگا کہ خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں ابتدائے آفرینش سے لیکر اخیر تک نوع انسان کے زمانہ کو چار مختلف حالتوں اور مختلف زمانوں پر تقسیم کیا ہے:-

(۱) پہلے اُس حالت اور اُس زمانہ کا ذکر فرمایا ہے کہ جب صرف ایک انسان معہ اپنے قلیل مقدار کنبہ کے دُنیا میں موجود تھا اور ایک وحدت قومی اُنکو حاصل تھی اور ایک مذہب تھا۔

(۲) دُوسری اُس حالت اور اُس زمانہ کا ذکر فرمایا ہے کہ جب وُہ وحدت دُور ہوکر تفرقِ پیدا ہوگئی اور انسان کی نسل مختلف قوموں اور مختلف مذہبوں کے رنگ میں ہوکر تمام دنیا میں پھیل گئی اور وُہ دُنیا کے ایسے دُور دُور کونوں میں جا بسی کہ ایک دُوسری کے حالات سے بے خبر ہوگئی اور ایک قوم سے ہزاروں قومیں بن گئیں اور ایک مذہب سے ہزاروں مذہب نکل آئے۔

(۳) تیسری اُس حالت اور اُس زمانہ کا ذکر فرمایا ہے کہ جب پھر کچھ کچھ شناسائی ایک قوم کی دُوسری قوم سے ہوئی اور بہت سی مشقت سفر اُٹھا کر ملاقات کی راہ کُھل گئی اور مختلف قوموں کے پھر باہمی تعلقات پیدا ہونے لگے اور ایک قوم دُوسری قوم کے مذہب کو اختیار کرنے لگی مگر بہت کم۔

(۴) چوتھے بطور پیشگوئی یہ بیان فرمایا ہے کہ ایک ایسا زمانہ بھی آتا ہے کہ جب سفر کرنے کے سامان سہل طور پر میسّر آجائینگے اور اُونٹنیوں کی سواری کی حاجت نہیں رہے گی اور سفر میں بہت آرام اور سہولیت میسّر آجائے گی اور ایک ایسی نئی سواری پیدا ہو جائے گی کہ ایک حصّہ دُنیا کو دوسرے حصّہ سے ملا دیگی اور ایک ملک کے لوگوں کو دُوسرے ملک کے لوگوں سے اکٹھے کر دے گی جیسا کہ یہ دو[۲] آیتیں اسی پیشگوئی پر مشتمل ہیں اور وُہ یہ ہیں۔ واذا العشار عُطّلت[۱] واذا النفوس زُوّجت[۲]* یعنی وہ زمانہ آتا ہے کہ اُونٹنیاں بیکار کر دی جائیں گی۔ جانا چاہیئے کہ عرب کی تجارت اور

* حاشیہ۔ قیامت کے قرب اور مسیح موعود کے آنے کا وُہ زمانہ ہے جبکہ اُونٹنیاں بیکار ہو جائیں گی یہ آیت صحیح مسلم کی اُس صفحہ ۴۰ حدیث کی مصدق ہے جہاں لکھا ہے کہ ویترک القلاص فلا یسعٰی علیھا یعنی مسیح موعود کے زمانہ میں اُونٹنیاں بیکار چھوڑ دی جائیں گی اور اُن پر کوئی سوار نہیں ہوگا۔ یہ ریل گاڑی پیدا ہونے کی طرف اشارہ ہے کیونکہ جب کوئی اعلیٰ سواری میسّر آتی ہے تبھی ادنیٰ سواری کو چھوڑتے ہیں۔ اور دُوسری آیت گویا

[۱] التکویر: ۵ [۲] التکویر: ۸

سفر کا مدار تمام اُونٹنیوں پر ہے اِسلئے اُونٹوں کا ہی ذکر کیا۔ یہ تو ہر ایک شخص جانتا ہی کہ مکہ معظمہ سے مدینہ منوّرہ تک حاجیوں کے پہنچانے کیلئے تیرہ سَو ۱۳۰۰ برس سے صرف اونٹنیوں کی سواری چلی آتی ہے پس اس جگہ خدا تعالیٰ یہ خبر دیتا ہی کہ وُہ زمانہ آتا ہی کہ وہ سواری موقوف کردی جائیگی اور بجائے اُسکے ایک نئی سواری ہوگی جو آرام اور جلدی کی ہوگی۔ اور یہ بات اس سے نکلتی ہے کہ جو بدل اختیار کیا جاتا ہے وُہ مبدل منہ سے بہتر ہوتا ہے۔

دوسری آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ وُہ زمانہ آتا ہی کہ جبکہ بچھڑے ہُوئے لوگ باہم ملا دئیے جائیں گے اور اس قدر باہمی ملاقاتوں کیلئے سہولتیں میسر آجائیں گی اور اس کثرت سے ان کی ملاقاتیں ہوں گی کہ گویا مختلف ملکوں کے لوگ ایک ہی ملک کے باشندے ہیں۔ سو یہ پیشگوئی ہمارے اس زمانہ میں پُوری ہوگئی جس سے ایک عالمگیر انقلاب ظہور میں آیا گویا دُنیا بدل گئی کیونکہ دُخانی جہازوں اور ریلوں کے ذریعہ سے وہ روکیں جو پہاڑوں کی مانند حائل تھیں سب اُٹھ گئیں اور ایک دنیا

اس کا نتیجہ ہے اور ترجمہ اس کا یہ ہے کہ اس زمانہ میں بعض آدمی بعض سے ملائے جائیں گے اور ظاہری تفرقہ قوموں کا دُور ہو جائیگا۔ اور چونکہ صحیح مسلم میں کھول کر بیان کیا گیا ہے کہ اونٹنیوں کے بیکار ہونے کا مسیح موعود کا زمانہ ہے اسلئے قرآن شریف کی آیت واذا العشار عُطّلت[1] جو حدیث یترک القلاص کے ہم معنے ہے بدیہی طور پر دلالت کرتی ہے کہ یہ واقعہ ریل جاری ہونے کا مسیح موعود کے زمانہ میں ظہور میں آئیگا۔ اسی لئے میں نے اذا العشار عطّلت کے یہی معنے کئے ہیں کہ وُہ مسیح موعود کا زمانہ ہے کیونکہ حدیث نے اس آیت کی شرح کردی ہے اور چونکہ ریل کے جاری ہونے پر ایک مدت گذر چکی ہے جو مسیح موعود کی علامت ہے، اِسلئے ایک مومن کو ماننا پڑتا ہی کہ مسیح موعود ظاہر ہو چکا ہی اور جبکہ ایک واقعہ نے ممدوحہ بالا آیت اور حدیث کے معنے کھول دئے ہیں تو اب ظاہر شدہ معنوں کو قبول نہ کرنا صریح الحاد اور بے ایمانی ہے۔ سوچ کر دیکھو کہ جب مکہ اور مدینہ میں اونٹ چھوڑ کر ریل کی سواری شروع ہو جائیگی تو کیا وہ روز اس آیت اور حدیث کا مصداق نہ ہوگا ضرور ہوگا اور تمام دل اُس دن بول اُٹھیں گے کہ آج وُہ پیشگوئی مکہ اور مدینہ کی راہ میں کھلے کھلے طور پر پُوری ہوگئی۔ ہائے افسوس ان نام کے مسلمانوں پر کہ جو نہیں چاہتے کہ (میرے بغض کی وجہ سے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی پیشگوئی پوری ہو۔ منہ

[1] التکویر: ۵

مشرق سے مغرب کو اور مغرب سے مشرقی بلاد کو آتی ہے اور اس پیشگوئی کے ساتھ قرآن شریف میں ایک اور بھی پیشگوئی ہے جو جسمانی اجتماع کے بعد رُوحانی اجتماع پر دلالت کرتی ہے اور وہ یہ ہے وَتَرَکْنَا بَعْضَهُمْ یَوْمَئِذٍ یَّمُوْجُ فِیْ بَعْضٍ وَّ نُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا[1]* یعنی اُن آخری دنوں میں جو یاجوج ماجوج کا زمانہ ہوگا دُنیا کے لوگ مذہبی جھگڑوں اور لڑائیوں میں مشغول ہو جائیں گے اور ایک قوم دوسری قوم پر مذہبی رنگ میں ایسے حملے کریگی جیسے ایک موج دریا دوسری موج پر پڑتی ہے اور دُوسری لڑائیاں بھی ہوں گی اور اس طرح پر دنیا میں

مـــ۷۶ـــ

*حاشیہ۔ یہ آیت سورۃ کہف میں یاجوج ماجوج کے ذکر میں ہے۔ کتب سابقہ میں جو بنی اسرائیل نبیوں پر نازل ہوئی تھیں صاف اور صریح طور پر معلوم ہوتا ہے بلکہ نام لے کر بیان کیا ہے کہ یاجوج ماجوج سے مُراد یورپ کی عیسائی قومیں ہیں اور یہ بیان ایسی صراحت سے ان کتابوں میں موجود ہے کہ کسی طرح اس سے انکار نہیں ہوسکتا۔ اور یہ کہنا کہ وہ کتابیں محرّف مبدّل ہیں۔ ان کا بیان قابل اعتبار نہیں۔ ایسی بات وُہی کہے گا جو خود قرآن شریف سے بے خبر ہے۔ کیونکہ اللہ جلشانہٗ مومنوں کو قرآن شریف میں فرماتا ہے۔ فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ[2]۔ یعنی فلاں فلاں باتیں اہل کتاب سے پُوچھ لو اگر تم بے خبر ہو۔ پس ظاہر ہے کہ اگر ہر ایک بات میں پہلی کتابوں کی گواہی ناجائز ہوتی تو خداتعالیٰ کیوں مومنوں کو فرماتا کہ اگر تمہیں معلوم نہیں تو اہل کتاب سے پوچھ لو بلکہ اگر نبیوں کی کتابوں سے کچھ فائدہ اُٹھانا حرام ہے تو اس صورت میں یہ بھی ناجائز ہوگا کہ ان کتابوں میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت بطور استدلال پیشگوئیاں پیش کریں۔ حالانکہ خود صحابہ رضی اللہ عنہم اور بعد اُن کے تابعین بھی اُن پیشگوئیوں کو بطور حجت پیش کرتے رہے ہیں بلکہ اصل بات یہ ہے کہ کتب سابقہ کے بیان تین قسم کے ہیں۔

(۱) ایک تو وہ باتیں ہیں جو واجب التصدیق ہیں۔ جیسا کہ خدا کی توحید اور ملائک کا ذکر اور بہشت و دوزخ کے وجود کی نسبت بیان۔ اگر ان کا انکار کریں تو ایمان جائے۔

(۲) دوسری وہ باتیں ہیں جو رد کرنے کے لائق ہیں جیسا کہ وہ تمام امور جو قرآن شریف کے مخالف ہیں

[1] الکہف: ۱۰۰ [2] النحل: ۴۴

صفحہ ۷۶

بڑا تفرقہ پھیل جائے گا اور بڑی پھوٹ اور بغض اور کینہ لوگوں میں پیدا ہو جائے گا۔ اور جب یہ باتیں کمال کو پہنچ جائیں گی تب خدا آسمان سے اپنی قرنا میں آواز پھونک دیگا یعنی مسیح موعود کے ذریعہ سے جو اُس کی قرنا ہے ایک ایسی آواز دنیا کو پہنچائے گا جو اس آواز کے سُننے سے سعادت مند لوگ ایک ہی مذہب پر اکٹھے ہو جائیں گے اور تفرقہ دُور ہو جائے گا اور مختلف قومیں دُنیا کی ایک ہی قوم بن جائیں گی۔ اور پھر دُوسری آیت میں فرمایا وَعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكَافِرِينَ عَرْضًا[1] اور اس دن جو لوگ مسیح موعود کی دعوت کو قبول نہیں کرینگے

بقیہ حاشیہ: (۳) تیسری قسم کی وہ باتیں ہیں جو قرآن شریف میں اگرچہ اُن کا ذکر مفصل نہیں مگر وہ باتیں قرآن شریف کے مخالف نہیں بلکہ اگر ذرا غور سے کام لیا جائے تو بالکل مطابق ہیں جیسے مثلاً یاجوج ماجوج کی قوم کہ اجمالی طور پر اُن کا ذکر قرآن شریف میں موجود ہے بلکہ یہ ذکر بھی موجود ہے کہ آخری زمانہ میں تمام زمین پر اُن کا غلبہ ہو جائے گا۔ جیساکہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ[2] اور یہ خیال کہ یاجوج ماجوج بنی آدم نہیں بلکہ اور قسم کی مخلوق ہے یہ صرف جہالت کا خیال ہے۔ کیونکہ قرآن میں ذوالعقول حیوان جو عقل اور فہم سے کام لیتے ہیں اور مورد ثواب یا عذاب ہو سکتے ہیں وہ دو ہی قسم کے بیان فرمائے ہیں (۱) ایک نوع انسان جو حضرت آدم کی اولاد ہیں (۲) دوسرے وہ جو جنّات ہیں۔ انسانوں کے گروہ کا نام معشر الانس رکھا ہے اور جنّات کے گروہ کا نام معشر الجن رکھا ہے۔ پس اگر یاجوج ماجوج جن کے لئے مسیح موعود کے زمانہ میں عذاب کا وعدہ ہے معشر الانس میں داخل ہیں یعنی انسان ہیں تو خواہ نخواہ ایک عجیب پیدائش اُنکی طرف منسوب کرنا کہ اُن کے کان اس قدر لمبے ہوں گے اور ہاتھ اس قدر لمبے ہوں گے اور اس کثرت سے وہ بچے دیں گے اُن لوگوں کا کام ہے جن کی عقل محض سطحی اور بچوں کی مانند ہے اگر اس بارے میں کوئی حدیث صحیح ثابت بھی ہو تو وہ محض استعارہ کے رنگ میں ہوگی جیساکہ ہم دیکھتے ہیں کہ یورپ کی قومیں ان معنوں سے ضرور لمبے کان رکھتی ہیں کہ بذریعہ تار کے دُور دُور کی خبریں اُنکے کانوں تک پہنچ جاتی ہیں اور خدا نے برّی اور بحری لڑائیوں میں اُن کے ہاتھ بھی نبرد آزمائی کی وجہ سے

[1] الکہف: ۱۰۱ [2] الانبیاء: ۹۷

اُن کے سامنے ہم جہنم کو پیش کرینگے یعنی طرح طرح کے عذاب نازل کرینگے جو جہنم کا نمونہ ہونگے اور پھر فرمایا الذین کانت اعینھم فی غطاء عن ذکری وکانوا لا یستطیعون سمعًا[1] یعنی وُہ ایسے لوگ ہونگے کہ مسیح موعود کی دعوت اور تبلیغ سے اُن کی آنکھیں پردہ میں رہیں گی اور وہ اُس کی باتوں کو سُن بھی نہیں سکیں گے اور سخت بیزار ہونگے اِس لئے عذاب نازل ہوگا۔ اِس جگہ صُور کے لفظ سے مُراد مسیح موعود ہے کیونکہ خدا کے نبی اُسکی صور ہوتے ہیں یعنی قرنا۔ جن کے دِلوں میں وُہ اپنی آواز پھُونکتا ہے یہی محاورہ پہلی

بقیہ حاشیہ اس قدر لمبے بنائے ہیں کہ کسی کو اُنکے مقابلہ کی طاقت نہیں اور توالد تناسل بھی ان کا ایشیائی قوموں کی نسبت بہت ہی زیادہ ہے۔ پس جبکہ موجودہ واقعات نے دکھلا دیا ہے۔ کہ اُن احادیث کے یہ معنے ہیں اور عقل ان معنوں کو نہ صرف قبول کرتی بلکہ ان سے لذّت اُٹھاتی ہے تو پھر کیا ضرورت ہے کہ خواہ نخواہ انسانی خلقت سے بڑھ کر اُن میں وُہ عجیب خلقت فرض کیجائے جو سراسر غیر معقول اور اس قانون قدرت کے برخلاف ہے جو قدیم سے انسانوں کے لئے چلا آتا ہے اور اگر کہو کہ یاجوج ماجوج جنّات میں سے ہیں انسان نہیں ہیں تو یہ اور حماقت ہے کیونکہ اگر وہ جنّات میں سے ہیں تو سدّ سکندری اُن کو کیونکر روک سکتی تھی جس حالت میں جنّات آسمان تک پہنچ جاتے ہیں جیساکہ آیت فاتبعہ شھاب ثاقب[2] سے ظاہر ہوتا ہے تو کیا وُہ سدّ سکندری کے اوپر چڑھ نہیں سکتے تھے جو آسمان کے قریب چلے جاتے ہیں۔ اور اگر کہو کہ وُہ درندوں کی قسم ہیں جو عقل اور فہم نہیں رکھتے تو پھر قرآن شریف اور حدیثوں میں اُن پر عذاب نازل کرنے کا کیوں وعدہ ہے کیونکہ عذاب گنہ کی پاداشں میں ہوتا ہے اور نیز اُن کا لڑائیاں کرنا اور سب پر غالب ہو جانا اور آخر کار آسمان کی طرف تیر چلانا صاف دلالت کرتا ہے کہ وہ ذو العقول ہیں بلکہ دنیا کی عقل میں سب سے بڑھ کر۔

حدیثوں میں بظاہر یہ تناقض پایا جاتا ہے کہ مسیح موعود کے مبعوث ہونے کے وقت ایک طرف تو یہ بیان کیا گیا ہے کہ یاجوج ماجوج تمام دنیا میں پھیل جائیں گے اور دُوسری طرف یہ بیان ہے

[1] الکھف: ۱۰۲ [2] الصّافات: ۱۱

۸۵ؑ

کتابوں میں بھی آیا ہے کہ خدا کے نبیوں کو خدا کی قرنا قرار دیا گیا ہے۔ یعنی جس طرح قرنا بجانے والا قرنا میں اپنی آواز پھونکتا ہے اسی طرح خدا اُن کے دلوں میں آواز پھونکتا ہے اور یاجوج ماجوج کے قرینہ سے قطعی طور سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ وہ قرنا مسیح موعود ہے۔ کیونکہ احادیث صحیحہ سے یہ امر ثابت شدہ ہے کہ یاجوج ماجوج کے زمانہ میں ظاہر ہونے والا مسیح موعود ہی ہوگا۔

بقیہ حاشیہ کہ تمام دُنیا میں عیسائی قوم کا غلبہ ہوگا جیسا کہ حدیث یکسر الصلیب سے بھی سمجھا جاتا ہے کہ صلیبی قوم کا اُس زمانہ میں بڑا عروج اور اقبال ہوگا۔ ایسا ہی ایک دُوسری حدیث سے بھی یہی سمجھا جاتا ہے کہ سب سے زیادہ اس زمانہ میں رومیوں کی کثرت اور قوت ہوگی یعنی عیسائیوں کی۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں رومی سلطنت عیسائی تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ بھی قرآن شریف میں فرماتا ہے۔ غلبت الروم فی ادنی الارض وھم من بعد غلبھم سیغلبون[1] اِس جگہ بھی روم سے مراد عیسائی سلطنت ہے اور پھر بعض احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مسیح موعود کے ظہور کے وقت دجّال کا تمام زمین پر غلبہ ہوگا اور تمام زمین پر بغیر مکّہ معظمہ کے دجّال محیط ہو جائے گا۔

اب کوئی مولوی صاحب بتلاویں کہ یہ تناقض کیونکر دُور ہو سکتا ہے اگر دجّال تمام زمین پر محیط ہو جائیگا تو عیسائی سلطنت کہاں ہوگی۔ ایسا ہی یاجوج ماجوج جن کی عام سلطنت کی قرآن شریف خبر دیتا ہے وہ کہاں جائیں گے۔ سو یہ غلطیاں ہیں جن میں یہ لوگ مبتلا ہیں جو ہمارے مکفّر اور مکذّب ہیں۔ واقعات ظاہر کر رہے ہیں کہ یہ دونوں صفات یاجوج ماجوج اور دجال ہونے کے یورپین قوموں میں موجود ہیں کیونکہ یاجوج ماجوج کی تعریف حدیثوں میں یہ بیان کی گئی ہے کہ اُن کے ساتھ لڑائی میں کسی کو طاقت مقابلہ نہیں ہوگی اور مسیح موعود بھی صرف دعا سے کام لے گا اور یہ صفت کھلے کھلے طور پر یورپ کی سلطنتوں میں پائی جاتی ہے اور قرآن شریف بھی اس کا مصدّق ہے۔ جیسا کہ وہ فرماتا ہے وھم من کلّ حدبٍ ینسلون[2]۔ اور دجّال کی نسبت حدیثوں میں

[1] الرّوم: ۳ تا ۵ [2] الانبیاء: ۹۷

۷۹

اب خلاصہ کلام یہ ہے کہ جبکہ ایک طرف بائبل سے یہ امر ثابت شدہ ہے کہ یورپ کے عیسائی فرقے ہی یاجوج ماجوج ہیں اور دوسری طرف قرآن شریف نے یاجوج ماجوج کی وہ علامتیں مقرر کی ہیں جو صرف یورپ کی سلطنتوں پر ہی صادق آتی ہیں جیساکہ یہ لکھا ہے کہ وہ ہر ایک بلندی پر سے دوڑیں گے یعنی سب طاقتوں پر غالب ہو جائیں گے اور ہر ایک پہلو سے دنیا کا عروج ان کو مل جائیگا۔ اور حدیثوں میں بھی یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ کسی سلطنت کو ان کے ساتھ تاب مقابلہ نہیں ہوگی۔ پس یہ تو قطعی **فیصلہ** ہو چکا ہے کہ یہی قومیں یاجوج ماجوج ہیں۔ اور اس سے انکار کرنا سراسر تحکم اور خدا تعالیٰ کے فرمودہ کی مخالفت ہے۔ اس میں کس کو کلام ہو سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے قول کے مطابق اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودہ کے موافق یہی قومیں ہیں جو اپنی دنیوی طاقت میں تمام قوموں پر فوقیت لے گئی ہیں۔ جنگ اور لڑائی کے داؤ پیچ اور ملکی تدابیر کے امور میں دنیا میں ان کا کوئی ثانی نظر نہیں آتا۔ اور انہیں کی کلوں اور ایجادوں نے کیا لڑائیوں میں اور کیا کسی قسم کے دنیا کے آرام کے سامانوں میں

حاشیہ: یہ بیان ہے کہ وہ دجل سے کام لے گا اور مذہبی رنگ میں دنیا میں فتنہ ڈالیگا۔ سو قرآن شریف میں یہ صفت عیسائی پادریوں کی بیان کی گئی ہے جیساکہ وہ فرماتا ہے **یحرفون الکلم عن مواضعہ**[1]۔ اس تقریر سے ظاہر ہے کہ یہ تینوں ایک ہی ہیں۔ اسی وجہ سے سورۃ الفاتحہ میں دائمی طور پر یہ دعا سکھلائی گئی کہ تم عیسائیوں کے فتنہ سے پناہ مانگو۔ یہ نہیں کہا کہ تم دجّال سے پناہ مانگو۔ پس اگر کوئی اور دجّال ہوتا جس کا فتنہ پادریوں سے زیادہ ہوتا تو خدا کی کلام میں بڑا فتنہ چھوڑ کر قیامت تک یہ دعا نہ سکھلائی جاتی کہ تم عیسائیوں کے فتنہ سے پناہ مانگو۔ اور یہ نہ فرمایا جاتا کہ عیسائی فتنہ ایسا ہے کہ **قریب ہے کہ اس سے آسمان پھٹ جائیں۔ پہاڑ** ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں۔ بلکہ یہ کہا جاتا کہ دجّالی فتنہ ایسا ہے جس سے قریب ہے کہ زمین و آسمان پھٹ جائیں۔ بڑے فتنے کو چھوڑ کر چھوٹے فتنہ سے ڈرانا بالکل غیر معقول ہے۔ منہ

[1] النساء: ۴۷

ایک نیا نقشہ دُنیا کا ظاہر کر دیا ہے اور انسان کی تمدّنی حالت کو ایک حیرت انگیز انقلاب میں ڈال دیا ہے اور تدبیر امور سیاست اور درستی سامان رزم بزم میں وہ یدطولیٰ دکھلایا ہے کہ جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے کسی زمانہ میں اُسکی نظیر نہیں پائی جاتی پس خدا کے بزرگ نبی کی پیشگوئی سے صدہا سال بعد جو واقعہ اُس پیشگوئی کی مقرر کردہ علامتوں کے موافق ظہور میں آیا ہے وہ یہی واقعہ یورپین طاقتوں کا ہے۔ سو جس طور سے خدا نے یاجوج ماجوج کے معنی ظاہر کر دئیے اور جس قوم کو موجودہ واقعہ نے اُن علامات کا مصداق ٹھہرا دیا اُسکو قبول نہ کرنا ایک کھلے کھلے حق سے انکار کرنا ہے۔ یُوں تو انسان جب انکار پر اصرار کرے تو اُس کا مُنہ کون بند کر سکتا ہے لیکن ایک منصف مزاج آدمی جو طالب حق ہے وہ ان تمام امور پر اطلاع پاکر پُورے اطمینان صدر اور ثلج صدر سے گواہی دیگا کہ بلاشبہ یہی قومیں یاجوج ماجوج ہیں۔

اور جب یہ ثابت ہوا کہ یہی قومیں یاجوج ماجوج ہیں تو خود یہ ثابت شدہ امر ہے کہ مسیح موعود یاجوج ماجوج کے وقت میں ظاہر ہوگا جیسا کہ قرآن شریف نے بھی یاجوج ماجوج کے غلبہ اور طاقت کے ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰھُمْ جَمْعًا[1] یعنی یاجوج ماجوج کے زمانہ میں بڑا تفرقہ اور پھوٹ لوگوں میں پڑ جائیگی اور ایک مذہب دوسرے مذہب پر اور ایک قوم دوسری قوم پر حملہ کریگی۔ تب اُن دنوں میں خدا تعالیٰ اس پھوٹ کے دُور کرنے کے لئے آسمان سے بغیر انسانی ہاتھوں کے اور محض آسمانی نشانوں سے اپنے کسی مرسل کے ذریعہ جو صور یعنی قرنا کا حکم رکھتا ہوگا اپنی پُر ہیبت آواز لوگوں تک پہنچائیگا جس میں ایک بڑی کشش ہوگی اور اس طرح پر خدا تعالیٰ تمام متفرق لوگوں کو ایک مذہب پر جمع کر دیگا۔

اور احادیث صحیحہ صاف اور صریح لفظوں میں بتلا رہی ہیں کہ یاجوج ماجوج کا زمانہ مسیح موعود کا زمانہ ہے جیسا کہ لکھا ہے کہ جب قوم یاجوج ماجوج اپنی قوت اور طاقت کے ساتھ تمام قوموں پر غالب آجائیگی اور اُنکے ساتھ کسی کو تاب مقابلہ نہیں رہیگی۔ تب مسیح موعود کو حکم ہوگا کہ اپنی جماعت کو کوہ طور کی پناہ میں لے آوے یعنی آسمانی نشانوں کے ساتھ اُنکا مقابلہ کرے۔

[1] الکھف : ۱۰۰

اور خدا کی زبردست اور ہیبت ناک عجائبات سے مدد لے اُن نشانوں کی مانند جو بنی اسرائیل کی سرکش قوم کے ڈرانے کیلئے کوہ طور میں دکھلائے گئے تھے جیساکہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ورفعنا فوقکم الطور[1] یعنی کوہ طور میں نشان کے طریق پر بڑے بڑے زلزلے آئے اور خدا نے طور کے پہاڑ کو یہود کے سروں پر اس طرح پر لرزاں کرکے دکھلایا کہ گویا اب وہ اُنکے سروں پر پڑتا ہے تب وہ اس ہیبت ناک نشان کو دیکھ کر بہت ڈر گئے۔ اسی طرح مسیح موعود کے زمانہ میں بھی ہوگا۔ حاشیہ

اور جو ہم نے چار مختلف زمانے بیان کئے ہیں اُن سے بھی یاجوج ماجوج کے زمانہ میں جو **آخری زمانہ** ہے مسیح موعود کا آنا ثابت ہوتا ہے کیونکہ جبکہ پہلے زمانہ میں کہ دنیا میں تھوڑے سے آدمی تھے اور صرف ایک ہی قوم تھی بلکہ قوم سے بھی کمتر تھی اور شرک اور کفر اور انواع و اقسام کے گناہوں کا نام و نشان نہ تھا اور انسانی طبیعتیں سادہ اور پاک اور نفسانی جذبات سے محفوظ تھیں۔ تو اُس ابتدائی زمانہ میں خدا نے رسول بھیجا تا ظاہر کرے کہ جیساکہ ایک انسان سے ایک قوم پیدا ہوئی ایسا ہی خدا بھی اُن کا ایک ہے اور وہی اُنکا مالک اور وہی اُن کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی اُن کا معبود ہے اُسی نے پیدا کیا تا اُنکو اپنی معرفت بخشے اور اُن کی عبادت کے ذریعہ سے اُن پر انعام و اکرام کرے اور اپنی مرضی کی راہ سکھا کر اُنکو ہمیشہ کا آرام دے۔ اور ایسا ہی جب ایک قوم سے کئی قومیں بن گئیں اور ایک دوسرے سے الگ ہو کر مختلف ملکوں میں پھیل گئے اور گناہ اور شرک کا گندہ مادہ بھی اُن میں پیدا ہو گیا۔ گو ابھی کمال تک نہ پہنچا۔ تب اُس وقت بھی خدا تعالیٰ نے ہر ایک قوم کی اصلاح کے لئے ہر ایک ملک میں رسول بھیجے تا **نبوت** کی روشنی کو دنیا کے ہر ایک کونہ میں چمکا کر مختلف شہادتوں سے اپنی ہستی اور اپنے وجود اور اپنی وحی کا ثبوت دے اور تا مختلف کتابوں کی گواہیوں سے اس بات کا ثبوت دے کہ فلاں فلاں امر اُس کے نزدیک گناہ اور قابل نفرت اور مکروہ ہیں اور فلاں فلاں امر اُسکی رضامندی کا موجب ہے اور تا اس طرح پر انسان یقین کے درجہ تک پہنچ کر

[1] البقرۃ: ۶۴

اپنی علمی اور عملی حالت میں قوت پیدا کرے کیونکہ وہ خدا جس کو کسی نے بھی نہیں دیکھا اُسپر یقین لانے کے لئے بہت گواہوں اور زبردست شہادتوں کی حاجت ہے جیسا کہ دو آیتیں قرآن شریف کی اس واقعہ پر گواہ ہیں۔ اور وہ یہ ہیں:-

وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ[1] فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ[2]

یعنی کوئی قوم نہیں جس میں ڈرانیوالا نبی نہیں بھیجا گیا یہ اسلئے کہ تا ہر ایک قوم میں ایک گواہ ہو کہ خدا موجود ہے اور وُہ اپنے نبی دنیا میں بھیجا کرتا ہے۔ اور پھر جب اُن قوموں میں ایک مدّت دراز گذرنے کے بعد باہمی تعلقات پیدا ہونے شروع ہو گئے اور ایک ملک کا دُوسرے ملک سے تعارف اور شناسائی اور آمد و رفت کا کسی قدر دروازہ بھی کھُل گیا اور دُنیا میں مخلوق پرستی اور ہر ایک قسم کا گناہ بھی انتہا کو پہنچ گیا۔ تب خدا تعالیٰ نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کو دنیا میں بھیجا تا بذریعہ اس تعلیم قرآنی کے جو تمام عالم کی طبائع کیلئے مشترک ہے دنیا کی تمام متفرق قوموں کو ایک قوم کی طرح بناوے اور جیسا کہ وہ واحد لاشریک ہے اُن میں بھی ایک وحدت پیدا کرے اور تا وُہ سب مل کر ایک وجود کی طرح اپنے خدا کو یاد کریں اور اُسکی وحدانیت کی گواہی دیں اور تا پہلی وحدت قومی جو ابتدائے آفرینش میں ہوئی اور آخری وحدت اقوامی جس کی بنیاد آخری زمانہ میں ڈالی گئی یعنی جس کا خدا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے کے وقت میں ارادہ فرمایا۔ یہ دونوں قسم کی وحدتیں خدائے واحد لاشریک کے وجود اور اُسکی وحدانیت پر دوہری شہادت ہو کیونکہ وُہ واحد ہے اسلئے اپنے تمام نظام جسمانی اور رُوحانی میں وحدت کو دوست رکھتا ہے۔ اور چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا زمانہ قیامت تک ممتد ہے اور آپ خاتم الانبیاء ہیں اسلئے خدا نے یہ نہ چاہا کہ وحدت اقوامی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی کمال تک پہنچ جائے کیونکہ یہ صورت آپ کے زمانہ کے خاتمہ پر دلالت کرتی تھی یعنی شبہ گذرتا تھا کہ آپ کا زمانہ وہیں تک ختم ہو گیا۔ کیونکہ جو آخری کام آپ کا تھا۔ وُہ اسی زمانہ میں انجام تک پہنچ گیا۔ اِس لئے خدا نے تکمیل اس فعل کی جو تمام قومیں ایک

[1] فاطر: ۲۵ [2] النساء: ۴۲

ص۸۳ قوم کی طرح بن جائیں اور ایک ہی مذہب پر ہو جائیں۔ زمانہ محمدی کے آخری حصہ میں ڈالدی جو قرب قیامت کا زمانہ ہے اور اس تکمیل کے لئے اسی اُمت میں سے ایک نائب مقرر کیا

جو مسیح موعود کے نام سے موسوم ہے اور اُسی کا نام خاتم الخلفاء ہے

پس زمانہ محمدی کے سر پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور اُس کے آخر میں مسیح موعود ہے اور ضرور تھا کہ یہ سلسلہ دُنیا کا منقطع نہ ہو جب تک کہ وُہ پیدا نہ ہولے کیونکہ وحدت اقوامی کی خدمت اُسی نائب النبوت کے عہد سے وابستہ کی گئی ہے اور اُسی کیطرف یہ آیت اشارہ کرتی ہے اور وہ یہ ہے هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ[1] یعنی خدا وہ خدا ہے جس نے اپنے رسول کو ایک کامل ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا تا اُسکو ہر ایک قسم کے دین پر غالب کر دے یعنی ایک عالمگیر غلبہ اس کو عطا کرے اور چونکہ وہ عالمگیر غلبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ظہور میں نہیں آیا اور ممکن نہیں کہ خدا کی پیشگوئی میں کچھ تخلف ہو اِس لئے اِس آیت کی نسبت اُن سب متقدمین کا اتفاق ہے جو ہم سے پہلے گذر چکے ہیں کہ یہ عالمگیر غلبہ مسیح موعود کے وقت میں ظہور میں آئیگا کیونکہ اس عالمگیر غلبہ کیلئے تین امر کا پایا جانا ضروری ہے جو کسی پہلے زمانہ میں وہ پائے نہیں گئے۔

(۱) اوّل یہ کہ پُورے اور کامل طور پر مختلف قوموں کے میل ملاقات کیلئے آسانی اور سہولت کی راہیں کھل جائیں اور سفر کی ناقابل برداشت مشقتیں دُور ہو جائیں اور سفر بہت جلدی طے ہو سکے گویا سفر سفر ہی نہ رہے اور سفر کو جلد طے کرنے کے لئے فوق العادت اسباب میسّر آجائیں کیونکہ جب تک مختلف ممالک کے باشندوں کیلئے ایسے اسباب اور سامان حاصل نہ ہوں کہ وہ فوق العادت طور پر ایک دوسرے سے مل سکیں اور بآسانی ایک دُوسرے کی ایسے طور سے ملاقات کر سکیں کہ گویا وُہ ایک ہی شہر کے باشندے ہیں تب تک ایک قوم کے لئے یہ موقعہ حاصل نہیں ہو سکتا کہ وہ یہ دعویٰ کریں کہ اُن کا دین تمام دنیا کے دینوں پر

[1] الصّف : ۱۰۔

۸۴ غالب ہے کیونکہ غلبہ دکھلانے کیلئے یہ شرط ہے کہ ان تمام مذاہب کا لوگوں کو علم بھی ہو جن پر غالب ہونے کا اظہار بھی کیا گیا ہے اور نیز جن کو مغلوب سمجھا گیا ہے وہ بھی اس بات کا علم رکھتے ہوں کہ ہم اس الزام کے نیچے ہیں۔ اور یہ تو تبھی ہو سکتا ہے کہ مختلف ممالک کے لوگ ایسے باہم قریب ہو جائیں کہ گویا وہ ایک ہی محلہ میں رہتے ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ امر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ظہور میں نہیں آسکا کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کئی قومیں زمین کے دُور دراز کناروں پر آباد تھیں اور پیغام پہنچانے اور سفر کرنے اور باہمی جلد ملاقات کرنے کے وہ سامان موجود نہ تھے کہ جو اب اس وقت ہمارے اس زمانہ میں موجود ہیں۔

(۲) دوسرا امر جو اس بات کے سمجھنے کے لئے شرط ہے کہ ایک دین دوسرے تمام دینوں پر اپنی خوبیوں کے رُو سے غالب ہے یہ ہے جو دنیا کی تمام قومیں آزادی سے باہم مباحثات کر سکیں اور ہر ایک قوم اپنے مذہب کی خوبیاں دوسری قوم کے سامنے پیش کر سکے اور نیز تالیفات کے ذریعہ سے اپنے مذہب کی خوبی اور دوسرے مذاہب کا نقص بیان کر سکیں اور مذہبی کُشتی کیلئے دُنیا کی تمام قوموں کو یہ موقعہ مل سکے کہ وہ ایک ہی میدان میں اکٹھے ہو کر ایک دوسرے پر مذہبی بحث کے حملے کریں اور جیسا کہ دریا کی ایک لہر دوسری لہر پر پڑتی ہے ایک دوسرے کے تعاقب میں مشغول ہوں اور یہ مذہبی کشتی نہ ایک دو قوم میں بلکہ عالمگیر کشتی ہو جو دُنیا کی قوموں میں سے کوئی قوم اس کُشتی سے باہر نہ ہو۔ سو اس قسم کا غلبہ اسلام کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں میسّر نہیں آسکا کیونکہ اوّل تو اُس زمانہ میں دُنیا کی تمام قوموں کا اجتماع ناممکن تھا اور پھر ماسوا اسکے جن قوموں سے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطہ پڑا اُن کو مذہبی امور میں دلائل سُننے یا دلائل سُنانے سے کچھ غرض نہ تھی بلکہ اُنہوں نے اُٹھتے ہی تلوار کے ساتھ اسلام کو نابود کرنا چاہا اور عقلی طور پر اُسکے ردّ کرنے کیلئے قلم نہیں اُٹھائی۔ یہی وجہ ہے کہ اُس زمانہ کی کوئی ایسی کتاب نہیں پاؤ گے

جس میں اسلام کے مقابل پر عقل یا نقل کے رنگ میں کچھ لکھا گیا ہو بلکہ وہ لوگ صرف تلوار ۸۵
سے ہی غالب ہونا چاہتے تھے اس لئے خدا نے تلوار سے ہی اُن کو ہلاک کیا مگر ہمارے اس
زمانہ میں اسلام کے دشمنوں نے اپنے طریق کو بدل لیا ہے اور اب کوئی مخالف اسلام کا
اپنے مذہب کیلئے تلوار نہیں اُٹھاتا اور یہی حکمت ہے کہ مسیح موعود کیلئے یضع الحرب کا حکم آیا
یعنی جنگ کی ممانعت ہوگئی اور تلوار کی لڑائیاں موقوف ہوگئیں اور اب قلمی لڑائیوں کا وقت
ہے اور چونکہ ہم قلمی لڑائیوں کے لئے آئے ہیں اس لئے بجائے لوہے کی تلوار کے لوہے
کی قلمیں ہمیں ملی ہیں۔ اور نیز کتابوں کے چھاپنے اور دُور دراز ملکوں تک اُن تالیفات
کے شائع کرنے کے ایسے سہل اور آسان سامان ہمیں میسّر آگئے ہیں کہ گذشتہ زمانوں میں سے
کسی زمانہ میں اُن کی نظیر پائی نہیں جاتی۔ یہاں تک کہ وہ مضمون جو برسوں تک لکھنے ناممکن
تھے وہ دنوں میں لکھے جاتے ہیں۔ ایسا ہی وہ تالیفات جن کا دُور دراز ملکوں میں پہنچانا
مدت ہائے دراز کا کام تھا۔ وہ تھوڑے ہی دنوں میں ہم دنیا کے کناروں تک پہنچا
سکتے ہیں اور اپنی حجت بالغہ سے تمام قوموں کو مطلع کر سکتے ہیں۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم کے زمانہ میں یہ اشاعت اور اتمام حجت ناممکن تھی کیونکہ اُس وقت نہ کتابوں کے
چھاپنے کے آلات تھے اور نہ دُوسرے ممالک میں کتابوں کے پہنچانے کے لئے سہل
اور آسان طریق میسّر تھے۔

(۳) تیسرا امر جو اس بات کو تمام دنیا پر واضح کرنے کیلئے شرط ہے کہ فلاں دین بمقابل
دنیا کے تمام دینوں کے خاص طور پر خدا سے تائید یافتہ ہے اور خدا کا خاص فضل اور
خاص نصرت اپنے ساتھ رکھتا ہے وہ یہ ہے کہ بمقابل دنیا کی تمام قوموں کے ایسے طور سے
تائید الٰہی کے آسمانی نشان اُس کے شامل ہوں کہ دُوسرے کسی دین کے شامل حال نہ ہوں۔
اور بغیر ذریعہ انسانی ہاتھوں کے خدا دوسرے دینوں کو تباہ کرتا جائے اور اُنکے اندر سے
رُوحانی برکت اُٹھا لے۔ مگر وہ دین دوسرے دینوں کے سامنے خدا کے چمکدار نشانوں سے

۸۶

اپنی ممتاز حالت ثابت کرے۔ اور دُنیا کے اِس سِرے سے اُس سِرے تک کوئی مذہب نشانِ آسمانی میں اُس کا مقابلہ نہ کر سکے باوجود اس بات کے کہ کوئی حصہ آبادی دُنیا کا اس دعوت مقابلہ سے بے خبر نہ ہو۔ یہ امر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کامل طور پر ظہور پذیر ہونا ناممکن تھا کیونکہ اسکے لئے یہ شرط تھی کہ دنیا کی تمام قوموں کو جو مشرق اور مغرب اور جنوب اور شمال میں رہتی ہیں یہ موقعہ مل سکے کہ وہ ایک دُوسرے کے مقابل پر اپنے مذہب کی تائید میں خدا سے چاہیں جو آسمانی نشانوں سے اس مذہب کی سچائی پر گواہی دے۔ مگر جس حالت میں ایک قوم دوسری قوم سے ایسی مخفی اور محجوب تھی کہ گویا ایک دُوسری دنیا میں رہتی تھی تو یہ مقابلہ ممکن نہ تھا اور نیز اس زمانہ میں ابھی اسلام کی تکذیب انتہا تک نہیں پہنچی تھی اور ابھی وہ وقت نہیں آیا تھا کہ خدا کی غیرت تقاضا کرے کہ اسلام کی تائید میں آسمانی نشانوں کی بارش ہو مگر ہمارے زمانہ میں **وہ وقت آگیا** کیونکہ اس زمانہ میں گندی تحریروں کے ذریعہ سے اس قدر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کی توہین کی گئی ہے کہ کبھی کسی زمانہ میں کسی نبی کی توہین نہیں ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تو ثابت نہیں ہوتا کہ کسی عیسائی یا یہودی نے اسلام کے ردّ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین میں دو یا تین ورق کا رسالہ بھی لکھا ہو مگر اب اِس قدر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین اور اسلام کے ردّ میں کتابیں لکھی گئیں اور اشتہار شائع کئے گئے اور اخباریں تمام دنیا میں پھیلائی گئیں کہ اگر وہ تمام جمع کی جائیں تو وہ ایک بڑے پہاڑ کے برابر طومار ہوتا ہے بلکہ اس سے زیادہ۔ ان اندھوں نے اسلام کو ہر ایک برکت سے بے بہرہ قرار دیا ہے اور دعویٰ کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی آسمانی نشان نہیں دکھلایا اور اس بات پر زور دیا ہے کہ دنیا میں اسلام کا نام و نشان نہ رہے اور ایک عاجز انسان کی خدائی ثابت کرنے کیلئے خدا کے **پاک دین** اور پاک **رسول** کی وہ توہین کی گئی ہے جو ابتدائے دنیا سے آج تک کسی دین اور کسی رسول کی ایسی توہین نہیں ہوئی۔ اور درحقیقت یہ ایسا زمانہ آگیا ہے

کہ شیطان اپنے تمام ذرّیات کے ساتھ ناخنوں تک زور لگا رہا ہے کہ اسلام کو نابود کر دیا جاوے۔ اور چونکہ بلاشبہ سچائی کا جھوٹ کے ساتھ یہ آخری جنگ ہے اس لئے یہ زمانہ بھی اس بات کا حق رکھتا تھا کہ اس کی اصلاح کے لئے کوئی خدا کا مامور آوے۔ پس وہ مسیح موعود ہے جو موجود ہے۔ اور زمانہ حق رکھتا تھا کہ اس نازک وقت میں آسمانی نشانوں کے ساتھ خدا تعالےٰ کی دنیا پر حجّت پوری ہو۔ سو آسمانی نشان ظاہر ہو رہے ہیں۔ اور آسمان جوش میں ہے کہ اس قدر آسمانی نشان ظاہر کرے کہ اسلام کی فتح کا نقّارہ ہر ایک ملک میں اور ہر ایک حصّہ دُنیا میں بج جائے۔ اے قادر خدا تُو جلد وہ دن لا کہ جس فیصلہ کا تُو نے ارادہ کیا ہے وُہ ظاہر ہو جائے اور دُنیا میں تیرا جلال چمکے اور تیرے دین اور تیرے رسول کی فتح ہو۔ آمین ثم آمین۔

اب ہم پھر اصل مقصد کی طرف رجوع کر کے باقی ماندہ مضمون کی نسبت جو آریہ صاحبوں کی طرف سے جلسہ میں پڑھا گیا تھا کچھ لکھتے ہیں۔ چنانچہ مضمون خوان نے اسلام پر ایک یہ بھی اعتراض کیا کہ گویا اسلام کا عقیدہ یہ ہے کہ قرآن شریف اسی طرح کاغذوں پہ یا پتھروں پر لکھا ہوا آسمان پر سے نازل ہوا تھا اور پھر خود ہی اس عقیدہ پر ٹھٹھا اڑا کر کہتا ہی کہ اوّل تو خدا آسمان پر بیٹھا ہوا نہیں۔ اور پھر اگر ہم فرض بھی کر لیں تو ایسی کتاب اکاش سے گذرتی ہوئی جل سڑ جائیگی۔ لیکن افسوس کہ یہ لوگ اس جہالت اور بے خبری کے ساتھ جو اسلام کی نسبت رکھتے ہیں پھر بھی جلدی سے اعتراض کر دیتے ہیں معلوم نہیں کہ ان لوگوں نے کہاں سے اور کس سے سُن لیا کہ مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ قرآن شریف کاغذ پر لکھا ہُوا آسمان سے نازل ہوا تھا۔ اس بات کو تو ایک ناخواندہ مسلمان بھی جانتا ہے کہ قرآن شریف کا نازل ہونا اس طور سے مانا جاتا ہے کہ وُہ خدا کا پاک کلام ہی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر نازل ہوا اور اسی طرح ہم اب بھی خدا تعالیٰ کا قانون قدرت

مشاہدہ کرتے ہیں جس مشاہدہ کے ہم خود گواہ رویت ہیں کہ یہی سُنّت اور قانون قدرت سے ہے
کہ خدا کا کلام مع الفاظ دل پر نازل ہوتا اور زبان پر جاری ہوتا ہے وہ صرف مفہوم
نہیں ہوتا بلکہ اُس کے ساتھ لفظ بھی ہوتے ہیں اور جیسا کہ خدا کا فعل بینظیر ہے ایسا ہی
وُہ خدا کا کلام بھی بے مثل ہوتا ہے اس طرح پر کہ نہایت درجہ کی بلاغت فصاحت کے ساتھ
امور غیبیہ سے بھرا ہوا ہوتا ہے اور اس کے اندر ایک طاقت اور برکت اور کشش
ہوتی ہے جو اپنی طرف کھینچتی ہے اور ایک نور ہوتا ہے جو تاریکی کو دُور کرتا ہے اور
پَیروی کرنے والے کو اُس نور سے منوّر کرتا ہے اور اُس کو خدا سے نزدیک کر دیتا ہے
اور اُس کے ذریعہ سے پَیروی کرنے والا گندی زندگی سے نجات پا کر بغیر اس کے جو
ہزاروں جونوں میں ڈالا جائے اُسی پہلی جُون میں ہی نجات پا لیتا ہے مگر افسوس کہ
وید میں نہ وہ طاقت ہے نہ وہ نور ہے نہ وہ کشش ہے اسی وجہ سے وید کے ذریعہ مکتی
پانے والے اب تک سب کے سب کیڑے مکوڑے اور سؤر بندر ہی نظر آتے ہیں اور
صرف تھوڑے سے انسان ہیں باقی تمام سطح زمین اور سمندر اور آکاش کا فضا کیڑوں
مکوڑوں اور حیوانات سے بھرا پڑا ہے جن کا شمار بجز خدا کے کسی کی طاقت اور قدرت
کے اندر نہیں۔ اور پھر یہ عجیب بات ہے کہ ایک ادنیٰ سے ادنیٰ کیڑے کو بھی دیکھ کر ہم
یقین کامل سے کہہ سکتے ہیں کہ یہ خدا کا بنایا ہُوا ہے مگر وید میں ہمیں کوئی ایسی
فوق العادت بات نظر نہیں آتی کہ ہمیں اس بات کے ماننے کے لئے مجبور کرے کہ وُہ
ضرور خدا کا کلام ہے۔ اور ایک مکھّی کو دیکھ کر ہم سمجھ سکتے ہیں کہ وُہ خدا کی بنائی ہُوئی
ہے۔ لیکن اگر ہم تمام وید اوّل سے آخر تک پڑھ جائیں تو ہمیں کوئی خُدائی صفت
اس میں ایسی معلوم نہیں ہوتی جس سے ہمیں خیال آسکے کہ یہ کتاب خدا کی طرف سے ہے۔
نہ اس میں کسی معجزہ کا ذکر ہے اور نہ اس میں کوئی پیشگوئی ہے اور نہ اس میں انسانی طاقت
سے بڑھ کر علوم ہیں بلکہ صرف موٹے خیالات ہیں جو جابجا غلطیوں سے بھرے ہُوئے ہیں۔

صـ۸۹

پس ایسی کتاب کیونکر قبول کرنے کے لائق ہو جو اپنی حیثیت اور مرتبہ میں ایک مکھی کے برابر بھی نہیں۔ کیا یہ سچ نہیں؟ کہ مکھّی کو دیکھ کر اقرار کرنا پڑتا ہو کہ اُسکے بنانے پر انسان قادر نہیں ہو سکتا مگر کیا وید کو کوئی عقلمند پڑھ کر کہہ سکتا ہے؟ کہ اسکے بنانے پر بھی انسان قادر نہیں پس اگر مکھّی کے موافق بھی جو ایک ذلیل تر جاندار ہو وید میں کوئی اعجوبہ نہیں تو عقل تجویز نہیں کر سکتی کہ وُہ اُس خدا کا کلام ہو جس کا قول ایسا بےنظیر ہونا چاہیئے جیساکہ اُس کا فعل بےنظیر ہو۔

رہا یہ قول مضمون خواں صاحب کا کہ اُسکے خیال کے موافق اسلام کا عقیدہ یہ ہے کہ گویا خدا انسان کی طرح آسمان پر بیٹھا ہُوا ہو سو یہ محض اُسکی ناواقفی ہو چونکہ ہندو لوگ محض اپنی جہالت اور بخل اور تعصّب کی راہ سے قرآن شریف پر ایک نظر تدبّر بھی نہیں ڈالتے اِسلئے ایسے ایسے شیطانی اعتراض انکو سُوجھتے ہیں۔ پس واضح ہو کہ قرآن شریف کی تعلیم کے رُو سے خدا جیساکہ آسمان پر ہے زمین پر بھی ہو جیساکہ اُسنے فرمایا ہو هُوَ الَّذِيْ فِي السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِي الْاَرْضِ اِلٰهٌ[1] یعنی زمین میں وُہی خدا ہو اور وُہی آسمان میں خدا۔ اور فرمایا کہ کسی پوشیدہ* مشورہ میں تین آدمی نہیں ہوتے جنکے ساتھ چوتھا خدا نہیں ہوتا اور فرمایا کہ وُہ غیر محدود ہو جیساکہ اس آیت میں لکھا ہو لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ[2] یعنی آنکھیں اُسکے انتہا کو نہیں پا سکتیں اور وُہ آنکھوں کے انتہا تک پہنچتا ہو۔ ایسا ہی خدا تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہو وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ[3] یعنی ہم انسان کی شاہ رگ سے بھی زیادہ اُس سے نزدیک ہیں اور یہ بھی ایک جگہ فرمایا کہ خدا ہر ایک چیز پر محیط ہو اور یہ بھی فرمایا کہ اِنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ[4] یعنی خدا وہ ہے جو انسان اور اُسکے دِل میں حائل ہو جاتا ہو اور یہ بھی فرمایا کہ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ[5] یعنی خدا وہ ہو جو زمین و آسمان میں اُسی کے چہرہ کی چمک ہے اور اُسکے بغیر سب تاریکی ہو اور یہ بھی فرمایا کہ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ[6] یعنی ہر ایک وجود ہلاک ہونیوالا

حاشیہ* قرآن شریف کی اس بارہ میں یہ آیت ہے مایکون من نجوی ثلٰثۃ الّا ھو رابعھم ولا خمسۃ الّا ھو سادسھم[7] یعنی تین شخص کوئی ایسا پوشیدہ مشورہ نہیں کرتے جس کا چوتھا خدا نہ ہو اور نہ پانچ کرتے ہیں جن کا چھٹا خدا نہ ہو۔ منہ

[1] الزخرف: ۸۵ [2] الانعام: ۱۰۴ [3] قٓ: ۱۷ [4] الانفال: ۲۵ [5] النور: ۳۶ [6] الرحمٰن: ۲۷-۲۸ [7] المجادلۃ: ۸

صفحہ ۹۰

اور تغیّر پذیر ہے اور وہ جو باقی رہنے والا ہے وہی خدا ہے یعنی ہر ایک چیز فنا قبول کرتی ہے اور تغیّر قبول کرتی ہے مگر انسانی فطرت اِس بات کے ماننے کے لئے مجبور ہے کہ اس تمام عالم ارضی اور سماوی میں ایک ایسی ذات بھی ہے کہ جب سب پر فنا اور تغیّر وارد ہو اُس پر تغیّر اور فنا وارد نہیں ہوگی وہ اپنے حال پر باقی رہتا ہے وہی خدا ہے۔ لیکن چونکہ زمین پر گناہ اور معصیت اور ناپاک کام بھی ظاہر ہوتے ہیں اور خدا کو صرف زمین تک محدود رکھنے والے آخر کار بُت پرست اور مخلوق پرست ہو جاتے ہیں جیسا کہ تمام ہندو ہو گئے۔ اسلئے قرآن شریف میں ایک طرف تو یہ بیان کیا کہ خدا کا اپنی مخلوق سے شدید تعلق ہے اور وہ ہر ایک جان کی جان ہے اور ہر ایک ہستی اُسی کے سہارے سے ہے۔ پھر دوسری طرف اس غلطی سے محفوظ رکھنے کیلئے کہ تا اُسکے تعلق سے جو انسان کے ساتھ ہے کوئی شخص انسان کو اُس کا عین ہی نہ سمجھ بیٹھے جیسا کہ ویدانت والے سمجھتے ہیں۔ یہ بھی فرما دیا کہ وہ سب سے برتر اور تمام مخلوقات سے وراء الوراء مقام پر ہے جسکو شریعت کی اصطلاح میں **عرش** کہتے ہیں اور عرش کوئی مخلوق چیز نہیں ہے صرف وراء الوراء مرتبے کا نام ہے نہ یہ کہ کوئی ایسا تخت ہے جس پر خدا تعالیٰ کو انسان کی طرح بیٹھا ہوا تصور کیا جائے بلکہ جو مخلوق سے بہت دُور اور تنزّہ اور تقدّس کا مقام ہے اُسکو عرش کہتے ہیں جیسا کہ قرآن شریف میں لکھا ہے کہ خدا تعالیٰ اسکے ساتھ خالقیت اور مخلوقیت کا تعلق قائم کرکے پھر عرش پر قائم ہو گیا یعنی تمام تعلقات کے بعد الگ کا الگ رہا اور مخلوق کے ساتھ مخلوط نہیں ہوا۔

غرض خدا کا انسان کے ساتھ ہونا اور ہر ایک چیز پر محیط ہونا یہ خدا کی **تشبیہی** صفت ہے اور خدا نے قرآن شریف میں اسلئے اس صفت کا ذکر کیا ہے کہ تا وہ انسان پر اپنا قرب ثابت کرے اور خدا کا تمام مخلوقات سے وراء الوراء ہونا اور سب سے برتر اور اعلیٰ اور دُور تر ہونا اور اس تنزّہ اور تقدّس کے مقام پر ہونا جو مخلوقیت سے دُور ہے عرش کے نام سے پکارا جاتا ہے اُس صفت کا نام **تنزیہی** صفت ہے اور خدا نے قرآن شریف میں اسلئے اس صفت کا ذکر کیا تا وہ اس سے اپنی توحید اور اپنا وحدہٗ لاشریک ہونا اور مخلوق کی صفات سے اپنی ذات

۹۱

کا منزّہ ہونا ثابت کرے۔ دوسری قوموں نے خدا تعالیٰ کی ذات کی نسبت یا تو تنزیہی صفت اختیار کی ہے یعنی نرگن کے نام سے پکارا ہے اور یا اسکو سرگن مان کر ایسی تشبیہ قرار دی ہے کہ گویا وہ عین مخلوقات ہے اور ان دونوں صفات کو جمع نہیں کیا مگر خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں ان دونوں صفات کے آئینہ میں اپنا چہرہ دکھلایا ہے اور یہی کمال توحید ہے۔

مضمون پڑھنے والے نے اس اعتراض کے ساتھ یہ اعتراض بھی جوڑ دیا ہے کہ مسلمانوں کے اعتقاد میں حجر اسود ایک ایسا پتھر ہے جو آسمان سے گرا تھا۔ معلوم نہیں کہ اس اعتراض سے اُسکو کیا فائدہ ہے۔ استعارہ کے رنگ میں بعض یہ روایتیں ہیں کہ وہ بہشتی پتھر ہے۔ مگر قرآن شریف سے ثابت ہے کہ بہشت میں کوئی پتھر نہیں ہے۔ بہشت ایسا مقام ہے کہ اسکی کوئی نظیر دنیا میں نہیں پائی جاتی اور اس دنیا کی کوئی چیز بھی بہشت میں نہیں ہے۔ بلکہ بہشتی نعمتیں ایسی نعمتیں ہیں کہ جو نہ کبھی آنکھوں نے دیکھیں اور نہ کانوں نے سُنیں اور نہ دل میں گذریں اور خانہ کعبہ کا پتھر یعنی حجر اسود ایک رُوحانی امر کیلئے نمونہ قائم کیا گیا ہے۔* اگر خدا تعالیٰ چاہتا۔ تو نہ خانہ کعبہ بناتا اور نہ اس میں حجر اسود رکھتا لیکن چونکہ اسکی عادت ہے کہ رُوحانی اُمور کے مقابل پر جسمانی اُمور بھی نمونہ کے طور پر پیدا کر دیتا ہے تا وہ رُوحانی اُمور پر دلالت کریں۔ اسی عادت کے موافق خانہ کعبہ کی بنیاد ڈالی گئی۔ اصل بات یہ ہے کہ انسان عبادت کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور عبادت دو قسم کی ہے۔ (۱) ایک تذلّل اور انکسار (۲) دُوسری محبت اور ایثار۔ تذلّل اور انکسار کیلئے اُس نماز کا حکم ہوا۔ جو جسمانی رنگ میں انسان کے ہر ایک عضو کو خشوع اور خضوع کی حالت میں ڈالتی ہے یہاں تک کہ دِلی سجدہ کے مقابل پر اس نماز میں جسم کا بھی سجدہ رکھا گیا۔ تا جسم اور رُوح دونوں اس عبادت میں شامل ہوں۔ اور واضح ہو کہ جسم کا سجدہ بیکار اور لغو نہیں۔ اوّل تو یہ امر مسلّم ہے کہ خدا جیسا کہ

* حاشیہ۔ خدا تعالیٰ نے شریعت اسلام میں بہت سے ضروری احکام کیلئے نمونے قائم کئے ہیں چنانچہ انسان کو یہ حکم ہے کہ وہ اپنی تمام قوتوں کے ساتھ اور اپنے تمام وجود کے ساتھ خدا تعالیٰ کی راہ میں قربان ہو۔ پس ظاہری قربانیاں اسی حالت کیلئے نمونہ ٹھہرائی گئی ہیں لیکن اصل غرض یہی قربانی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ[۱] یعنی خدا کو تمہاری قربانیوں کا گوشت نہیں پہنچتا اور نہ خون پہنچتا ہے مگر تمہاری تقویٰ اسکو پہنچتی ہے۔ یعنی اس سے اتنا ڈرو کہ گویا اسکی راہ میں مر ہی جاؤ۔ اور جیسے تم اپنے ہاتھ سے قربانیاں ذبح کرتے ہو۔ اسی طرح تم بھی خدا کی راہ میں ذبح ہو جاؤ۔ جب کوئی تقویٰ اس درجہ سے کم ہے تو ابھی وہ ناقص ہے۔ منہ

[۱] الحج: ۳۸

روح کا پیدا کرنیوالا ہی ایسا ہی وہ جسم کا بھی پیدا کرنیوالا ہی اور دونوں پر اُس کا حق خالقیت ہے ماسوا اسکے جسم اور رُوح ایک دوسرے کی تاثیر قبول کرتے ہیں بعض وقت جسم کا سجدہ رُوح کے سجدہ کا محرک ہو جاتا ہے اور بعض وقت روح کا سجدہ جسم میں سجدہ کی حالت پیدا کر دیتا ہی۔ کیونکہ جسم اور رُوح دونوں باہم مرایا متقابلہ کی طرح ہیں۔ مثلاً ایک شخص جب محض تکلّف سے اپنے جسم میں ہنسنے کی صورت بناتا ہی تو بسا اوقات وہ سچی ہنسی بھی آجاتی ہی کہ جو رُوح کے انبساط سے متعلق ہی۔ ایسا ہی جب ایک شخص تکلّف سے اپنے جسم میں یعنی آنکھوں میں ایک رونے کی صورت بناتا ہی تو بسا اوقات حقیقت میں رونا ہی آجاتا ہی جو رُوح کی درد اور رقّت سے متعلق ہی۔ پس جبکہ یہ ثابت ہو چکا کہ عبادت کی اس قسم میں جو تذلّل اور انکسار ہی جسمانی افعال کا رُوح پر اثر پڑتا ہی اور رُوحانی افعال کا جسم پر اثر پڑتا ہی۔ پس ایسا ہی عبادت کی دوسری قسم میں بھی جو محبّت اور ایثار ہی انہیں تاثیرات کا جسم اور رُوح میں عوض معاوضہ ہی۔ محبّت کے عالم میں انسانی روح ہر وقت اپنے محبوب کے گرد گھومتی ہی اور اسکے آستانہ کو بوسہ دیتی ہی۔ ایسا ہی خانہ کعبہ جسمانی طور پر محبان صادق کیلئے ایک نمونہ دیا گیا ہی اور خدا نے فرمایا کہ دیکھو یہ میرا گھر ہے اور یہ حجر اسود میرے آستانہ کا پتھر[*] ہے اور ایسا حکم اسلئے دیا کہ تا انسان جسمانی طور پر اپنے ولولہ عشق اور محبّت کو ظاہر کرے۔ سو حج کرنیوالے حج کے مقام میں جسمانی طور پر اس گھر کے گرد گھومتے ہیں ایسی صورتیں بنا کر کہ گویا خدا کی محبّت میں دیوانہ اور مست ہیں۔ زینت دُور کر دیتے ہیں سر منڈوا دیتے ہیں اور مجذوبوں کی شکل بنا کر اُسکے گھر کے گرد عاشقانہ طواف کرتے ہیں اور اس پتھر کو خدا کے آستانہ کا پتھر تصوّر کر کے بوسہ دیتے ہیں اور یہ جسمانی ولولہ رُوحانی تپش اور محبّت کو پیدا کر دیتا ہی اور جسم اس گھر کے گرد طواف کرتا ہی اور سنگ آستانہ کو چومتا ہی اور رُوح اُسوقت محبوب حقیقی کے گرد طواف کرتی ہی اور اُسکے رُوحانی آستانہ کو چومتی ہی اور اس طریق میں کوئی شرک نہیں ایک دوست ایک دوست جانی کا خط پاکر بھی اُسکو چومتا ہی کوئی مسلمان خانہ کعبہ کی پرستش نہیں کرتا اور نہ حجر اسود

[*] حاشیہ۔ خدا کا آستانہ مصدر فیوض ہی یعنی اُسی کے آستانہ سے ہر یک فیض ملتا ہی پس اسی کیلئے معبّرین لکھتے ہیں کہ اگر کوئی خواب میں حجر اسود کو بوسہ دے تو علوم رُوحانیہ اُسکو حاصل ہوتے ہیں کیونکہ حجر اسود سے مراد منبع علم و فیض ہے۔ منہ

سے مُرادیں مانگتا ہے بلکہ صرف خدا کا قرار دادہ ایک جسمانی نمونہ سمجھا جاتا ہے ولبس۔ جس طرح ہم زمین پر سجدہ کرتے ہیں مگر وُہ سجدہ زمین کے لئے نہیں ایسا ہی ہم حجر اسود کو بوسہ دیتے ہیں مگر وُہ بوسہ اس پتھر کے لئے نہیں۔ پتھر تو پتھر ہے جو نہ کسی کو نفع دے سکتا ہے نہ نقصان۔ مگر اُس محبوب کے ہاتھ کا ہے جس نے اُسکو اپنے آستانہ کا نمونہ ٹھیرایا۔ ص ۹۳

پھر مضمون پڑھنے والے۔ نے یہ بیان کیا کہ جس کتاب میں قانون قدرت کے برخلاف تعلیم ہو وہ کتاب الہامی نہیں ہو سکتی۔ اس تقریر سے اُس نے وید پر حملہ کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ درصل وہ وید پر ایمان نہیں رکھتا کیونکہ اگر درحقیقت الہامی کتاب کے لئے یہی شرط ہے جو اُس نے بیان کی ہے تو اس شرط کو ہرگز وید نے پورا نہیں کیا۔ کیونکہ وید خدا کے قانون قدرت سے ہر ایک پہلو میں مخالف ہے مثلاً وید آئندہ زمانہ کیلئے جو وید کے بعد زمانہ ہے یہ اقرار نہیں کرتا کہ خدا کے الہام کا سلسلہ جاری ہے حالانکہ قانون قدرت شہادت دیتا ہے کہ ضرور الہام کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہنا چاہیئے۔ وجہ یہ کہ قانون قدرت کی رُو سے خدا تعالیٰ کے نظام جسمانی اور رُوحانی میں تطابق پایا جانا ضروری ہے تا وہ تطابق اس بات پر دلالت کرے کہ ان دونوں نظاموں کا بنانیوالا ایک خدا ہے مگر الہام کو صرف ایک خاص زمانہ تک ختم کرکے تطابق باقی نہیں رہتا کیونکہ اس بات سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا کہ جسمانی ضرورتوں کیلئے ہمیشہ خدا نے اپنے فیضان کا دروازہ کھلا رکھا ہے چنانچہ بھوک کے لئے اس زمانہ میں بھی اناج موجود ہے جیسا کہ پہلے موجود تھا اور پیاس کے لئے اب بھی آسمان سے پانی برستا ہے جیسا کہ پہلے برستا تھا جس سے زمینی پانی دریاؤں اور کنوؤں کے بکثرت ہو جاتے ہیں پھر رُوحانی حاجتوں کا کیوں دروازہ بند کیا گیا۔ کیا رُوحانی پیاسوں کو اب اس پانی کی ضرورت نہیں ہے جو رُوحانی طور پر سیراب کرتا ہے یعنی کیا اب اس بات کی حاجت نہیں کہ نوع انسان خدا کے تازہ بتازہ نشانوں اور معجزات کے ذریعہ سے شکوک و شبہات سے نجات پاکر اور یقین کے مرتبہ تک پہنچکر پوری تسلی پاویں کیا یہی وید دیا پیش کی جاتی ہے کہ جسمانی حاجات کے پورا کرنے کا تو اب تک خدا نے دروازہ بند نہیں کیا۔ مگر رُوحانی حاجات کے پورا کرنے کا دروازہ بند کر دیا ہے۔ غرض وید تو اس جگہ تطابق دکھلانے سے رہ گیا۔

ص۹۴ مگر یہ جسمانی اور رُوحانی تطابق قانون قدرت کا قرآن شریف نے دِکھلا دیا جیسا کہ وُہ فرماتا ہے۔
والسّماء ذات الرجع والارض ذات الصدع انهٗ لقول فصل وما ھو بالھزل[1] (الجزء ۳۰
سُورۃ الطارق) یعنی قسم ہے آسمان کی جس سے مینہ نازل ہوتا ہے اور قسم ہے زمین کی جو پُھوٹ کر اناج
نکالتی ہے۔ یہ کلام یعنی قرآن شریف حق اور باطل میں فیصلہ کرنیوالا ہے اور بے فائدہ نہیں یعنی اِس
کلام کی ایسی ہی ضرورت ثابت ہے جیسا کہ جسمانی نظام میں مینہ کی ضرورت ثابت ہے۔ اگر مینہ نہ ہو تو
آخر کار کنوئیں بھی خشک ہو جاتے ہیں اور دریا بھی۔ اور پھر نہ پینے کیلئے پانی رہتا ہے اور نہ کھانے
کے لئے اناج۔ کیونکہ ہر ایک برکت زمین کی آسمان سے ہی نازل ہوتی ہے۔ اِس دلیل سے خدا نے ثابت کیا
ہے کہ جیسا کہ پانی اور اناج کی ہمیشہ ضرورت ہے ایسا ہی خدا کی کلام اور اُسکے تسلّی دینے والے معجزات کی
ہمیشہ ضرورت ہے۔ کیونکہ محض گذشتہ قصّوں سے تسلّی نہیں ہو سکتی۔

پس آریہ صاحبوں کو سمجھنا چاہیئے کہ محض وید کے ورق چاٹنے سے نہ روحانی پیاس دُور
ہو سکتی ہے اور نہ وہ تسلّی مل سکتی ہے جو خدا کے تازہ بتازہ معجزات سے ملتی ہے اور آیت ممدوحہ بالا
میں جو خدا نے قسم کھائی پس جاننا چاہیئے کہ خدا کی قسمیں انسان کی قسموں کی طرح نہیں ہیں بلکہ
عادت اللہ اس طرح واقعہ ہُوئی ہے کہ وُہ قرآن شریف میں قسم کھا کر جسمانی نظام کو رُوحانی نظام
کی تصدیق میں پیش کرتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ قسم شہادت کی قائم مقام وضع کی گئی ہے پس اسجگہ
خدا کی کلام میں جسمانی امور کی قسم کھانے سے اشارہ یہ ہے کہ جو قسم کے بعد رُوحانی امور بیان کئے
گئے ہیں جسمانی امور ان کی سچائی کے گواہ ہیں۔ پس جس جگہ تم قرآن شریف میں اس طور کی قسمیں
پاؤ گے ہر ایک جگہ اُن قسموں سے یہی مراد ہے کہ خدا تعالیٰ اوّل جسمانی امور پیش کر کے
ان امور کو رُوحانی امور کے لئے جو بعد میں لکھتا ہے بطور گواہ کے پیش کرتا ہے۔ مگر
افسوس ہمارے نادان اور اندھے مخالف اپنی جہالت سے قرآن شریف کی ان قسموں پر بھی
اعتراض کرتے ہیں۔ دراصل بات یہ ہے کہ قرآن شریف ایک ایسی پُر حکمت کتاب ہے جس نے
طب رُوحانی کے قواعد کلیہ کو یعنے دین کے اصول کو جو دراصل طب رُوحانی ہے طب جسمانی

[1] الطارق: ۱۲ تا ۱۵

کے **قواعد کلیہ** کے ساتھ تطبیق دی ہے اور یہ تطبیق ایک ایسی لطیف ہے جو صدہا معارف اور حقائق کے کھلنے کا **دروازہ** ہے اور سچی اور کامل تفسیر قرآن شریف کی وہی شخص کر سکتا ہے جو طب جسمانی کے قواعد کلیہ پیش نظر رکھ کر قرآن شریف کے بیان کردہ قواعد میں نظر ڈالتا ہے ایک دفعہ مجھے بعض محقق اور حاذق طبیبوں کی بعض کتابیں کشفی رنگ میں دکھلائی گئیں جو طب جسمانی کے قواعد کلیہ اور اصول علمیہ اور ستّہ ضروریہ وغیرہ کی بحث پر مشتمل اور متضمن تھیں جن میں طبیب حاذق قرشی کی کتاب بھی تھی اور اشارہ کیا گیا کہ یہی تفسیر قرآن ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ علم الابدان اور علم الادیان میں نہایت گہرے اور عمیق تعلقات ہیں اور ایک دوسرے کے مصدّق ہیں اور جب میں نے اُن کتابوں کو پیش نظر رکھ کر جو طب جسمانی کی کتابیں تھیں قرآن شریف پر نظر ڈالی تو وہ عمیق در عمیق طب جسمانی کے قواعد کلیہ کی باتیں نہایت بلیغ پیرایہ میں قرآن شریف میں موجود پائیں اور اگر خدا نے چاہا اور زندگی نے وفا کی تو میرا ارادہ ہے کہ قرآن شریف کی ایک تفسیر لکھ کر اس جسمانی اور رُوحانی تطابق کو دکھلاؤں۔

غرض آسمان کے نیچے کوئی دوسری کتاب نہیں پائی جاتی کہ جو طب جسمانی اور طب روحانی میں اس قدر تطابق دِکھلا کر قانون قدرت کے معیار کو اپنی پیروی کرنے والوں کے ہاتھ میں دیدے۔ اِس لئے میں پُورے یقین سے سمجھتا ہوں کہ قرآن شریف کے مقابل پر تمام دوسرے مذاہب ہلاک شدہ ہیں۔ وہ مُنہ سے تو کہہ دیتے ہیں کہ الہامی کتاب کے لئے ضروری شرط یہ ہے کہ وہ قانون قدرت کے مطابق ہو مگر مطابق کر کے دکھلاتے نہیں اور اُن کو یہ بھی سمجھ نہیں کہ قانون قدرت کے آلہ کو استعمال کرنے کے لئے طریق کیا ہے۔ وُہ خدا کے قانون قدرت کو مروڑ توڑ کر اپنے مسلّمہ عقائد کے مطابق کرنا چاہتے ہیں مگر یہ نہیں سوچتے کہ درحقیقت وہ مطابق بھی ہیں یا نہیں۔

اور پھر مجھے یہ تعجب ہے کہ آریہ صاحبان قانون قدرت کا ذکر ہی کیوں کرتے ہیں۔ کیونکہ جس حالت میں اُن کے پرمیشر میں یہ قدرت ہی نہیں کہ ایک رُوح بنا سکے یا کسی رُوح میں

ص۹۶ کوئی قوت پیدا کرسکے یا کوئی ذرہ اجسام بنا سکے یا کوئی علم غیب اپنی شناخت کیلئے اپنی کتاب میں بیان کرسکے یا دلوں کو تسلّی دینے کیلئے اپنا کوئی معجزہ دکھلا سکے تو پھر یہ کہنا کہ اُس کا کوئی قانونِ قدرت ہے سراسر لغو اور بے معنی بات ہے۔ قانون کا مرتب کرنا قدرت کے بعد ہے اور جب قدرت ہی نہیں تو یہ کہنا چاہیئے کہ قانون عجز اور بے قدرتی نہ کہ قانون قدرت۔ وہ پرمیشر جو مکتی دائمی نہیں دے سکتا اور کسی کا گنہ نہیں بخش سکتا اور اپنی ہستی ثابت کرنے کیلئے کوئی قدرت کا نمونہ دکھلا نہیں سکتا اسکی نسبت قانون قدرت کو کیونکر منسوب کر سکتے ہیں۔

پھر مضمون خواں نے بیان کیا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ خدا اپنے قانون کو بدل سکتا ہے۔ اِس کا جواب یہ ہے کہ کیا وہ اپنے صفات کو بھی بدل سکتا ہے۔ اب غور کرنا چاہیئے کہ یہ کیسا بیہودہ جواب ہے۔ یہ تو سچ ہے کہ جیسا کہ خدا غیر متبدّل ہے اسکے صفات بھی غیر متبدّل ہیں۔ اِس سے کس کو انکار ہے مگر آجتک اُس کے کاموں کی حد بست کس نے کی ہے۔ اور کون کہہ سکتا ہے کہ وہ اسکی عمیق در عمیق اور بے حد قدرتوں کی انتہاء تک پہنچ گیا ہے بلکہ اُس کی قدرتیں غیر محدود ہیں اور اُسکے عجائب کام ناپیدا کنار ہیں اور وہ اپنے خاص بندوں کیلئے اپنا قانون بھی بدل لیتا ہے مگر وہ بدلنا بھی اُس کے قانون میں ہی داخل ہے جب ایک شخص اُس کے آستانہ پر ایک نئی روح لے کر حاضر ہوتا ہے اور اپنے اندر ایک خاص تبدیلی محض اُسکی رضامندی کیلئے پیدا کرتا ہے تب خدا بھی اُسکے لئے ایک تبدیلی پیدا کرلیتا ہے کہ گویا اس بندے پر جو خدا ظاہر ہوا ہے وہ اَور ہی خدا ہے۔ نہ وہ خدا جس کو عام لوگ جانتے ہیں۔ وہ ایسے آدمی کے مقابل پر جس کا ایمان کمزور ہے کمزور کی طرح ظاہر ہوتا ہے لیکن جو اُسکی جناب میں ایک نہایت قوی ایمان کے ساتھ آتا ہے وہ اُسکو دکھلا دیتا ہے کہ تیری مدد کیلئے میں بھی قوی ہوں۔ اس طرح انسانی تبدیلیوں کے مقابل پر اُسکی صفات میں بھی تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں جو شخص ایمانی حالت میں ایسا مفقود الطاقت ہے کہ گویا میت ہے خدا بھی اُسکی تائید اور نصرت سے دستکش ہو کر ایسا خاموش ہو جاتا ہے کہ گویا نعوذ باللہ وہ مر گیا ہے۔ مگر یہ تمام تبدیلیاں وہ اپنے قانون کے اندر اپنے تقدس کے موافق

ص۹۷

کرتا ہے اور چونکہ کوئی شخص اُس کے قانون کی حدبست نہیں کرسکتا اس لئے جلدی سے بغیر کسی قطعی دلیل کے جو روشن اور بدیہی ہو۔ یہ اعتراض کرنا کہ فلاں امر قانون قدرت کے مخالف ہے محض حماقت ہے کیونکہ جس چیز کی ابھی حدبست نہیں ہوئی اور نہ اسپر کوئی قطعی دلیل قائم ہے اُسکی نسبت کون رائے زنی کرسکتا ہے؟ ہاں قطعی اور یقینی طور پر جو باتیں ثابت ہوچکی ہیں اُن سے انکار کرنا ایک قابل شرم جہالت ہے جیساکہ یہ ثابت شدہ امر ہے کہ خدا واحد لاشریک ہے اور وہ ان تمام باتوں پر قادر ہے جو اُسکے تقدس اور کمال کے برخلاف نہیں ہیں اور قانون قدرت کا تو یہ حال ہے کہ پہلے زمانہ میں خدا نے انسان کو محض مٹی سے پیدا کیا یہ بھی ایک قانون قدرت تھا اور پھر اب نطفہ سے پیدا کرتا ہے تو یہ امر بھی قانون قدرت ہے اور پھر اگر ایک زمانہ کے بعد کسی اور طور سے انسان کو پیدا کرے تو کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ طور اسکے قانون قدرت سے باہر ہے جو غیر محدود ہے۔ یہ خیالات سب جہالتیں ہیں سچ تو یہ ہے کہ نہ کسی نے اب تک اُس کی حدبست کی اور نہ اُس کے قانون کی۔

پھر مضمون پڑھنے والے نے اپنے مضمون میں یہ بھی بیان کیا کہ خدا کا قانون یعنی الہامی کتاب بدل نہیں سکتی۔ ہاں انسانی قوانین ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں کیونکہ انسان کا علم محدود ہے مثلاً گورنمنٹ جو آج قانون بناتی ہے تو کل اُسے بدلنا پڑتا ہے۔ یہ تبدیلی اس لئے کرنی پڑتی ہے کہ گورنمنٹ کامل علم نہیں رکھتی بلکہ بہت محدود علم رکھتی ہے۔ چونکہ علم تجربہ سے بڑھتا ہے اِس لئے گورنمنٹ کے قانون میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے مگر خدا کا علم کامل ہے اِس لئے اُس کو اپنی کتاب کی تبدیلی کی ضرورت نہیں۔

اس تقریر میں گویا مضمون پڑھنے والے نے ان تمام کتابوں پر حملہ کیا ہے جو بجز وید کے خدا کی الہامی کتابیں قوموں میں پائی جاتی ہیں اور اس حملہ کے وقت پہلے اُس نے اپنے دل میں بغیر کسی دلیل کے فرض کرلیا ہے کہ سب الہامی کتابیں وید کے بعد ہیں۔ اور پھر یہ فرض کرلیا ہے کہ وید کامل کتاب ہے اور اس میں کسی تبدیلی کی ضرورت نہیں

صفحہ ۹۸

اور پھر اس فرض کرنے کے بعد تمام دوسری الہامی کتابوں کو نعوذ باللہ انسان کا افترا قرار دیا ہے حالانکہ ایسا اعتراض پیش کرنے کے وقت پہلے اس کے لئے ضروری تھا کہ وید کا ابتدائے زمانہ میں نازل ہونا ثابت کرتا اور اس کے منجانب اللہ ہونے پر کوئی دلیل پیش کرتا لیکن اُس نے کوئی دلیل پیش نہیں کی اور نہ کر سکتا تھا بلکہ جس خدا کو وید نے پیش کیا ہے اُس کے وجود کا بھی اُس نے کچھ ثبوت نہیں دیا تو پھر وید کی سچائی کا ثبوت کہاں سے میسّر آوے اور پھر اگر فرض بھی کر لیں کہ وید ابتدائے زمانہ کا ہے تب بھی اُس کا ابتدائے زمانہ میں ہونا سچائی کی دلیل نہیں ہے۔ کیا ابتدائے زمانہ میں افترا کرنا اور جھوٹ بولنا انسان کو نہیں آتا تھا اور کیا صرف بعد میں افترا کا طریق نکلا ہے بلکہ جیسا کہ اول زمانہ میں سانپ بندر۔ سؤر سب موجود تھے ایسا ہی شریر انسان بھی موجود تھے ہاں تعداد میں کم تھے۔

پھر ماسوا اسکے یہ کہنا کہ خدا کے قانون میں تبدیلی غیر ممکن ہے ہاں انسانی قوانین بباعث کمی تجربہ اور کمی علم کے بدلائے جاتے ہیں یہ قول بھی ایسے لوگوں کا قول ہے کہ جنہوں نے انسانی قوانین پر بھی کبھی غور نہیں کی۔ اگر مضمون پڑھنے والا گورنمنٹ کے کسی واضع قانون سے ہی ملاقات کرتا اور اُس سے دریافت کر لیتا کہ کیا ہمیشہ نیا قانون بنانے کا یہی ایک سبب ہوتا ہے کہ در اصل اس قانون میں کوئی غلطی ہوتی ہے اور پھر تجربہ کے بعد پتہ لگتا ہے کہ در اصل ہم نے فلاں فلاں امر میں غلطی کھائی ہے اور دوسرا کوئی بھی سبب نیا قانون بنانے کا نہیں ہوتا۔ تو ایسا بیہودہ اور احمقانہ خیال کبھی اُس کے مُنہ سے عام جلسہ میں نہ نکلتا بلکہ تبدیل قانون کا بھاری سبب وہ تبدیلیاں ہوتی ہیں جو انسان کے ذاتی حالات اور چال چلن اور ذہنی قویٰ اور اموال اور املاک اور اس کی تمدنی صُورتوں یا جنگی طریقوں میں ظہور میں آتی ہیں۔ مثلاً ایک وُہ زمانہ تھا جو تیر و کمان یا تلوار سے لڑائی ہوتی تھی اور دُوسرے زمانہ میں بندوق وغیرہ وُہ ہتھیار پیدا ہو گئے جنہوں نے تیر و کمان کو بیکار کر دیا اور ساتھ ہی لڑائی کا قانون بھی بدل گیا۔ ایسا ہی جب ایک ملک

۹۹

اپنی آبادی کے لحاظ سے اپنی کاشتکاری کے لحاظ سے اور اپنی تجارت کے لحاظ سے ادنیٰ درجہ کی حالت میں ہوتا ہے اور اکثر زمین بنجر اور ناقابل زراعت ہوتی ہے اور لوگ جاہل اور وحشیوں کی طرح ہوتے ہیں تو اس صورت میں بہت نرمی سے اُن کی نسبت قانون بنایا جاتا ہے اور سرکاری لگان بہت کم مقرر کیا جاتا ہے اور تجارتی اُمور میں بھی نرم ٹیکس لگایا جاتا ہے لیکن جب ایک مدت کے بعد زمین کی ایک عمدہ حالت پیدا ہو جاتی ہے اور ہزارہا گھماؤں بنجر توڑ کر آباد کیا جاتا ہے اور خوش حیثیتی بہت بڑھ جاتی ہے اور ایسا ہی تجارتی کاروبار بھی ترقی پذیر ہو جاتے ہیں تو پھر قانون بدلنا پڑتا ہے اور یہ تبدیلی گورنمنٹ کے قانون پر ہی موقوف نہیں تعلیمی صیغہ میں بھی ضروری طور پر یہی تبدیلی پیش آتی ہے۔ جو بچے ابتدائی مرحلہ میں مدرسہ میں بٹھائے جاتے ہیں اُن کے لئے اور کتابیں ہوتی ہیں۔ پھر جب اچھی طرح حرف شناس ہو جاتے ہیں تو پھر اور کتابیں اُن کو دی جاتی ہیں۔ اور پھر جب استعداد اُس سے بھی بڑھ جاتی ہے تو دوسری کتابیں حسب استعداد اُنکو دیجاتی ہیں اور سب کے بعد انتہائی کتاب کا وقت آتا ہے اور چونکہ خدا اپنی تعلیم میں گڑبڑ ڈالنا نہیں چاہتا اس لئے پیش از وقت کوئی قانون الہامی انسانوں کو نہیں دیتا۔ کیونکہ جن تغیرات کا ابھی انسان کو علم ہی نہیں اُن تغیرات کے موافق انسان کو قانون دینا گویا اس کو سخت پریشانی میں ڈالنا ہے۔

ایسا ہی ہر ایک بیمار جو طبیب کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے اس کے علاج میں بھی تبدیلیاں کی جاتی ہیں اور جو بیمار کی ایک خاص حالت میں نسخہ تجویز کیا جاتا ہے وہ نسخہ دوسری حالت کے شروع ہونے پر بدلایا جاتا ہے اور جب بیمار میں تیسری حالت پیدا ہو جائے تو پھر اُسی حالت کے موافق نسخہ لکھا جاتا ہے اور خدا کی کتاب کو جو طب رُوحانی ہے طب جسمانی سے اُس کو بہت مناسبت ہے جیسا کہ ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں۔ پس جس حالت میں طب جسمانی میں یہ تبدیلیاں ایک لازمی امر ہے تو پھر طب رُوحانی میں کیوں لازمی نہ ہوگا

ص۱۰۰ پس ایسا شخص جوان تبدیلیوں پر اعتراض کرتا ہے اگر وہ بیمار ہو کر کسی طبیب کی خدمت میں حاضر ہو تو اُسکو سوچنا چاہیئے کہ کیا جب طبیب بیماری کے عوارض بدلنے کی وجہ سے نسخہ کو بدلانا چاہے تو وہ کہہ سکتا ہے کہ اے طبیب! تو بیوقوف ہے کیونکہ یہ دوسرا نسخہ تجھے بعد میں ایک غلطی کر کے سُوجھا ہے پہلے تُو نے یہ نسخہ کیوں نہ لکھا۔ مجھے تعجب آتا ہے کہ یہ لوگ کیسے جاہل اور نادان ہیں کہ جو انسانی فطرت کو تبدیلیاں لازم ہُوئی ہیں اُن سے بھی بے خبر ہیں۔ ہر ایک شخص سمجھ سکتا ہے کہ نوع انسان مختلف زمانوں میں اپنے اخلاق اور اعمال اور عقائد اور اپنی تمدّنی صُورتوں اور قومی عادات میں بڑے بڑے پلٹے کھاتے آئے ہیں اور خدا تعالیٰ ہر ایک انقلاب کے موافق اپنی طرف سے کوئی کتاب بھیجتا رہا ہے کیا یہ ایسی باتیں ہیں جو سمجھ نہیں آسکتی تھیں بلکہ اکثر آدمی محض تعصّب اور شرارت سے سچائی کے دشمن بن جاتے ہیں۔ ایک بوڑھی عورت بھی جو چنداں عقل اور ہنر نہیں رکھتی اپنے بچے کی عمر اور موسم کی تبدیلی کے ساتھ اُس کے طریق تعہّد میں تبدیلیاں کرتی رہتی ہے۔ ایک وہ زمانہ ہوتا ہے جو بچہ صرف دُودھ پینے کے قابل ہوتا ہے۔ اور پھر دُوسرا زمانہ آتا ہے کہ کچھ نرم نرم غذا بھی دینا شروع کرتی ہے۔ اور پھر تیسرا زمانہ آتا ہے کہ قطعاً اُس کو دُودھ دینا بند کر دیتے ہیں اور بچہ گو روتا ہے مگر اسکی کچھ بھی پروا نہیں کی جاتی۔ اور پھر اوائل میں جو بچہ کو پاجامہ پہنایا جاتا ہے آگے پیچھے سے ایک چاک چھوڑ دیتے ہیں۔ تا پیشاب کرنے اور پاخانہ پھرنے میں اُس کو تکلیف نہ ہو۔ اور پھر جب کچھ ہوش سنبھل جاتا ہے تو پھر وہ چاک بند کیا جاتا ہے۔ اسی طرح تبدیلیاں وقوع میں آتی رہتی ہیں۔ پس یہ سخت نادانی کا خیال ہے کہ تبدیلی محض لاعلمی کی وجہ سے ہوتی ہے ایک تدبّر کی نظر سے دیکھنا چاہیئے کہ خدا نے انسان کے جسمانی رزق پیدا کرنے میں بھی جو قانون قدرت رکھا ہے وہ بھی تبدیلیوں سے بھرا ہُوا ہے۔ ایک موسم اُس نے بارشوں کے لئے مقرر کیا ہے اور پھر دُوسرا موسم دُھوپ کا ہے کیونکہ اگر بارشیں ہی ہوتی رہیں اور دُھوپ کی نوبت نہ آئے تو تمام تخم جو بویا گیا ہے پانی میں بہ جائے۔ اور اگر دُھوپ ہی رہے اور بارشیں نہ ہوں۔ تو تخم

صفحہ ۱۰۱

جل جائیں اور قحط پڑ جائے۔ اب سوچ لو کہ کیا کبھی کسی عقلمند نے اعتراض کیا ہے کہ خدا کے جسمانی قانون قدرت میں اس قدر تبدیلیاں کیوں ہیں تو پھر رُوحانی قانون قدرت پر اعتراض کرنا اگر سراسر جہالت نہیں تو اور کیا ہے؟ دیکھو کبھی دن ہوتا ہے اور کبھی رات۔ اور رات بھی دو قسم کی ہے کبھی چاند کی روشنی ہوتی ہے اور کبھی نہیں ہوتی۔ اور دن میں کبھی صبح ہوتی ہے کبھی دوپہر کبھی شام۔ اور پھر کبھی موسم گرما آجاتا ہے اور کبھی موسم سرما۔ اسی طرح خدا کے جسمانی نظام میں ہزاروں تبدیلیاں واقع ہوتی رہتی ہیں۔ پس اگر خدا نے رُوحانی قانون قدرت میں تبدیلیاں رکھ دیں تو کیا غضب آگیا۔ بلکہ ایسی الہامی کتاب جو خدا تعالیٰ کے جسمانی قانون قدرت کے ساتھ موافقت نہیں رکھتی وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہو سکتی۔

خلاصہ کلام یہ کہ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ کسی قانون کے تبدیل کرنے کا صرف یہی سبب نہیں ہوتا کہ کوئی غلطی اور فروگذاشت ہوگئی ہے بلکہ قانون کی کمی بیشی اور تبدیل تغییر کا یہ بھی سبب ہوا کرتا ہے کہ انسان کے خود حالات بدلتے رہتے ہیں کیونکہ انسان کیا جسمانی وضع کی رُو سے اور کیا رُوحانی وضع کی رُو سے تغیّر تبدّل کے چکّر میں پڑا ہوا ہے اور چونکہ کمال تام جو کسی حالت منتظرہ کا محتاج نہیں صرف خدا تعالیٰ سے مخصوص ہے اور انسان رفتہ رفتہ اپنے کمال کو پہنچتا ہے اس لئے اُسکو تبدیلیوں سے چارہ نہیں ہے اور جیسا کہ ایک انسان اپنی ابتدائے پیدائش سے اخیر تک اپنی فطرت کی رُو سے معرض تبدّل و تغیّر میں پڑا ہوا ہے۔ اور پیدائش سے اخیر عمر تک صدہا تغیّر اُسپر وارد ہوتے ہیں اسی طرح نوع انسان اپنے ابتدائی زمانہ سے اخیر تک تغیّر اور تبدّل کا نشانہ ہے۔ مثلاً کسی وحشیانہ زمانہ میں ہندو مذہب کو نسل بڑھانے کے لئے نیوگ کی حاجت تھی اور ایک ہندو بڑی خوشی سے اپنی عورت کو دُوسرے اجنبی مرد سے جس کے ساتھ نکاح نہیں ہے ہمبستر کرا دیتا تھا۔ اور اب اِس زمانہ میں ہزارہا غیر تمند ہندو ایسے ہیں کہ اگر دیانند جیسا کوئی برہمن نیوگ کا شائق

اُن سے اُن کی بیوی کے بارے میں نیوگ کی درخواست کرے تو غالباً اُس کو جان سے مار دیں گے۔

پھر مضمون پڑھنے والے نے یہ بھی بیان کیا کہ معلوم شدہ قوانین نامعلوم قوانین سے برخلاف نہیں ہوسکتے۔ اس سے اُس کا مطلب یہ ہے کہ خدا کے تمام قوانین معلوم ہی ہیں مگر یہ بات تحقیق طلب ہے کہ کیا یہ جہالت اور ناواقفی تمام قوم آریہ میں ہے یا خاص طور پر اسی شخص کا یہ قول ہے۔ واضح ہو کہ بڑے بڑے فلاسفر جو دُنیا میں گذرے ہیں وہ یہ اقرار کر چکے ہیں کہ انسان کا علم خدا کے نامتناہی علم کے مقابل پر اس قدر بھی نہیں ہے جیسا کہ ایک سُوئی کو سمندر میں ڈبو کر اُس کی کچھ تری سُوئی میں رہ جاتی ہے۔ سچے عارفوں کا تو یہ قول ہے کہ چونکہ قوانین الٰہیہ کی حدبست ہو ہی نہیں سکتی اس لئے حدبست سے پہلے کسی امر کی نسبت ایک حد لگا دینا دو متناقض اقرار کو اپنی کلام میں جمع کرنا ہے۔ انسانی علوم جو انسانی عقل کے ماتحت ہیں وہ محض بذریعہ حواس خمسہ ظاہری یا بذریعہ حواس خمسہ باطنی کے معلوم ہوتے ہیں اور یہ آلہ قوانین قدرت کی شناخت کا خود محدود ہے اور ظاہر ہے کہ غیر محدود بذریعہ محدود کے دریافت نہیں ہوسکتا۔ پس جن قوانین کو ہم معلوم شدہ کہتے ہیں ممکن ہے کہ وہ بھی دراصل کامل طور پر معلوم نہ ہوں کیونکہ کارخانہ قدرت وراء الوراء پڑا ہوا ہے انسان صرف کنوئیں کے مینڈک کی طرح ایک سمندر کو اپنے تھوڑے سے پانی کے برابر سمجھ لیتا ہے اور انسان کی تحقیقاتیں ہمیشہ بدلتی رہتی ہیں مثلاً جو کچھ طبعی اور ہیئت جدیدہ کے ذریعہ صدہا اسرار اب معلوم ہوئے ہیں پہلے اُن کا نام و نشان نہ تھا۔ پس ظاہر ہے کہ جن امور کو وہ قانون قدرت سمجھ رہے تھے وہ قانون قدرت اب اس زمانہ میں ہنسی کے لائق ہے اور ممکن ہے کہ بعد اس کے ایک اور زمانہ اس موجودہ طبعی اور ہیئت کو بھی نئی تحقیقاتوں کے ذریعہ سے منسوخ کر دے۔ پس انسان کا قانون قدرت ایک ریت کا طومار ہے جو ایک پُرزور ہوا سے اپنی جگہ کو چھوڑ دیتا ہے۔ یہ تو ہم نے محض ظاہری ترقی علوم اور تجربہ کا ذکر کیا ہے لیکن ایسے رُوحانی امور بھی ہیں جن کے

صفحہ ۱۰۳

مقابل پر طبعی قانون قدرت کا شیرازہ درہم برہم ہو جاتا ہے۔

مثلاً طبعی تحقیق کے لحاظ سے نیند آنے کے اسباب محض مادی ہیں اور جب وہ کم ہو جاتے ہیں تو نیند بھی کم ہو جاتی ہے اور اُن کے بحال کرنے کے لئے مُسکّن دماغ اور مُرطّب چیزیں استعمال کرتے ہیں جیسے بروماٹڈ اور روغن خشخاش اور روغن تخم کدو اور روغن بادام وغیرہ۔ مگر مکالمہ الٰہیہ کے وقت میں جو انسان کو ایک قسم کی نیند اور غنودگی آتی ہے جس غنودگی کی حالت میں خدا کا کلام دل پر نازل ہوتا ہے وہ غنودگی اسباب مادیّہ کی حکومت اور تاثیر سے بالکل باہر ہے اور اس جگہ طبعی کے تمام اسباب اور علل معطّل اور بیکار رہ جاتے ہیں مثلاً جب ایک صادق انسان جس کا درحقیقت خدا تعالیٰ سے محبت اور وفا کا تعلق ہے اپنے اُس پُرجوش تعلق میں اپنے رب کریم سے کسی حاجت کے متعلق کوئی سوال کرتا ہے تو ایسا ہوتا ہے کہ وہ ابھی اُسی دُعا میں مشغول ہوتا ہے کہ ناگاہ ایک غنودگی اس پر طاری ہو جاتی ہے اور ساتھ ہی آنکھ کُھل جاتی ہے تو کیا دیکھتا ہے کہ اُس سوال کا جواب اُس غنودگی کے پردہ میں نہایت فصیح بلیغ الفاظ میں اُسکو مل جاتا ہے وہ الفاظ اپنے اندر ایک شوکت اور لذّت رکھتے ہیں اور اُن میں اُلوہیت کی طاقت اور قوت چمکتی ہوئی محسوس ہوتی ہے اور میخ آہنی کی طرح دل کے اندر دھنس جاتے ہیں اور وہ الہامات اکثر غیب پر مشتمل ہوتے ہیں۔ اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جب ایک سوال کے بعد وہ صادق بندہ اُسی پہلے سوال کے متعلق کچھ اور عرض کرنا چاہتا ہے یا کوئی نیا سوال کرتا ہے تو پھر غنودگی اُس پر طاری ہو جاتی ہے اور ایک سیکنڈ تک یا اس سے بھی کمتر حالت میں وہ غنودگی کُھل جاتی ہے اور اُس میں سے پھر ایک پاک کلام نکلتا ہے جیسے ایک میوہ کے غلاف میں سے اُس کا مغز نکلتا ہے جو نہایت لذیذ اور پُرشوکت ہوتا ہے۔ اسی طرح وہ خدا جو نہایت کریم اور رحیم اور اخلاق میں سب سے بڑھا ہوا ہے ہر ایک سوال کا جواب دیتا ہے اور جواب دینے میں نفرت اور بیزاری ظاہر نہیں کرتا۔ یہاں تک کہ اگر ساٹھ یا ستر یا سَو دفعہ سوال

صـ۱۰۴

کیا جائے تو اس کا جواب اُسی صورت اور اُسی پیرایہ میں دیتا ہے یعنی ہر ایک سوال کے وقت ایک خفیف سی غنودگی وارد حال ہو جاتی ہے اور کبھی ایک بھاری غنودگی اور ربودگی طاری حال ہو جاتی ہے کہ گویا انسان ایک غشی کی حالت میں پڑ گیا ہے اور اکثر عظیم الشان امور میں اس قسم کی وحی ہوتی ہے اور یہ وحی کی تمام قسموں میں سے برتر و اعلیٰ ہے۔ پس ایسے حالات میں جو سوال اور دُعا کے وقت لحظہ پر غنودگی طاری ہوتی ہے اور اس غنودگی کے پردہ میں وحی الٰہی نازل ہوتی ہے یہ طرز غنودگی اسباب مادیّہ سے برتر ہے اور جو کچھ طبعی والوں نے خواب کے متعلق قانون قدرت سمجھ رکھا ہے اُس کو پاش پاش کرتی ہے ایسا ہی صدہا رُوحانی امور ہیں جو ظاہری فلسفہ والوں کے خیالات کو نہایت ذلیل ثابت کرتے ہیں بسا اوقات انسان کشفی رنگ میں کئی ہزار کوس کی دُور چیزوں کو ایسے طور سے دیکھ لیتا ہے کہ گویا وہ اُس کی آنکھ کے سامنے ہیں اور بسا اوقات اُن روحوں سے جو فوت ہو چکے ہیں عین بیداری میں ملاقات کرتا ہے۔ اب بتلاؤ کہ ہم ظاہری عقلمندوں کے کس قانون قدرت میں ان باتوں کو تلاش کریں جن کی عقل محض طبعی اور طبابت کے قوانین کے اندر محدود ہے اور ان رُوحانی امور کو سمجھ نہیں سکتی اور محض ظلم کے طور پر تکذیب کر کے خیال کر لیتے ہیں کہ ہم نے جواب دیدیا ہے۔ غرض جس قانونِ قدرت کو وہ پیش کرتے ہیں وہ خدا کے قانون قدرت سے وہ نسبت رکھتا ہے جیسا کہ سمندر کے ساتھ ایک قطرہ کا ہزارم حصہ نسبت رکھتا ہے۔ بعض جاہل خدا کے رُوحانی قانون قدرت سے بیخبر ہونے کی وجہ سے یہ بھی کہا کرتے ہیں کہ الہام کچھ بھی چیز نہیں صرف اصلیت یہ ہے کہ انسان کے دماغ کی بناوٹ ہی اس طرح واقع ہے کہ وہ خوابیں دیکھا کرتا ہے یا الہام ہوتے ہیں اور یہ کوئی اعجوبہ نہیں تمام دنیا اس میں شریک ہے۔ اس طور کی باتوں سے اُن کا مُدّعا یہ ہوتا ہے کہ خدا کے الہام اور وحی کے سلسلہ کی کسرشان کر کے الہام اور وحی کو ایک معمولی بات اور عام طور پر انسانی فطرت کے لئے ایک طبعی امر ٹھہرا دیں لیکن ظاہر ہے

کہ آفتاب پر تھوکنے سے اُس کی روشنی کم نہیں ہو سکتی۔ یہ تو صحیح بات ہے جس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ ایک کمزور درجہ پر اور نہایت ضعیف مرتبہ پر اکثر آدمی خوابیں بھی دیکھتے ہیں اور الہام بھی ہوتا ہے۔ مگر وُہ خوابیں اور وُہ الہام کسی راستبازی اور تزکیہ نفس کا نتیجہ نہیں ہوتے۔ اور کوئی فوق العادت امر اُن میں نہیں ہوتا اور نہ وُہ اس طرز سے الہام ہوتے ہیں۔ کہ الہام پانے والوں کو ایک لمبے سلسلہ وحی سے جو دُعا کے بعد ایک ہی وقت میں سوال کے طور پر ہو عزت دی جائے اور نہ ایسی عظیم الشان پیشگوئیاں اُن الہاموں کے اندر ہوتی ہیں جن کی وجہ سے وُہ کھلے کھلے طور پر دُنیا میں ممتاز کئے جائیں یعنی ایسی پیشگوئیاں جو دُعا قبول ہونے کے بعد اہم کاموں میں اُن ملہموں کی قبولیت ظاہر کرنے کے لئے پوری کی گئی ہوں اور اُن پیشگوئیوں کی عظمت اور ہیبت دلوں میں بٹھائی گئی ہو۔ غرض خدا کے قانون قدرت سے اگر کوئی واقف ہے تو صرف وُہ لوگ ہیں جو علاوہ ظاہری علوم کے رُوحانی امور میں کامل حصہ رکھتے ہیں۔ جس نے اُس عالم میں سے کچھ بھی نہیں دیکھا۔ اُس نے قانون قدرت کا کیا دیکھا؟

ماسوا اس کے مضمون پڑھنے والے کا یہ دعویٰ کہ صرف وید قانون قدرت کے **موافق** اور دوسری کتابیں قانون قدرت کے مخالف ہیں یہ **صرف دعوےٰ** ہے۔ اگر وہ درحقیقت **وید کو سچا** اور **قرآن شریف** کو خلاف حق اور خلاف قانون قدرت سمجھتا ہے تو اُس کا فرض ہے کہ ایسی دو فہرستیں پیش کرے جن میں سے ایک میں یہ دکھلاوے کہ وید کی کُل تعلیمیں اور کُل عقائد قانون قدرت کے موافق ہیں۔ اور دوسری فہرست میں یہ دکھاوے کہ قرآن شریف کی کل تعلیمیں اور کل عقائد یا بعض تعلیمیں اور بعض عقائد قانون قدرت کے مخالف ہیں۔ ہم تو جابجا اس رسالہ میں وید کے نمونے ظاہر کرتے آئے ہیں اور اُن سے ایک طالب حق معلوم کر سکتا ہے کہ کہاں تک وید قانون قدرت سے موافقت رکھتا ہے۔ وید کے حامیوں کو

صفحہ ۱۰۶

تو مناسب تھا کہ وہ اس بحث میں اپنے تئیں نہ ڈالتے اور چپ ہی رہتے اور خواہ نخواہ اپنے موجودہ وید کی پردہ دری نہ کراتے۔ جو کچھ وید نے اپنا فلسفہ اور علم طبعی ظاہر کیا ہے وہ یہی ہے کہ ہندوؤں کے پرمیشر کو ایک انسان کا فرزند قرار دیتا ہے اور کہتا ہے کہ اندر آریوں کا پرمیشر کشلیا کا بیٹا ہے۔ اور نیز یہ کہ عناصر اور اجرام سماویہ سب پرمیشر ہی ہیں اور نیز وہ تعلیم دیتا ہے کہ ان تمام چیزوں سے مرادیں مانگی جائیں اور نیز یہ تعلیم جو نہایت گندی اور قابل شرم تعلیم ہے یعنے یہ کہ پرمیشر ناف سے دس انگلی نیچے ہے (سمجھنے والے سمجھ لیں) ہم یہ نہیں کہتے کہ کسی پہلے زمانہ میں یہی وید تھا۔ بلکہ ہماری رائے یہ ہے کہ یہ ایک محرف مبدل کتاب ہے کچھ تو باعتبار الفاظ کے اور کچھ باعتبار معنوں کے۔ اور ہمارے نزدیک ممکن اور اغلب ہے کہ کوئی اصل کتاب خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوگی پھر کچھ کم کی گئی ہے اور کچھ زیادہ کی گئی۔ اور صورت بدلائی گئی ہے اور موجودہ وید بلاشبہ ایک گمراہ کرنیوالی کتاب ہے۔ جس میں پرمیشر کا بھی پتہ نہیں لگتا اور اس قدر مخلوق چیزوں کی اس میں پرستش کی تعلیم ہے کہ گویا وہ مخلوق پرستی کی ایک دوکان ہے پس جس جگہ ہم وید پر کوئی حملہ کرتے ہیں یا اسکی تکذیب کے دلائل پیش کرتے ہیں اُس جگہ یہی موجودہ وید مراد ہے جو سراسر محرف مبدل ہے نہ وہ اصل وید جو کسی زمانہ میں خدا کی طرف سے آیا تھا اور ہم خدا کی تمام کتابوں پر ایمان لاتے ہیں اور ایسا ہی اُس وید پر جو کسی زمانہ میں ملک ہند کے کسی نبی پر نازل ہوا ہوگا مگر موجودہ وید کی نسبت ہم اس سے زیادہ کچھ بھی نہیں کہہ سکتے کہ جس قدر گندے فرقے مخلوق پرستوں کے اس ملک میں پھیلے ہوئے ہیں یہ سب وید کی ہی مہربانی ہے اور انسانی پاکیزگی کی نسبت جو کچھ وید نے سکھایا ہے اس کا عمدہ نمونہ نیوگ ہے۔ یہ نیوگ کی ہی پاک کارروائیوں میں سے ہے کہ آریہ قوم میں اس بات کا ثبوت ملنا مشکل ہے کہ کون آریہ صاحب اصل باپ کے نطفہ میں سے ہے۔ اور کون آریہ

ص ۱۰۶

صاحب **بیرج داتا** کی طفیل سے ہیں۔ جو نیوگ کے قابل تحسین طریق سے **وجود** پذیر ہوئے ہیں۔ کیونکہ جب کہ نیوگ کئی لاکھ برس سے چلا آتا ہے تو صاف ظاہر ہے کہ اگر ہم **نیوگ** کی پیدائش کا بہت ہی کم عدد رکھیں تاہم **نصف** کے قریب نیوگ کی **اولاد ضرور** ہوگی۔ اگر یہی **وید ودیا** ہے تو کسی کی کیا مجال ہے کہ اس میں دم مارے۔

ایک اور نمونہ وید کے قانون قدرت کا یاد آیا اور وہ یہ ہے کہ پنڈت دیانند جن کا وید بھاشیہ آریوں کے نزدیک بہت اعتبار کے لائق ہے وہ اپنی کتاب ستیارتھ پرکاش میں لکھتے ہیں کہ جب کوئی جیو یعنے روح بدن سے نکلتی ہے تو اکاش میں گھومتی پھرتی ہے اور آخر شبنم کی طرح کسی گھاس پات پر گرتی ہے اور کوئی مرد اس روح کو کھالیتا ہے اور عورت سے ہمبستر ہوتا ہے تب بچہ پیدا ہوتا ہے مگر وید کو یہ سمجھ نہ آیا کہ اس صورت میں ماننا پڑتا ہے کہ روح دو ٹکڑے ہوکر کسی گھاس پات پر گرتی ہے کیونکہ انسان کا بچہ صرف مرد کے نطفہ سے ہی پیدا نہیں ہوتا بلکہ عورت کا نطفہ بھی اس کے ساتھ شامل ہوتا ہے۔ اور اس پر دلیل یہ ہے کہ بچہ کچھ اخلاق اور صورت باپ کی لیتا ہے اور کچھ ماں کی۔ پس وید کے قانون قدرت پر قربان جائیں جس کو یہ بھی خبر نہیں کہ بچہ میں **دو نطفوں کا اشتراک** ہے اور جس کے نزدیک روح بھی دو ٹکڑے ہو سکتی ہے۔

پھر مضمون پڑھنے والے نے یہ بیان کیا کہ وید کا خدا مکر نہیں کرتا۔ کرسی پر نہیں بیٹھتا۔ جھوٹ نہیں بولتا۔ سو واضح ہو کہ اس نادان نے اپنے خیال میں وید کے ان صفات کے بیان کرنے میں قرآن شریف پر زد کی ہے اور اس تحریر سے بھی اس کی غرض یہ ہے کہ گویا قرآن شریف خدا تعالےٰ کو ایسی صفات کی طرف منسوب کرتا ہے جو اس کی شان کے لائق نہیں۔ مگر اصل بات یہ ہے کہ اس زمانہ میں بجز قرآن شریف کے

کوئی ایسی کتاب جو الہامی سمجھی جاتی ہے صفحہ زمین پر پائی نہیں جاتی جو خدا تعالیٰ کو تمام صفاتِ کاملہ سے متصف اور تمام عیوب اور نقصانوں سے پاک سمجھتی ہو۔ ہاں قرآن شریف نے خدا تعالیٰ کی صفات میں اس قسم کا مکر بھی داخل رکھا ہے جو اس کی ذات پاک کے منافی نہیں۔ اور جس میں کوئی امر اُس کے تقدّس اور اُس کی بے عیب ذات کے مخالف نہیں اور جس پر خدا کا قانون قدرت بھی گواہی دیتا ہے اور اس کی قدیم عادت میں پایا جاتا ہے۔ اور خدا کا مکر اس حالت میں کہا جاتا ہے اور اُس کے اِس فعل پر اطلاق پاتا ہے کہ جب وہ ایک شریر آدمی کے لئے اُسی کے پوشیدہ منصوبوں کو اُس کے سزایاب ہونے کا سبب ٹھیراتا ہے۔ قرآن شریف کے رُو سے یہی خدا کا مکر ہے جو مکر کرنیوالے کے پاداش میں ظہور میں آتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ[1]

یعنے کافروں نے ایک بد مکر کیا کہ خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مکّہ معظمہ سے نکال دیا اور خدا نے اُن کے مقابل پر ایک نیک مکر کیا کہ وہی نکالنا اُس رسول کی فتح اور اقبال کا موجب ٹھیرا دیا۔ پس خدا نے اس جگہ اپنا نام خیر الماکرین رکھا یعنی ایسا مکر کرنیوالا جو نیک مکر ہے نہ بد مکر۔ اور کافروں کے مکر کو بد مکر قرار دیا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ نے مکر کو دو قسم پر تقسیم کیا ہے۔ ایک بد مکر اور ایک نیک مکر پس خدا نے نیک مکر اپنی صفات میں داخل کیا ہے۔ اور بد مکر کافروں اور شریر لوگوں کی عادات میں قرار دیا۔

اب اے ہندو زادو! جنہوں نے بد ذاتی سے خدا کے مقدّس رسول اور مقدّس کتاب کو گالیاں دینی شروع کی ہیں کچھ حیا کر کے بتلاؤ کہ اِس قسم کے مکر میں کونسی خدا تعالیٰ کی کسرِ شان ہے اور خدا کی کن صفات کے وہ مخالف ہے۔ کیا خدا کا قانونِ قُدرت اِس پر گواہی نہیں دیتا کہ شریر لوگوں کے ہلاک کرنے کیلئے جو بد مکروں سے

[1] آل عمران: ۵۵

صفحہ ۱۰۹

باز نہیں آتے۔ خدا کے اِس قسم کے کام بھی پائے جاتے ہیں کہ جس گڑھے کو ایک بدذات ایک شریف آدمی کے لئے کھودتا ہے خدا اسی کے ہاتھ سے اُسی گڑھے میں اُس کو ڈال دیتا ہے۔ اور انسانوں میں بھی یہی طریق جاری ہے کہ وہ مکر کرنے والے کو مکر کے ساتھ ہی سیدھا کرتے ہیں۔ مثلاً جب چور اور ڈاکو نہایت باریک مکر وں کے ساتھ گورنمنٹ کی رعیت کو نقصان پہنچاتے ہیں تو اُن کے پکڑنے کے لئے پولیس کو بھی کوئی مکر کرنا پڑتا ہے مگر فرق یہ ہے کہ چوروں کا بد مکر ہے جس میں خلقِ خدا کو ضرر پہنچانا مقصود ہے اور پولیس کے ملازموں کا نیک مکر ہے جس سے غرض یہ ہے کہ ان بدذات چوروں کے ضرر سے گورنمنٹ کی رعیت کو بچایا جائے۔

ایسا ہی ابھی تھوڑے دن ہوئے ہیں کہ بعض نمکحرام آریوں نے اِس گورنمنٹ عالیہ کے مقابل پر ایک بہت باریک مکر کیا تھا۔ اگر وُہ چل جاتا تو یہ گورنمنٹ بڑی تشویش میں پڑتی اور شاید اس کا نتیجہ ۱۸۵۷ء سے بھی بدتر ہوتا۔ مگر خدا نے اس گورنمنٹ پر فضل کیا کہ وُہ اس بد مکر کی تہ تک پہنچ گئی۔ تب اُس کے لائق آفیسروں نے ان شریر آریوں کے بد مکر کے مقابل پر اُن کی گرفتاری کے لئے ایک نیک مکر اختیار کیا یعنی بہت احتیاط اور خاموشی سے اُن کے سرغنوں کو گرفتار کر لیا اور ایسی حکمت عملی سے گرفتار کیا کہ آریوں کی طرف سے کوئی شور برپا نہ ہوسکا۔ تب بعض کو اِسی ملک کے جیل میں داخل کیا اور بعض کو گرفتار کر کے مانڈلے کے قلعہ کی ہَوا چکھائی۔ اِس طور سے گورنمنٹ اپنے نیک مکر میں کامیاب ہوگئی مگر شریر آریہ اپنے بد مکر میں ناکام رہے اور اپنے لئے ہمیشہ کی تباہی سہیڑ لی۔

اب بتلاؤ کہ کیا تم گورنمنٹ کے اِس مکر کو موردِ اعتراض سمجھتے ہو۔ یا اس کو گورنمنٹ کے پسندیدہ کاموں میں داخل کرتے ہو۔ اور اگر تم پسندیدہ نہیں سمجھتے تو ہنوز تم درست کرنے کے لائق ہو۔ اور اگر پسندیدہ سمجھتے ہو تو تم پر ہزار افسوس! کہ آسمانی بادشاہت پر تو اعتراض کرتے ہو کیونکہ تم خیال کرتے ہو کہ خدا پکڑنے میں دھیما ہے لیکن انسانی گورنمنٹ کے مکر پر

ص۱۱۱

تم کچھ بھی اعتراض نہیں کرتے کیونکہ تم جانتے ہو کہ اس اعتراض کے وقت تمہاری خیر نہیں ہے پس یقیناً سمجھو کہ نیک مکر سے نہ خدا پر اعتراض ہوتا ہے نہ کسی گورنمنٹ پر۔ مناسب ہے کہ تم ذرا وید سے الگ ہو کر جو تمہیں گمراہی میں ڈالتا ہے محض عقل سلیم سے کام لے کر سوچو کہ کیا اِس قسم کے مکر خدا کے قانونِ قدرت میں نہیں پائے جاتے؟ کیا وہ بدوں کے منصوبے جو نہایت باریک مکر کے طور پر کئے جاتے ہیں اُنہیں کے ہلاکت کے اسباب نہیں کر دیتا۔ کیا بد ذات مکر کرنیوالا جب اپنے بد مکر سے ایک نیک آدمی کو ناحق تباہ کرنا چاہتا ہے تو کیا خدا کی عادت نہیں ہے کہ اس نیک مظلوم کو یا گورنمنٹ کو جو عدالت کی کرسی پر بیٹھی ہے کوئی ایسی بات سمجھا دیتا ہے اور کوئی ایسی مخفی شہادت پیدا کر دیتا ہے جس سے وہ بد مکر کرنیوالا پکڑا جاتا ہے اور غریب مظلوم اس الزام سے بری کیا جاتا ہے خدا کے یہ نیک مکر عدالتوں کے ذریعہ سے ہر روز ظاہر ہوتے ہیں اور شریر مکاروں کے تہ در تہ پردے کھولے جاتے ہیں چنانچہ کسی پر مخفی نہیں ہیں مگر آنکھ کے اندھوں کا کیا علاج۔ درحقیقت اس نادان معترض نے خدا کے نیک مکر کو قابلِ اعتراض ٹھہرانے کے لئے خود بد مکر استعمال کیا ہے کہ مکر کی دو قسم کو صرف ایک ہی قسم قرار دے کر لوگوں کو دھوکہ دینا چاہا ہے۔

ہم تقریر مذکورہ بالا میں مکر کی نسبت بقدر کفایت بیان کر چکے ہیں۔ اب دوسرا اعتراض معترض کا یہ ہے کہ قرآن شریف میں خدا کا کرسی پر بیٹھنا بیان کیا گیا ہے*۔ سو واضح ہو کہ قرآن شریف میں اس طرح تو کہیں یہ ذکر نہیں ہے جیسا کہ معترض کا بیان ہے۔ ہاں خدا تعالیٰ

---

* خدا تعالیٰ کی کرسی کے بارہ میں یہ آیت ہے وسع کرسیہ السمٰوٰت والارض ولا یؤدہ حفظھما وھو العلی العظیم[1] یعنی خدا کی کرسی کے اندر تمام زمین و آسمان سمائے ہوئے ہیں اور وہ ان سب کو اُٹھائے ہوئے ہے۔ ان کے اُٹھانے سے وہ تھکتا نہیں ہے اور وہ نہایت بلند ہے کوئی عقل اُس کی کنہ تک پہنچ نہیں سکتی اور نہایت بڑا ہے اُس کی عظمت کے آگے سب چیزیں ہیچ ہیں۔ یہ ہے ذکر کرسی کا اور یہ محض ایک استعارہ ہے جس سے یہ جتلانا منظور ہے کہ زمین و آسمان سب خدا کے تصرف میں ہیں اور ان سب سے اُس کا مقام دور تر ہے اور اس کی عظمت نا پیدا کنار ہے۔ منہ

[1] البقرۃ: ۲۵۶

کے اِستوا کا ذکر ہے جو عرش پر ہُوا۔ جیساکہ قرآن شریف میں اللہ جلّشانہٗ فرماتا ہے۔

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ[1]

یعنے تمہارا خدا وُہ خدا ہے جس نے چھ[6] دن میں آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور پھر عرش پر قرار پکڑا یعنی اوّل اُس نے اِس دُنیا کے تمام اجرام سماوی اور ارضی کو پیدا کیا اور چھ[6] دن میں سب کو بنایا (چھ[6] دن سے مُراد ایک بڑا زمانہ ہے) اور پھر عرش پر قرار پکڑا یعنے تنزّہ کے مقام کو اختیار کیا۔ یاد رہے کہ **استوا** کے لفظ کا جب علیٰ صلہ آتا ہے تو اُس کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ ایک چیز کا اس مکان پر قرار پکڑنا جو اُسکے مناسب حال ہو جیساکہ قرآن شریف میں بھی آیت ہے

وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ[2]

یعنی نوح کی کشتی نے طوفان کے بعد ایسی جگہ پر قرار پکڑا جو اُس کے مناسب حال تھا یعنی اسجگہ زمین پر اُترنے کے لئے بہت آسانی تھی۔ سو اسی لحاظ سے خداتعالیٰ کیلئے استوا کا لفظ اختیار کیا یعنی خدا نے ایسی وراء الوراء جگہ پر قرار پکڑا جو اُسکی تنزّہ اور تقدس کے مناسب حال تھی چونکہ تنزّہ اور تقدس کا مقام ماسوی اللہ کے فنا کو چاہتا ہے سو یہ اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جیسے خدا بعض اوقات اپنی خالقیت کے اسم کے تقاضا سے مخلوقات کو پیدا کرتا ہے پھر دوسری مرتبہ اپنی تنزّہ اور وحدت ذاتی کے تقاضا سے اُن سب کا نقش ہستی مٹا دیتا ہے۔ غرض عرش پر قرار پکڑنا مقام تنزّہ کی طرف اشارہ ہے تا ایسا نہ ہو کہ خدا اور مخلوق کو باہم مخلوط سمجھا جائے۔ **پس کہاں سے معلوم ہُوا کہ خدا عرش پر یعنی اُس وراء الورا مقام پر مقیّد کی طرح ہے اور محدود ہے۔** قرآن شریف میں تو جابجا بیان فرمایا گیا ہے کہ خدا ہر جگہ حاضر و ناظر ہے جیساکہ وُہ فرماتا ہے وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ[3] یعنی جہاں کہیں تم ہو اُسی جگہ خدا تمہارے ساتھ ہے۔ اِسی طرح قرآن شریف میں فرمایا ہے هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ[4] یعنی خدا سب سے پہلے ہے اور باوجود پہلے ہونے کے پھر سب سے آخر ہے اور

ص111

[1] الاعراف: ۵۵ [2] ھود: ۴۵ [3] الحدید: ۵ [4] الحدید: ۴

وُہ سب سے زیادہ ظاہر ہے اور پھر باوجود سب سے زیادہ ظاہر ہونے کے سب سے پوشیدہ ہے۔ اور پھر فرمایا اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ[1] یعنی خدا ہر ایک چیز کا نور ہے۔ اُسی کی چمک ہر ایک چیز میں ہے خواہ وُہ چیز آسمان میں ہے اور خواہ وُہ زمین میں۔ اور پھر فرمایا کہ کَانَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطًا[2] یعنی خدا ہر ایک چیز پر احاطہ کرنیوالا ہے اور پھر فرمایا وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ[3] یعنی ہم انسان کی رگ جان سے بھی اُس سے نزدیک تر ہیں۔ اور پھر فرمایا اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ[4] یعنی وُہی خدا ہے اُس کے سوا کوئی نہیں وُہی ہر ایک جان کی جان اور ہر ایک وجود کا سہارا ہے۔ اِس آیت کے لفظی معنے یہ ہیں کہ زندہ وُہی خدا ہے اور قائم بالذّات وُہی خدا ہے پس جبکہ وُہی ایک زندہ ہے اور وہی ایک قائم بالذّات ہے تو اِس سے صاف ظاہر ہے کہ ہر ایک شخص جو اسکے سوا زندہ نظر آتا ہے وُہ اُسی کی زندگی سے زندہ ہے اور ہر ایک جو زمین یا آسمان میں قائم ہے وہ اُسی کی ذات سے قائم ہے۔ اور پھر فرمایا ھُوَالَّذِیْ فِی السَّمَآءِ اِلٰہٌ وَّفِی الْاَرْضِ اِلٰہٌ[5] یعنی وُہی خدا زمین میں ہے اور وُہی خدا آسمان میں۔ اور پھر فرمایا مَا یَکُوْنُ مِنْ نَّجْوٰی ثَلٰثَۃٍ اِلَّا ھُوَ رَابِعُھُمْ وَلَا خَمْسَۃٍ اِلَّا ھُوَ سَادِسُھُمْ الخ[6]۔ یعنی جب تین آدمی کوئی پوشیدہ باتیں کرتے ہیں تو چوتھا اُن کا خدا ہوتا ہے۔ اور جب پانچ کرتے ہیں تو چھٹا اُن کا خدا ہوتا ہے۔ ایسا ہی بہت سی اور آیات میں بار بار فرمایا گیا ہے کہ خدا ہر جگہ حاضر و ناظر ہے یہانتک کہ وہ ہر ایک جان کی بھی جان ہے۔ اور ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں کہ اگر خدا تعالےٰ اِسی ایک پہلو تک معرفت الٰہی کے مسئلہ کو ختم کرتا کہ خدا مخلوق سے الگ نہیں تو ہندوؤں کی طرح پر مسلمانوں میں بھی مخلوق پرستی شروع ہو جاتی۔ کیونکہ اس صورت میں خدا میں اور مخلوق میں کوئی مابہ الامتیاز باقی نہ رہتا۔

ص۱۱۲

اور یہی وجہ ہے کہ آخر کار وید کے ذریعہ سے مخلوق پرستی شروع ہو گئی کیونکہ ہر جگہ اگنی اور وایو اور سورج اور چاند کو بطور معبود بیان کیا گیا ہے آخر لوگوں نے ان چیزوں کو

[1] النور: ۳۶ [2] النساء: ۱۲۷ [3] قٓ: ۱۷ [4] البقرۃ: ۲۵۶ [5] الزخرف: ۸۵
[6] المجادلۃ: ۸

خدا ہی سمجھ لیا۔ اور فرض کرو کہ اگنی وغیرہ پرمیشر کے نام ہی تھے۔ لیکن پھر بھی خدا کا یہ اسم اعظم کہ وُہ ہر ایک مخلوق سے وراء الوراء مقام پر ہے اور مصنوعات سے برتر و بلند ہے وید میں بیان نہیں کیا گیا۔ پس اسی وجہ سے یہ **تمام باطل مذہب وید کے ذریعہ سے پیدا ہو گئے۔ بلکہ وید بات بات میں مخلوق پرستی کی طرف** کھینچتا ہے اور خدا تعالیٰ کو محدود ٹھہراتا ہے۔ چنانچہ یجروید ادھیائے نمبر ۳۱ منتر ۱۹ میں لکھا ہے کہ پرمیشر حمل کے اندر رہتا ہے اور **تولد ہو کر بہت سی صُورتیں اور شکلیں** ہو جاتا ہے اور فاضل لوگ اُس پرمیشر کو جو رحم میں رہتا ہے ہر طرف سے دیکھتے ہیں۔ اب دیکھو کہ وید نے پرمیشر کو کیسا محدود کر رکھا ہے کہ ہر ایک محدود چیز کا نام اُسکو دیا گیا۔ اور بموجب بیان رگ وید کے سُورج۔ اگنی۔ وایو سب پرمیشر ہی ہیں۔ اور پھر یہ بھی لکھا ہے کہ جیسے پرمیشر رحم میں رہتا ہے ایسا ہی وہ سُورج کے سُنہری پردہ میں بھی رہتا ہے جیسا کہ یجروید کے ایش اپنشد منتر ۱۵ و ۱۶ سے ظاہر ہے اور ایسا ہی وُہ **ناف سے دس انگلی کے فاصلہ پر بھی ہے جس سے ہندوؤں میں لنگ پوجا شروع** ہو گئی۔ پس اگر وید قرآن شریف کی طرح خدا تعالیٰ کی تنزیہی صفات بھی لکھتا اور صرف تشبیہی صفات پر حصر نہ رکھتا تو یہ طوفان مخلوق پرستی کا اس کے ذریعہ سے پیدا نہ ہوتا۔ قرآن شریف اِسی وجہ سے ہر ایک دھوکہ دہی کی بات سے محفوظ ہے کہ اُس نے خدا تعالیٰ کے ایسے طور سے صفات بیان کئے ہیں جن سے توحید باری تعالیٰ شرک کی آلائش سے بکلی پاک رہتی ہے کیونکہ اوّل اُس نے خدا تعالیٰ کے وُہ صفات بیان کئے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ کیونکر وہ انسان سے قریب ہے اور کیونکر اُس کے اخلاق سے انسان حصّہ لیتا ہے اِن صفات کا نام تو تشبیہی صفات ہیں۔ پھر چونکہ تشبیہی صفات سے یہ اندیشہ ہے کہ خدا تعالیٰ کو محدود خیال نہ کیا جائے یا مخلوق چیزوں سے مشابہ خیال نہ کیا جائے۔ اِس لئے ان اوہام کے دُور کرنے کے لئے خدا تعالیٰ نے اپنی ایک دُوسری صفت

ص۱۱۳

بیان کر دی یعنی عرش پر قرار پکڑنے کی صفت جس کے یہ معنے ہیں کہ خدا سب مصنوعات سے برتر و اعلیٰ مقام پر ہے کوئی چیز اُس کی شبیہ اور شریک نہیں اور اس طرح پر خدا تعالیٰ کی توحید کامل طور پر ثابت ہو گئی۔

پھر مضمون پڑھنے والے نے **تیسری صفت** وید کے پرمیشر کی یہ بیان کی کہ وید کو دینے والا **پرمیشر جھوٹ نہیں بولتا**۔ مگر ہمیں معلوم نہیں کہ اس شخص کی اس مقولہ سے کیا غرض ہے کہ خدا جھوٹ بھی بولا کرتا ہے؟ شاید وہ اس تقریر سے وید کے بعض کلمات کی پردہ پوشی کرنا چاہتا ہے۔ سو اس کی یاد دہانی سے جب ہم نے وید کو غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ درحقیقت وید کے پرمیشر نے کئی جگہ وید میں جھوٹ بولا ہے چنانچہ وید کا یہ **صریح جھوٹ** ہے جو **پنڈت دیانند** اپنی کتاب ستیارتھ پرکاش میں وید کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ جب رُوح بدن سے نکلتی ہے تو وہ اکاش میں پہنچ کر پھر رات کو شبنم کی طرح کسی گھاس پات پر پڑتی ہے اور اس گھاس کو کوئی کھا لیتا ہے تو وُہ روح نطفہ کی شکل میں ہو کر عورت کے اندر چلی جاتی ہے اور اس سے بچہ پیدا ہوتا ہے۔ اب **بتلاؤ کہ اس سے زیادہ کونسا جھوٹ ہوگا** کہ رُوح کو ایک جسمانی چیز بنا دیا۔ اور نیز اگر یہ بات سچ ہے کہ رُوح شبنم کی طرح کسی گھاس پات پر پڑتی ہے تو اس سے لازم آتا ہے کہ رُوح دو ٹکڑے ہو کر زمین پر گرتی ہے کیونکہ اِس بات سے کسی کو بھی انکار نہیں کہ بچہ کو رُوحانی اخلاق کچھ تو باپ سے حاصل ہوتے ہیں اور کچھ ماں سے۔ جیسا کہ اس کی جسمانی صورت بھی باپ اور ماں میں مشترک ہوتی ہے۔ پس اگر مثلاً کسی بچہ کا باپ لاہور کا رہنے والا تھا اور ماں کلکتہ کی رہنے والی اور ریل کے ذریعہ سے ان دونوں کو کسی مقام میں ایک ہی دن میں اجتماع اور ہمبستری نصیب ہو گئی اور اُس بچہ کا نطفہ ٹھیر گیا۔ اور اس نطفہ کی غذا لاہور کے رہنے والے نے لاہور میں کھائی تھی اور کلکتہ والی نے کلکتہ میں۔ پس اِس سے لازم آئیگا کہ وُہ روح

۱۴۱

کسی گھاس پات پر دو ٹکڑے ہو کر گری ہو یعنی ایک ٹکڑہ اُس کا تو لاہور میں گرا۔ دُوسرا ٹکڑہ کلکتہ میں۔ کیونکہ جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں رُوحانی اخلاق بچّہ کے ماں اور باپ کے اخلاق میں مشترک ہوتے ہیں اور یہ امر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ رُوح دو ٹکڑے ہو کر گری اور یہ امر باطل ہے۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ رُوح کا شبنم کی طرح گرنا بھی باطل اور جھوٹ ہے۔

۱۱۵

واضح ہو کہ یہ ایک وید کا ایسا مسئلہ ہے جس سے تمام وید جھوٹا ٹھہرتا ہے کیونکہ موجودہ وید کا تمام مدار **آواگون** یعنی جُونوں پر ہے اور اسی آواگون یعنی **تناسخ** کی رُو سے ماننا پڑتا ہے کہ دُنیا کے تمام چرند۔ پرند۔ درند اور تمام کیڑے مکوڑے انسان ہی ہیں۔ اور اسی آواگون کی رُو سے یہ بھی ماننا پڑتا ہے کہ جاودانی **مکتی** غیر ممکن ہے۔ اور اسی آواگون کی رُو سے یہ بھی ماننا پڑتا ہے کہ کسی کی **توبہ** قبول نہیں ہوتی۔ اور گناہ نہیں بخشے جاتے۔ اور اسی آواگون کی رُو سے یہ بھی ماننا پڑتا ہے کہ **روحوں کو خدا نے پیدا نہیں کیا** بلکہ وہ سب خدا کی طرح قدیم اور انادی ہیں۔ غرض تناسخ کا **مسئلہ** تمام وید کا **خلاصہ** ہے اور یہ ایسا ستون ہے جس کے سہارے سے تمام عقاید وید کے کھڑے ہیں اور اس کے ٹوٹنے سے تمام اصول وید کے ٹوٹ جاتے ہیں اور یہ تناسخ جو اصل جڑھ آواگون کی ہے صرف اِسی بنا پر یہ قائم رہ سکتا ہے کہ جبکہ بقول دیانند یہ بات ثابت ہو جائے کہ رُوح بدن سے نکل کر اکاش میں چڑھ جاتی ہے اور پھر شبنم کی طرح کسی گھاس پات پر پڑتی ہے مگر جیسا کہ ہم ابھی لکھ چکے ہیں یہ بات بکلّی محال ہے اور اس سے لازم آتا ہے کہ روح دو ٹکڑے ہو کر گری۔ ماسوا اس کے ایک اور پختہ دلیل اس بات پر یہ ہے کہ جیسا کہ روح کا گرنا اس طرح سے مستلزم محال ہے کہ اس سے روح کا دو ٹکڑے ہونا لازم آتا ہے۔ ایسا ہی اس طرح سے بھی مستلزم محال ہے کہ وُہ واقعات ثابت شدہ کے مخالف ہے کیونکہ ثابت شدہ واقعات یقینی اور قطعی طور پر شہادت دے رہے ہیں کہ خود نطفہ مُرد اور

عورت کا بغیر اسکے کہ اُس پر شبنم کی طرح آسمان کی فضا سے رُوح گرے رُوح پیدا ہونے کی اپنے اندر استعداد رکھتا ہے۔ پھر جب مرد اور عورت کا نطفہ باہم مل جاتا ہے تو وہ استعداد بہت قوی ہو جاتی ہے اور آہستہ آہستہ وہ استعداد بڑھتی جاتی ہے یہانتک کہ جب بچّہ کا پورا قالب طیار ہو جاتا ہے تو خدا تعالیٰ کی قدرت اور امر سے اُسی قالب میں سے رُوح پیدا ہو جاتی ہے یہ وہ واقعات ہیں جو مشہود اور محسوس ہیں۔ اسی کو ہم کہتے ہیں کہ نیستی سے ہستی ہوئی۔ کیونکہ ہم روح کو جسم اور جسمانی نہیں کہہ سکتے۔ اور یہ بھی ہم دیکھتے ہیں کہ رُوح اُسی مادّہ میں سے پیدا ہوتی ہے جو بعد اجتماع دونوں نطفوں کے رحم مادر میں آہستہ آہستہ قالب کی صورت پیدا کرتا ہے اور اس مادہ کے لئے ضروری نہیں کہ ساگ پات کی کسی قسم پر رُوح شبنم کی طرح گرے اور اس سے رُوح کا نطفہ پیدا ہو۔ بلکہ وہ مادہ گوشت سے بھی پیدا ہو سکتا ہے خواہ وہ گوشت بکرہ کا ہو۔ یا مچھلی کا۔ یا ایسی مٹی ہو جو زمین کی نہایت عمیق تہ کے نیچے ہوتی ہے جس سے مینڈکیں وغیرہ کیڑے مکوڑے پیدا ہوتے ہیں۔ ہاں بلا شبہ یہ خدا کی قدرت کا ایک راز ہے کہ وہ جسم میں سے ایک ایسی چیز پیدا کرتا ہے کہ وہ نہ جسم ہے اور نہ جسمانی۔ پس واقعات موجودہ مشہودہ محسوسہ ظاہر کر رہے ہیں کہ آسمان سے رُوح نہیں گرتی بلکہ یہ ایک نئی رُوح ہوتی ہے جو ایک مرکب نطفہ میں سے بقدرت قادر پیدا ہو جاتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ؕ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ[1] یعنی جب رحم میں قالب انسانی تیار ہو جاتا ہے تو پھر ہم ایک نئی پیدائش سے اُسکو مکمل کرتے ہیں یعنے ہم اس مادہ کے اندر سے جس سے قالب تیار ہوا ہے رُوح پیدا کر دیتے ہیں۔

۱۱۶

پھر ایک اور جگہ یعنی سورۃ الدّھر میں جو جزو اُنتیس[29] میں ہے اللہ جلّشانہٗ فرماتا ہے اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ[2] یعنے ہم انسان کو ملے ہوئے نطفہ سے پیدا کرتے ہیں یعنی مرد اور عورت کے نطفہ سے۔ پس جیسا کہ ان آیات میں خدا تعالےٰ نے ظاہر فرمایا ہے۔ اسی طرح کروڑہا انسانوں کا مشاہدہ گواہ ہے کہ اِسی طرز سے رُوح پیدا

[1] المومنون : ۱۵ [2] الدھر : ۳

ہوتی ہے اور جبکہ محض گوشت سے بھی نطفہ پیدا ہوتا ہے اور اس سے اولاد پیدا ہوتی ہے تو کیا ہم گمان کر سکتے ہیں؟ کہ مثلاً روح کسی بکری پر بھی پڑتی ہے اور اس کی کھال میں دھنس کر اُس کے گوشت میں رچ جاتی ہے اور پھر بعد اس کے کسی خاص بوٹی میں وہ روح داخل ہوتی ہے اور اُسکے اندر سرایت کر جاتی ہے اور پھر اُس بوٹی کے دو ٹکڑے ہو کر ایک ٹکڑا مرد کھا لیتا ہے اور دُوسرا ٹکڑا عورت۔ گو وُہ عورت اس مرد سے کتنے ہی فاصلہ پر ہو۔ اور خواہ وُہ گوشت بھی نہ کھاتی ہو۔ اور کیا ہم گمان کر سکتے ہیں کہ وُہ درندے جو صرف گوشت ہی کھاتے ہیں جیسے شیر۔ بھیڑیا۔ چیتا ان کی پیدائش کی رُوح بکریوں، دنگائیوں وغیرہ حیوانات کی کھال پر بطور شبنم پڑتی ہے اور کیا یہ خیال گذر سکتا ہے؟ کہ پانی کی مچھلیوں کی روح اور دُوسرے تمام جاندار جو پانی کے اندر غرق رہتے ہیں اُن کی رُوح شبنم کی طرح ہو کر پانی میں پڑتی ہے اور سب سے غور کے لائق وُہ کیڑے مکوڑے ہیں جو بیس۲۰ بیس۲۰ تیس۳۰ تیس ہاتھ زمین کو کھود کر اُس کے عمیق پردہ کے اندر سے نکلتے ہیں اور ایسا ہی وُہ نہایت چھوٹے کیڑے جو اس کنوئیں کے پانی سے نکلتے ہیں جو نیا کھودا جاتا ہے اور ایک ایک قطرہ میں ہزارہا کیڑے ہوتے ہیں کہاں سے اور کس راہ سے یہ شبنمی روح ان کے اندر داخل ہو جاتی ہے پس اگر کوئی شخص مذہبی تعصب سے دیوانہ اور سودائی اور پاگل ہو جائے تو یہ اور بات ہے ورنہ ان تمام مثالوں کی رُو سے جو ذکر ہو چکی ہیں ماننا پڑتا ہے کہ یہ عقیدہ آریوں کا کہ گویا رُوح آسمان سے شبنم کی طرح ہو کر کسی گھاس پات پر پڑتی ہے بالکل جھوٹا ہے۔ اگر تم مثلاً دُودھ کو جو باسی ہو کر سڑنے کو ہے ہاتھ میں لو اور خوب اس دُودھ میں نظر لگائے رکھو۔ تو تمہارے دیکھتے دیکھتے ہزارہا کیڑے بن جائیں گے۔ ایسا ہی اگر کوئی دال ماش یا چنے وغیرہ کی جو خوب پکائی جائے جس کے اندر کے کیڑے بھی مر گئے ہوں جب وہ دال باسی ہو جائے اور سڑ جائے تو اس میں بھی ہزارہا کیڑے پیدا ہو جاتے ہیں۔

اب عقلمند کیلئے یہ سوچنے کا مقام ہے کہ اگر کسی مادہ میں جان پڑنے کیلئے یہ ضروری ہے کہ

شبنم کی طرح کوئی روح کسی گھاس پات پر گرے تو یہ قاعدہ کیسے صحیح اور درست ہو سکتا ہے جو لوگ اس بات کے قائل ہیں جو نیستی سے ہستی نہیں ہو سکتی اور بدن سے نکلی ہوئی روح پھر کسی راہ سے واپس آ سکتی ہے اُنکا یہ فرض ہے کہ اس بات کو ثابت کریں کہ کس راہ سے اور کس طور سے

۱۱۸

روح باہر سے اندر داخل ہو جاتی ہے اور وہ اس مواخذہ سے بری نہیں ہو سکتے اور اس بارِ ثبوت سے اُن کے لئے سُبکدوشی ممکن نہیں جب تک کہ وہ ہمیں یہ دکھلا نہ دیں کہ جس طرح اور جس طریق سے مثلاً ایک انسان کی روح اس کے جسم سے باہر نکل جاتی ہے اور اس کے نکلنے میں کسی کو شک اور اختلاف نہیں ہوتا۔ اسی طرح وہ روح کس راہ سے واپس آجاتی ہے؟ مگر ہمارے ذمہ اس بات کا ثبوت نہیں کہ کیونکر رُوح پیدا ہو جاتی ہے کیونکہ ہم پیدا ہونے کا مشاہدہ کرا دیتے ہیں اور اس بارہ میں ہم ہزارہا نمونے پیش کرتے ہیں جیسا کہ ابھی ہم لکھ چکے ہیں۔ مگر ہمارے مخالف آریہ جو اُسی پہلی رُوح کو واپس لاتے ہیں یہ بارِ ثبوت انکی گردن پر ہے کہ واپسی کی راہ ہمیں دکھلاویں۔ اگر وہ یہ بھی اقرار کریں کہ دیانند نے جھوٹ بولا ہے اور غلطی کی ہے تو صرف اس قدر اقرار سے اُن کا پیچھا چھوٹ نہیں سکتا۔ بلکہ یہ بات اُن کے ذمہ ہے کہ رُوح کی واپسی کی راہ ہمیں ثابت کر کے دکھلاویں ورنہ حیا اور شرم سے سوچیں کہ ہم تو اُن کو دکھلا رہے ہیں کہ روح پیدا ہوتی ہے مگر وہ ہمیں دکھلا نہیں سکتے کہ باہر سے آتی ہے۔ یہی اُن کا ایک عقیدہ ہے جس سے سارا وید ردّ ہو جاتا ہے۔

مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ بمقام ہوشیارپور مجھے ایک آریہ مُرلیدھر نام سے مباحثہ کا اتفاق ہوا اور مَیں نے اُس کے آگے یہی بات پیش کی کہ دیانند کا یہ قول کہ رُوح شبنم کی طرح کسی گھاس پات پر پڑتی ہے اور اُسکو کوئی شخص کھا لیتا ہے تو روح اس ساگ کے ساتھ ہی اندر چلی جاتی ہے اور اس سے بچہ پیدا ہوتا ہے یہ سراسر باطل قول ہے اور اس سے روح کا دو ٹکڑہ ہونا لازم آتا ہے اور اس تقریر میں مَیں نے ستیارتھ پرکاش کا حوالہ دیا جو دیانند کی ایک کتاب ہے تب مُرلیدھر نے ستیارتھ پرکاش پیش کی کہ کہاں اس میں ایسا لکھا ہے تب میرے دل

میں خیال گذرا کہ ضرور اس شخص نے کوئی چالاکی کی ہے جو یہ کتاب پیش کرتا ہے۔ میں نے وعدہ کیا کہ چونکہ میں ناگری نہیں پڑھ سکتا اس لئے بعد میں تلاش کر کے وہ موقعہ اپنی کتاب میں لکھدوں گا۔ پھر میں قادیان آیا اور ایک برہمو صاحب جو نیک طبع اور بے تعصب تھے اور اُن کا نام بین چندر تھا میں نے انکی طرف ایک خط لکھا کہ کیا آپ مجھے بتلا سکتے ہیں کہ ایسا مضمون ستیارتھ پرکاش کے کس موقعہ پر ہے۔ اُن کا جواب آیا کہ یہ مضمون ستیارتھ پرکاش میں موجود ہے مگر یہ آریہ لوگ بڑے چالاک اور افترا پرداز ہیں۔ انہوں نے پہلی کتاب جس میں یہ مضمون تھا تلف کر دی ہے اور نئی کتاب چھپوائی ہے اور اس میں سے یہ مضمون نکال دیا ہے اور لکھا کہ وہ پہلی کتاب میرے پاس موجود ہے مگر اب میں لاہور سے جانے والا ہوں اور میں نے تمام کتابیں وطن کی طرف بھیجدی ہیں اور میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ بیس۲۰ دن کے اندر ستیارتھ پرکاش کے اُس مقام کی نقل کر کے بھیجدونگا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے وعدہ کے موافق اُس مقام کی نقل بھیجدی اور میں نے اُس کو اپنی کتاب سرمہ چشم آریہ میں درج کر دیا لیکن اب میں کہتا ہوں کہ گو آریوں نے ستیارتھ پرکاش سے وہ مقام اُڑا دیا تب بھی اُن کے اس عقیدہ کا جھوٹ ایسا صاف طور پر کھل گیا ہے کہ اب اُس پر کوئی پردہ نہیں پڑ سکتا۔ کیونکہ تمام بر و بحر میں جس طور سے ہر ایک حیوان کے بچّوں میں جان پڑتی ہے وہ ایک ایسا طریق ہے جس سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ ہر ایک روح اندر سے ہی پیدا ہو جاتی ہے باہر سے کوئی گذشتہ روح ہرگز نہیں آتی جیسا کہ ہم کئی مثالیں اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں۔

ص ۱۱۹

دوسرا جھوٹ وید کے پرمیشر کا جس کا وہ خود اقراری ہے اُس کا یہ قول ہے کہ وہ سرب شکتیمان ہے یعنی قادر مطلق ہے حالانکہ بقول آریہ سماج وید میں اُس نے اپنی کمزوری کا اعتراف کر کے صاف کہہ دیا ہے کہ وہ نہ رُوحیں پیدا کر سکتا ہے نہ ذرات عالم پیدا کر سکتا ہے پس جبکہ وہ کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتا تو کس بات کا قادر مطلق ہے کیا یہ سفید جھوٹ نہیں ہے۔ اور اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ وید کے پرمیشر کے نزدیک ایک اور پرمیشر ہے جو

صفحہ ۱۲۱

درحقیقت قادر مطلق ہے کیونکہ جبکہ مذکورہ بالا دلائل سے جو ابھی ہم لکھ چکے ہیں قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہوگیا کہ رُوحیں اناد ی اور قدیم نہیں ہیں بلکہ وُہ پیدا ہوتی ہیں اور وید کا پرمیشر کہتا ہے کہ میں اُن روحوں کا پیدا کرنیوالا نہیں ہوں تو اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ اُس کے نزدیک ایک اور پرمیشر ہے جو رُوحوں کو پیدا کرتا ہے۔ اور اگر کہو کہ اگر پرمیشر کو عام طور پر قادر مطلق مانا جائے تو اس سے لازم آتا ہے کہ پرمیشر اپنا ثانی بھی پیدا کر سکتا ہے اور خودکشی بھی کر سکتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ دونوں امر اُسکی صفات کاملہ کے منافی ہیں چونکہ وہ پہلے سے بتلا چکا ہے کہ وہ واحد لاشریک ہے اور نیز بتلا چکا ہے کہ وُہ ازلی ابدی ہے موت اُسپر وارد نہیں ہوتی اور یہ دونوں امر اُس کی صفات قدیمہ میں داخل ہیں تو وہ اپنی صفات قدیمہ کے برخلاف کوئی کام کیوں کرے گا؟ اور چونکہ کمال تام اس کا واحد لاشریک ہونے اور ازلی ابدی ہونے میں ہے۔ پس وُہ ایسے کام کی طرف کیوں متوجہ ہوگا جو اُسکے کمال تام کے منافی ہے اور وُہ اس بات سے برتر و اعلیٰ ہے کہ کوئی نقص اپنے لئے روا رکھے کیونکہ کسی قسم کا نقص اسکی ذات بے عیب کے برخلاف ہے مگر پیدا کرنا تو اُسکی ذات بے عیب کے برخلاف نہیں بلکہ پہلی صفت تو اُسکی صفات کاملہ میں سے پیدا کرنا ہی ہے اور وُہی عقلی طور پر اُسکی شناخت کیلئے ایک ذریعہ ہے۔ اگر وُہ پیدا ہی نہیں کر سکتا اور ارواح اور ذرات سب خود بخود ہیں تو کیونکر معلوم ہو کہ وُہ موجود بھی ہے۔ کیا صرف ارواح اور ذرات کے جوڑنے سے اسکی ذات کا پتہ لگ سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ کیونکہ جو چیزیں قدیم سے خود بخود ہیں اور تمام قوتیں اُنکی خود بخود ہیں تو وُہ چیزیں بذریعہ اپنی انھیں قوتوں کے اتصال اور انفصال کی بھی قدرت رکھ سکتی ہیں۔ غرض خدا کی شناخت کی ضروری اور اوّل صفت یہی ہے کہ وُہ پیدا کنندہ ہو۔ اور تبھی وہ قادر مطلق اور سرب شکتی مان کہلا سکتا ہے کہ یہ قوت اُس میں پائی جائے۔ پس جبکہ وید کا پرمیشر پیدا کرنے پر قادر نہیں اور پھر اُس نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ مَیں سرب شکتیمان ہُوں۔ تو اِس میں کیا شک ہے کہ اُس نے جھوٹ بولا ہے اور جھوٹ بھی ایسا کہ خود اُس کے اقرار سے ثابت ہے۔ اور یہ کہنا کہ نیستی سے ہستی نہیں ہو سکتی اِس لئے پرمیشر رُوحوں کے

صفحہ ۱۲۱

پیدا کرنے سے معذور ہے یہ دُوسرا جھوٹ ہے کیونکہ ابھی ہم ثابت کر آئے ہیں کہ نیست سے ہست ہوتا ہے کیونکہ رُوحوں کے بارے میں صرف دو پہلو تجویز ہو سکتے ہیں۔

(۱) ایک تو یہ کہ ایسا خیال کیا جاوے کہ رُوح پیدا نہیں ہوتی بلکہ جسم سے نکل کر پھر واپس آتی ہے اور شبنم کی طرح کسی گھاس پات پر پڑ کر کسی مرد کی غذا ہو جاتی ہے اور اس طرح پیٹ کے اندر چلی جاتی ہے۔ سو ہم ابھی ثابت کر آئے ہیں کہ یہ بات بالکل جھوٹ ہے اور مشاہدہ بالکل اس کے برخلاف گواہی دے رہا ہے اور نیز اس سے رُوح کی تقسیم لازم آتی ہے۔

(۲) دوسرا پہلو روح کے بارے میں یہ ہے کہ وہ پیدا ہوتی ہے باہر سے نہیں آتی۔ اس پہلو کی سچائی دو طور سے ثابت ہو چکی ہے۔ اوّل اس طور سے کہ جب روح کا واپس آنا ممتنع اور محال ثابت ہوا تو پھر دُوسرا پہلو باقی رہ گیا کہ وہ پیدا ہوتی ہے۔ دوسرے اس طور سے کہ چشمدید مشاہدات گواہی دے رہے ہیں کہ ضرور رُوح پیدا ہوتی ہے اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ مثلاً جو حیوان گوشت ہی کھاتے ہیں یا وہ کیڑے مکوڑے جو زمین کے اندر پیدا ہوتے ہیں۔ اُن پر تو کوئی رُوح شبنم کی طرح آسمان سے گرتی نہیں بلکہ یہ امر بھی محسوس و مشہود ہے کہ ہر ایک مادہ جو سڑ جاتا ہے تو ہمارے دیکھتے دیکھتے ہزاروں کیڑے اُس میں پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور کوئی روح آسمان سے اُن پر گرتی نظر نہیں آتی۔ پس اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ ضرور رُوح پیدا ہوتی ہے۔ غرض جبکہ یہ امر محسوس و مشہود ہے اور ہم بچشم خود رُوح کا پیدا ہونا ہر روز دیکھتے ہیں مگر آسمان سے گرنا نہیں دیکھتے تو جس کتاب میں یہ بات درج ہے کہ وہ شبنم کی طرح ہو کر آسمان سے برستی ہے اُس کتاب کے جھوٹے ہونے میں کیا کلام ہے جبکہ یہ ثابت ہو گیا کہ روح آسمان سے نہیں گرتی۔ تو اب اِس بحث کی ضرورت نہیں کہ خدا کیونکر نیست سے ہست کر لیتا ہے کیونکہ جبکہ نیست سے ہست ہونا ہر روزہ مشاہدہ میں آتا ہے تو پھر کسی بیحیا کا کام ہے جو مشہود و محسوس سے انکار کرے۔ درحقیقت خدا کے سارے کام انسان کے فہم سے برتر ہیں۔ مثلاً ایک بچہ انسان کا صرف ایک قطرہ منی سے پیدا کیا جاتا ہے اور ہم بالکل نہیں سمجھ سکتے کہ

ایک قطرہ سے انسان کیونکر پیدا ہو جاتا ہے اور ہم سمجھ نہیں سکتے کہ دیکھنے والی آنکھیں کیونکر اس میں پیدا ہو جاتی ہیں اور ہم اِس بات کی تہ تک نہیں پہنچ سکتے کہ سُننے والے کان کیونکر اس میں بنائے جاتے ہیں اور ہمارے خیال میں نہیں آتا کہ انسان کی صورت اور ہاتھ اور پَیر اور دل اور دماغ اور جگر اور تمام اعضا کیونکر اس میں بن جاتے ہیں۔ پس بلاشبہ یہ تمام امور ہمارے نزدیک ایسے ہی محال ہیں جیسے نیست سے ہست ہونا۔ کیونکہ ہم اُن کے بنانے پر قادر نہیں اور ہماری عقل کوئی فلسفی دلیل اس بات پر قائم نہیں کر سکتی کہ کیونکر یہ تمام اعضا بن جاتے ہیں۔ پس جیسا کہ ان تمام اعضاء کا بننا ہماری عقل سے برتر ہے ایسا ہی رُوح کا بھی پیدا ہونا ہماری عقل سے برتر ہے اور جبکہ ہم واقعی طور پر ثابت کر چکے ہیں اور بچشم خود دیکھ چکے ہیں کہ رُوح پیدا ہوتی ہے تو پھر امور مشہودہ محسوسہ سے ہم انکار کیوں کریں؟ ہمارے عقل اور فہم سے جیسا کہ روح کا پیدا ہونا برتر ہے۔ ایسا ہی ایک قطرہ سے انسان کا اپنی تمام قوتوں کے ساتھ بننا برتر ہے۔ پس یہ کمال بے حیائی ہے کہ جو ایک محال ہمارے نزدیک ہے اس کو تو جائز سمجھ لینا اور جو دوسرا امر یعنی روحوں کا پیدا ہونا ہماری عقل اور فہم سے برتر ہے اس کو محال اور ممتنع قرار دینا۔ خدا کے کارخانہ قدرت میں انسان کی مجال نہیں کہ کچھ دست اندازی کر سکے۔ ہزارہا اسرار ربوبیت ہیں جو ہمیں سمجھ نہیں آتے۔ اور پھر مشاہدات کے ذریعہ سے ہمیں ماننے ہی پڑتے ہیں۔ پس کیا ابھی تک اس میں کچھ شک ہے کہ مشاہدات ہمیں اس بات کے ماننے کیلئے مجبور کرتے ہیں کہ روحیں پیدا ہوتی ہیں اُوپر سے نیچے نہیں آتیں۔ مثلاً زمین کے نیچے کا طبقہ جو ستّر اسّی ہاتھ تک کھود کر پھر دکھائی دیتا ہے اس میں جاندار پائے جاتے ہیں۔ پس کیا کوئی عقل تجویز کر سکتی ہے کہ رُوح شبنم بن کر نیچے چلی جاتی ہے۔ پس جبکہ سچا واقعہ یہی ہے کہ رُوح پیدا ہوتی ہے تو اس نفس الامر کے برخلاف وید کے پرمیشر کا یہ بیان کہ رُوح شبنم کی طرح آسمان سے گرتی ہے یہ ایسا جھوٹا اور خلاف واقعہ بیان ہے کہ ایک بچہ بھی اس پر ہنسے گا۔ کیا وہ جانور جو صرف گوشت کھاتے

۱۲۳

ہیں اُن کے بچے نہیں ہوتے۔ کیا زمین کے نیچے کے طبقہ میں رہنے والے کیڑے جو کبھی باہر نہیں آتے اُن کی کسی غذا پر شبنم کے طور پر روح برستی ہے۔ پس مجھے تعجب ہے کہ جو لوگ ایسے وید پر ایمان لاتے ہیں جو سراسر خلاف واقعہ باتوں سے بھرا ہوا ہے۔ وہ خدا تعالیٰ کے اس کلام پر اعتراض کرتے ہیں جو سراسر حق اور حکمت سے مملو ہے۔

پھر مضمون پڑھنے والے نے بیان کیا کہ جس کتاب میں قوانین قدرت کے خلاف تعلیم ہو۔ وہ الہامی نہیں ہو سکتی۔ مگر افسوس! کہ ان لوگوں کو کچھ بھی شرم اور حیا نہیں۔ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں کہ وید کی تعلیم قانون قدرت کے برخلاف ہے اور برخلاف بھی ایسی کہ کھلی کھلی سچائی سے انکار ہے۔ جیسا کہ وہ اس بات کا قائل ہے کہ رُوح دوبارہ کسی گھاس پات کے ذریعے پیٹ میں چلی جاتی ہے حالانکہ یہ امر ثابت شدہ ہے کہ رُوح پیدا ہوتی ہے جیسا کہ ہم کئی بار لکھ چکے ہیں۔ پس قرآن شریف کی تعلیم پر یہ اعتراض کرنا کہ وہ قانونِ قدرت کے برخلاف ہے یہ نری جہالت ہی نہیں بلکہ بیحیائی اور جہالت دونوں ملے ہوئے ہیں۔ اور ان لوگوں کا یہ قول کہ معلوم شدہ قوانین کا ردّ نامعلوم قوانین سے کیونکر ہو سکتا ہے۔ یہ اعتراض تو درحقیقت وید پر ہی عائد ہوتا ہے کیونکہ جبکہ معلوم ہو چکا ہے کہ آسمان سے کوئی روح نہیں برستی بلکہ بقدرت قادر اندر سے ہی پیدا ہو جاتی ہے تو پھر وید کا یہ قول کہ آسمان سے بطور شبنم برستی ہے یہ قول تو اس لائق بھی نہیں کہ اس کو نامعلوم قوانین میں بھی داخل کریں کیونکہ امور محسوسہ و مشہودہ سے اس کا بطلان ثابت ہو چکا ہے۔ پس کیا یہی وید ہے جس پر ناز کیا جاتا ہے۔ افسوس!

مضمون پڑھنے والے نے یہ بھی بیان کیا کہ وید میں لکھا ہے کہ **جانوروں سے پیار کرو کیونکہ وہ سب انسان ہیں۔** لیکن افسوس! کہ ہم ایسا پیار مشاہدہ نہیں کرتے۔ اگر کسی آریہ کے کسی حصہ بدن پر پھوڑا ہو اور ڈاکٹر اُس کا علاج جونکیں بتلاوے تو فی الفور جونکیں لگائی جاتی ہیں جو بعض اوقات اس زہر کو چوس کر سب کی سب مر جاتی ہیں اور کوئی آریہ یہ خیال نہیں کرتا کہ مَیں مر جاؤں تو بہتر ہے۔ ایک عاجز جونک کو کیوں

۱۲۴ ہلاک کروں۔ آخر وُہ بھی تو دراصل انسان ہے کیا یہ پیار ہے؟ ایسا ہی شہد کی مکھیوں کے ہزاروں بچے تلف کرکے شہد نکالتے ہیں کیا یہ پیار ہے؟ گائیوں کا دودھ جو اُن کے بچوں کا حق ہے آپ پی لیتے ہیں کیا یہ پیار ہے؟ ہر ایک قطرہ پانی میں ہزاروں کیڑے ہوتے ہیں جو دراصل بقول اُن کے انسان ہیں وُہ پانی پی کر اُن کیڑوں کو ہلاک کرتے ہیں کیا یہ پیار ہے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ وید نے انسانوں کی ہمدردی بھی نہیں سکھلائی۔ سکھوں کے عہد میں ہزاروں غریب مسلمان صرف گائے کے ذبح کا شبہ ہونے کی وجہ سے قتل کئے گئے تھے۔ ایسا ہی صدہا ہندو لوگ ہزارہا من گیہوں وغیرہ اناج کھاتوں میں دفن رکھتے ہیں اور انتظار کرتے رہتے ہیں کہ کوئی سخت قحط پڑے اور خلق اللہ پر تباہی آوے تب وہ غلّہ فروخت کرکے مالدار ہو جائیں پس جس وید نے یہ نہیں سکھلایا کہ انسانوں سے پیار کیا جاوے اور اُن کا بُرا نہ مانگا جاوے۔ اُس پر کیونکر اُمید رکھیں؟ کہ اُس نے یہ سکھلایا ہوگا کہ دوسرے جانوروں سے پیار کرو۔ مگر جیسا کہ قرآن شریف کی رُو سے یہ منع ہے کہ کسی قوم سے **سود مت لو** خواہ وُہ مسلمان ہیں یا ہندو یا عیسائی۔ ایسا ہی قرآن شریف نے اِس بات سے بھی منع کیا ہے کہ اناج کو اپنے طمع اور غرض نفسانی سے لوگوں سے روک رکھیں اور اس کے فروخت کے لئے کسی قحط کے منتظر رہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ یہ نجس اور خبیث لوگوں کا کام ہے مگر افسوس! کہ ایسے لوگ آریوں میں لاکھوں پائے جاتے ہیں اگر وید میں ممانعت ہوتی تو اس کثرت سے یہ بُرے کام ہندوؤں میں ہرگز نہ ہوتے۔ وہ شخص سخت چنڈال اور پلید ہوتا ہے جو اپنے نفس کی بھلائی کیلئے تمام دُنیا کا بدخواہ ہو۔ اور اگر اسکے برخلاف وید کی کوئی تعلیم ہے تو ہمیں دکھلاؤ۔ بلکہ مَیں نے سُنا ہے کہ بعض اِس قسم کے ہندو جن کے پاس بہت غلّہ ہے روغنی روٹیاں پکا کر باہر لیجاتے ہیں اور اُن پر پاخانہ پھرتے ہیں تا اس کام سے پرمیشر ناراض ہو جاوے اور قحط زیادہ پڑے۔ ایسا ہی قرضہ کے وقت سُود پر سُود چڑھا کر انجام کار غریب زمینداروں کی زمینیں اپنے قبضہ میں کر لیتے ہیں جس کی وجہ سے

۱۲۵

گورنمنٹ کو آخر کار ایک قانون جاری کرنا پڑا۔

دُوسرا حصہ

اُن حملوں کے رد میں جو آریہ مضمون پڑھنے والے نے قرآن شریف اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کئے ہیں

مضمون پڑھنے والے نے بیان کیا کہ توبہ کا مسئلہ خلاف قانونِ قدرت ہے۔ اس سے مطلب اُس کا قرآن شریف پر حملہ کرنا ہے۔ گویا قرآن شریف میں خلاف قانون قدرت کے تعلیم پائی جاتی ہے۔ اگرچہ ہم توبہ کے بارے میں اس سے پہلے بھی ذکر کر چکے ہیں مگر پھر مختصر طور پر بیان کرنا مضائقہ نہیں۔ یاد رہے کہ ہمیں بار بار افسوس آتا ہے کہ تعصب کی وجہ سے ان لوگوں کی عقل کیوں ماری گئی ہے۔ واضح ہو کہ توبہ لغت عرب میں رجوع کرنے کو کہتے ہیں۔ اسی وجہ سے قرآن شریف میں خدا تعالیٰ کا نام بھی توّاب ہے یعنی بہت رجوع کرنیوالا۔ اِسکے معنی یہ ہیں کہ جب انسان گناہوں سے دستبردار ہو کر صدق دل سے خدا تعالیٰ کیطرف رجوع کرتا ہے تو خدا تعالیٰ اس سے بڑھ کر اسکی طرف رجوع کرتا ہے اور یہ امر سراسر قانونِ قدرت کے مطابق ہے کیونکہ جبکہ خدا تعالیٰ نے نوع انسان کی فطرت میں یہ بات رکھی ہے کہ جب ایک انسان سچے دل سے دوسرے انسان کی طرف رجوع کرتا ہے تو اُس کا دل بھی اُس کیلئے نرم ہو جاتا ہے تو پھر عقل کیونکر اس بات کو قبول کر سکتی ہے کہ بندہ تو سچے دل سے خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرے مگر خدا اُسکی طرف رجوع نہ کرے بلکہ خدا جسکی ذات نہایت کریم و رحیم واقع ہوئی ہے وہ بندہ سے بہت زیادہ اسکی طرف رجوع کرتا ہے۔ اسی لئے قرآن شریف میں خدا تعالیٰ کا نام جیسا کہ میں نے ابھی لکھا ہے

۱۲۶ توّاب ہے یعنی بہت رجوع کرنیوالا۔ سو بندہ کا رجوع توپشیمانی اور ندامت اور تذلّل اور انکسار کے ساتھ ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ کا رجوع رحمت اور مغفرت کے ساتھ۔ اگر رحمت خدا تعالیٰ کی صفات میں سے نہ ہو تو کوئی مخلصی نہیں پا سکتا۔ افسوس کہ ان لوگوں نے خدا تعالیٰ کی صفات پر غور نہیں کی اور تمام مدار اپنے فعل اور عمل پر رکھا ہے مگر وہ خدا جس نے بغیر کسی کے عمل کے ہزاروں نعمتیں انسان کے لئے زمین پر پیدا کیں۔ کیا اس کا یہ خلق ہو سکتا ہے کہ انسان ضعیف البنیان جب اپنی غفلت سے متنبہ ہو کر اُسکی طرف رجوع کرے اور رجوع بھی ایسا کرے کہ گویا مرجائے اور پہلا ناپاک چولہ اپنے بدن پر سے اُتار دے اور اُسکی آتش محبت میں جل جائے تو پھر بھی خدا اُسکی طرف رحمت کے ساتھ توجہ نہ کرے کیا اس کا نام خدا کا قانون قدرت ہے۔ لعنۃ اللّٰہ علی الکاذبین۔

مضمون پڑھنے والے نے اس بات پر کئی جگہ زور دیا کہ الہامی کتاب کے مندرجہ ذیل نشان ہیں۔

(۱) وہ ابتدائے آفرینش میں ہو۔ (۲) اس میں کوئی بات خلاف قانون قدرت نہ ہو۔
(۳) اُس کی تعلیم عالمگیر ہو۔ (۴) وہ کسی خاص ملک کی زبان نہ ہو۔
(۵) کوئی تاریخی واقعہ اس میں درج نہ ہو۔ (۶) وہ تمام دینی دنیوی علوم کا سرچشمہ ہو۔
(۷) ملہمین کی زندگیاں پوتر یعنی پاک ہوں۔ (۸) ایشر کے اعلیٰ درجہ کے صفات اسمیں درج ہوں۔
(۹) اُس میں اعلیٰ اخلاق سکھلائے گئے ہوں۔ (۱۰) وہ کتاب اپنے آپ میں مکمل ہو۔
(۱۱) اُس میں اختلاف نہ ہو۔ (۱۲) کسی کی اُس میں طرفداری نہ ہو۔
(۱۳) اُس میں ایسی باتیں نہ ہوں کہ فلاں موقع پر بے انصافی کی۔ اور فلاں کام کرکے پچھتایا۔ فلاں کام میں مکاری کی۔ دُوسروں کے لُوٹنے کا حکم دیا۔ پیدائش اور فنا کے بارے میں صحیح صحیح حالات درج ہوں۔ (۱۴) راجا پرجا اور والدین اور اولاد وغیرہ سب کے حقوق انصاف سے درج ہوں۔ (۱۵) اس میں ترمیم و تنسیخ نہ ہو اور نہ ہونے کی ضرورت ہو۔ وہ خاص ایشر کی زبان ہو۔

۱۲۷

واضح ہو کہ یہ تمام نشانیاں الہامی کتاب کی جو مضمون پڑھنے والے نے قرار دی ہیں وہ اس لئے قرار نہیں دیں کہ عقل اور انصاف کا مقتضٰی یہی ہے بلکہ وید کی نسبت جو کچھ انکا خیال ہے وہی نشانیاں قرار دیدی ہیں اور پھر بعد اس کے قرآن شریف پر حملے کئے ہیں یہ شخص اپنے نہایت تعصب کی وجہ سے اس قدر دیوانہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا لیکھرام کا بھی دادا ہے۔ تعصب اور نادانی بھی کیا بلا ہے کہ دونوں مل کر ایک خود غرض شخص کو اندھا کر دیتی ہیں۔ در اصل الہامی کتاب کیلئے دو نشانیاں ہی کافی تھیں اور وہ یہ کہ (۱) الٰہی طاقت اُسکے اندر موجود ہو۔ (۲) جس غرض کیلئے آئی ہے اُس غرض کو اُس کی تعلیم پُوری کر سکے یعنی انسان کو خدا تک پہنچنے کیلئے جو ضرورتیں ہیں اُن تمام ضرورتوں کا سامان اسمیں موجود ہو اور ایسے کھُلے کھُلے دلائل ہوں جو یقین دلا سکیں کہ وہ خدا کی طرف سے ہے اور بڑی بات یہ ہے کہ وہ سب سے پہلے خدا تعالیٰ کی ہستی کا اُن دلائل کے ساتھ پتہ دے جو انسانی طاقت سے باہر ہیں۔ اور اُس کے اندر ایک ایسی طاقت ہو کہ وہ دُور افتادہ انسانوں کو خدا تک پہنچا سکے اور اُنکے اندرونی گندوں کو دُور کر سکے اور اُن کو ایک پاک حالت بخش سکے اور صاف ظاہر ہے کہ بڑی اور اوّل علامت طبیب کی یہی ہے کہ وہ اکثر بیماروں کو اچھا کر دے اور صحت زائلہ کو بحال کر کے دکھلا دے اور دُور شدہ تندرستی کو دوبارہ قائم کر دے سو انبیاء علیہم السلام طبیب رُوحانی ہوتے ہیں اسلئے رُوحانی طور پر اُنکے کامل طبیب ہونے کی یہی نشانی ہے کہ جو نسخہ وہ دیتے ہیں یعنی خدا کا کلام۔ وہ ایسا تیر بہدف ہوتا ہے کہ جو شخص بغیر کسی اعراض صوری یا معنوی کے اِس نسخہ کو استعمال کرے وہ شفا پا جاتا ہے اور گناہوں کی مرض دُور ہو جاتی ہے اور خدا تعالیٰ کی عظمت دل میں بیٹھ جاتی ہے اور اُس کی محبت میں دل محو ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جس چیز کا نام عذاب رکھا گیا ہے وہ یہی تو عذاب ہے کہ انسان کا خدا سے تعلق نہیں ہوتا بلکہ اپنی نفسانی خواہشوں سے تعلق شدید ہو جاتا ہے اور ان نفسانی خواہشوں کی ایسی پرستش کرتا ہے اور ایسے طور سے اُن کی طلب میں لگا رہتا ہے کہ گویا وہی نفسانی خواہشیں اُس کا خدا ہے۔ پس جو کتاب ان سفلی آلائشوں کو دُور کرتی ہے اور خدا تعالیٰ

۱۲۸ کی محبت کا ایک سچا جوش دل میں پیدا کر دیتی ہے درحقیقت وُہی خدا کی کتاب ہے۔ کیونکہ جب ایک طبیب اندھوں کو آنکھیں بخشتا ہے اور بہروں کے کان کھولتا ہے اور فالج زدہ لوگوں کو اچھا کرتا ہے اور سخت بگڑے ہوئے مریض اُس کے ہاتھ سے شفا پاتے ہیں تو بس اسی ایک نشان سے ہم سمجھ جاتے ہیں کہ وُہ درحقیقت حاذق طبیب ہے اور اس کے بعد اس کے حاذق طبیب ہونے میں کلام کرنا کسی عقلمند اور بھلے مانس کا کام نہیں ہوتا۔ لیکن افسوس! کہ اس شخص نے اِن نشانیوں کی طرف توجہ ہی نہیں کی اور محض اپنے دعوے کو بطور نشانیوں کے پیش کر دیا ہے حالانکہ وہ صرف اس کے دعوے ہیں جن پر کوئی دلیل پیش نہیں کی اور وہ بھی بے تعلق اس لئے ہم نے ارادہ کیا ہے کہ گو کتاب میں کسی قدر طول ہو مگر ہم انشاء اللہ اس کی پیش کردہ نشانیوں کو ایک ایک کرکے دکھلائیں گے کہ وہ کیسے بیہودہ دعوے اور باطل خیالات ہیں جو وید میں ہرگز نہیں پائے جاتے۔ اگر یہ شخص ایک عام جلسہ میں خدا تعالیٰ کے پاک رسول اور پاک کتاب کی نسبت اس قدر توہین نہ کرتا اور اسقدر گالیاں نہ دیتا تو ہمیں کچھ ضرور نہ تھا کہ آریہ مذہب کی نسبت قلم اُٹھاتے کیونکہ دین اسلام کی خوبیاں بھی بیان کرنا ایک ایسا امر ہے کہ جس سے باطل مذہب ردّ ہو جاتے ہیں مگر اس شخص نے اپنی بدزبانی کو انتہا تک پہنچا دیا آخر ہمیں ضرورت پڑی کہ ایسے وحشیانہ دانتوں کو توڑا جائے۔ اس شخص کو اِس بات کے کہنے سے حیا نہیں آئی کہ وید کا نام مکمل کتاب رکھتا ہے حالانکہ وید کی رُو سے پرمیشر کا ہی کچھ پتہ نہیں کہ ہے یا نہیں۔ بُت پرستی کی اور عناصر پرستی کی جڑھ یہی وید ہے اسی سے آریہ ورت میں یہ سب گند پھیلے ہیں اور ہم تو دس ہزار روپیہ کی جائداد ایسے شخص کو دے سکتے ہیں کہ جو وید کی رُو سے پرمیشر کا وجود ثابت کرکے دکھلا دے۔ ورنہ خالی وید وید کرنا سراسر جائے شرم ہے!!

اب ہم مضمون پڑھنے والے کی ان نشانیوں مقرر کردہ کی نسبت ذیل میں ایک مکمل بیان لکھیں گے جو اُس نے الہامی کتاب کی علامات مقرر کی ہیں تا معلوم ہو کہ کہاں تک

یہ تو صحیح اور درست ہیں لیکن قبل اس کے ہم اس قدر تحریر کرنا چاہتے ہیں کہ یہ تمام نشانیاں الہامی کتاب کی اپنے عقیدہ کو پیش نظر رکھ کر اس نے لکھی ہیں مثلاً چونکہ بغیر کسی دلیل کے ہندوؤں کا یہ خیال ہے کہ وید ابتدائے آفرینش میں پرمیشر کی طرف سے آیا ہے۔ پس مضمون پڑھنے والے نے اپنے مذہب کی فتح مدّنظر رکھ کر کہ الہامی کتاب کے لئے یہ ایک نشانی ٹھیرادی کہ وہ ابتدائے آفرینش میں ہو۔ اور چونکہ اُس نے دیکھا کہ وید میں کوئی ذکر معجزات اور پیشگوئیوں کا نہیں اور صرف معمولی باتیں اس میں درج ہیں جو معمولی انسان سے ہو سکتی ہیں اور جو انبیاء علیہم السلام فوق العادت نشان دکھلایا کرتے ہیں اُن نشانوں کا وید میں نام و نشان نہیں سو اُس نے وید کی حالت کو مدّنظر رکھ کر یہ دوسری علامت الہامی کتاب کی ٹھیرادی کہ وہ قانون قدرت کے مخالف نہ ہو یعنے جو کچھ عام انسانوں کے لئے خدا تعالیٰ معمولی رنگ میں اپنے افعال ظاہر کرتا ہے اس سے بڑھ کر اس کتاب میں کچھ نہ ہو۔ گویا خدا کا قانون قدرت صرف اس حد تک ہے جو عام لوگوں کے ساتھ پایا جاتا ہے حالانکہ ہم کئی مرتبہ لکھ چکے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے قانون قدرت دو قسم کے ہیں۔ عام لوگوں کے ساتھ اور قانون قدرت ہے اور خاصوں کے ساتھ اور قانون قدرت ہے۔ چنانچہ آریہ مضمون پڑھنے والا خود اِس بات کا اقراری ہے کہ جو الہام چار رشیوں پر ہوا وہ دوسروں کو نہیں ہو سکتا گو کیسے ہی پاک اور پوتر ہو جائیں۔ پس اپنے اِس عقیدہ کی رُو سے وُہ خود مانتا ہے کہ خدا کا ایک ہی رنگ کا قانون قدرت نہیں ہے اور فی الواقع سچی اور کامل معرفت کی رُو سے یہی ثابت ہو گیا ہے کہ انسانوں کے بارہ میں خدا تعالیٰ کا قانون قدرت ایک قسم کا نہیں بلکہ جس درجہ پر انسان کی حالت ہے۔ اُسی درجہ پر خدا کا قانون قدرت اس کی نسبت ہوتا ہے۔ ایک وہ لوگ ہیں کہ جو خدا تعالیٰ کی کچھ بھی پروا نہیں رکھتے۔ اور ہر ایک قسم کی معصیت دلیری سے کر لیتے ہیں۔ گویا اُن کے نزدیک خدا نہیں ہے۔ اور ایک وُہ لوگ ہیں کہ جو خدا کی اطاعت اور محبت میں مر ہی رہتے ہیں اور خدا کی رضا جوئی کیلئے آگے سے آگے قدم رکھتے

۱۳۰ جاتے ہیں گو اِس راہ میں بکلّی نیست و نابود ہو جائیں اور معمولی اور رسمی عقیدہ پر خوش نہ ہو کر یہ چاہتے ہیں کہ پُورے اور کامل طور پر خدا تعالیٰ کی معرفت اُنکو حاصل ہو اور چمکتے ہوئے نشانوں کی روشنی کے ساتھ وُہ خدا کو دیکھ لیں اور یہ بھوک اور پیاس بشدّت اُن میں بڑھ جاتی ہے اور اس خواہش کے لئے وہ سب کچھ فدا کرتے ہیں اور موت کو بھی کچھ چیز نہیں سمجھتے۔ پس وہ خدا جو اُنکی اِس حالت کو دیکھتا ہے اُن کا مطلوب اُن کو عطا کرتا ہے۔ اور یہ کیونکر ہو کہ اُس کی کامل معرفت ڈھونڈنے والے محروم رہ جائیں۔ اس لئے خدا کا قانون قدرت جو ایسے لوگوں کے لئے قدیم سے چلا آتا ہے یہی ہے کہ وہ انکی دستگیری فرماتا ہے اور خدا تعالےٰ کے زبردست نشان جو فوق العادت ہیں اُن کا یقین کامل کرنے کے لئے اُن پر ظاہر ہوتے ہیں یعنی وہ نشان جو خدا کی اس عادت کے برخلاف ہیں جو عام لوگوں کے لئے مقرر ہے اُن کو دکھائے جاتے ہیں۔

غرض خدا کا قانون قدرت ایک نہیں ہے جیسا کہ انسانی تعلقات بھی خدا کے ساتھ ایک درجہ پر نہیں ہیں انسان کے ہر ایک رنگ میں خدا بھی اُسکے ساتھ رنگ بدلتا ہے اس کے اسرار بے پایاں ہیں جیسی جیسی کسی کی محبت بڑھتی ہے اور قوت اخلاص ترقی پکڑتی ہے ویسا ہی خدا بھی ایک نئے طور پر اُس سے معاملہ کرتا ہے۔ پس اُس سے زیادہ اندھا کون ہے جو مختلف قسم کے بندوں کے ساتھ ایک ہی قانون قدرت خدا تعالیٰ کا سمجھتا ہے اصل بات تو یہ ہے کہ چونکہ یہ لوگ دن رات دنیا کے مُردار پر سرنگوں ہیں اور کچھ بھی خدا تعالیٰ سے تعلق نہیں رکھتے اور محض قومی تعصب سے زبان چلا رہے ہیں اس لئے خدا تعالیٰ کے اسرار کے بارے میں اُن کی حِسّ مفقود ہے اور وید کی بدقسمتی ایک یہ بھی ہے کہ اسکے حامی ایسے لوگ ہیں۔

غرض مضمون پڑھنے والے کی نشانیاں پیش کردہ جو الہامی کتاب کے لئے وہ ٹھیراتا ہے سب اسی قسم کی ہیں کہ جو کچھ اس کے عقیدہ میں داخل ہے وہی الہامی کتاب کی نشانی وہ ٹھیرا دیتا ہے مگر وہ اس بات کا ذکر کرنا بھول گیا کہ الہامی کتاب کی ایک یہ بھی نشانی ہے کہ

صـــ ۱۳۱

جس میں یہ مذکور ہو کہ رُوح بدن سے نکل کر پھر شبنم کی طرح کسی گھاس پات پر پڑتی ہے اور دو ٹکڑے ہو کر مرد اور عورت کے اندر چلی جاتی ہے معلوم ہوتا ہے کہ اس نشانی کا ذکر کرنے سے وہ اس وجہ سے ڈر گیا کہ اس سے وید کی پورے طور پر پردہ دری ہو جائے گی کیونکہ تمام دنیا جانتی ہے کہ وید نے یہ صریح صریح جھوٹ بولا ہے اور خدا کے مقرر و معیّن قانون کے بخلاف بیان کیا ہے اور جھوٹ بھی ایسا کھُلا کھُلا جھوٹ کہ بدیہی اور مشہودہ محسوسہ امور کی مخالفت کی ہے۔ طبعی تحقیقاتوں سے ثابت ہے کہ زمین کی ہر ایک چیز میں ایک جاندار کیڑے کا مادہ موجود ہے یہاں تک کہ زنگ خوردہ لوہے میں بھی کیڑا پیدا ہو جاتا ہے اور عجیب تر یہ کہ بعض پتھروں میں بھی کیڑا دیکھا گیا ہے اور ہر ایک قسم کے اناج اور ہر ایک قسم کے پھل جب بہت مدت تک رکھے جائیں تو اُن میں بھی کیڑے پیدا ہو جاتے ہیں جب انسان موت کے بعد دفن کیا جاتا ہے تو رفتہ رفتہ تمام بدن اُس کا کیڑوں سے بھر جاتا ہے اور سب سے عجیب تر یہ کہ ایک مشہور درخت ہے جس کو گولر کہتے ہیں اس کا پھل جب تک سبز ہوتا ہے اس میں کوئی کیڑا نہیں ہوتا اور جیسے جیسے پکتا جاتا ہے اسی کے مادہ میں سے کیڑے پیدا ہوتے جاتے ہیں۔ اور جب اس پھل کو چیرا جائے تو وہ کیڑے پرواز بھی کر جاتے ہیں اور بعض وقت ایک انڈے میں جو مرغی اور بطخ وغیرہ کا ہو جب سڑ جائے تو بجائے ایک بچہ کے صدہا کیڑے پیدا ہو جاتے ہیں۔ یہ تمام امور دلالت کر رہے ہیں کہ یہ رازِ ہی اور ہے یہ وہی راز ہے جس کی نسبت ہم کہتے ہیں کہ نیستی سے ہستی ہوئی۔ مثلاً گولر کا ایک پھل چیر کر دیکھو اُس میں کوئی کیڑا نہیں ہوتا اور ہندو مسلمان سب اس کو کھاتے ہیں اور پھر جب پک جاتا ہے تو وہی مادہ کیڑے بن جاتے ہیں۔ اب اس کو اگر نیستی سے ہستی نہ کہیں تو اور کیا کہیں؟ اسی طرح ہم نیستی سے ہستی مانتے ہیں جس پر مشاہدہ گواہ ہے یہی قانون قدرت ہے۔ اس میں وید نے بڑی بھاری غلطی کھائی ہے جو ہرگز معافی کے لائق نہیں۔ کیا ایسے وید کو ہم قانونِ قدرت کے مطابق کہہ سکتے ہیں؟

صـــ۱۳۲

غرض اسی وجہ سے مضمون پڑھنے والے نے اس نشانی کا ذکر نہیں کیا کہ یہ وید کا بیان ایک غلط بیان ہے۔ غالباً اُس کو یہ بات سُوجھ گئی ہے کہ اس نشانی کے پیش کرنے سے وید کا تمام تار و پود جھوٹ کا مجموعہ ثابت ہوگا اور نہ صرف جھوٹ بلکہ اس کی جہالت اور ناواقفیت بھی ثابت ہو گی کہ ایسا خدا کے قانون قدرت سے بے خبر ہے کہ رُوح کو شبنم کی طرح کسی گھاس پات پر نازل کرتا ہے۔ حالانکہ گھاس پات کے مادہ کے اندر خود کیڑے موجود ہیں اُن پر کونسی شبنم پڑی تھی۔ اس سے کون انکار کرسکتا ہے کہ زمین کے سب نباتات جمادات حیوانات کیڑوں سے بھرے ہوئے ہیں اور زمینی مادہ کے سب کچھ اندر ہے اوپر سے کچھ نہیں آتا۔ کیا وید کے رشیوں کے معدہ اور دماغ اور دوسرے اعضاء میں کیڑے نہیں تھے؟ اور مرد اور عورت کی منی بھی کیڑوں سے خالی نہیں اور زمین پر یا زمین کے نیچے کونسا ایسا مادہ ہے جو کیڑوں سے خالی ہے۔ آریوں کو خیال کرنا چاہیئے تھا کہ کب اور کس راہ سے اُن پر شبنمی رُوح پڑ گئی۔ آخر جھوٹ کی کوئی حد ہے لیکن وید تو جھوٹ بولنے میں حد سے بڑھ گیا اور اس نے خدا کے بدیہی اور محسوس و مشہود اور قدیم قانون قدرت کو ایسا اپنے ہاتھ سے پھینک دیا جیسا کہ کوئی ایک کاغذ کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے پھینک دے۔

اور مضمون پڑھنے والے کو ایک اور نشانی الہامی کتاب کی پیش کرنی چاہیئے تھی۔ اور اس کا پیش کرنا تو بہت ضروری تھا معلوم نہیں کہ اُس نے وہ نشانی کیوں پیش نہ کی۔ شاید بھول گیا اور وہ نشانی نیوگ ہے یعنی یہ کہنا چاہیئے تھا کہ الہامی کتاب کی ایک یہ بھی نشانی ہے کہ وہ نیوگ کی تعلیم دے یعنی اس میں یہ تعلیم پائی جائے کہ جب کسی شخص کے گھر میں لڑکا پیدا نہ ہو تو وہ اپنی پیاری بیوی کو دوسرے سے ہمبستر کرادے اور جب تک لڑکا پیدا نہ ہو اسی طرح ہمیشہ غیر مردوں سے اپنی بیوی کی مٹی پلید کراتا رہے اور شاید یہ نشانی الہامی کتاب کی اس لئے اس نے ذکر نہیں کی کہ اس کو محسوس ہوگیا کہ یہ دیّوثی کی بات ہے

اور بڑی بے غیرتی کا کام ہے کہ باوجودیکہ نکاح کا تعلق بدستور ہے اپنی بیوی کو دوسرے سے ہمبستر کراوے اور نہ صرف ایک دو دن کے لئے بلکہ ایک درازمدت کے لئے غیروں کے بستر پر اُس کو لٹاتا رہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وید کے چاروں رشی نیوگ کے پاک عمل کے ضرور کاربند ہوں گے۔ اور شاید اُن کے پوتر ہونے کی یہی **نشانی** ہوگی تبھی تو انہوں نے دوسروں کو وہی تعلیم دی جس پر آپ کاربند تھے۔

مگر اس زمانہ کے اکثر ہندو دیکھے گئے ہیں کہ جب کہیں نیوگ کا ذکر آتا ہے تو مارے ندامت کے منہ چھپاتے ہیں یا بھاگنے لگتے ہیں۔ ایک کتاب میں میں نے پڑھا ہے کہ ایک بنگالی صاحب بڑے شوق سے آریہ سماج میں داخل ہوئے تھوڑے دنوں کے بعد ان کا کوئی پرانا دوست برہمو مذہب کا ان کی ملاقات کے لئے گیا اور آہستہ آہستہ بات چلا کر اُس نے نیوگ کا ذکر کر دیا وہ بیچارہ بنگالی آریوں کے پنجہ میں نوگرفتار تھا اس نے کہا کہ نیوگ کیا ہوتا ہے تب برہمو صاحب نے اس کی تفصیل سُنا دی کہ آریوں کے لئے وید کا یہ حکم ہے کہ اگر نرینہ اولاد پیدا نہ ہو تو اپنی عورت کو بغیر اس کے جو طلاق دی جائے دوسرے سے ہمبستر کرا دیں اور جب تک اولاد نہ ہو اسی طرح اپنی بیوی کا غیر مرد سے منہ کالا کراتے رہیں۔ جب اس غریب بنگالی نے یہ بات سُنی تو چونک اٹھا اور کہا کہ یہ آریہ سماج پر سراسر تہمت ہے۔ بھلا ایسی بے حیائی اور ناپاکی کی تعلیم وید میں کیونکر ہو سکتی ہے؟ اور وید کے چار رِشی جو پوتّر تھے ایسی گندی تعلیم کیونکر دے سکتے تھے؟ تب برہمو صاحب نے بہت ادب اور نرمی سے ستیارتھ پرکاش اور وید بھاش پنڈت دیانند کا اپنی بغل میں سے نکال کر دونوں اُنکی خدمت میں پیش کر دئے اور نہایت ملائمت سے عرض کیا کہ آپ نیوگ کے بارہ میں یہ چند سطریں پڑھ لیں جب اس بنگالی نے جو شریف اور غیرتمند تھا وہ مقام پڑھا جہاں پنڈت دیانند وید کی شرتیوں کے حوالہ سے یہ تعلیم دیتا ہے کہ اگر لڑکا نہ ہو تو ضرور تم لوگ اپنی استریوں کو غیر لوگوں سے ہمبستر کراؤ اور اس طرح پر نرینہ اولاد حاصل کرو ورنہ تمہاری مکتی نہیں ہوگی یہ تعلیم پڑھتے

صـــ۱۲۴

ہی وہ شریف آدمی آگ بگولا ہوگیا اور غصہ میں آکر اُن کتابوں کو اپنے ہاتھ سے ایک ردّی اور ناپاک چیز کی طرح پھینک دیا اور کہا کہ میں ایسے مذہب پر لعنت بھیجتا ہوں جس میں اسقدر ناپاکی اور بے حیائی کی تعلیم ہے اور اس اپنے دوست کا شکر کیا جس نے اُس کو اس گند سے نکالا۔

اب ہم مضمون پڑھنے والے کی اُن نشانیوں کا کسی قدر تفصیل سے ذکر کرتے ہیں جو اُس نے اپنے عقیدہ کے موافق الہامی کتاب کے لئے مقرر کی ہیں۔ سو اُن میں سے پہلی نشانی یہ ہے کہ وہ کتاب ابتدائے آفرینش سے ہو۔ اس نشانی کے ذکر کرنے سے اس شخص کا مطلب یہ ہے کہ قرآن شریف ابتدائے زمانہ میں نہیں آیا اس لئے وہ خدا کی کتاب نہیں لیکن اس کی اس تقریر سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ گویا وید کا پرمیشر ابتدائے زمانہ کے بعد ہمیشہ کے لئے اپنا الہام نازل کرنے سے عاجز ہوجاتا ہے اور الہام کرنے کی قوت اسکی ذات میں سے مفقود ہوجاتی ہے یہاں تک کہ گو کیسے ہی مصالح جدیدہ الہام کے مقتضی ہوں اور کیسے ہی مفاسد زمین میں پھیل جائیں اور کیسے ہی کسی پہلی کتاب میں تغیرات اور تحریفات دخل کر جائیں اور کیسے ہی دُور و دراز ملکوں کے رہنے والے اس پہلی کتاب سے بے خبر ہوں مگر پرمیشر قسم کھا لیتا ہے کہ وہ پہلی کتاب کے بعد کوئی کتاب نازل نہیں کرے گا اور صاف ظاہر ہے کہ یہ طریق اور یہ عادت خدا تعالیٰ کے اس قانونِ قدرت کے برخلاف ہے جو جسمانی طور پر انسان کے جسمانی معالجات کے لئے پایا جاتا ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ ہماری جسمانی ضرورتوں کے موافق ہمیشہ تازہ بتازہ سامان ہمیں دیئے جاتے ہیں اور ہمیں صرف اُن قصوں کے ذریعہ سے خوش نہیں کیا جاتا کہ کسی پہلے زمانہ میں ایسے پھل تھے جو لوگ کھاتے تھے اور ایسا اناج تھا جو لوگ استعمال کرتے تھے اور ایسی دوائیں تھیں جن کے ذریعہ سے علاج ہوتا تھا بلکہ وہ سب چیزیں اب بھی ہمارے لئے پیدا کی جاتی ہیں جیسا کہ پہلے پیدا کی جاتی تھیں تو پھر رُوحانی قانونِ قدرت کیوں بدل گیا۔ کیا ہم گمان کر سکتے ہیں کہ پہلے خدا تعالیٰ بولنے پر قادر تھا اور اب قادر نہیں اور پہلے اس کو الہام دینے کی طاقت تھی مگر اب وہ طاقت باقی نہیں رہی اور کیا سچ نہیں کہ خدا پہلے زمانہ میں جیسا کہ

۱۳۵

سنتا تھا اب بھی سنتا ہے تو پھر کیا وجہ کہ ہمارے اس زمانہ میں خدا کی قوتِ شنوائی تو بدستور بحال ہے لیکن قوتِ کلام مفقود ہو گئی۔ اور کیا یہ سچ نہیں کہ پہلے زمانہ کے بعد جو زمانے آئے ان میں دن بدن معصیت اور گناہ بڑھتا گیا اور اس قدر نئے نئے گناہ پیدا ہوئے جو پہلے زمانہ میں ان کا نام و نشان نہ تھا تو کیا ایسی حالت میں یہ ضروری نہ تھا کہ خدا تعالیٰ تازہ گناہوں اور نو پیدا خراب عقیدوں کے لئے کوئی نئی کتاب بھیجتا جو موجودہ مفاسد کے دور کرنے کیلئے پورے زور سے اپنی زبردست ہدائتیں پیش کرتی اور اپنے خوفناک نشانوں کے ساتھ خدا کی طرف توجہ دلاتی نہ یہ کہ خدا اس قدر طوفان دیکھنے کے بعد بالکل چپ ہی ہو جاتا اور یہ کہتا کہ وید کے ورق چاٹا کرو اور اس سے بڑھ کر کوئی ہدایت میرے پاس نہیں اور آئندہ کسی نئی ہدایت کی امید نہ رکھو! اور اگر یہ کہو کہ وید میں پہلے سے یہ سب احکام موجود ہیں تو اس سے بڑھ کر کوئی جھوٹ نہیں ہوگا کیونکہ تم خود اقرار رکھتے ہو اور عقل بھی یہی تجویز کرتی ہے کہ پہلا زمانہ ان گناہوں اور بدعقیدوں سے خالی تھا جو پیچھے سے پیدا ہوئے تو پھر جب پہلے زمانہ میں بدعقیدے اور گناہ موجود ہی نہیں تھے تو اُن سے منع کرنا کیا معنی رکھتا ہے بلکہ یہ تو نامعلوم بدکاری اور بدعقیدہ کا یاد دلانا ہے اور اگر کہو کہ وید نے بطور پیش گوئی سب بُرے احکام اور بُرے عقیدے بیان کر دیئے ہیں کہ آئندہ ایسا ہوگا تو یہ جھوٹ ہے کیونکہ تم خود اقرار رکھتے ہو کہ وید میں کوئی پیش گوئی نہیں علاوہ اس کے ہم تو اس فیصلہ پر بھی راضی ہیں کہ جس قدر قرآن شریف نے بدعقیدوں اور بداعمال کا حال بیان کیا ہے یا وہ عقیدے جو قرآن شریف نے بیان فرمائے مگر وید کی رُو سے بدعقیدے ہیں ایسا ہی وہ بداعمال جو دنیا کے مختلف حصوں میں پائے جاتے ہیں جن کا ذکر قرآن شریف میں مفصل مذکور ہے آریہ لوگ وید میں سے ہم کو نکال دیں ایسے طور سے کہ جیسے غیر فرقے قرآن شریف کو پڑھ کر اس کے قائل ہیں کہ یہ سب باتیں اس میں مذکور ہیں وید کی نسبت بھی یہی اقرار کر سکیں ایسا ہی خدا کی ہستی اور توحید کے دلائل جو قرآن شریف میں لکھے ہیں جو مخالف فرقے اس کے قائل ہیں یہ سب آریہ صاحبان وید میں سے نکال کر ہم کو دکھلا دیں تو ہم ہزار روپے نقد اُن کو دینے کو تیار ہیں۔ افسوس کہ یہ کس قدر جھوٹ

صفحہ ۱۳۶ ہے کہ وید کی طرف وہ کمال منسوب کیا جاتا ہے جو اس میں پایا نہیں جاتا۔

علاوہ اس کے کون شخص اس سے انکار کر سکتا ہے کہ ابتدائے زمانہ کے بعد دنیا پر بڑے بڑے انقلاب آئے پہلے زمانہ کے لوگ تھوڑے سے تھے اور زمین کے چھوٹے سے قطعہ پر آباد تھے اور پھر وہ زمین کے دور دور کناروں تک پھیل گئے اور زبانیں بھی مختلف ہو گئیں اور اس قدر آبادی بڑھی کہ ایک ملک دوسرے ملک سے ایک علیحدہ دنیا کی طرح ہو گیا تو ایسی صورت میں کیا ضرور نہ تھا کہ خدا تعالیٰ ہر ایک ملک کے لئے الگ الگ نبی اور رسول بھیجتا اور کسی ایک کتاب پر کفایت نہ رکھتا۔ ہاں جب دنیا نے پھر اتحاد اور اجتماع کے لئے پلٹا کھایا اور ایک ملک کو دوسرے ملک سے ملاقات کرنے کے لئے سامان پیدا ہو گئے اور باہمی تعارف کے لئے انواع و اقسام کے ذرائع اور وسائل نکل آئے تب وہ وقت آگیا کہ قومی تفرقہ درمیان سے اٹھا دیا جائے اور ایک کتاب کے ماتحت سب کو کیا جائے تب خدا نے سب دُنیا کیلئے ایک ہی نبی بھیجا تا وہ سب قوموں کو ایک ہی مذہب پر جمع کرے اور تا وہ جیسا کہ ابتدا میں ایک قوم تھی آخر میں بھی ایک ہی قوم بنا دے۔

اور یہ ہمارا بیان جیسا کہ واقعات کے موافق ہے ایسا ہی خدا تعالیٰ کے اس قانون قدرت کے موافق ہے جو زمین و آسمان میں پایا جاتا ہے کیونکہ اگرچہ اُس نے زمین کو الگ تاثیرات بخشی ہیں اور چاند کو الگ اور ہر ایک ستارہ میں جدا جدا قوتیں رکھی ہیں مگر پھر بھی باوجود اس تفرقہ کے سب کو ایک ہی نظام میں داخل کر دیا ہے اور تمام نظام کا پیشرو آفتاب کو بنایا ہے جس نے ان تمام سیاروں کو انجن کی طرح اپنے پیچھے لگا لیا ہے پس اس سے غور کرنے والی طبیعت سمجھ سکتی ہے کہ جیسا کہ خدا تعالیٰ کی ذات میں وحدت ہے ایسا ہی وہ نوع انسان میں بھی جو ہمیشہ کی بندگی کے لئے پیدا کئے گئے ہیں وحدت کو ہی چاہتا ہے اور درمیانی تفرقہ قوموں کا جو بباعث کثرت نسل انسان نوع انسان میں پیدا ہوا وہ بھی صفحہ ۱۳۷ دراصل کامل وحدت پیدا کرنے کے لئے ایک تمہید تھی کیونکہ خدا نے یہی چاہا کہ پہلے نوع

انسان میں وحدت کے مختلف حصے قائم کرکے پھر ایک کامل وحدت کے دائرہ کے اندر سب کو لے آوے سو خدا نے قوموں کے جدا جدا گروہ مقرر کئے اور ہر ایک قوم میں ایک وحدت پیدا کی اور اس میں یہ حکمت تھی کہ تا قوموں کے تعارف میں سہولت اور آسانی پیدا ہو اور ان کے باہمی تعلقات پیدا ہونے میں کچھ دقت نہ ہو اور پھر جب قوموں کے چھوٹے چھوٹے حصوں میں تعارف پیدا ہوگیا تو پھر خدا نے چاہا کہ سب قوموں کو ایک قوم بناوے جیسے مثلاً ایک شخص باغ لگاتا ہے اور باغ کے مختلف بوٹوں کو مختلف تختوں پر تقسیم کرتا ہے اور پھر اس کے بعد تمام باغ کے ارد گرد دیوار کھینچ کر سب درختوں کو ایک ہی دائرہ کے اندر کر لیتا ہے۔ اسی کی طرف قرآن شریف نے اشارہ فرمایا ہے اور وہ یہ آیت ہے۔ اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ[1] یعنی اے دنیا کے مختلف حصوں کے نبیو! یہ مسلمان جو مختلف قوموں میں سے اس دنیا میں اکٹھے ہوئے ہیں یہ تم سب کی ایک اُمّت ہے جو سب پر ایمان لاتے ہیں اور میں تمہارا خدا ہوں سو تم سب مل کر میری ہی عبادت کرو (دیکھو الجزو ۱۷ سورۃ الانبیاء) اس تدریجی وحدت کی مثال ایسی ہے جیسے خدا تعالیٰ نے حکم دیا کہ ہر ایک محلہ کے لوگ اپنی اپنی محلہ کی مسجدوں میں پانچ وقت جمع ہوں اور پھر حکم دیا کہ تمام شہر کے لوگ ساتویں دن شہر کی جامع مسجد میں جمع ہوں یعنی ایسی وسیع مسجد میں جس میں سب کی گنجائش ہو سکے اور پھر حکم دیا کہ سال کے بعد عید گاہ میں تمام شہر کے لوگ اور نیز گرد و نواح دیہات کے لوگ ایک جگہ جمع ہوں اور پھر حکم دیا کہ عمر بھر میں ایک دفعہ تمام دنیا ایک جگہ جمع ہو یعنی مکّہ معظمہ میں۔ سو جیسے خدا نے آہستہ آہستہ اُمّت کے اجتماع کو حج کے موقع پر کمال تک پہنچایا۔ اوّل چھوٹے چھوٹے موقعے اجتماع کے مقرر کئے اور بعد میں تمام دنیا کو ایک جگہ جمع ہونے کا موقع دیا سو یہی سُنّت اللہ الہامی کتابوں میں ہے اور اس میں خدا تعالیٰ نے یہی چاہا ہے کہ وہ آہستہ آہستہ نوع انسان کی وحدت کا دائرہ کمال تک پہنچاوے اوّل تھوڑے تھوڑے ملکوں کے حصوں میں وحدت پیدا کرے اور پھر آخر میں حج کے اجتماع کی طرح سب کو ایک جگہ

[1] الانبیاء: ۹۳

۱۲۸

جمع کر دیوے جیسا کہ اس کا وعدہ قرآن شریف میں ہے وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا[1] یعنی آخری زمانہ میں خدا اپنی آواز سے تمام سعید لوگوں کو ایک مذہب پر جمع کر دے گا جیسا کہ وہ ابتداء میں ایک مذہب پر جمع تھے تا کہ اول اور آخر میں مناسبت پیدا ہو جائے۔

غرض پہلے نوع انسان صرف ایک قوم کی طرح تھی اور پھر وہ تمام زمین پر پھیل گئے تو خدا نے اُن کے سہولت تعارف کے لئے ان کو قوموں پر منقسم کر دیا اور ہر ایک قوم کے لئے اسکے مناسب حال ایک مذہب مقرر کیا جیسا کہ وہ فرماتا ہے یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا[2] (الجزو ۲۶ سورۃ الحجرات)

اور پھر فرماتا ہے

لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِیْ مَاۤ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ[3] (الجزو ۶ سورۃ المائدۃ) (ترجمہ) اے لوگو! ہم نے مرد اور عورت سے تمہیں پیدا کیا ہے اور ہم نے تمہارے کنبے اور قبیلے مقرر کئے یہ اس لئے کیا کہ تا تم میں باہم تعارف پیدا ہو اور ہر ایک قوم کے لئے ہم نے ایک مشرب اور مذہب مقرر کیا تا ہم مختلف فطرتوں کے جوہر بذریعہ اپنی مختلف ہدایتوں کے ظاہر کر دیں پس تم اے مسلمانو! تمام بھلائیوں کو دوڑ کر لو۔ کیونکہ تم تمام قوموں کا مجموعہ ہو اور تمام فطرتیں تمہارے اندر ہیں۔ غرض مذکورہ بالا وجوہ کی بناء پر خدا نے نوع انسان کو کئی قوموں پر منقسم کر دیا۔ پہلے زمانہ کے لوگ تو آبائی رشتہ کے سلسلہ میں منسلک تھے اور ان میں وحدت قرابت حاصل تھی اور پھر جب بہت سی قومیں بن گئیں تو ہر ایک قوم میں وحدت قائم کرنے کیلئے کتابیں بھیجی گئیں اور اُس زمانہ میں ہر ایک حصہ ملک میں صرف قومی وحدت حاصل ہو سکتی تھی اس سے زیادہ نہیں یعنی تمام دنیا کی وحدت غیر ممکن تھی۔ اور پھر تیسرا زمانہ ایسا آیا جس میں اقوامی وحدت کے سامان پیدا ہو گئے یعنی تمام دنیا کی وحدت کے سامان ظہور میں آ گئے اور ہر ایک زمانہ جو نوع انسان پر آیا وہ اس بات کا مقتضی تھا جو اسی زمانہ کے مطابق کتاب دی جاوے۔ یہی وجہ ہے کہ قومی وحدت کا جب خدا نے

[1] الکہف: ۱۰۰ [2] الحجرات: ۱۴ [3] المائدۃ: ۴۹

ارادہ کیا تب ہر ایک قوم کے لئے جُدا جُدا رسول بھیجا اور یہ قومی وحدت اقوامی وحدت سے مقدم تھی اور حکمتِ ربانی اس امر کی مقتضی تھی کہ اول ہر ایک ملک میں قومی وحدت قائم کرے اور جب قومی وحدت کا دور ختم ہو چکا تب اقوامی وحدت کا زمانہ شروع ہو گیا اور وہی زمانہ ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے ظہور کا تھا۔ اور یاد رہے کہ کسی رسول اور کتاب کی اسی قدر **عظمت** سمجھی جاتی ہے جس قدر اُن کو اصلاح کا کام پیش آتا ہے اور جس قدر اس اصلاح کے وقت مشکلات کا سامنا پڑتا ہے سو یہ بات ظاہر ہے کہ ابتدائے زمانہ میں جو کتاب نازل ہوئی ہوگی وہ کسی طرح کامل نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ ابتدائے زمانہ میں ان مشکلات کا وہم و گمان بھی نہیں آسکتا جو بعد میں پیدا ہوئیں۔ ایسا ہی قومی وحدت کے زمانہ میں اس وقت کے نبیوں اور رسولوں کو وہ مشکلات ہرگز پیش نہیں آسکتی تھیں جو اقوامی وحدت کے زمانہ میں اس نبی کو پیش آئیں جس کو یہ حکم ہوا کہ جو **تمام قوموں کو ایک وحدت پر قائم کرو۔**

خلاصہ کلام یہ کہ دنیا پر تین انقلاب آئے ہیں اور ہر ایک انقلاب ایک خاص طور کی ہدایت کو چاہتا تھا چنانچہ ابتدائے آفرینش کا زمانہ ایک ایسا سادہ زمانہ تھا کہ اُس میں ان معاصی اور گناہوں اور بدعقائد کی تفصیل کی ضرورت نہ تھی جو بعد میں پیدا ہوئی چونکہ اس زمانہ میں کامل طور پر نوع انسان میں بدی اور بدعقیدگی نہیں پھیلی تھی اس لئے اس وقت کسی کامل کتاب کی ضرورت نہ تھی لہٰذا جس کتاب کو ہم تسلیم کریں کہ وہ ابتدائے آفرینش کی کتاب ہے ساتھ ہی ہمیں یہ بھی تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ وہ ناقص کتاب ہے یہ بات ہر ایک عقلِ سلیم قبول کرلے گی کہ کمال اصلاح کی نوبت کمال فساد کے بعد آتی ہے طبیب کا یہ کام نہیں کہ وہ چنگے بھلے لوگوں کو وہ دوائیں دے جو عین بیماری کے غلبہ کے وقت دینی چاہئیں۔ اسی لئے قرآن شریف نے پہلے یہ بیان کر دیا کہ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ[1] یعنی تمام دنیا میں فساد پھیل گیا اور ہر ایک قسم کے گناہ اور معاصی کا طوفان برپا ہو گیا اور پھر ہر ایک

[1] الرّوم : ۴۲

بدعقیدگی اور بدعملی کے بارے میں مکمل ہدایتیں پیش کر کے فرمایا کہ:۔ الیوم اکملت لکم دینکم[1] یعنی آج میں نے تمہارا دین کامل مکمل کر دیا مگر کسی پہلے زمانہ میں جس میں ابھی طوفان ضلالت بھی جوش میں نہیں آیا تھا مکمل کتاب کیونکر انسانوں کو مل سکتی ہے۔

ماسوا اس کے یہ سراسر جھوٹ ہے کہ وید ابتدائے زمانہ کی کتاب ہے جو شخص صرف رگوید کے پہلے حصہ کو اول سے آخر تک پڑھے تو اس کو معلوم ہو جائے گا کہ جابجا وید خود اِس بات کا اقراری ہے کہ وہ پہلے زمانہ کی ہرگز کتاب نہیں ہے یہ رگوید اردو میں بمقام دہلی چھپ چکا ہے اور انگریزی میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے اور ہر ایک شخص خواہ انگریزی خواں ہے یا اُردو خواں بآسانی اس کو پڑھ سکتا ہے۔

دوسری نشانی الہامی کتاب کی مضمون پڑھنے والے نے یہ بیان کی کہ وہ خلاف قانون قدرت نہ ہو مگر یہ نشانی بھی وید میں ہرگز پائی نہیں جاتی۔ہم وید کی تعلیمات کے بارے میں ذیل میں چند نمونے لکھتے ہیں ناظرین خود سمجھ لیں کہ جس وید میں ایسے ایسے بیان ہیں کیا وہ خدا کے قانون قدرت کے مطابق ہے چنانچہ رگوید میں ایک یہ شرتی ہے۔ اے اندر کوسیکا رشی کے پوتر جلد آ* اور مجھ رشی کو مالدار کر دے۔۔اس فقرہ کی شرح میں وید کے بھاشی کاروں نے لکھا ہے کہ کوسیکا کا بیٹا وشوامتر تھا پھر اندر اس کا بیٹا کیونکر بن گیا۔اس کی وجہ سیانا وید کا بھاشیکار وہ قصہ بیان کرتا ہے جو وید کے تتمہ انو کرامینکا میں درج ہے اور وہ یہ ہے کہ کوسیکا اشیراتھا کے پوتر نے یہ دل میں خواہش کر کے کہ اندر کی توجہ سے میرے گھر میں بیٹا ہو اتپ جپ اختیار کیا تھا جس تپ کے جلدو میں خود اِندر ہی نے اس کے گھر میں جنم لے لیا اور چونکہ اندر بموجب عقاید آریہ سماج والوں کے پرمیشر کا نام ہے اس سے معلوم ہوا کہ خود پرمیشر کوسیکا رشی کی بیوی کے رحم میں داخل ہو گیا تھا اور پیدا ہونے کے بعد

ص۱۴۱

* بعض جگہ اس سے پہلے بجائے کوسیکا رشی کے کشتیا لکھا گیا ہے اور یہ سہو کاتب ہے پس گذشتہ مقامات میں جہاں اس قصہ کے متعلق جو اوپر لکھا گیا ہے کشتیا کا لفظ ہو اس کو کوسیکا سمجھ لینا چاہیئے۔منہ

[1] المائدۃ : ۴

اس کا نام وِشوامتر رکھا گیا۔ پس ایسا وید جو پرمیشر کو کسی کا رشی کا پوتر قرار دیتا ہے کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس کی باتیں قانون قدرت کے مطابق ہیں؟ اور اگر اسی طرح پرمیشر کی یہ عادت ہے کہ وہ اولاد دینے کے لئے خود ہی عورتوں کے رحم میں داخل ہو جایا کرتا ہے تو پھر ایسی صورت میں نیوگ کی پلید رسم کی کیا ضرورت ہے یہ تو بہت سہل طریق ہے کہ جس آریہ کے گھر میں اولاد نہ ہو خود پرمیشر ہی اس کی بیوی کے رحم میں داخل ہو جائے۔ اس طرح پر اس ناپاک رسم کی بیخکنی ہو سکتی ہے جو نیوگ کے نام سے مشہور ہے۔

ہم تو حیران ہیں کہ جس وید میں ایسے قصے ہیں اس کی نسبت کیوں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ قانون قدرت کے موافق ہے ایسا ہی وید کی یہ تعلیم قانون قدرت کے مخالف ہے کہ گوشت کھانا سخت ممنوع اور پرمیشر کے منشاء کے برخلاف ہے کیونکہ اگر دنیا کے ہر ایک جاندار پر وسیع نظر ڈالی جاوے تو معلوم ہوگا کہ زمین کی سطح پر اور دریاؤں میں جو جاندار پائے جاتے ہیں اکثر گوشت خوار ہی ہیں اور گوشت خواروں کی نسبت وہ جانور جو صرف نباتی چیزیں کھاتے ہیں نہایت ہی قلیل ہیں گویا کچھ بھی نہیں پہلے ہم اگر انسانوں پر ہی نظر ڈالیں تو ثابت ہوگا کہ یورپ اور امریکہ اور ایشیا کے کل انسان بجز قلیل مقدار اُن ہندوؤں کے جو گوشت نہیں کھاتے سب گوشت خوار ہیں گویا تمام دنیا کی فطرت کا تقاضا گوشت خواری ہے اور جو تھوڑا سا گروہ ہندوؤں کا گوشت نہیں کھاتا ان میں سے قوت شجاعت اور غیرت بالکل مفقود ہے اسی وجہ سے نیوگ جیسی ناپاک رسم کو انہوں نے قبول کر لیا اور وہ اس لائق بھی نہیں ہوتے کہ جنگی فوجوں میں داخل ہوں کیونکہ سخت بزدل ہوتے ہیں۔

اور جب ہم دوسرے جانداروں کی طرف نظر ڈالتے ہیں تو وہ بھی بجز چند بزدل قسم جانوروں کے جیسی بکری اور گائے باقی سب گوشت خور ہی ثابت ہوتے ہیں اور بحری جانور تو کل گوشت خوار ہیں اور چھوٹے چھوٹے دریاؤں کا تو ذکر کیا ہے۔ بحر محیط یعنی سمندر جس نے زمین کا ایک بڑا حصہ روکا ہوا ہے وہ بھی گوشت خوار جانوروں سے بھرا ہوا ہے اور

صـ۱۴۲

یہ جاندار کروڑہا درجہ انسانوں کی تعداد سے زیادہ ہیں پس جو کچھ ہماری نظر کے سامنے فعل الٰہی موجود ہے وہ صاف بتلا رہا ہے کہ خدا کا قانون قدرت یہی ہے اور اس کے جواب میں یہ کہنا کہ جو جاندار گوشت خوار ہیں وہ کسی پہلی جُون میں بہت بُرے آدمی تھے پرمیشر نے بطور سزا کے اُن کو گوشت خوار بنایا۔ اس جواب سے ہر ایک عقلمند تعجب کرے گا کہ یہ کیسی سزا ہے کہ سزا کے طور پر ایک عمدہ اور مقوی غذا ان کو دے دی۔ ماسوا اس کے ایک ثابت شدہ امر کے مقابل پر صرف اپنا ایک خیال پیش کرنا جس کا کوئی بھی ثبوت نہیں یہ کس قسم کی منطق ہے ظاہر ہے کہ یہ تو کھلے کھلے طور پر ثابت شدہ امر ہے کہ خدا تعالیٰ کی اکثر مخلوق دنیا میں گوشت خوار ہی ہے اور یہ صریح طور پر اس بات کی دلیل ہے کہ مخلوق کے لئے خدا نے یہی پسند کیا ہے اور جو بعض پرند اور چرند گوشت نہیں کھاتے وہ صرف اس وجہ سے ہے کہ وہ شکار کرنے سے عاجز ہیں ورنہ وہ سب کچھ کھا سکتے ہیں اور جب یہ بات ثابت ہو چکی تو ماننا پڑا کہ مخلوق کے لئے خدا کا قانون قدرت یہی ہے کہ وہ گوشت کھایا کریں اور بہت سے اسباب صحت گوشت کھانے پر ہی موقوف رکھے گئے ہیں اسی لئے ہند کی طبابت میں بھی بعض امراض کے علاجوں میں گوشت کا ذکر ہے۔ اب اس کے مقابل پر یہ وہم پیش کرنا کہ گوشت خوار جاندار صرف سزا کے طور پر گوشت خوار بنائے گئے ہیں یہ صرف ایک دعویٰ ہے جس کا کچھ ثبوت نہیں۔ ایسا ہی یہ لوگ ہر ایک جگہ دلیل کی جگہ دعویٰ ہی پیش کر دیتے ہیں نہ معلوم کہ ایسی باتوں سے یہ لوگ عوام کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں یا اب تک یہ لوگ دعویٰ اور دلیل میں فرق نہیں کر سکتے۔ راجہ رام چندر اور کرشن سب گوشت کھاتے تھے اگر وہ گوشت کھانا خلاف قانونِ قدرت سمجھتے تو ایسا کیوں کرتے ؟

پھر جیسا کہ ہم بار بار لکھ چکے ہیں وید کا یہ دعویٰ کہ تمام رُوحیں قدیم اور انادی ہیں اور وہی بار بار شبنم کی طرح زمین پر بذریعہ غذا انسانوں کے پیٹ میں جاتیں اور بچہ بنتی ہیں یہ بھی

سراسر خلاف قانون قدرت ہے اور چونکہ ہم اس رسالہ میں اس امر کا خلافِ قانونِ قدرت ہونا دلائل مشہودہ و محسوسہ سے ثابت کر چکے ہیں لہذا اب اس کے لکھنے کی اس جگہ ضرورت نہیں۔

تیسری نشانی جو مضمون پڑھنے والے نے الہامی کتاب کے لئے بیان کی ہے وہ یہ ہے کہ اس کی تعلیم عالم گیر ہو لیکن ظاہر ہے کہ وید کی تعلیم ہرگز عالم گیر نہیں بلکہ عالمگیر ہونا تو الگ انسانی فطرت بھی اس کو قبول نہیں کر سکتی کیا دنیا میں کوئی غیرت مند انسان قبول کر سکتا ہے کہ اس کی منکوحہ عورت باوجود قائم ہونے نکاح کے دوسرے سے مُنہ کالا کرادے انسانی غیرت نے ایسے ناجائز کاموں کے وقت دنیا میں خُون کی ندیاں بہا دی ہیں پس ایسی بے حیائی کی تعلیم عالمگیر کیونکر ہو سکتی ہے۔ مضمون پڑھنے والے کو اگر یہ دعویٰ ہو کہ یہ تعلیم عالمگیر بن سکتی ہے تو پہلے اس آریہ ورت میں ہی اس تعلیم کو جاری کر کے دکھلادے۔ ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ قطعی اور یقینی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ نیوگ کی تعلیم درحقیقت اُن سنیاسیوں کی خود ایجاد ہے کہ جو دراصل اُن کا نفس شہوات سے ایسا بھرا ہوا تھا جیسا کہ ایک بڑا پھوڑا پیپ سے بھرا ہوتا ہے اور دوسری طرف اُن کا یہ دعویٰ تھا کہ وہ بغیر عورت کے بسر کر سکتے تھے آخر نفس اُن کا قابو سے نکل گیا۔ سو ابتدا میں ایسے ہی سنیاسیوں نے نیوگ کے مسئلہ کو ایجاد کیا ہے اور اُس کے ذریعہ سے اپنی نفسانی خواہشیں پوری کی ہیں اور پھر آہستہ آہستہ وہ ہدایت وید میں بھی درج کی گئی اور عام طور پر آریہ ورت میں اس پر عمل ہونے لگا سو خدا نہ کرے کہ وید کی یہ تعلیم عالمگیر ہو۔ اور جس وقت یہ ناپاک تعلیم عالمگیر ہو جائے گی سو اس وقت قیامت آجائے گی۔ اور یہ بھی ہم نے سُنا ہے کہ ویدوں کے جغرافیہ میں یہ لکھا ہے کہ کوہ ہمالہ کے پرے کوئی آبادی نہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ویدوں میں عالم سے مراد یہی آریہ ورت مراد ہے پس اگر یہ صحیح نہیں ہے تو اوّل آریوں پر فرض ہے کہ ویدوں کی شرتیوں کے موافق عالم کی فہرست پیش کریں۔ میں تو

یہ بات نہیں مانتا کہ ویدوں کے رشیوں کو یہ خبر بھی ہو کہ سوائے آریہ ورت کے دنیا میں اور ملک بھی ہے۔

ماسوا اس کے وید کی یہ تعلیمیں کہ گوبر کھانا اور پیشاب پینا اور اپنی منکوحہ عورتوں کو بغیر طلاق کے نامحرم مردوں سے ہمبستر کرانا اور خدا کے خالق ہونے سے انکار کرنا اور آگ اور پانی اور چاند اور سورج وغیرہ اجرام کی پرستش کے لئے حکم دینا جس سے تمام آریہ ورت بھرا پڑا ہے یہ ایسی خراب تعلیمیں ہیں کہ کوئی پاک اور صحیح فطرت ان کو قبول نہیں کر سکتی اور ویدوں پر خود یہ تہمت ہے کہ کسی زمانہ اور کسی وقت میں اُن کی تعلیم عالمگیر تھی جس قدر اب دنیا میں ممالک موجود ہیں اس زمانہ سے پہلے کسی کی بلا کو بھی خبر نہ تھی کہ وید کیا چیز ہیں۔ جب اس ملک میں گورنمنٹ انگریزی کی عملداری ہوئی تب بعض انگریزوں نے ویدوں کے ترجمے کئے اور یورپ اور امریکہ میں اس کا نام پہنچایا معلوم نہیں کہ خواہ نخواہ منصوبے کے طور پر ایسی باتیں کرنا ان لوگوں کو کس نے سکھایا اس سے حاصل کیا ہے اس بات کا فیصلہ تو آسان ہے کہ صرف یورپ کے محققوں سے ہی دریافت کر لو کہ ویدوں کے نام سے تم کب سے واقف ہو اور کس زمانہ سے آشنا ہو۔ ماسوا اس کے وید کی تعلیم کو تعلیم کہہ بھی نہیں سکتے۔ تعلیم تو وہ ہوتی ہے جس کے ذریعہ سے نجات کی راہ مل سکے مگر جب کہ وید کی رُو سے توبہ اور استغفار کا دروازہ ہی بند ہے اور تمام مدار تناسخ پر ہے تو وید کے ماننے سے کیا فائدہ اور نہ ماننے سے کیا نقصان ہے۔

مضمون پڑھنے والے نے الہامی کتاب کی ایک یہ نشانی لکھی ہے کہ وہ کسی ملک کی زبان نہ ہو یعنی زمین کے باشندوں میں سے کوئی شخص اُس زبان کو نہ بول سکتا ہو نہ سمجھ سکتا ہو۔ اب ہمیں اس نشانی کے بارہ میں کچھ بیان کرنا ضروری نہیں خود ناظرین سوچ لیں کہ ایسی زبان میں الہامی کتاب نازل کرنے سے کیا فائدہ ہوگا اور جب کہ کوئی شخص اس زبان کو نہ بول سکتا ہے اور نہ سمجھ سکتا ہے تو اس کی ہدایتوں پر عمل کرنا کیونکر ممکن ہوگا ایسی

ص۱۴۵

صورت میں بلاشبہ رشیوں کے دلوں پر ایسی کتاب کا نازل کرنا یا نہ نازل کرنا برابر ہوگا کیونکہ اس جگہ یہ سوال پیش ہوگا کہ جب کہ انسان اسی زبان کو سمجھ سکتا ہے جس کو بول سکتا ہے تو وید کے رشیوں کو ایسی زبان کیونکر سمجھ آسکتی تھی جس کو وہ بول نہ سکتے تھے۔

اور اگر کہو کہ پرمیشر نے رشیوں کو اُن کی اپنی زبان کے ذریعہ سے اس نامعلوم زبان کے معنے سمجھا دیئے تھے تو یہ عذر بھی دوسرے لفظوں میں اس بات کا اقرار ہے کہ پرمیشر انسان کی زبان میں الہام کرتا ہے بلکہ اس سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ پرمیشر ایسی زبان میں الہام کرنے سے پچھتایا جس کو وید کے رشی سمجھ نہیں سکتے تھے اور جب اس کو اپنی غلطی محسوس ہوئی تو آخر اُس نے انسانوں کی زبان کے ذریعہ سے اس زبان کے معنی وید کے رشیوں کو سمجھائے پس کیا ایسی لغو حرکت سے یہ ثابت نہ ہوگا کہ پرمیشر بھی اپنی جلد بازی سے غلطی کر بیٹھتا ہے اور اس پر اعتراض ہوگا کہ جس بات کو اس نے مجبور ہو کر آخر کو اختیار کیا وہ بات پہلے ہی کیوں اختیار نہ کی۔

ماسوا اس کے جب کہ ہم خود اس بات کے گواہ ہیں کہ خدا تعالےٰ اب بھی دوسری زبانوں میں الہام کرتا ہے اور خدا تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے ہمیں اس گروہ میں داخل کیا ہے جو خدا تعالےٰ کے مکالمہ ومخاطبہ سے مشرف ہوتے ہیں تو پھر ہم امور مشہودہ ثابت شُدہ سے کیونکر انکار کر سکتے ہیں کیا آریہ سماج والوں کو خبر نہیں کہ وہ ہمارا الہام ہی تھا جس نے چھ برس پہلے لیکھرام کی نسبت خبر دی تھی کہ وہ چھ برس کی مدت تک عید سے ایک دن بعد بذریعہ قتل اس دنیا سے کُوچ کرے گا اور وہ ہمارا الہام ہی تھا جس نے خبر دی تھی کہ مسمی سومراج اور اس کے دو ساتھی جو قادیان میں بدگوئی سے باز نہیں آتے تھے طاعون کے عذاب سے مریں گے یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے اپنے اخبار شبھ چنتک کے ذریعہ سے گالیاں دینا اپنا شیوہ بنا رکھا تھا آخر طاعون نے دو تین دن میں ہی اُن کا قصہ پاک کیا۔ ایسا ہی وہ ہمارا الہام ہی تھا جس نے تمام دنیا کے سخت زلازل کی خبر دی

ص۱۴۶

اور نیز ۴-اپریل ۱۹۰۵ء کے زلزلہ کی خبر دی تھی ایسا ہی اور صدہا الہامی پیشگوئیاں ہیں جو ظہور میں آئیں اور پوری ہوئیں۔ پھر ہم اپنی چشمدید باتوں سے کیونکر انکار کر سکتے ہیں بلکہ سچ تو یہ ہے کہ خدا تعالےٰ ہر ایک زبان میں الہام کرتا ہے جیسا کہ وہ ہر ایک زبان میں لوگوں کی آواز سنتا ہے مخلوق کی زبانیں دراصل خدا کی ہی زبان ہے۔ ہر ایک قوم اپنی اپنی زبان میں اُس کی درگاہ میں دعائیں کرتی ہے۔

ویدک سنسکرت کی نسبت اصل حقیقت یہ ہے کہ وہ ایک مردہ زبان ہے چونکہ اب وہ بولی نہیں جاتی تو نادان لوگوں نے سمجھ لیا کہ گویا وہ پرمیشر کی زبان ہے ورنہ ہر ایک عقل سلیم سمجھ سکتی ہے کہ چونکہ خدا سرب شکتی مان ہے اور قادر مطلق اور عالم الغیب ہے اس لئے ضروری ہے کہ ہر ایک زبان کا اس کو علم ہو اور ہر ایک زبان کے بولنے پر وہ قادر ہو اور اگر وہ ہر ایک زبان کے بولنے پر قادر تو ہے مگر اس کو بولنا اپنی شان کے برخلاف سمجھتا ہے تو اُن زبانوں میں لوگوں کی دعائیں کیوں سُنتا ہے کیا اس میں اس کی کسر شان نہیں؟ اس میں بھی یہ شرط لگا دینی چاہیئے کہ دعا تب سُنی جائے گی کہ جب اُسی زبان میں جو پرمیشر کی زبان ہے لوگ دعا کریں اور بغیر اس کے ہرگز ہرگز پرمیشر کسی کی دُعا کو نہیں سُنے گا۔ تعجب کہ ان لوگوں کی عقل کیسی ماری گئی ہے کہ پرمیشر کے لئے ایک خاص زبان ٹھیراتے ہیں گویا جیسا کہ ہر ایک قوم کی الگ زبان ہے ایسا ہی پرمیشر کی بھی ایک الگ زبان ہے حالانکہ جیسا کہ خدا تعالیٰ انسانوں کا پیدا کرنے والا ہے ایسا ہی اُن کی زبانوں کا بھی وہی پیدا کرنے والا ہے اور نہیں کہہ سکتے کہ وہ ان کی زبانوں سے بے خبر ہے یا اُن میں بولنے پر قادر نہیں اور کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ پرمیشر کو دوسری زبانوں میں الہام کرنے سے کیوں نفرت اور بیزاری ہے اور یہ عجیب بات ہے کہ وہ دوسری زبانوں میں دُعا کو سُن تو لیتا ہے مگر بول نہیں سکتا۔

علاوہ اس کے ہم نے ایک بڑی عمیق تحقیق سے ثابت کیا ہے کہ جس قدر دنیا میں زبانیں ہیں ان سب کی ماں عربی ہے اور اس وقت ہم طول کے اندیشہ کی وجہ سے اس بارے میں

صفحہ ۱۴۷

کچھ لکھنا نہیں چاہتے لیکن پھر کسی آریہ کی تحریک سے ہم انشاء اللہ اس بارے میں ایک مفصل مضمون تحریر کریں گے۔

مضمون پڑھنے والے نے الہامی کتاب کی ایک یہ بھی نشانی لکھی ہے کہ[*] اِس میں کوئی قصہ درج نہ ہو مگر معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص کے ہوش وحواس قائم نہیں ہیں جو کچھ بیان کرتا ہے وہ صرف دعویٰ ہی ہوتا ہے ورنہ صاف ظاہر ہے کہ خدا جو عالم الغیب اور رحیم اور سرچشمہ تمام علوم ہے اس کی مربیانہ عادات میں یہ بھی داخل ہے کہ متاخرین کو متقدمین کے اخلاق اور عادات سے اطلاع دیتا ہے اور یہ جتلاتا ہے کہ پہلے اس ایسے ایسے صادق وفادار مومن گذر چکے ہیں جنہوں نے شدائد اور مصائب پر صبر کیا اور بڑے بڑے امتحانوں میں پڑکر پورے نکلے اور انہوں نے خدا کی راہ میں آگے سے آگے قدم رکھا اور خدا نے اُن کی وفاداری کو دیکھ کر اُن پر بڑے بڑے فضل کئے اور ہر ایک امر میں اُن کو کامیابی بخشی اور اپنے برگزیدہ بندوں میں اُن کو داخل کیا اور ان کے مقابل پر ایک اور لوگ بھی گذرے ہیں جو خدا سے برگشتہ رہے اور دلیری سے ہر ایک قسم کے گناہ کئے اور خدا کے بندوں کو دُکھ دئے اور آخر وہ پکڑے گئے اور عذاب شدید میں مبتلا ہوئے۔ اور ایسے قصوں کے لکھنے سے خدا تعالیٰ کا یہ مقصود ہوتا ہے کہ تا لوگ اس راہ سے بھی متنبہ ہوں اور بدی کو چھوڑیں اور نیک نمونہ اختیار کریں اب کوئی عقلمند سوچے کہ ایسے قصے بیان کرنے کیوں حرام ہو گئے جن میں انسانوں کے لئے ایک صریح فائدہ متصور ہے۔ انسان کی فطرت میں یہ داخل ہے کہ اچھے اور نیک آدمیوں کے قصے سُن کر جنہوں نے خدا کی راہ میں بڑی بڑی وفاداری دکھلائی اور اس وفاداری کے بڑے بڑے اجر پائے ان کاموں کے کرنے کیلئے اس کے دل میں رغبت پیدا ہوتی ہے اور ایسے آدمیوں کے قصے سُن کر جو اپنے شامتِ اعمال

حاشیہ[*]: باوا نانک صاحب جو ایک بزرگ آدمی تھے وید کی نسبت ان الفاظ سے لکھتے ہیں کہ "چاروں وید کہانی" یعنی چاروں وید محض کہانیاں ہیں ان میں کوئی حقیقت اور مغز نہیں۔ منہ

سے سزایاب ہوئے ایسے کاموں کے کرنے سے دل میں خوف پیدا ہوجاتا ہے کہ مبادا ہم بھی پکڑے جائیں۔ سو ترغیب اور ترہیب کے لئے یہ ایک طریق ہے جس طریق سے انسانی فطرت ہمیشہ متاثر ہوتی چلی آتی ہے سو خدا تعالیٰ کی کامل کتاب کی یہی نشانی ہے جو انسانوں کو حق پر قائم کرنے کے لئے کسی موثر طریق کو اٹھا نہ رکھے اور ہر ایک طریق کو بیان کر دے سو قرآن شریف نے ان تمام طریقوں کو استعمال کیا۔ اوّل کھول کھول کر سُنا دیا کہ اچھے کام یہ ہیں اور بُرے کام یہ ہیں اور پھر اچھے کاموں کے نتیجے اور بُرے کاموں کے نتیجے کھول کر بتلا دئیے اور پھر اُن امور کے بارے میں ان لوگوں کے حالات سُنا دئے جو پہلے زمانوں میں گذر چکے ہیں اور ظاہر ہے کہ نیک اعمال اور نیک اخلاق کی طرف مائل ہونے اور بد طریق کو ترک کرنے کے لئے قصوں کو بڑا دخل ہے یہاں تک کہ ناول پڑھنے والے بھی ان فرضی اور مصنوعی قصوں سے متاثر ہو جاتے ہیں اور درحقیقت اصلاح چلن اور تبدیل اخلاق کے لئے یہ ایک علمی ذریعہ ہے کہ جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے اس ذریعہ سے لوگ فائدہ اٹھاتے رہے ہیں اور اب بھی اٹھاتے ہیں۔ مگر ہم آریوں کے موجودہ وید کی نسبت کیا کہیں اور کیا لکھیں کہ وہ اس علمی ذریعہ کا بھی دشمن ہے

ماسوا اس کے قرآن شریف میں جس قدر قصے بیان کئے گئے ہیں ان کی تحریر سے صرف یہی غرض نہیں کہ گذشتہ لوگوں کے نیک کام اور بدکام پیش کرکے اُن کا انجام سُنا دیا جاوے تا وہ رغبت یا عبرت کا ذریعہ ہوں بلکہ یہ بھی غرض ہے کہ ان تمام قصوں کو پیش گوئی کے رنگ میں بیان کیا گیا ہے اور جتلایا گیا ہے کہ اس زمانہ میں بھی ظالم اور شریر لوگوں کو انجام کار ایسی ہی سزائیں ملیں گی جیسی پہلے شریر لوگوں کو ملی تھیں اور صادقوں اور راستبازوں کی ایسی فتح ہوگی جیسا کہ پہلے زمانوں میں ہوئی تھی۔ مجھے تعجب ہے کہ مضمون پڑھنے والے نے ایسی بیہودہ اور باطل نشانی الہامی کتاب کی لکھ کر کیوں وید کی پردہ دری کرائی اور کیوں عقلمندوں کو وید پر ہنسنے کا موقعہ دیا۔ اور اس بات کو کون نہیں جانتا کہ وید میں قصے بھی موجود ہیں۔ کیا

کو سیکا رشی کا قصہ وید میں موجود نہیں؟ ایسا ہی اور کئی قصے ہیں جو رگوید کی شرتیوں میں اُن کی طرف اشارات پائے جاتے ہیں۔ درحقیقت یہ لوگ نادان دوست کے حکم میں ہیں کہ اپنی طرف سے الہامی کتاب کے لئے بیہودہ شرطیں لگا کر وید کے منہ پر سیاہی کا دھبہ لگاتے ہیں۔ خود تاریخ کو ایک علمی ذریعہ سمجھا گیا ہے پھر ایسے قصے کیوں قابل اعتراض ہیں جن کے ذکر سے نہ صرف تاریخی امور معلوم ہوتے ہیں بلکہ وہ قصے عمدہ عمدہ مثالوں اور نظیروں کو پیش کر کے نیکی اور صلاحیت کی طرف کھینچتے ہیں اور بدوں اور بدکاروں کا انجام ذکر کر کے بدی سے روکتے ہیں گویا وہ ایک بھاری فوج ہے جو دلوں کو فتح کرتی ہے اور کمزوری کو دور کرتی اور نیک کاموں کے لئے قوت دیتی ہے۔

ص ۴۹

مضمون پڑھنے والے نے الہامی کتاب کی ایک یہ نشانی لکھی ہے کہ وہ کتاب **تمام دینی علوم کا سرچشمہ ہو**۔ اس کی اس تقریر سے معلوم ہوتا ہے کہ درحقیقت وہ درپردہ وید کا سخت مخالف ہے کیونکہ ایسی باتیں کرتا ہے جو وید میں پائی نہیں جاتیں دُنیوی امور کے بارے میں تو ذکر کرنا ہی فضول ہے کیونکہ آریوں میں سے جس قدر لوگوں نے حال کی نئی سائنس اور ہیئت کو پڑھا ہے وہ اپنے دل میں خوب جانتے ہوں گے کہ اس ترقیٔ علوم کے زمانہ میں طبعی اور ہیئت کے علوم میں انواع واقسام کے تجارب کے ذریعہ سے وہ اسرار کھلے ہیں جو نہ وید کو معلوم تھے اور نہ وید کے رشیوں کو بلکہ وید کو علوم دنیوی سے کچھ بھی علاقہ نہیں اور وہ اس وحشیانہ زمانہ کی کتاب ہے جبکہ ان علوم سے لوگ محض ناآشنا تھے یہاں تک کہ اُن کو یہ بھی توفیق نہ ہوئی کہ اپنے خالق اور مالک کو شناخت کر سکیں اور نہ صرف اس قدر بلکہ انسانی طہارت اور تہذیب سے بھی بالکل بے بہرہ تھے۔ چنانچہ نیوگ کا عقیدہ ظاہر کر رہا ہے کہ جیسا کہ جنگلوں کے نر ومادہ چرند وغیرہ بغیر قید نکاح کے نر مادہ باہم مل جاتے ہیں یہی طریق اس زمانہ میں آریوں کا تھا بلکہ حیوانات سے بدتر کیونکہ حیوانات کو تو خدا نے عقل نہیں دی اور وہ معذور ہیں مگر یہ لوگ باوجود عقل رکھنے کے حیوانات سے بھی بڑھ گئے ان کے مذہب

میں ایک کی بیاہتا بیوی دوسرے سے ہمبستر ہو جاتی ہے اس سے زیادہ تر وحشیانہ حالت کی اور کونسی نظیر ہو سکتی ہے مگر جب انسان میں شرم اور حیا نہیں رہتی تو وہ ناپاکی کو بھی ایک پاک طریق سمجھ لیتا ہے۔ اور دنیوی علوم کے ذکر کرنے کے وقت یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ یہ لوگ تاریخ کے نہایت کچے ہیں اور اسلامی زمانہ تک تو اُن کی تاریخ کا کچھ تھوڑا سا پتہ لگتا ہے مگر پھر جب اسلامی زمانہ سے اوپر چڑھیں تو ان کے تاریخی حالات میں تاریکی شروع ہو جاتی ہے اور پھر اگر ہزار برس تک آگے چلے جائیں تو ایسی تاریکی معلوم ہوتی ہے کہ بجز شاعروں کی گپ اور لاف وگزاف کے اور کسی صحیح تاریخ کا پتہ نہیں لگتا۔ اور یہ بات نہ صرف ہم کہتے ہیں بلکہ جس قدر دنیا کے عقلمندوں نے ان کے تاریخی حالات پر غور کی ہے سب کی بالاتفاق یہی رائے ہے۔

صفحہ ۱۵۰

رہی یہ بات کہ وید رُوحانی علوم کا سرچشمہ ہے یہ حقیقت تو ہمیں اس دن سے معلوم ہے جب کہ ستیارتھ پرکاش ہیں ہم نے یہ پڑھا تھا کہ وید نے اپنا روحانی علم یہ ظاہر کیا ہے کہ روحیں بدنوں سے نکل کر پھر شبنم کی طرح کسی گھاس پات پر پڑتی ہیں۔ سو جس وید کے رُوحانی علموں کا یہ نمونہ ہے وہ کیوں نہ سرچشمۂ علوم ہو عقلمند انسان تو ایک نقطہ سے تمام حالات معلوم کر سکتا ہے رُوحوں کا مخلوق ہونا کروڑہا مشاہدات سے ثابت ہے مگر وید کہتا ہے کہ مخلوق نہیں اور خدا تعالیٰ کی طرح وہ قدیم سے خود بخود ہیں۔ پس ایک طرف تو وید اپنے پرمیشر کو خالق ہونے سے جواب دیتا ہے اور دوسری طرف امر مشہود و محسوس کا انکار کرتا ہے یہ اس کا فلسفہ ہے اور یہ روحانی علوم ہیں۔ مگر قرآن شریف کہتا ہے کہ رُوحیں انادی اور غیر مخلوق نہیں اور دو نطفوں کی ایک خاص ترکیب سے وہ پیدا ہوتی ہیں اور یا دوسرے کیڑوں مکوڑوں میں ایک ہی مادہ سے پیدا ہو جاتی ہیں اور یہی سچ ہے کیونکہ مشاہدہ اس پر گواہی دیتا ہے جس کے ماننے کے بغیر چارہ نہیں اور امر محسوس مشہودہ سے انکار کرنا سراسر جہالت ہے اور جب ہم کہتے ہیں کہ رُوح نیست سے ہست ہوتا ہے تو اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اول وہ کچھ

۱۵۱

بھی نہیں تھا بلکہ اس کے یہ معنی ہیں کہ اس کے لئے کوئی ایسا مادہ نہیں تھا کہ انسان اپنی قوت سے اس میں سے رُوح نکال سکتا اور اس کی پیدائش صرف اس طور سے ہے کہ محض الٰہی قوت اور حکمت اور قدرت کسی مادہ میں سے اس کو پیدا کر دیتی ہے اسی واسطے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ روح کیا چیز ہے تو خدا نے فرمایا کہ تو ان کو جواب دے کہ روح میرے رب کے امر میں سے ہے اس بارے میں آیۃ قرآنی یہ ہے کہ:-

یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَاۤ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا[1]

یعنی یہ لوگ پوچھتے ہیں کہ رُوح کیا چیز ہے اور کیونکر پیدا ہوتی ہے۔ اُن کو جواب دے کہ رُوح میرے رب کے امر سے پیدا ہوتی ہے یعنی وہ ایک رازِ قدرت ہے اور تم لوگ رُوح کے بارے میں کچھ علم نہیں رکھتے مگر تھوڑا سا یعنی صرف اس قدر کہ تم رُوح کو پیدا ہوتے دیکھ سکتے ہو اس سے زیادہ نہیں جیسا کہ ہم بچشم خود دیکھ سکتے ہیں کہ ہماری آنکھ کے سامنے کسی مادہ میں سے کیڑے مکوڑے پیدا ہو جاتے ہیں۔

اور انسانی رُوح کے پیدا ہونے کے لئے خدا تعالیٰ کا قانونِ قدرت یہ ہے کہ دو نطفوں کے ملنے کے بعد جب آہستہ آہستہ قالب تیار ہو جاتا ہے تو جیسے چند ادویہ کے ملنے سے اُس مجموعہ میں ایک خاص مزاج پیدا ہو جاتی ہے کہ جو ان دواؤں میں فرد فرد کے طور پر پیدا نہیں ہوتی اسی طرح اُس قالب میں جو خون اور دو نطفوں کا مجموعہ ہے ایک خاص جوہر پیدا ہو جاتا ہے اور وہ ایک فاسفرس کے رنگ میں ہوتا ہے اور جب تجلی الٰہی کی ہوا کُن کے امر کے ساتھ اس پر چلتی ہے تو یکدفعہ وہ افروختہ ہو کر اپنی تاثیر اس قالب کے تمام حصوں میں پھیلا دیتا ہے تب وہ جنین زندہ ہو جاتا ہے پس یہی افروختہ چیز جو جنین کے اندر تجلی ربی سے پیدا ہو جاتی ہے اُسی کا نام رُوح ہے اور وہی کلمۃ اللہ ہے اور اس کو امر ربی سے اس لئے کہا جاتا ہے کہ جیسے ایک حاملہ عورت کی طبیعت مدبرہ بحکم قادر مطلق تمام اعضاء کو پیدا کرتی ہے اور عنکبوت کے جالے کی طرح قالب کو بناتی ہے اس روح میں اس طبیعت مدبرہ کو کچھ دخل نہیں بلکہ رُوح محض خاص تجلی الٰہی سے پیدا

[1] بنی اسرائیل: ۸۶

ص۱۵۲
ہوتی ہے اور گو رُوح کا فاسفرس اس مادہ سے ہی پیدا ہوتا ہے مگر وہ روحانی آگ جس کا نام رُوح ہے وہ بجز مَسِّ نسیم آسمانی کے پیدا نہیں ہوسکتی۔ یہ سچا علم ہے جو قرآن شریف نے ہمیں بتلایا ہے تمام فلاسفروں کی عقلیں اس علم تک پہنچنے سے بیکار ہیں اور وید بھی بید بے ثمر کی طرح اس علم سے محروم رہا وہ قرآن شریف ہی ہے جو اس علم کو زمین پر لایا سو اس طور سے ہم کہتے ہیں کہ رُوح نیست سے ہست ہوتی ہے یا عدم سے وجود کا پیرایہ پہنتی ہے۔ یہ نہیں ہم کہتے کہ عدم محض سے رُوح کی پیدائش ہوتی ہے کیونکہ تمام کارخانہ پیدائش سلسلہ حکمت اور علل معلولات سے وابستہ ہے۔

اور یہ کہنا کہ اگر رُوح مخلوق ہے تو اس سے لازم آتا ہے کہ فنا بھی ہو جائے تو اس کا جواب یہ ہے کہ رُوح بیشک فنا پذیر ہے اس پر دلیل یہ ہے کہ جو چیز اپنی صفات کو چھوڑتی ہے اس حالت میں اس کو فانی کہا جاتا ہے اگر کسی دوا کی تاثیر بالکل باطل ہو جائے تو اس حالت میں ہم کہینگے کہ وہ دوا مر گئی۔ ایسا ہی روح میں یہ امر ثابت ہے کہ بعض حالات میں وہ اپنی صفات کو چھوڑ دیتی ہے بلکہ اس پر جسم سے بھی زیادہ تغیرات وارد ہوتے ہیں انہیں تغیرات کے وقت کہ جب وہ روح کو اُس کی صفات سے دور ڈال دیتے ہیں کہا جاتا ہے کہ رُوح مر گئی کیونکہ موت اسی بات کا نام ہے کہ ایک چیز اپنی لازمی صفات کو چھوڑ دیتی ہے تب کہا جاتا ہے کہ وہ چیز مر گئی اور یہی بھید ہے کہ خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں فقط انہیں انسانی رُوحوں کو بعد مفارقتِ دُنیا زندہ قرار دیا ہے جن میں وہ صفات موجود تھے جو اصل غرض اور علت غائی ان کی پیدائش کی تھی یعنی خدائے تعالیٰ کی کامل محبت اور اس کی کامل اطاعت جو انسانی روح کی جان ہے اور جب کوئی رُوح خدا تعالیٰ کی محبت سے پر ہو کر اور اس کی راہ میں قربان ہو کر دنیا سے جاتی ہے تو اُسی کو زندہ رُوح کہا جاتا ہے باقی سب مردہ رُوحیں ہوتی ہیں۔ غرض رُوح کا اپنی صفات سے الگ ہونا یہی اس کی موت ہے چنانچہ حالتِ خواب میں بھی جب جسم انسانی مرتا ہے تو رُوح بھی ساتھ ہی مر جاتی ہے یعنی اپنی صفات موجودہ کو جو بیداری کی حالت میں تھیں چھوڑ دیتی ہے اور ایک قسم کی موت اس پر وارد ہو جاتی ہے کیونکہ خواب میں وہ صفات اس میں باقی نہیں رہتیں جو بیداری میں اس کو حاصل ہوتی ہیں۔

سو یہ بھی ایک قسم موت کی ہے کیونکہ جو چیز اپنی صفات سے الگ ہو جائے اس کو زندہ نہیں کہہ سکتے۔ اکثر لوگ موت کے لفظ پر بہت دھوکہ کھاتے ہیں موت صرف معدوم ہونے کا نام نہیں بلکہ اپنی صفات سے معطل ہونے کا نام بھی موت ہے ورنہ جسم جو مرجاتا ہے بہرحال مٹی اُس کی تو موجود رہتی ہے اسی طرح رُوح کی موت سے بھی یہی مراد ہے کہ وہ اپنی صفات سے معطل کی جاتی ہے جیساکہ عالم خواب میں دیکھا جاتا ہے کہ جیسے جسم اپنے کاموں سے بیکار ہو جاتا ہے ایسا ہی رُوح بھی اپنی اُن صفات سے جو بیداری میں رکھتے تھے بکلّی معطل ہو جاتی ہے مثلاً ایک زندہ کی روح کسی میّت سے خواب میں ملاقات کرتی ہے اور نہیں جانتی کہ وہ میت ہے اور سونے کے ساتھ ہی بکلّی اس دُنیا کو بھول جاتی ہے اور پہلا چولہ اُتار کر نیا چولہ پہن لیتی ہے اور تمام علوم جو رکھتی تھی سب کے سب بہ یکبارگی فراموش کر دیتی ہے اور کچھ بھی اس دنیا کا یاد نہیں رکھتی بجز اس صورت کے کہ خدا یاد دِلا دے اور اپنے تصرفات سے بکلّی معطل ہو جاتی ہے اور سچ مچ خدا کے گھر میں جا پہنچتی ہے اور اس وقت تمام حرکات اور کلمات اور جذبات اس کے خدا تعالیٰ کے تصرفات کے نیچے ہوتے ہیں اور اس طور سے خدا تعالیٰ کے تصرفات کے نیچے وہ مغلوب ہوتی ہے کہ نہیں کہہ سکتے کہ جو کچھ عالم خواب میں کرتی یا کہتی یا سُنتی یا حرکت کرتی ہے وہ اپنے اختیار سے کرتی ہے بلکہ تمام اختیاری قوت اس کی مسلوب ہو جاتی ہے اور کامل طور پر موت کے آثار اس پر ظاہر ہو جاتے ہیں سو جس قدر جسم پر موت آتی ہے اس سے بڑھ کر رُوح پر موت وارد ہو جاتی ہے مجھے ایسے لوگوں سے سخت تعجب آتا ہے کہ وہ اپنی حالت خواب پر بھی غور نہیں کرتے اور نہیں سوچتے کہ اگر رُوح موت سے مستثنیٰ رکھی جاتی تو وہ ضرور عالم خواب میں بھی مستثنیٰ رہتی ہمارے لئے خواب کا عالم موت کے عالم کی کیفیت سمجھنے کیلئے ایک آئینہ کے حکم میں ہے جو شخص رُوح کے بارے میں سچی معرفت حاصل کرنا چاہتا ہے اس کو چاہیئے کہ خواب کے عالم پر بہت غور کرے کہ ہر ایک پوشیدہ راز موت کا خواب کے ذریعہ سے کھل سکتا ہے اگر تم عالم خواب کے اسرار پر جیساکہ چاہیئے توجہ

صفحہ ۱۵۴ کروگے اور جس طور سے عالم خواب میں رُوح پر ایک موت وارد ہوتی ہے اور اپنے علوم اور صفات سے وہ الگ ہو جاتی ہے اس طور پر نظر تدبر ڈالو گے تو تمہیں یقین ہو جائے گا کہ موت کا معاملہ خواب کے معاملہ سے ملتا جلتا ہے پس یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ رُوح مفارقت بدن کے بعد اسی حالت پر قائم رہتی ہے جو دنیا میں وہ رکھتی تھی بلکہ خدا تعالےٰ کے حکم سے ایسی ہی موت اس پر وارد ہو جاتی ہے جیسا کہ خواب کی حالت میں وارد ہوتی تھی بلکہ وہ حالت اس سے بہت زیادہ ہوتی ہے اور ہر ایک صفت اس کی نیستی کی چکی کے اندر پیسی جاتی ہے اور وہی رُوح کی موت ہوتی ہے اور پھر جو لوگ زندہ ہونے کے کام کرتے تھے وہی زندہ کئے جاتے ہیں کسی روح کی مجال نہیں کہ آپ زندہ رہ سکے کیا تم اختیار رکھتے ہو کہ نیند کی حالت میں تم اپنے ان صفات اور حالات اور علوم کو اپنے قبضہ میں رکھ سکو جو بیداری میں تم کو حاصل ہیں؟ نہیں بلکہ آنکھ بند کرنے کے ساتھ ہی رُوح کی حالت بدل جاتی ہے اور ایک ایسی نیستی اُس پر وارد ہوتی ہے کہ تمام کارخانہ اُس کی ہستی کا اُلٹ پلٹ ہو جاتا ہے چنانچہ خدا تعالےٰ رُوح کی موت کے بارے میں قرآن شریف میں فرماتا ہے :۔

اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِہَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِہَا فَیُمْسِکُ الَّتِیْ قَضٰی عَلَیْہَا الْمَوْتَ وَیُرْسِلُ الْاُخْرٰۤی اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ۔[1] الجزء ۲۴ سورۃ الزمر۔

(ترجمہ) خدا جانوں کو جب اُن کی موت کا وقت آتا ہے اپنے قبضہ میں کر لیتا ہے یعنی وہ جانیں بے خود ہو کر الٰہی تصرف اور قبضہ میں اپنی موت کے وقت آجاتی ہیں اور زندگی کی خود اختیاری اور خود شناسی اُن سے جاتی رہتی ہے اور موت ان پر وارد ہو جاتی ہے یعنی بکلی وہ رُوحیں نیست کی طرح ہو جاتی ہیں اور صفات حیات زائل ہو جاتی ہیں اور ایسی رُوح جو دراصل مرتی نہیں مگر مرنے کے مشابہ ہوتی ہے وہ رُوح کی وہ حالت ہے کہ جب انسان سوتا ہے تب وہ حالت پیدا ہوتی ہے اور ایسی حالت میں بھی رُوح خدا تعالےٰ کے قبضہ اور تصرف میں آجاتی ہے اور

[1] الزمر : ۴۳

ص۱۵۵ ایسا تغیر اس پر وارد ہوجاتا ہے کہ کچھ بھی اس کی دنیوی شعور اور ادراک کی حالت اس کے اندر باقی نہیں رہتی۔ غرض موت اور خواب دونوں حالتوں میں خدا کا قبضہ اور تصرف رُوح پر ایسا ہوجاتا ہے کہ زندگی کی علامت جو خود اختیاری اور خود شناسی ہے بکلّی جاتی رہتی ہے پھر خدا ایسی رُوح کو جس پر درحقیقت موت وارد کر دی ہے واپس جانے سے روک رکھتا ہے اور وہ رُوح جس پر اُس نے درحقیقت موت وارد نہیں کی اس کو پھر ایک مقررہ وقت تک دُنیا کی طرف واپس کر دیتا ہے۔ اس ہمارے کاروبار میں ان لوگوں کے لئے نشان ہیں جو فکر اور سوچ کرنے والے ہیں۔ یہ ہے ترجمہ مع شرح آیت ممدوحہ بالا کا۔ اور یہ آیت موصوفہ بالا دلالت کر رہی ہے کہ جیسی جسم پر موت ہے روحوں پر بھی موت ہے لیکن قرآن شریف سے ثابت ہوتا ہے کہ ابرار اور اخیار اور برگزیدوں کی روحیں چند روز کے بعد پھر زندہ کی جاتی ہیں کوئی تین دن کے بعد کوئی ہفتہ کے بعد کوئی چالیس دن کے بعد۔ اور یہ حیات ثانی نہایت آرام اور آسائش اور لذت کی اُن کو ملتی ہے یہی حیات ہے جس کو حاصل کرنے کے لئے نیک بندے اپنی پوری قوت اور پوری کوشش اور پورے صدق و صفا کے ساتھ خدا تعالیٰ کی طرف جھکتے ہیں اور نفسانی تاریکیوں سے باہر آنے کے لئے پورا زور لگاتے ہیں اور خدا کی رضا جوئی کے لئے تلخ زندگی اختیار کرتے ہیں گویا مر ہی جاتے ہیں۔ غرض جیسا کہ آیت موصوفہ بالا بیان فرما رہی ہے رُوح کو بھی موت ہے جیسا کہ جسم کو اگرچہ اس عالم کی نہایت مخفی کیفیتیں اس تاریک دنیا میں ظاہر نہیں ہوتیں لیکن بلاشبہ عالم رؤیا یعنے خواب کا عالم اس عالم کے لئے ایک نمونہ ہے اور جو موت اس عالم میں رُوح پر وارد ہوتی ہے اس موت کا نمونہ عالم خواب میں بھی پایا جاتا ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ معاً آنکھ بند ہونے کے ساتھ ہی ہماری رُوح کی تمام صفات اُلٹ پُلٹ ہوجاتی ہیں اور اس بیداری کا تمام سلسلہ فراموش ہوجاتا ہے اور تمام رُوحانی صفات اور تمام علوم جو ہماری رُوح میں تھے کالعدم ہوجاتے ہیں اور حالت خواب میں وہ نظارے رُوح کے ہمارے پیش نظر آجاتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اب وہ ہماری رُوح کچھ اور ہی ہے اور تمام صفات اس کے جو بیداری میں تھے ص۱۵۶

لکھے گئے ہیں اور یہ ایک ایسی حالت ہے جو موت سے مشابہ بلکہ ایک قسم کی موت ہے اور یہ قطعی اور یقینی دلیل اس بات پر ہے کہ وہ موت جو جسم کی موت کے ساتھ روح پر وارد ہوتی ہے وہ ایسی موت کے ساتھ مشابہ ہے جو نیند کی حالت میں رُوح پر وارد ہوتی ہے مگر وہ موت اس موت کی نسبت بہت بھاری ہے۔ ٭

خلاصہ کلام یہ ہے کہ وید نے اس بارے میں بڑی غلطی کی ہے کہ روحوں کو بھی خدا تعالیٰ کی طرح ازلی ابدی قرار دیا ہے پس اس شخص سے زیادہ تر نادان کون ہے کہ جو ایسے ویدوں کو جو سراسر غلطیوں سے بھرے ہوئے اور مخلوق کو خدا کے برابر ٹھہرا کر شرک کی تعلیم دیتے ہیں۔ سرچشمۂ علوم ٹھہراتا ہے مگر قرآن شریف رُوحوں کو ازلی ابدی نہیں ٹھہراتا ہے اُن کو مخلوق بھی مانتا ہے اور فانی بھی۔ جیسا کہ وہ رُوحوں کے مخلوق ہونے کے بارے میں صاف طور پر فرماتا ہے کہ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ[1] یعنی جب قالب تیار ہو جاتا ہے تو اس کی تیاری کے بعد اُسی قالب میں سے ہم ایک نئی پیدائش کر دیتے ہیں یعنی رُوح۔ اور ایسا ہی قرآن شریف میں ایک اور جگہ فرمایا قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا[2] یعنی روح میرے رب کے امر سے پیدا ہوتی ہے اور تم کو اس کا بہت تھوڑا علم ہے اور کئی محل میں خدا تعالیٰ نے یہ بھی اشارہ فرمایا ہے کہ جس مادہ سے رُوح پیدا ہوتی ہے اسی مادہ کے موافق رُوحانی اخلاق ہوتے ہیں جیسا کہ تمام درندوں چرندوں پرندوں اور حشرات الارض پر غور کر کے یہی ثابت ہوتا ہے کہ جیسا کہ نطفہ کا مادہ ہوتا ہے اسی کے مناسب حال رُوحانی اخلاق اس جانور کے ہوتے

٭ حالت خواب میں رُوحانی نظارے عجیب غریب ہوتے ہیں مثلاً کبھی انسان ایک بچہ کی طرح اپنے تئیں دکھتا ہے اور بیداری کا یہ واقعہ کہ وہ درحقیقت جوان ہے یا بوڑھا ہے اور اس کی اولاد ہے اور اس کی بیوی ہے بالکل فراموش کر دیتا ہے سو یہ تمام نظارے جو عالم خواب میں پیدا ہوتے ہیں صاف دلالت کرتے ہیں کہ رُوح خواب کی حالت میں اپنے حافظہ اور یادداشت اور اپنی بیداری کی صفات سے الگ ہو جاتی ہے اور یہی اس کی موت ہے۔ منہ

حاشیہ: اس آیت کے معنے کئی طور کے مفسرین نے لکھے ہیں اور یہ معنی بھی ان میں شامل ہیں۔ منہ

[1] المومنون : ۱۵ [2] بنی اسرائیل : ۸۶

ہیں۔غرض آیات ممدوحہ بالا سے رُوحوں کا مخلوق ہونا ثابت ہوتا ہے۔اور ایک اور آیت بھی روحوں کا مخلوق ہونا ثابت کرتی ہے اور وہ یہ ہے وَخَلَقَ کُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَہٗ تَقْدِیْرًا۱ الجزو۱۸ سورۃ الفرقان۔یعنی خدا وہ ہے جس نے ہر ایک چیز کو پیدا کیا اور کوئی چیز اس کی پیدائش سے باہر نہیں اور اُس نے پیدا کر کے ہر ایک کے جسم اور طاقتوں اور قوتوں اندرخواص اور صورت اور شکل کو ایک حد کے اندر محدود کر دیا تا اس کا محدود ہونا محدِّد پر دلالت کرے جو ذاتِ باری عزاسمہٗ ہے مگر آپ وہ غیر محدود ہے اس لئے اس کی نسبت سوال نہیں ہو سکتا کہ اس کا محدِّد کون ہے۔غرض آیت ممدوحہ بالا میں خدا تعالیٰ نے صاف فرما دیا کہ ہر ایک چیز جو ظہور پذیر ہوئی ہے مع اپنی تمام قوتوں اور طاقتوں کے خدا کی پیدا کردہ ہے پس یہی کامل توحید ہے جو خدا تعالیٰ کو تمام فیوض کا سرچشمہ قرار دیتی ہے اور کوئی ایسی چیز قرار نہیں دیتی جو اس کی پیدا کردہ نہیں۔یا اسی کے سہارے سے جیتی نہیں۔

پھر دوسرا حصہ اس توحید کا یہ ہے کہ جیسا کہ کوئی چیز بجز خدا کے خود بخود موجود نہیں ایسا ہی ہر ایک چیز بجز خدا کے اپنی ذات میں فانی اور ہالک ہونے سے بری نہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے کُلُّ شَیْءٍ ہَالِکٌ اِلَّا وَجْہَہٗ۲ یعنے ہر ایک چیز معرض ہلاکت میں ہے اور مرنے والی ہے بجز خدا کی ذات کے کہ وہ موت سے پاک ہے اور اسی طرح ایک اور آیت میں فرمایا کُلُّ مَنْ عَلَیْہَا فَانٍ۳ یعنی ہر ایک جو زمین پر ہے آخر مرے گا پس جیسا کہ خدا نے اس آیت میں کہ وَخَلَقَ کُلَّ شَیْءٍ ہے لفظ کُل کے ساتھ جو احاطہ تامّہ کے لئے آتا ہے ہر ایک چیز کو جو اسکے سوا ہے مخلوق میں داخل کر دیا۔ایسا ہی اس لفظ کُل کے ساتھ اس آیت میں جو کُلُّ شَیْءٍ ہَالِکٌ اِلَّا وَجْہَہٗ ہے اور نیز اس آیت میں کہ کُلُّ مَنْ عَلَیْہَا فَانٍ ہے ہر ایک چیز کے لئے بجز اپنی ذات کے موت ضروری ٹھہرا دی۔پس جیسا کہ جسمی ترکیب میں انحلال ہو کر جسم پر موت آتی ہے ایسا ہی رُوحانی صفات میں تغیرات پیدا ہو کر رُوح پر موت آجاتی ہے مگر جو لوگ وجہ اللہ میں محو ہو کر مرتے ہیں وہ بباعث اس اتصال کے جو اُن کو حضرت عزت سے

۱ الفرقان: ۳ ۲ القصص: ۸۹ ۳ الرحمٰن: ۲۷

ہو جاتا ہے دوبارہ زندہ کئے جاتے ہیں اور اُن کی زندگی خدا کی زندگی کا ایک ظل ہوتا ہے اور پلید روحوں میں بھی عذاب دینے کے لئے ایک حس پیدا کی جاتی ہے مگر وہ نہ مردوں میں داخل ہوتے ہیں نہ زندوں میں جیسا کہ ایک شخص جب سخت درد میں مبتلا ہوتا ہے تو وہ بدحواسی کی زندگی اس کے لئے موت کے برابر ہوتی ہے اور زمین و آسمان اُس کی نظر میں تاریک دکھائی دیتے ہیں انہیں کے بارہ میں خدا تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ؕ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى[1] یعنی جو شخص اپنے رب کے پاس مجرم ہو کر آئے گا اس کے لئے جہنم ہے وہ اس جہنم میں نہ مرے گا اور نہ زندہ رہے گا اور خود انسان جب کہ اپنے نفس میں غور کرے کہ کیونکر اس کی رُوح پر بیداری اور خواب میں تغیرات آتے رہتے ہیں تو بالضرور اس کو ماننا پڑتا ہے کہ جسم کی طرح رُوح بھی تغیر پذیر ہے اور موت صرف تغیر اور سلب صفات کا نام ہے ورنہ جسم کے تغیر کے بعد بھی جسم کی مٹی تو بدستور رہتی ہے لیکن اس تغیر کی وجہ سے جسم پر موت کا لفظ اطلاق کیا جاتا ہے۔ اسی کی طرف اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں اشارہ فرماتا ہے جیسا کہ وہ کہتا ہے وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ[2] یعنی کیا تم اپنی جانوں میں غور نہیں کرتے۔ اِس آیت کا مطلب یہ ہے کہ انسانی رُوح میں بڑے بڑے عجیب و غریب خواص اور تغیرات رکھے گئے ہیں کہ وہ اجسام میں نہیں اور رُوحوں پر غور کر کے جلد تر انسان اپنے رب کی شناخت کر سکتا ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں بھی ہے کہ مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ یعنی جس نے

ص ۱۵۸

٭ جس قدر تغیرات اجسام پر آتے ہیں انسان زیادہ تر ان سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا کیونکہ جسمانی چیزیں جلد تر عادت میں داخل ہو جاتی ہیں لیکن روح کے تغیرات خاص کر مجاہدات کے وقت میں اور عالم کشف کی حالتیں ایسی عجیب ہیں کہ انسان کو گویا خدا تعالیٰ کا چہرہ دکھا دیتی ہیں۔ اور معرفت کی منازل کو طے کرنے والے ہر یک اپنے مرتبہ ترقی کے وقت محسوس کرتے ہیں کہ ان کی پہلی حالت رُوح کی گویا ایک موت تھی اور جو دوسری حالت میں رُوح کو علم اور ادراک کا حصہ نصیب ہوا وہ پہلی حالت میں ہرگز نہ تھا بلکہ ظاہری علوم کی تحصیل کرنیوالے بھی اس بات کے قائل ہو سکتے ہیں کہ روح بچپن کی حالت میں کس نیند میں غرق تھی اور جب اسکو بہت سے علوم سے حصہ ملا تو کیسی نئی روشنی اس کے اندر آ گئی۔ منہ

[1] طٰہٰ: ۷۵ [2] الذّٰریٰت: ۲۲

اپنے نفس کو شناخت کر لیا اُس نے اپنے رب کو شناخت کر لیا۔ پھر ایک اور جگہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ط قَالُوْا بَلٰى[1]۔ یعنی میں نے رُوحوں کو پوچھا کہ کیا میں تمہارا پیدا کرنیوالا نہیں تو تمام رُوحوں نے یہی جواب دیا کہ کیوں نہیں۔ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ رُوحوں کی فطرت میں یہی منقش اور مرکوز ہے کہ وہ اپنے پیدا کنندہ کی قائل ہیں اور پھر بعض انسان غفلت کی تاریکی میں پڑ کر اور پلید تعلیموں سے متاثر ہو کر کوئی دہریہ بن جاتا ہے اور کوئی آریہ اور اپنی فطرت کے مخالف اپنے پیدا کنندہ سے انکار کرنے لگتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ہر شخص اپنے باپ اور ماں کی محبت رکھتا ہے یہاں تک کہ بعض بچے ماں کے مرنے کے بعد مر جاتے ہیں پھر اگر انسانی رُوحیں خدا کے ہاتھ سے نہیں نکلیں اور اس کی پیدا کردہ نہیں تو خدا کی محبت کا نمک کس نے اُن کی فطرت پر چھڑک دیا ہے اور کیوں انسان جب اُس کی آنکھ کھلتی ہے اور پردۂ غفلت دُور ہوتا ہے تو دل اُس کا خدا کی طرف کھینچا جاتا ہے اور محبت الٰہی کا دریا اس کے صحن سینہ میں بہنے لگتا ہے آخر ان روحوں کا خدا سے کوئی رشتہ تو ہوتا ہے جو اُن کو محبت الٰہی میں دیوانہ کی طرح بنا دیتا ہے۔ وہ خدا کی محبت میں ایسے کھوئے جاتے ہیں کہ تمام چیزیں اس کی راہ میں قربان کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں سچ تو یہ ہے کہ وہ عجیب تعلق ہے ایسا تعلق نہ ماں کا ہوتا ہے نہ باپ کا۔ پس اگر بقول آریوں کے رُوحیں خود بخود ہیں تو یہ تعلق کیوں پیدا ہو گیا اور کس نے یہ محبت اور عشق کی قوتیں خدا تعالیٰ کے ساتھ رُوحوں میں رکھ دیں یہ مقام سوچنے کا مقام ہے اور یہی مقام ایک سچی معرفت کی کنجی ہے

یہ بھی طبعی تحقیقاتوں سے ثابت ہے کہ تین سال تک انسان کا پہلا جسم تحلیل پا جاتا ہے اور اُسکے قائم مقام دُوسرا جسم پیدا ہو جاتا ہے اور یہ یقینی امر ہے جیسا کہ دیکھا جاتا ہے کہ جب انسان کسی بیماری کیوجہ سے نہایت درجہ لاغر ہو جاتا ہے یہانتک کہ ایک مُشتِ اُستخوان رہ جاتا ہے تو صحت یابی کے بعد آہستہ آہستہ پھر وہ ویسا ہی جسم تیار ہو جاتا ہے سو اسی طرح ہمیشہ پہلے اجزاء جسم کے تحلیل پاتے جاتے ہیں اور دوسرے اجزاء انکی جگہ لیتے ہیں پس جسم پر گویا ہر آن ایک مَوت ہے اور

۱۵۹

[1] الاعراف: ۱۷۳

ایک حیات ہے، ایسا ہی جسم کی طرح روح پر بھی تغیرات وارد ہوتے رہتے ہیں اور اس پر بھی ہر آن ایک موت اور ایک حیات ہے۔ صرف یہ فرق ہے کہ جسم کے تغیرات ظاہر اور کھلے کھلے ہیں مگر جیسا کہ رُوح مخفی ہے ایسا ہی اس کے تغیرات بھی مخفی ہیں اور رُوح کے تغیرات غیر متناہی ہیں جیسا کہ قرآن شریف سے ظاہر ہے کہ رُوح کے تغیرات غیر محدود ہیں یہاں تک کہ بہشت میں بھی وہ تغیرات ہوں گے مگر وہ تغیرات رو بہ ترقی ہوں گے اور رُوحیں اپنی روحانی صفات میں آگے سے آگے بڑھتی جائیں گی اور پہلی حالت سے دوسری حالت ایسی دُور اور بلند تر ہو جائے گی گویا پہلی حالت بہ نسبت دوسری حالت کے موت کے مشابہ ہو گی۔

صفحہ ۱۶۱

آریہ مذہب کے لوگ یہ بھی رُوحوں کے انادی ہونے پر ایک دلیل پیش کرتے ہیں کہ پرمیشر قدیم ہے اور اس کی صفات بھی قدیم ہیں اور رُوحوں کے حادث ماننے سے پرمیشر کے صفات کا بھی حادث ہونا لازم آتا ہے اس لئے ماننا پڑا کہ رُوحیں حادث نہیں ہیں۔ مگر معلوم نہیں کہ یہ لوگ کس قدر جہالت میں غرق ہیں کہ منہ سے تو کچھ نکلتا ہے اور عقیدہ کچھ اور ہوتا ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ جس حالت میں رُوحیں اُن کے نزدیک پرمیشر کی پیدا کردہ نہیں اور قدیم سے خود بخود اور پرمیشر کی طرح ازلی اور انادی ہیں اور پرمیشر کا ہاتھ اُن کو کچھ بھی نہیں لگا تو پھر پرمیشر کی صفات سے اُن کو کیا تعلق ہے اور اُن کو قدیم ماننے سے پرمیشر کی کونسی صفت ثابت ہوتی ہے کیونکہ وہ پرمیشر سے بالکل بے تعلق ہیں*۔ ہاں یہ بات سچ ہے کہ خدا کی صفات خالقیت رازقیت وغیرہ سب قدیم ہیں حادث نہیں ہیں۔ پس خدا تعالےٰ کی صفات قدیمہ کے لحاظ سے مخلوق کا وجود نوعی طور پر قدیم ماننا پڑتا ہے نہ شخصی طور پر یعنی مخلوق کی نوع قدیم سے چلی آتی ہے ایک نوع کے بعد دوسری نوع خدا پیدا کرتا چلا آیا ہے۔ سو اسی طرح ہم ایمان رکھتے ہیں اور یہی قرآن شریف

حاشیہ* بعض صفات باری کی نسبت اضافی حدوث مانا جاتا ہے جیسا کہ جب بچہ پیٹ میں ہوتا ہے تو خدا کا علم جو واقع کے مطابق ہونا چاہئے وہ یہ ہے کہ وہ پیٹ میں ہے اور جب بچہ پیدا ہو کر اپنی حالت میں ایک تغیر پیدا کرتا ہے تو خدا کے علم میں بھی وہ تغیر آجاتا ہے مگر باوصف اس کے خدا کی سب صفات قدیم ہیں۔ منہ

نے ہمیں سکھایا ہے اور ہم نہیں جانتے کہ انسان سے پہلے کیا کیا خدا تے بنایا۔ مگر اس قدر ہم جانتے ہیں کہ خدا کے تمام صفات کبھی ہمیشہ کے لئے معطل نہیں ہوئے ٭ اور خدا تعالیٰ کی قدیم صفات پر نظر کر کے مخلوق کے نئے قدامت نوعی ضروری ہے مگر قدامت شخصی ضروری نہیں۔

ص۱۶۱

آریوں کی بڑی غلطی یہ ہے کہ وہ خدا کی بے انتہاء قدرتوں اور بے انتہا اسرار کو اپنے نہایت محدود علم کے پیمانہ سے ناپتے ہیں اور جو باتیں انسان کے لئے غیر ممکن ہیں وہ خدا کے نزدیک بھی غیر ممکن ٹھہراتے ہیں۔ اسی بناء پر اُن کا اعتراض ہے کہ رُوحیں کہاں سے پیدا ہوئیں اور مادہ کہاں سے پیدا ہوا۔ تعجب کہ وہ پہلے کیوں اس سوال کو حل نہیں کرتے کہ خدا کہاں سے اور کس طرح پیدا ہوا جب کہ اس بات کو ماننا پڑتا ہے کہ خدا کی قدرتیں ناپیدا کنار ہیں اور اُس کے اسرار وراء الوراء ہیں اور ہمارے مشاہدات اس کے گواہ ہیں تو پھر یہ بیہودہ منطق خدا تعالیٰ کی قدرت کی نسبت کیوں استعمال کی جاتی ہے جس حالت میں دُنیا کے لوگ بھی اپنی عجیب در عجیب ایجادوں کے ساتھ لوگوں کو حیران کر دیتے ہیں اور ایسے عمیق اسرار سائنس کے نکلتے آتے ہیں کہ ہزاروں فلاسفر اس زمانہ سے پہلے ایسے گذر گئے ہیں کہ ان خواص کو از قبیل محالات سمجھتے تھے تو پھر خدا تعالیٰ کے عمیق اسرار پر کیوں اعتراض کئے جاتے ہیں؟ جو کچھ ہمارے مشاہدہ میں ہر روز آتا ہے کیا ہم اپنے عقلی ہتھیاروں کے ذریعہ سے اس کی تہ تک پہنچ سکتے ہیں؟ زمین میں مثلاً ایک کنک کا دانہ بویا جاتا ہے پھر اس میں سے سبزہ نکلتا ہے اور ٹہنیاں پیدا ہوتی ہیں اور خوشہ لگتا ہے اور ایک دانہ سے کئی دانے ہو جاتے ہیں کیا کوئی سمجھ سکتا ہے کہ اتنی چیزیں صرف ایک دانہ سے کیونکر پیدا ہو جاتی ہیں اگر صرف ہست سے ہست ماننا جائے تو ایک دانہ کے عوض میں صرف بقدر ایک دانہ پیدا ہونا چاہیئے باقی سب نیست سے ہست قبول کرنے پڑتے ہیں۔ ایسا ہی اگر آم کا ایک پھل

٭ ہم نے ہمیشہ کے لئے اس لئے شرط لگا دی ہے کہ خدا کی صفات میں سے ایک وحدت بھی ہے کیونکہ اُس کی ذات کے لئے کسی دوسری چیز کا وجود ضروری نہیں اس لئے وہ بھی زمانہ آئے گا کہ خدا کل نقش موجودات کا مٹا دے گا تا اپنی وحدت کی صفت کو ثابت کرے اور ایسا ہی پہلے بھی زمانہ آچکا ہے۔ منہ

زمین میں بویا جاوے تو اس سے ایک بڑا درخت آہستہ آہستہ پیدا ہوتا ہے اور بہت سی شاخیں نکالتا ہے اور پھول لاتا ہے اور آخر ہزاروں آم اُس پر لگتے ہیں کیا کوئی سمجھ سکتا ہے کہ یہ کیا ماجرا ہے آم جو بویا گیا وہ تو صرف ایک تھا پس یہ انبار لکڑیوں اور پتوں اور پھولوں کا کہاں سے پیدا ہو گیا۔ کیا اگر یہ نیستی سے ہستی نہیں تو اور کیا ہے؟ پس سچ تو یہ ہے کہ اگر خدا تعالےٰ اناج اور پھلوں کے پیدا کرنے میں نیستی سے ہستی نہ کرتا اور ایک دانہ کے عوض میں صرف ایک دانہ پیدا ہوتا تو تھوڑے ہی دنوں میں سب لوگ مرجاتے عقلی طور پر تو صرف یہ ماننا پڑتا ہے کہ ایک دانہ کی جگہ صرف ایک ہی دانہ پیدا ہو باقی جو کچھ خدا تعالیٰ پیدا کر کے دکھاتا ہے وہ سب عقل سے برتر اور نیستی سے ہستی ہے۔ مگر افسوس ان کافر نعمت لوگوں پر جو ہمیشہ نیستی سے ہستی دیکھتے ہیں اور وہی اناج اور پھل جو نیست سے ہست ہوتے ہیں ان کو کھا کر وہ زندہ رہتے ہیں لیکن پھر وہ سب کچھ دیکھ کر بھی خدا کی قدرتوں سے منکر ہو جاتے ہیں اور اعتراض شروع کر دیتے ہیں کہ خدا نیست سے کیونکر ہست کر دیتا ہے اور منہ سے کہتے ہیں کہ خدا سرب شکتی مان اور قادر ہے مگر دراصل وہ اُس کو قادر نہیں سمجھتے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ جب تک خُدا اپنی قدرتیں نہ دکھلاوے اس کا قادر ہونا کیونکر ثابت ہو اور اگر انسانی قدرت کی حد تک ہی اُس کی قدرتیں ہوں تو اس میں اور انسان میں فرق کیا ہوا؟ قرآن شریف میں خُدا تعالیٰ ایک جگہ مثال کے طور پر فرماتا ہے :-

صفحہ ۱۶۲

كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِیْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ[1] س بقرہ

یعنی خدا کی راہ میں جو لوگ مال خرچ کرتے ہیں اُن کے مالوں میں خدا اس طرح برکت دیتا ہے کہ جیسے ایک دانہ جب بویا جاتا ہے تو گو وہ ایک ہی ہوتا ہے مگر خدا اس میں سے سات خوشے نکال سکتا ہے اور ہر ایک خوشہ میں سو دانے پیدا کر سکتا ہے یعنی اصل چیز سے زیادہ کر دینا یہ خدا کی قدرت میں داخل ہے اور درحقیقت ہم تمام لوگ خدا کی اسی قدرت سے ہی زندہ ہیں۔ اور اگر خدا اپنی طرف سے کسی چیز کو زیادہ کرنے پر قادر نہ ہوتا تو تمام دنیا ہلاک ہو جاتی اور ایک جاندار بھی رُوئے زمین

[1] البقرۃ : ۲۶۲

پر باقی نہ رہتا۔ پس خدا کی اسی قدرت نے جو نیست سے ہست کرتا ہے تمام دنیا کو بچا رکھا ہے انسان کی سخت بدذاتی ہے جو اس کو اپنی قدرت نمائی میں عاجز سمجھے اور اس کو نیست سے ہست کرنے پر قادر خیال نہ کرے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ انسانی ایجادیں بھی بعض ایسے کام دکھاتی ہیں کہ گویا نیست سے ہست کرتی ہیں مثلاً فونوگراف میں جو آواز بند کی جاتی ہے اور وہ اُس انسان کے ٹھیک لہجہ پر جس کی آواز بند کی گئی ہے نکلتی ہے کیا اس ایجاد سے پہلے کسی کو سمجھ آسکتا تھا کہ آواز میں یہ بھی خاصیت ہے کہ وہ خاص قسم کے ظروف میں بند ہو سکتی ہے اور پھر اصل آواز کی طرح پیدا ہو کر سنائی دیتی ہے اور سالہا سال اور مدتہائے دراز تک بند رہ سکتی ہے اور پھر جب اُس آواز کا سُننا منظور ہو تو ایسے طور سے نکلتی ہے کہ گویا وہ انسان جس کی آواز بند کی گئی ہے بول رہا ہے کیا یہ نیست سے ہست نہیں اگر اس طبعی راز کا کسی کو علم نہ ہو تو وہ ایسی آواز سے ڈریگا اور خیال کرے گا کہ شاید اس میں کوئی جنّ بول رہا ہے۔

اسی طرح اس زمانہ میں ہزار ہا سائنس کے اسرار کا پردہ کھُلتا جاتا ہے جو کسی زمانہ میں نیست کے طور پر سمجھے جاتے تھے اور وہ عمیق در عمیق علم طبعی کے خواص نئی ایجادوں کے ذریعہ سے ظاہر ہوتے جاتے ہیں کہ انسان کی عقل حیران رہ جاتی ہے۔ پھر تعجب آتا ہے کہ ایسے زمانہ میں وہ نادان بھی ہیں کہ جو خدا تعالےٰ کے اسرارِ قدرت پر اعتراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ رُوح نیست سے کیونکر ہست ہو جاتی ہے اور دیکھتے ہیں کہ دُنیا میں ہزاروں چیزیں نیست سے ہست ہو رہی ہیں مثلاً ایک دھات جو بالکل نیست ہو جاتی اور مر جاتی ہے وہ شہد اور سہاگہ اور گھی میں جوش دینے سے پھر زندہ ہو جاتی ہے کسی نے پنجابی میں کہا ہے **شہد سہاگہ گھی۔ موئی دھات دا ایہو جی** یعنی شہد سہاگہ اور گھی جو ہے مری ہوئی دھات کی یہی جان ہے۔ اور اسرار قدرت الٰہی میں سے ایک یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ جب ایک کھی کو پتھر یا سوٹے سے مارا جائے اور وہ بظاہر بالکل مر جائے مگر ابھی تازہ ہو تو اگر اس کے سر کو گوبر میں دبایا جائے تو چند منٹ میں وہ زندہ ہو کر بھاگ جاتی ہے مکھی بھی اگر پانی میں مر جائے تو وہ بھی زندہ ہو کر پرواز کر جاتی ہے اور بعض جانور

ص۱۶۳

جیسے زنبور اور دوسرے حشرات الارض سخت سردی کے ایام میں مرجاتے ہیں اور زمین میں یا دیواروں کے سوراخوں میں چھپٹے رہتے ہیں اور جب گرمی کا موسم آتا ہے تو پھر زندہ ہوجاتے ہیں ان اسرار کو بجز خدا تعالیٰ کے کون سمجھ سکتا ہے؟ ایسا ہی بعض نباتی اور معدنی چیزیں علیحدہ علیحدہ ہونے کی حالت میں تو ایک خاصیت نہیں رکھتیں مگر ترکیب کے بعد ان میں ایک نئی خاصیت پیدا ہو جاتی ہے مثلاً شورہ اور گندھک اور کوئلہ ایک خاص ترکیب سے بارود بن جاتا ہے اور اگر چاہیں کہ صرف شورہ یا صرف گندھک یا صرف کوئلہ سے بارود بنایا جائے تو یہ غیر ممکن ہوتا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ترکیب سے ایک نئی چیز پیدا ہو سکتی ہے اور شاید اسی بناء پر کیمیا کے طالب سونا اور چاندی بنانے کے سودا میں لگے رہتے ہیں مگر کوئی کیمیا ایسی نہیں جیسا کہ خدا کی محبت اور خدا کی طرف ایسا جھکنا جیسا کہ شیر خوار بچہ اپنی ماں کی طرف جھکتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ تمام دنیا پر نظر ڈال کر ہر ایک طرف سے گواہی ملتی ہے کہ نیست سے ہست ہوتا ہے پس اسی طرح خدا مرد اور عورت کے نطفہ سے رُوح کو پیدا کر دیتا ہے سچا فلسفہ یہی ہے اور سچا علم یہی ہے جس پر ہزارہا تجارب گواہی دے رہے ہیں۔ پس وید جو اس کے مخالف تعلیم دیتا ہے اسی بات سے سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ سرچشمہ علوم ہرگز نہیں ہے بلکہ گمراہیوں اور غلطیوں کا سرچشمہ ہے۔ عجیب بات ہے کہ وید نے ہر ایک پہلو سے راہ راست کو چھوڑ دیا ہے چنانچہ ظاہر ہے کہ خدائے عزّ وجلّ کی عبادت دو قسم کی ہے۔ (۱) ایک توبہ و استغفار یعنی اس کے آستانہ پر جھک کر اپنے گناہوں کا اقرار کرنا اور نہایت تذلل اور انکسار اور فنا کی حالت بنا کر اُس سے اپنے گناہوں کی معافی چاہنا اور طہارت و تقویٰ کے حصول کے لئے اس کی مدد کی درخواست کرنا اور سچے دل سے اس کی جناب میں عہد کرنا کہ پھر ایسا گناہ نہ کرینگے (۲) دوسری قسم کی عبادت یہ ہے کہ اُس کی تمام خوبیوں اور کمالات کا ذکر کر کے اس کو یاد کرنا اور اس کی صفات ذاتیہ اور اضافیہ کا اقرار کر کے اس کی حمد و ثنا میں مشغول رہنا۔ صفاتِ ذاتیہ یہ کہ وہ اپنے کمال ذات اور ابدیت اور ازلیت اور تمام قدرتوں اور طاقتوں اور علم میں واحد لاشریک

ص۱۶۵

ہے اور صفات اضافیہ یہ کہ اُس نے ہر ایک چیز کو پیدا کیا ہے تا اپنی خالقیت ثابت کرے
اور اس نے بغیر کسی کے عمل کے زمین و آسمان کی ہزاروں نعمتیں انسانوں کے لئے مہیا کی ہیں تا
اپنی رازقیت ثابت کرے اور وہ اسی دنیا میں عبادت اور مجاہدہ کرنے والوں کو ایک خاص
عزت بخشتا اور خاص تائید کے ساتھ اُن میں اور اُن کے غیروں میں فرق کرکے دکھلا دیتا ہے
اور اپنے قرب اور مکالمہ مخاطبہ کا شرف اُن کو بخشتا ہے تا اپنی رحیمیت ثابت کرے اور قیامت
کو ہر ایک فرمانبردار اور نافرمان کو اپنی مرضی کے موافق جزا و سزا دیگا تا اپنا مالکِ جزا و سزا ہونا
ثابت کرے۔ یہ ہیں دونوں قسم عبادت کے جو اصل حقیقت پرستش ہے اور ظاہر ہے کہ وید
دونوں قسموں کا مخالف اور منکر ہے چنانچہ اس کے نزدیک توبہ کرنا محض فضول اور بے فائدہ ہے
اور استغفار سراسر بے سُود اور بے کار ہے ایسا ہی دوسری قسم کی عبادت کا حال ہے کیونکہ
بموجب آریہ سماج کے اصول کے اُن کا پرمیشر اپنی ازلیت ابدیت میں واحد لاشریک نہیں
اور اس صفت میں تمام رُوحیں اُس کی شریک ہیں اور نیز وہ پیدا کرنے والا ارواح و ذراتِ عالم
کا نہیں اور اس میں نہ رحمانیت کی صفت ہے اور نہ رحیمیت کی صفت۔ اور نہ وہ مالکوں کی طرح
جزا سزا دینے پر قادر ہے لہذا وہ کسی قسم کی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور نہ کوئی اُس میں
خوبی ہے ایسا ہی وید نے خدا کی معرفت کا کوئی طریقہ نہیں بتلایا۔ اور وید کی رُو سے ثابت نہیں
ہوتا کہ پرمیشر موجود بھی ہے کیونکہ جب کہ وہ پیدا کرنے والا ہی نہیں تو کس دلیل سے اُس کا موجود
ہونا شناخت کیا جاوے غرض وید کے ذریعہ سے نہ خدا تعالیٰ کی شناخت ممکن ہے اور نہ اُسکی
عبادت ہو سکتی ہے پھر نہ معلوم کہ وید کو سرچشمہ علوم کن معنوں سے کہتے ہیں اور اس کی تعلیم
کو عالمگیر کیوں کہا جاتا ہے شاید ان معنوں سے کہتے ہوں کہ چونکہ وید آگ اور پانی اور چاند
اور سُورج اور دوسرے عناصر کی پرستش کی تعلیم دیتا ہے اور یہ چیزیں ہر ایک حصہ ملک میں بکثرت
پائی جاتی ہیں اور عالمگیر ہیں اس لئے ماننا پڑا کہ وید کی تعلیم عالمگیر ہے۔
پھر مضمون پڑھنے والے نے الہامی کتاب کی یہ شرط بھی پیش کی کہ مُلہمین کی زندگی پوتر ہو

ص۱۶۶

یعنی پاک ہو۔ اس سے اس کا یہ مطلب تھا کہ نعوذ باللہ ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی پوتر نہیں تھی جیسا کہ آگے چل کر اُس نے اپنے　　　اس دلی گند کو کھلے کھلے طور پر ظاہر کر دیا ہے مگر اصل بات یہ ہے کہ کسی کی پاک اور پوتر زندگی کو کوئی نہیں جانتا مگر خدا جو عالم الغیب ہے جن لوگوں نے خدا کے پاک نبیوں کو مفتری اور شریر قرار دیا اور طرح طرح کے گناہوں سے اُن کو آلودہ سمجھا وہ اُس دن تک اپنی غلطیوں کو سچ سمجھتے رہے جب تک کہ خدا کے ہاتھ نے اُن کو ہلاک نہ کیا۔ موسیٰ نبی کے زمانہ میں فرعون کے دل میں یہی خیال سما گیا تھا کہ موسیٰ جھوٹا اور مفتری ہے آخر خدا نے اس کو مع اس کی فوج کے دریائے نیل میں غرق کر کے یہ ثابت کر دیا کہ فرعون جھوٹا اور موسیٰ سچا ہے۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وقت میں یہودیوں نے حضرت عیسیٰ کو جھوٹا قرار دیا اور ناپاک تہمتیں اُن پر اور اُن کی ماں پر لگائیں آخر خدا نے اُن کے منصوبوں سے حضرت عیسیٰ کو بچا لیا اور اُن کو انواع و اقسام کے عذاب سے ہلاک کیا۔ اور پھر ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے اور اس زمانہ کے شریر اور حرامکار لوگ آنجناب کے دشمن ہو گئے اور مفتری اور کذّاب سمجھنے لگے یہاں تک کہ بدر کی لڑائی کے وقت میں ایک شخص مسمی عمرو بن ہشام نے جس کا نام پیچھے سے ابوجہل مشہور رہا جو کفار قریش کا سردار اور سرغنہ تھا ان الفاظ سے دُعا کی کہ اَللّٰھُمَّ مَنْ کَانَ مِنَّا اَفْسَدَ فِی الْقَوْمِ وَ اَقْطَعَ لِلرِّحْمِ فَاحِنْہُ الْیَوْمَ یعنی اے خدا جو شخص ہم دونوں میں سے [اس لفظ سے مُراد اپنے نفس اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لیا] تیری نگہ میں ایک مفسد آدمی ہے اور قوم میں پھوٹ ڈال رہا ہے اور باہمی تعلقات اور حقوق قومی کو کاٹ کر قطع رحم کا موجب ہو رہا ہے آج اسکو تو ہلاک کر دے اور ان کلمات سے ابوجہل کا یہ منشاء تھا کہ نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک مفسد آدمی ہیں اور قوم میں پھوٹ ڈال کر ناحق قریش کے مذہب میں ایک تفرقہ پیدا کر رہے ہیں اور نیز انہوں نے تمام حقوق قومی تلف کر دئے ہیں اور قطع رحم کا موجب ہو گئے ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ ابوجہل کو یہی یقین تھا کہ گویا نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی

۱۶۷

پوتر اور پاک نہیں ہے تبھی تو اس نے دردِ دل سے دُعا کی لیکن اس دُعا کے بعد شاید ایک گھنٹہ بھی زندہ نہ رہ سکا اور خدا کے قہر نے اسی مقام میں اس کا سر کاٹ کر پھینک دیا اور جن کی پاک زندگی پر وہ داغ لگاتا تھا وہ اس میدان سے فتح اور نصرت کے ساتھ واپس آئے۔* پس کسی بدذات دہریہ کا یہ کام ہے کہ باوجودیکہ خود خدا نے اس نبی کی پوتّر اور پاک زندگی پر شہادت دی مگر پھر بھی وہ خدا کی گواہی کو قبول نہ کرے یہ بات ہر ایک عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ انسان کی پاکی یا پلیدی ہزار دل پردوں کے اندر ہوتی ہے اور اس کو کوئی نہیں جانتا مگر محض خدا۔ اور جیسا کہ ایک ناپاک طبع آدمی اپنی ناپاکی کو پوشیدہ رکھتا ہے تا ایسا نہ ہو کہ کوئی اُس پر اطلاع پاوے ایسا ہی وہ آدمی جو پاک سرشت ہے اور خدا کے ساتھ ایک گہرا تعلق رکھتا ہے وہ اپنے ان مخفی تعلقات کو ظاہر نہیں کرتا جو خدا کے ساتھ ہیں اور ایسا چھپاتا ہے جیسا کہ گنہگار اپنے گنہ کو اور اگر کوئی اُس کے ان پوشیدہ اسرار پر اطلاع پائے جو خدا کے ساتھ وہ رکھتا ہے تو وہ ایسا شرمندہ ہوتا ہے کہ جیسا کہ ایک بدکار عین بدکاری میں پکڑا جائے خالص محبت الٰہی اور خالص عشق الٰہی اخفا کو چاہتا ہے اس لئے پاک لوگوں کے اندرونی اسرار پر کوئی واقف نہیں ہو سکتا۔ ہاں خدا نہیں چاہتا کہ وہ مخفی رہیں اور وہ اپنے دوستوں کے لئے اس قدر غیرت مند ہے کہ کوئی دنیا میں ایسا غیرتمند

* حاشیہ۔ اسی پاک زندگی کے ثبوت کے لئے ایک اور تاریخی واقعہ ہے جو مسلمانوں کی کتابوں میں متواترات سے ہے اور وہ یہ کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ نے اپنے زمانہ کے بادشاہوں کی طرف خط لکھے کہ میں خدا کا رسول ہوں تم مجھ پر ایمان لاؤ تو منجملہ ان بادشاہوں کے خسرو پرویز بھی تھا جو اپنے تئیں عجم اور عرب کا بادشاہ سمجھتا تھا وہ اس خط کو سُن کر بہت ناراض ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کاذب خیال کر کے گرفتاری کا حکم دیا کیونکہ عرب کا ملک بھی اس کی حکومت کے متعلق تھا جو یمن کے صوبہ کے ماتحت تھا جب اس کے سپاہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گرفتار کرنے کے لئے آئے تو آپ نے فرمایا کہ کل صبح جواب دوں گا جب وہ صبح کے وقت حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ تم کس کے پاس مجھے لیجانا چاہتے ہو آج رات میرے خداوند نے تمہارے خداوند کو قتل کر دیا ہے اور قتل کیلئے اُسی کے بیٹے شیرویہ کو اُس پر مسلط کیا۔ پس پاک زندگی اس کو کہتے ہیں جس کے لئے خدا دشمنوں کو ہلاک کرتا ہے کیا وید کے رشیوں میں اس کا کوئی نمونہ ہے۔ منہ

نہیں ہوگا وہ اُن کے لئے بڑے بڑے کام دکھاتا ہے اور اُن کی عزت کو تمام دنیا میں شہرت دیتا ہے نادان دشمن چاہتا ہے کہ وہ معدوم ہو جائیں اُن کا نام و نشان نہ رہے وہ ذلیل اور بدنام ہو جائیں اور اُن کی زندگی ناپاک اور ملوث ثابت ہو اور ہزاروں تہمتوں کا انبار لوگوں کے سامنے رکھ دیتا ہے مگر وہ جو اُن کے دل کو دیکھتا ہے اور اُن کے پاک تعلق پر اطلاع رکھتا ہے وہ اس مفتری دشمن کے مقابل پر آپ کھڑا ہو جاتا ہے اور اس کی غیرت اپنے اس پیارے کے لئے جوش مارتی ہے تب وہ لاکھوں تہمتوں کو ایک ہی کرشمہ قدرت سے کالعدم کر دیتا ہے۔

اور اگر کہو کہ ابوجہل کے مارے جانے کا معاملہ دور دراز کا معاملہ ہے جس پر تیرہ[۱۳۰۰] سو برس گذر گئے ہم کیونکر یقینی طور پر سمجھ لیں کہ ابوجہل نے درحقیقت ایسی بددعا مباہلہ کے رنگ میں کی تھی جس کا نتیجہ یہ ہوا تھا کہ اُسی دن وہ خود ہی قتل کیا گیا تھا شاید یہ قصہ ہی غلط ہو جو مسلمانوں نے آپ بنا لیا ہو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ درحقیقت یہ قصہ صحیح ہے اور بہت پرانی کتابوں میں اس کا تذکرہ ہے اور کسی مخالف نے اس سے انکار نہیں کیا اور بہت سے طریقوں سے یہ قصہ ثابت ہے یہاں تک کہ لسان العرب میں بھی جو اسلام کی ایک پرانے زمانہ کی لغت کی کتاب ہے اس میں بھی یہ قصہ لکھا ہے پھر ایسی متواترات سے کیونکر انکار ہو سکتا ہے۔

ص۱۶۸

اور اگر کسی نادان دشمن کی اب بھی تسلی نہ ہو تو ہم ایک تازہ ثبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پوتّر اور پاک ہونے کا لکھتے ہیں جس پر لیکھرام آریہ نے اپنے مارے جانے سے مُہر لگا دی ہے واضح ہو کہ مضمون پڑھنے والے نے جس قدر ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر حملے کئے ہیں وہ صرف آنکھیں بند کر کے لیکھرام کی کتابوں میں سے لکھے ہیں اور یہ لیکھرام کا ہی دعویٰ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پوتّر اور پاک نہیں تھی۔ اور اُس کے نزدیک وید کے رشیوں کی زندگی پاک تھی۔ اسی نفسانی خیال کی وجہ سے وہ قادیان میں آیا میں نے اُس کو بہت سمجھایا کہ خدا کے پاک نبی پر حملہ کرنا اچھا نہیں مگر وہ خدا کی عظمت اور قدرت کا منکر تھا اس کو اس بات کی کچھ بھی پروا نہیں

تھی کہ خدا سے ڈرے اور راہِ راست کو انصاف کے ساتھ دیکھے اور اُس کی شوخی حد سے بڑھ گئی تھی اور بجز ٹھٹھے اور ہنسی اور گالی کے کوئی اس کا شیوہ نہ تھا آخر میں نے اُس کو مباہلہ کے لئے بلایا یعنے اس بات کے لئے کہ وہ بجائے خود اور میں بجائے خود دعا کروں کہ خدا جھوٹے کو ہلاک کرے اور اس طرح پر مجھ میں اور اُس میں فیصلہ کر دے پس بد دعا کے وقت مجھ کو خُدا نے اس کی نسبت بشارت دیدی کہ وہ چھ برس کے اندر قتل کے ذریعہ سے جوانا مرگ مرے گا اور عید کے بعد جو دن آتا ہے اس میں یہ پیشگوئی پُوری ہو گی۔ ایسا ہی لیکھرام نے میرے مقابل پر اپنا مباہلہ چھپوا دیا یعنی یہ دُعا کہ سچے کے حق میں خدا فیصلہ کرے اور جھوٹے پر اپنا قہر نازل کرے یہ دُعا اُس نے اپنی کتاب میں ابوجہل کی طرح بڑے درد دل سے لکھی ہے اور خدا سے فیصلہ چاہا ہے پس خدا نے اُس کے قتل کئے جانے سے یہ فیصلہ کر دیا کہ وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تکذیب میں جھوٹا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم درحقیقت پوتّر اور پاک اور صادق ہیں اور نیز یہ کہ موجودہ ویدوں کی تعلیم صحیح نہیں ہے پھر نہ معلوم کہ اس خدائی فیصلہ کے بعد مضمون پڑھنے والے نے دوبارہ اعتراض کیوں پیش کر دیا کیا اس کو خدائی فیصلہ سے تسلی نہ ہوئی اور اگرچہ ہم لیکھرام کا یہ مباہلہ اپنی کتاب حقیقۃ الوحی میں درج کر چکے ہیں مگر پھر بھی آریہ صاحبوں کی خاطر سے اس جگہ بھی درج کر دیتے ہیں اور ہم اُن کو متنبہ کرتے ہیں کہ پوتّر اور پاک کی یہ نشانی ہے جو خُدا کی گواہی سے اُس کا پاک ہونا ثابت ہو نہ صرف دعویٰ۔ جیسا کہ وید کے رشیوں کے بارے میں کیا جاتا ہے بھلا بتلاؤ کہ اس بات کا ثبوت کیا ہے؟ کہ وید کے رشی پوتّر تھے کونسی خدا نے گواہی اُن کے پوتّر ہونے کے بارے میں دی ہے اُن کی گندی تعلیمیں نیوگ وغیرہ صاف بتلا رہی ہیں کہ انہوں نے پاک راہ کی طرف ہدایت نہیں کی پھر وہ آپ کیونکر پاک اور پوتّر ٹھہر سکتے ہیں۔ اب ہم ذیل میں لیکھرام کا مباہلہ درج کرتے ہیں۔

صـ۱۶۹

مضمون مُباہلہ

میں نیاز التیام لیکھرام ولد پنڈت تارا سنگھ صاحب شرما مصنف تکذیب براہین احمدیہ و رسالہ ہذا

اقرار صحیح بدرستی ہوش و حواس کر کے کہتا ہوں کہ میں نے اوّل سے آخر تک رسالہ سرمہ چشم آریہ کو پڑھ لیا اور ایک بار نہیں بلکہ کئی بار اُس کے دلائل کو بخوبی سمجھ لیا بلکہ اُن کے بطلان کو بدیئے ست دھرم رسالہ ہذا میں شائع کیا۔ میرے جی میں مرزاجی کی دلیلوں نے کچھ بھی اثر نہ کیا اور نہ وہ راستی کے متعلق ہیں۔ میں اپنے جگت پتا پرمیشر کو ساکھی جان کر اقرار کرتا ہوں کہ جیساکہ ہر چہار وید مقدس ہیں ارشاد ہدایت بنیاد ہے اُس پر میں پختہ یقین رکھتا ہوں کہ میری رُوح اور تمام ارواح کو کبھی نیستی یعنی قطعی ناش نہیں ہے اور نہ کبھی ہوا اور نہ ہوگا۔ میری رُوح کو کسی نے نیست سے ہست نہیں کیا (یعنی میری رُوح کا کوئی پیدا کرنیوالا نہیں بلکہ خود بخود قدیم سے ہے) بلکہ ہمیشہ سے پرماتما کی انادی قدرت میں رہا اور رہے گا۔* ایسا ہی میرا جسمی مادہ یعنی پرکرتی یا پرمانو بھی قدیمی یا انادی پرماتما کے قبضۂ قدرت میں موجود ہیں کبھی مفقود نہیں ہوں گے اور تمام جگت کا رچن ہار

صنہ۱

* حاشیہ۔ یہ کیسا فضول فقرہ ہے کہ ہمیشہ سے پرماتما کی انادی قدرت میں رہا اور رہے گا ظاہر ہے کہ جبکہ ارواح بقول آریہ سماج کے اپنی تمام طاقتوں اور قوتوں کے ساتھ قدیم سے خود بخود ہیں تو پھر اُن کو پرمیشر کی قدرت کے ساتھ تعلق ہی کیا ہے اُن قوتوں کو نہ پرمیشر بڑھا سکتا ہے نہ گھٹا سکتا ہے اور نہ اُن میں کسی طرح کا تصرف کر سکتا ہے وہ تمام ارواح تو بقول آریوں کے اپنے اپنے وجود کے آپ ہی پرمیشر ہیں اور ایک ذرہ پرمیشر کا اُن پر احسان نہیں پس یاد رہے کہ یہ مقولہ لیکھرام اور اس کے دوسرے ہم مذہبوں کا کہ ارواح پرماتما کی انادی قدرت میں رہتے ہیں اور رہیں گے یہ صرف اپنے غلط مذہب کی پردہ پوشی کے لئے بولا جاتا ہے کیونکہ انسان کا کانشنس اس کو ہر وقت ایسے بیہودہ عقاید پر ملزم کرتا ہے اگر خدا رُوحوں اور اُن کی قوتوں اور ذرات عالم اور اُن کی قوتوں کا پیدا کرنے والا نہیں تو پھر وہ ان کا خدا بھی نہیں ہو سکتا اور یہ کہنا کہ اگرچہ ہم ارواح کو اُن کے تجرد کی حالت میں خدا کے بندے اور مخلوق نہیں کہہ سکتے کیونکہ اس نے اُن کو نہیں بنایا لیکن جب پرمیشر ارواح کو اجسام میں ڈالتا ہے تو اس قدر اپنی کاروائی سے اُن کا پرمیشر بن جاتا ہے یہ خیال بھی غلط ہے کیونکہ جس پرمیشر نے ارواح اور پرمانو کو معہ اُن کی تمام قوتوں کے پیدا نہیں کیا کوئی دلیل اس بات پر قائم نہیں ہو سکتی ہے کہ وہ اُن کے جوڑنے پر قادر ہے اور محض بعض کا بعض

ص۱۷۱

ایک ہی کرتار ہے دوسرا کوئی نہیں۔ میں پرمیشر کی طرح تمام دنیا کا مالک یا صانع نہیں ہوں اور
نہ سرب بیاپک ہوں اور نہ انتریامی بلکہ اس مہان شکتی مان کا ایک ادنے سیوک ہوں مگر
اُس کے گیان اور شکتی میں ہمیشہ سے ہوں معدوم کبھی نہیں ہوا اور نہ کوئی عدم خانہ کہیں ہے
بلکہ کسی چیز کو عدم نہیں۔ اس لئے وید کی اس انصافانہ تعلیم کو بھی میں تسلیم کرتا ہوں کہ مکتی یعنی
نجات کرموں کے مطابق مہا کلپ تک ملتی ہے (یعنی دائمی نجات نہیں صرف ایک مقررہ

ص۱۷۲

بقیہ حاشیہ۔ سے جوڑنا اس کو پرمیشر بننے کا حق نہیں بخش دے گا۔ بلکہ اس صورت میں تو وہ اس نانبائی کی
طرح ہے جس نے آٹا بازار سے لیا اور لکڑی کسی لکڑی فروش سے اور آگ ہمسایہ سے اور پھر روٹی پکائی
اور اس صورت میں پرمیشر کے وجود پر کوئی بھی ثبوت نہیں کیونکہ اگر ارواح مع اپنی تمام قوتوں کے قدیم
سے خود بخود ہیں تو پھر اس پر کیا دلیل ہے کہ ارواح اور پرمانوؤں کا اتصال اور انفصال بھی قدیم سے
خود بخود نہیں جیسا کہ دہریوں کا خیال ہے اس لئے آریہ سماج والے اپنے پرمیشر کے وجود پر کوئی دلیل
نہیں پیش کرسکتے اور نہ اُن کے پاس کوئی دلیل ہے۔ یہ ہے خلاصہ وید کے گیان کا جس پر فخر کیا جاتا ہے
یہ بات ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ کی ہستی پر دو قسم کے دلائل قائم ہوسکتے ہیں اول اس حالت میں دلیل قائم
ہوتی ہے کہ جب اس کی ذات کو سرچشمہ تمام فیوض کا مان لیا جائے اور اسی کو ہر ایک ہستی کا پیدا کنندہ
تسلیم کرلیا جاوے تو اس صورت میں خواہ ذرات عالم پر نظر کریں یا ارواح پر یا اجسام پر ضروری طور پر
ماننا پڑے گا کہ ان تمام مصنوعات کا ایک صانع ہے۔

دوسرا طریق خدا تعالیٰ کی شناخت کا اُس کے تازہ بتازہ نشانات ہیں جو انبیاء اور اولیاء کی معرفت
ظاہر ہوتے ہیں۔ سو آریہ سماج والے اُن سے بھی منکر ہیں اس لئے اُن کے پاس اپنے پرمیشر کے وجود پر کوئی
بھی دلیل نہیں۔ عجیب بات ہے کہ آریہ لوگ یُوں تو بات بات میں اپنے پرمیشر کو پتا پتا کرکے پکارتے
ہیں جیسا کہ ابھی لیکھرام نے اپنے مضمون مباہلہ میں لکھا ہے مگر معلوم نہیں کہ وہ کس طور کا پتا ہے کیا
اس طور کا پتا جیسا کہ ایک متبنّٰی ایک اجنبی شخص کو اپنا باپ کہہ دیتا ہے یا ایسا پتا جو نیوگ کے ذریعہ سے
فرضی طور پر بنایا جاتا ہے اور ایک آریہ کی عورت اپنی پاکدامنی کو خاک میں ملاکر دوسرے سے اپنا منہ کالا

مدت تک ہے) بعد اس کے پرماتما کی نیا کے مطابق پھر جسم انسانی لینا پڑتا ہے محدود کرموں کا بے حد پھل نہیں (کرم تو محدود ہیں مگر وفادار پرستار کی نیت محدود نہیں ہوتی اور نیز کرم کا محدود ہونا اس کی مرضی سے نہیں) میں ویدوں کی ان سب تعلیموں کو دِلی یقین سے مانتا ہوں........ اور میں یہ بھی مانتا ہوں کہ پرمیشر گناہوں کو بالکل نہیں بخشتا۔ (عجیب پرمیشر ہے) میرا کسی شفاعت یا سفارش پر بھروسہ نہیں (یعنی کسی کی دُعا کسی کے حق میں قبول

بقیہ حاشیہ۔ کراتی ہے اور اس طرح پر اس عورت کا خاوند اس بچہ کا پتا بن جاتا ہے جو نیوگ کے ذریعہ سے حاصل کیا جاتا ہے پس اگر پرمیشر آریوں کا ایسا ہی پتا ہے تب تو ہمیں کلام کرنے کی گنجائش نہیں لیکن اگر اس طرح کا پتا ہے کہ ارواح اور ذرات عالم معہ اپنی تمام قوتوں کے اس کے ہاتھ سے نکلے ہیں اور اُسی سے وجود پذیر ہیں تو یہ بات آریوں کے اصول کے برخلاف ہے اگر پوچھو کہ کیوں اُن کے اصول کے برخلاف ہے؟ تو واضح ہو کہ آریوں کے اصول کے مطابق تمام ارواح پرمیشر کے قدیمی شریک ہیں جو اس سے وجود پذیر نہیں ہوئیں تو پھر ہم پرمیشر کو اُن کا پتا کیونکر کہہ سکتے ہیں وہ تو خود بخود ہیں جیسے کہ پرمیشر خود بخود مگر یہ اصول غلط ہے معرفت کی آنکھ سے دیکھنے والے معلوم کر سکتے ہیں کہ جیسا باپ میں قوتیں اور خاصیتیں اور خصلتیں ہوتی ہیں ویسی ہی بیٹے میں بھی ہوتی ہیں۔ پس اسی طرح چونکہ ارواح خدا تعالیٰ کے ہاتھ سے نکلی ہیں اُن میں ظلی طور پر وہ رنگ پایا جاتا ہے جو خدا کی ذات میں موجود ہے اور جیسے جیسے خدا کے بندے اُس کی محبت اور پرستش کے ذریعہ سے صفوت اور پاکیزگی میں ترقی کرتے ہیں وہ رنگ ظاہر ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ ظلی طور پر ایسے انسانوں میں خدا کے انوار ظاہر ہونے شروع ہو جاتے ہیں صاف طور پر ہمیں دکھائی دیتا ہے کہ انسانی فطرت میں خدا کے پاک اخلاق مخفی ہوتے ہیں جو تزکیہ نفس سے ظاہر ہو جاتے ہیں مثلاً خدا رحیم ہے ایسا ہی انسان بھی تزکیہ نفس کے بعد رحم کی صفت سے حصہ لیتا ہے۔ خدا جوّاد ہے ایسا ہی انسان بھی تزکیہ نفس کے بعد جُود کی صفت سے حصہ لیتا ہے ایسا ہی خدا ستّار ہے خدا کریم ہے خدا غفور ہے اور انسان بھی تزکیہ نفس کے بعد ان تمام صفات سے حصہ لیتا ہے پس کس نے یہ صفات فاضلہ انسان کی روح میں رکھ دئے ہیں۔ اگر خدا نے رکھے ہیں تو اس سے ثابت ہے کہ وہ ارواح کا خالق ہے اور اگر کوئی یہ کہے کہ خود بخود ہیں تو اس کا جواب یہی کافی ہے کہ لعنۃ اللّٰہ علی الکاذبین۔ منہ

۱۲۲

نہیں ہوتی) میں خدا کو راشی یا ظالم نہیں جانتا (لفظ مرتشی ہے جس کے معنے ہیں رشوت لینے والا۔ راشی لفظ نہیں ہے لیکھرام کی علمیت کا یہ نمونہ ہے کہ بجائے مرتشی کے راشی لکھتا ہے) اور میں وید کی رُو سے اس بات پر کامل وصحیح یقین رکھتا ہوں کہ چاروں وید ضرور ایشر کا گیان ہے ان میں ذرا بھی غلطی یا جھوٹ یا کوئی قصہ کہانی نہیں۔ ان کو ہمیشہ ہر نئی دنیا میں پرماتما جگت کی ہدایت عام کے لئے پرکاش کرتا ہے اس سرشٹی کے آغاز میں جب انسانی خلقت شروع ہوئی پرماتما نے ویدوں کو شری اگنی۔ شری وایو۔ شری آدت۔ شری انگرہ جیو چار رشیوں کے آتماؤں میں الہام کیا مگر جبرئیل یا کسی اور ایلچی رسان کی معرفت نہیں بلکہ خود ہی کیونکہ وہ آسمان یا عرش پر نہیں بلکہ

۱۷۲

حاشیہ:۔ جسمانی نظام پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان ہوا کے ذریعہ سے سُنتا ہے اور سُورج کے ذریعہ سے دیکھتا ہے پھر جسمانی نظام میں یہ دو ایلچی رسان کیوں مقرر کئے گئے حالانکہ خدا کا جسمانی رُوحانی قانون باہم مطابق ہونا چاہیئے افسوس وید کا گیان ہر جگہ صحیفہ قدرت کے مخالف پڑا ہوا ہے اور کون کہتا ہے کہ خدا ہر جگہ نہیں بلکہ وہ ہر جگہ بھی ہے اور ذوالعرش بھی ہے نادان اس معرفت کے نکتہ کو نہیں سمجھتا۔ یہ بات سوچنے کے لائق ہے کہ اگرچہ اس عالم میں سب کچھ خدا تعالیٰ کے حکم سے ہوتا ہے مگر پھر بھی اُس نے اپنے قضاء و قدر کے نافذ کرنے کے وسائط رکھے ہیں۔ مثلاً ایک زہر جو انسان کو ہلاک کرتی ہے اور ایک تریاق جو فائدہ بخشتا ہے کیا ہم گمان کر سکتے ہیں کہ یہ دونوں خود بخود انسان کے بدن میں تاثیر کرتے ہیں؟ ہرگز نہیں بلکہ وہ خدا کے حکم سے تاثیر مخالف یا موافق کرتے ہیں پس وہ بھی خدا کے ایک قسم کے فرشتے ہیں بلکہ ذرہ ذرہ عالم کا جس سے انواع و اقسام کے تغیرات ہوتے رہتے ہیں یہ سب خدا کے فرشتے ہیں اور توحید پوری نہیں ہوتی جب تک ہم ذرہ ذرہ کو خدا کے فرشتے مان نہ لیں کیونکہ اگر ہم تمام مؤثرات کو جو دنیا میں پائی جاتی ہیں خدا کے فرشتے تسلیم نہ کرلیں تو پھر ہمیں اقرار کرنا پڑے گا کہ یہ تمام تغیرات انسانی جسم اور تمام عالم میں بغیر خدا تعالیٰ کے علم اور ارادہ اور مرضی کے خود بخود ہو رہے ہیں اور اس صورت میں خدا تعالیٰ کو محض معطل اور بے خبر ماننا پڑے گا۔ پس فرشتوں پر ایمان لانے کا یہ راز ہے کہ بغیر اس کے توحید قائم نہیں رہ سکتی اور ہر ایک چیز کو اور ہر ایک تاثیر کو خدا تعالیٰ کے ارادہ سے باہر ماننا پڑتا ہے اور فرشتہ کا مفہوم تو یہی ہے کہ فرشتے وہ چیزیں ہیں جو خدا کے حکم سے کام کر رہی ہیں پس جب کہ یہ قانون ضروری اور مسلّم ہے تو پھر جبرئیل اور میکائیل سے کیوں انکار کیا جائے؟ منہ

بلکہ سرب بیاپک ہے۔ میں یہ بھی مانتا ہوں کہ وید ہی سب سے کامل اور مقدس گیان کے پستک ہیں۔ آریہ ورت سے ہی تمام دُنیا نے فضیلت سیکھی۔ آریہ لوگ ہی سب کے استاد اوّل ہیں۔ آریہ ورت سے باہر جو بقول مسلمانوں کے ایک لاکھ چوبیس[۲۴] ہزار پیغمبر ۵-۶ ہزار سال سے آئے ہیں اور توریت۔ زبور۔ انجیل۔ قرآن وغیرہ کتب لائے ہیں۔ میں دلی یقین سے ان پستکوں کو مطالعہ کرنے سے اور سمجھنے سے ..... اُن کی تمام مذہبی ہدایتوں کو بناوٹی اور جعلی اصلی الہام کے بدنام کرنیوالی تحریریں خیال کرتا ہوں..... ان کی سچائی کی دلیل سوائے طمع یا نادانی یا تلوار کے ان کے پاس کوئی نہیں ..... اور جس طرح میں اور راستی کے برخلاف باتوں کو غلط سمجھتا ہوں ایسا ہی قرآن اور اُس کے اصولوں اور تعلیموں کو جو وید کے مخالف ہیں اُن کو غلط اور جھوٹا جانتا ہوں [**لعنۃ اللّٰہ علی الکاذبین**] لیکن میرا دوسرا فریق **میرزا غلام احمد** ہے وہ قرآن کو خدا کا کلام جانتا اور اُس کی سب تعلیموں کو درست اور صحیح سمجھتا ہے اور جس طرح میں قرآن وغیرہ کو پڑھ کر غلط سمجھتا ہوں ایسے ہی وہ اُمّی محض سنسکرت اور ناگری سے محروم مطلق بغیر پڑھنے یا دیکھنے ویدوں کے ویدوں کو غلط سمجھتا ہے*۔

اے پرمیشر ہم دونوں فریقوں میں سچا فیصلہ کر کیونکہ کاذب صادق کی طرح کبھی تیرے حضور میں عزت نہیں پا سکتا۔

راقم آپ کا ازلی بندہ لیکھرام شرما سبھاسد آریہ سماج پشاور
حال اڈیٹر آریہ گزٹ فیروزپور پنجاب

* حاشیہ۔ اگر میں نے وید نہیں پڑھے بھلا یہ تو غنیمت ہے کہ لیکھرام نے چاروں وید کنٹھ کر لئے تھے اس جگہ بھی بجز لعنۃ اللّٰہ علی الکاذبین کیا کہہ سکتے ہیں بحث اصولوں پر ہوتی ہے جب کہ آریہ سماج والوں نے اپنے ہاتھ سے وید کے اصول شائع کر دیئے تو ان پر بحث کرنا ہر ایک عقلمند کا حق ہے اور یہ سراسر غلط ہے کہ میں نے وید نہیں پڑھا میں نے وید کے وہ ترجمے جو ملک میں شائع ہوئے اوّل سے آخر تک دیکھے ہیں پنڈت دیانند کا وید بھاش بھی دیکھا ہے اور عرصہ قریباً پچیس[۲۵] سال سے برابر آریوں سے میرے مباحثات ہوتے رہے ہیں پھر یہ کہنا کہ وید کی مجھے کچھ بھی خبر نہیں کس قدر جھوٹ ہے اور اگر آریہ صاحبوں کے پنڈت اب بھی لیکھرام کو وید کا فاضل تسلیم کر چکے ہیں تو میں وہ سرٹیفکیٹ دیکھنے کا مشتاق ہوں بلکہ لیکھرام کا تو بہ ذرا بھی اس کو پڑھ کر نہیں تو خدا نے اس کے لئے فرمایا عجل جسد لہ خوار۔ منہ

۱۲۴

ص ۱۷۵

اب مباہلہ کی اس دُعا کے جو پنڈت لیکھرام نے اپنی کتاب خبط احمدیہ کے صفحہ ۴۴ سے ۳۴۷ تک لکھی ہے جو کچھ خدا نے آسمان سے فیصلہ کیا ہے اور جس طرح اُس نے کاذب کی ذلت ظاہر کی اور صادق کی عزت وہ یہ ہے جو ۶۔ مارچ ۱۸۹۷ء کو بروز شنبہ دن کے ۴ بجے کے بعد ظہور میں آیا۔

دیکھو یہ خدا کا فیصلہ ہے جس فیصلہ کو لیکھرام نے اپنے پرمیشر سے مانگا تھا۔ تا صادق اور کاذب میں فرق ظاہر ہو جائے سو وہ فرق ظاہر ہو گیا

صفحہ ۱۷۶
یہ بات یاد رہے کہ اس جگہ ایک نشان نہیں بلکہ دو نشان ہیں (۱) ایک یہ کہ لیکھرام کے مارے جانے کی بذاتِ خود ایک عظیم الشان پیشین گوئی ہے جس میں اس کے مارے جانے کا دن بتلایا گیا ہے موت کی قسم بتلائی گئی۔ مدت بتلائی گئی وقت بتلایا گیا (۲) دوسری یہ کہ باوجود ہزار کوشش اور سعی کے قاتل کا کچھ بھی پتہ نہیں لگا گویا وہ آسمان پر چڑھ گیا یا زمین کے اندر مخفی ہو گیا اگر قاتل پکڑا جاتا اور پھانسی مل جاتا تو پیشگوئی کی یہ وقعت نہ رہتی بلکہ اس وقت ہر ایک کہہ سکتا تھا کہ جیسے لیکھرام مارا گیا قاتل بھی مارا گیا مگر قاتل ایسا گم ہوا کہ نہیں معلوم کہ آیا وہ آدمی تھا یا فرشتہ تھا جو آسمان پر چڑھ گیا۔

مضمون پڑھنے والے نے ایک یہ نشانی الہامی کتاب کی پیش کی کہ اس میں اعلیٰ درجہ کے صفات پرمیشر کے درج ہوں۔ سو ہم اس نشانی کو قبول کرتے ہیں لیکن ہم اس بات کو قبول نہیں کرتے کہ وید کے پرمیشر میں یہ نشانیاں موجود ہیں کیونکہ خدا تعالیٰ کی صفات دو قسم کی ہیں ایک ذاتی دوسری اضافی۔ ذاتی صفات اُن صفات کا نام ہے کہ جو بغیر حاجت وجود مخلوق کے پائی جاتی ہیں جیسا کہ اُس کی وحدانیت اُس کا علم اُس کا تقدس (۲) اور اضافی صفات اُن صفات کا نام ہے جن کا تحقق اور وجود خارج میں پایا جانا مخلوق کے وجود کے بعد ہوتا ہے جیسے خدا تعالیٰ کی خالقیت۔ رازقیت۔ رحمت اور اس کا تواب ہونا اور اس کی صفت مکالمہ مخاطبہ۔ سو وید ان دونوں قسم کی صفات کا منکر ہے۔ کیونکہ بموجب قول آریہ سماج والوں کے خدا اپنے ازلی ابدی ہونے میں واحد لاشریک نہیں ہے بلکہ ذرہ ذرہ مخلوق کا انادی ہونے اور ازلیت اور ابدیت میں اس کے ساتھ برابر ہے اور پرمیشر کی طرح رُوحوں پر موت نہیں آتی اور ہمیشہ اس جہان میں واپس آتی ہیں اور کبھی دوسرے جہان میں چلی جاتی ہیں مگر تعجب کہ اگر رُوحیں فنا کے تغیرات سے محفوظ ہیں جیسا کہ پرمیشر محفوظ ہے اور نیز تمام صفات میں ازلی ابدی ہیں جیسا کہ پرمیشر ازلی ابدی ہے تو پھر کیا وجہ کہ خواب کی حالت میں بھی اُن پر ایسا تغیر آجاتا ہے کہ تمام کارخانہ اُن کی حالت کا اُلٹ پلٹ ہو جاتا ہے اور وہ جدید جدید نظارے اُن کو پیش آجاتے ہیں کہ جن کا بیداری میں اُن کو کچھ

صفحہ ۱۷۷

بھی خیال و گمان نہیں ہوتا ایسا ہی بموجب عقیدہ آریوں کے جب رُوح آواگون کے طور پر واپس آتی ہے تو تمام علوم و فنون اور وید کی تعلیم اور گیان کو فراموش کر کے جنم لیتی ہے پس اگر فرض محال کے طور پر تناسخ سچ ہے تو اس سے ماننا پڑتا ہے کہ رُوحوں کی زندگی جھوٹ ہے کیونکہ اگر پرمیشر کی طرح اُن میں ابدی زندگی ہوتی تو اُن پر یہ پتھر کیوں پڑتے کیا پرمیشر بھی اپنے علوم کو بھول جایا کرتا ہے؟ پس جو حادثہ رُوحوں کو اُن کے وہ علوم فراموش کرا دیتا ہے جو تمام عمر میں اُنہوں نے حاصل کئے تھے اسی حادثہ کا نام موت ہے ٭۔ مگر آریہ کہتے ہیں کہ رُوحوں پر موت نہیں مگر ہم تعجب کرتے ہیں کہ کیا موت کے سر پر سینگ ہوتے ہیں؟ ظاہر ہے کہ جب اُن پر تغیر اتنا آتا ہے کہ تمام عمر کی کمائی اُن کی ایک دم میں کھو دیتا ہے تو کیا موت کا لفظ اب تک اُن پر صادق نہیں آتا۔ یہ سچائی کس قدر ثابت ہے کہ آفتاب کی طرح چمکتی ہے مگر پھر بھی وید دائمی زندگی میں رُوحوں کو پرمیشر کے ساتھ برابر ٹھہراتا ہے۔ کیا یہ پرمیشر کی اعلیٰ درجہ کی صفت ہے کہ اُس کا ہمیشگی میں غیر بھی شریک ہے؟

اگرچہ اسلام بھی مخلوق کی نوعی قدامت کا قائل ہے مگر اسلام کا یہ عقیدہ ہے کہ ہر ایک چیز مخلوق ہے اور ہر ایک چیز خدا کے سہارے سے قائم اور موجود ہے اور نیز اسلام اس بات کا قائل ہے کہ ایک وہ زمانہ تھا جو خدا کے ساتھ کوئی نہ تھا اور صرف وحدت اپنا جلوہ دکھلا رہی تھی اور خدا

٭ حاشیہ۔ انسانی رُوح نیند کی حالت میں اکثر دو حالتوں میں ہوتی ہے (۱) ایک تو اس پر ایسے بھاری تغیرات آتے ہیں کہ وہ بیداری کے علوم اور واقعات کو بالکل فراموش کر دیتی ہے اور نئے نظارے جو اس کے ارادہ اور اختیار سے باہر ہوتے ہیں اس کے سامنے آجاتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت وہ اپنی ارادی طاقتوں سے معطل ہو کر مردہ کی طرح ہو جاتی ہے۔ (۲) دوسری بعض صورتوں میں ایسی سخت نیستی کی حالت اس پر وارد ہوتی ہے کہ اس کی ہستی کے صفات بکلی محو ہو جاتے ہیں مثلاً اگر کسی کو کلورا فارم سے انتہائی درجہ تک بیہوش کیا جائے تو اس قدر رُوح پر اور اُس کے آثار پر نیستی وارد ہوتی ہے کہ اگر ایسے بیہوش کا کوئی عضو بھی کاٹ دیا جائے تو اس کو کچھ بھی خبر نہیں ہوتی پس جب کہ ایسی تمام صورتوں میں اپنی تمام حالتوں میں اپنی صفات سے رُوح معطل ہو جاتی ہے اور قطعاً اپنی صفات کو چھوڑ دیتی ہے تو یہی صورت موت کی ہے۔ منہ

ایک پوشیدہ خزانہ کی طرح تھا۔ پھر خدا نے چاہا کہ میں شناخت کیا جاؤں تو اُس نے اپنی شناخت کیلئے انسان کو پیدا کیا مگر ہم نہیں جانتے کہ کتنی دفعہ وحدت الٰہی کا زمانہ آچکا ہے اس کا علم خدا کو ہے لیکن جیسا کہ دوسری صفات ہمیشہ کے لئے معطل نہیں رہ سکتیں ایسا ہی وحدت الٰہی کی صفت بھی ہمیشہ معطل نہیں رہتی اور کبھی کبھی اس کا دور آجاتا ہے اور کبھی ذات الٰہی دنیا کو ہلاک کرنا چاہتی ہے اور کبھی پیدا کرنا کیونکہ احیاء اور اماتت دونوں صفات اُس کے ہیں اس لئے ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ خدا ہر ایک جاندار کو ہلاک کرے گا یہاں تک کہ آسمان اور زمین کا بھی ایسے طور پر تختہ لپیٹ دے گا جیسا کہ ایک کاغذ لپیٹ دیا جاتا ہے اور اس صورت میں تعطل صفات کا لازم نہیں آتا کیونکہ بعض صفات کی جب تجلی ہوتی ہے تو دوسری صفات جو اُن کے مقابل پر ہیں اور اُن کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتیں وہ کسی دوسرے وقت میں ظاہر ہوتی ہیں اور اس وقت کی منتظر رہتی ہیں اور یہ ایک سلسلہ قدرت کا واقعی ہے جس سے اہلاک کے بعد احیاء لازم پڑا ہوا ہے پس انہیں معنوں سے ہم کہتے ہیں کہ خدا تعالےٰ کی کوئی صفت معطل نہیں ہوتی وہ قدیم سے مُحیی بھی ہے اور مُمیت بھی ہے اور کوئی صفت اُس کی ایسی نہیں ہے کہ پہلے تھی اور اب نہیں ہے یا اب ہے اور پہلے نہیں تھی۔ غرض ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ کوئی چیز خدا تعالےٰ کی وحدت کے ساتھ مزاحمت نہیں رکھتی محض اُسی کی ذات قائم بنفسہٖ اور ازلی اور ابدی ہے اور باقی سب چیزیں ہالکۃ الذات اور باطلۃ الحقیقت ہیں۔ اور یہی خالص توحید ہے جس کے مخالف عقیدہ رکھنا سراسر شرک ہے۔ پس اس سے ظاہر ہے کہ وید کے پیرو پکے مشرک ہیں اور ذرّہ ذرّہ کو خدا تعالےٰ کا شریک ٹھہراتے ہیں پھر مجھے تعجب آتا ہے کہ یہ لوگ خدا تعالےٰ کی اعلیٰ درجہ کی صفات کے منکر ہو کر اور صریح طور پر اُن صفات کا انکار کر کے کیونکر کہہ دیتے ہیں کہ الہامی کتاب کی یہ شرط ہے کہ اعلیٰ درجہ کے صفات پرمیشر کے اُس میں درج ہوں۔ اے نادانو! کیا یہ صفت خدا تعالیٰ کی اعلیٰ درجہ کی نہیں ہے کہ اُس کی ازلیت ابدیت میں کوئی شریک نہ ہو پھر کیوں وید اُس کی ازلیت ابدیت میں دوسری چیزوں کو شریک کرتا ہے۔ ہائے افسوس تم کیوں نہیں سمجھتے کہ اس صفت کے نہ ماننے سے پرمیشر ہی ہاتھ سے

ص۱۷۸

جاتا ہے اور کوئی دلیل اُس کے وجود پر قائم نہیں ہو سکتی کیونکہ اگر پرمیشر درحقیقت صفت خالقیت سے معطل ہے اور کوئی چیز بجز جوڑنے اور پیوند دینے کے اُس نے پیدا ہی نہیں کی اور تمام چیزیں جیسے تمام رُوحیں اور تمام ذرات اجسام جن کو پرمانو یا پرکرتی کہتے ہیں خود بخود ہیں اور اپنی ذات سے بغیر پیدا ہونے کے ازلی ابدی ہیں تو پھر پرمیشر کے وجود پر کونسی دلیل قائم ہو سکتی ہے اور کیا صرف جوڑنا اور باہم پیوند دینا اس کے وجود پر ایک ایسی دلیل ہے جس پر دل مطمئن ہو سکے؟ اور اگر رُوحیں اور ذرات عالم پرمیشر کی طرح قدیم اور انادی اور غیر مخلوق ہیں تو کیوں نہ کہا جائے کہ ایسا ہی اُن کا اتصال اور انفصال بھی طبعی طور پر اُن کی قدیمی صفت ہے جس میں پرمیشر کے وجود کی اسی طرح ضرورت نہیں جیسا کہ اُن کے پیدا ہونے میں پرمیشر کے وجود کی ضرورت نہیں پس اس کتاب سے زیادہ گمراہ کرنے والی کونسی کتاب ہے؟ کہ جو ایسی تعلیم دے جو خدا سے منکر بنانے کے لئے مدد دیتی ہے بلکہ منکر بنانے کے لئے خود اغوا کرتی ہے۔

اور پھر دوسری طرف جیسا کہ وید خدا تعالیٰ کی صفت ذاتی سے برگشتہ اور منکر ہے یعنی وہ اعلیٰ صفت خدا تعالیٰ کی جو وحدت فی الازل والابد کی خصوصیت ہے اس سے انکاری ہے ایسا ہی وید خدا تعالیٰ کی خالقیت سے بھی انکاری ہے جیسا کہ ابھی ذکر ہو چکا ہے۔

اسی طرح وید خدا تعالیٰ کے رازق اور منعم اور رحمٰن ہونے سے بھی انکاری ہے کیونکہ ہر ایک نعمت جو انسان کو ملتی ہے اُن سب نعمتوں کو وید انسانوں کے لئے اُنہیں کے اعمال کا نتیجہ قرار دیتا ہے اور خدا کے فضل اور انعام اور رحمت کا کچھ ذکر نہیں کرتا۔ پس جب کہ ہر ایک نعمت انسانوں کی وید کے رُو سے صرف اُن کے نیک اعمال کا نتیجہ ہے تو اس صورت میں ظاہر ہے کہ ہندوؤں کا پرمیشر رازق اور منعم اور رحمٰن نہیں ہے بلکہ رازق اور منعم اور رحمٰن اُن کے اعمال ہیں اور پرمیشر کچھ بھی نہیں اس صُورت میں ظاہر ہے کہ بموجب تعلیم وید کے صفت رازق اور منعم اور رحمٰن ہونے کی بھی پرمیشر میں نہیں ہے پس یہ عجیب بات ہے کہ پہلے تو وید نے خدا تعالیٰ کی اس صفت سے جو وحدت فی الازل والابد ہے انکار کیا اور پھر اس کے ساتھ ہی خدا تعالیٰ

صفحہ ۱۸۰

کی صفت خالقیت سے خالقیت سے انکار کیا اور بعد اس کے خدا تعالیٰ کی صفت رازقیت اور رحمانیت سے وید منکر ہو بیٹھا۔ اس طرح پر وید نے خدا تعالیٰ کی تمام صفات کی صفائی کر دی اور اعلیٰ صفات کا تو ذکر کیا کل تمام صفات سے ہی جواب دیا۔ اس لئے ہم بزور کہتے ہیں کہ وید کے رُو سے ہندوؤں کا پرمیشر ہر ایک صفت سے معطل ہے نہ قادر ہے نہ خالق ہے نہ واحد لاشریک ہے نہ رازق ہے نہ رحمٰن ہے نہ منعم ہے بلکہ تمام مدار اپنے اپنے اعمال پر ہے پرمیشر میں کوئی صفت نہیں پس خیال کرنا چاہیئے کہ کہاں تو یہ دعویٰ کہ الہامی کتاب کی یہ نشانی ہے کہ جس میں اعلیٰ درجہ کے صفات پرمیشر کے درج ہوں اور کہاں یہ حالت کہ ہندوؤں کے پرمیشر کی ایک صفت بھی ثابت نہیں ہوتی۔

اور خدا تعالیٰ کی اعلیٰ درجہ کی صفات میں سے ایک صفت تکلّم بھی ہے کیونکہ وہی ذریعہ فیضان اور ہدایتوں کا ہے لیکن بموجب عقیدہ آریوں کے کروڑہا برس کی مدت گذر گئی کہ وہ صفت بھی پرمیشر میں سے مفقود ہو گئی ہے اور اب نعوذ باللہ پرمیشر ہمیشہ کے لئے گونگے کے طور پر ہے اور کلام کرنے پر قادر ہی نہیں اور اس صفت کے مسلوب ہونے سے دو نقصان ہوئے ہیں (۱) ایک یہ کہ پرمیشر ہمیشہ کے لئے ناقص ٹھہر گیا گویا اس کی صفات کے اعضاء میں سے ایک عضو کٹ گیا (۲) دوسرے یہ کہ اُس کے فیضان الہامی سے ہمیشہ کے لئے آریہ ورت کے لوگ محروم رہ گئے* اور اُن کے مذہب کا تمام مدار صرف قصوں کہانیوں پر رہا۔ مگر اسلام کلام الٰہی کی صفت کو کبھی معطل نہیں کرتا اور اسلام کی رُو سے جیسا کہ پہلے زمانہ میں خدا تعالیٰ اپنے خاص

* اگر بعض جاہل اور نادان جو نام کے مسلمان ہیں یہ عقیدہ رکھیں کہ اسلام میں بھی مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ کا سلسلہ بند ہے تو یہ اُن کی اپنی جہالت ہے کیونکہ قرآن شریف مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ کے سلسلہ کو بند نہیں کرتا جیسا کہ وہ خود فرماتا ہے یُلْقِی الرُّوحَ مِنْ اَمْرِہٖ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ[1] یعنی خدا جس پر چاہتا ہے اپنا کلام نازل کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ لَھُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا[2] یعنی مومنوں کے لئے مبشر الہام باقی رہ گئے ہیں گو شریعت ختم ہو گئی ہے کیونکہ عمر دنیا ختم ہونے کو ہے پس خدا کا کلام بشارتوں کے رنگ میں قیامت تک باقی ہے۔ منہ

[1] المومن: ۱۶ [2] یونس: ۶۵

بندوں سے مکالمہ مخاطبہ کرتا تھا اب بھی کرتا ہے اور ہم میں اور ہمارے مخالف مسلمانوں میں صرف لفظی نزاع ہے اور وہ یہ کہ ہم خدا کے اُن کلمات کو جو نبوت یعنی پیش گوئیوں پر مشتمل ہوں نبوت کے اسم سے موسوم کرتے ہیں اور ایسا شخص جس کو بکثرت ایسی پیشگوئیاں بذریعہ وحی دی جائیں یعنی اس قدر کہ اُس کے زمانہ میں اُس کی کوئی نظیر نہ ہو اس کا نام ہم نبی رکھتے ہیں کیونکہ نبی اُس کو کہتے ہیں جو خدا کے الہام سے بکثرت آئندہ کی خبریں دے مگر ہمارے مخالف مُسلمان مکالمہ الٰہیہ کے قائل ہیں لیکن اپنی نادانی سے ایسے مکالمات کو جو بکثرت پیشگوئیوں پر مشتمل ہوں نبوت کے نام سے موسوم نہیں کرتے حالانکہ نبوت صرف آئندہ کی خبر دینے کو کہتے ہیں جو بذریعہ وحی والہام ہو اور ہم سب اس بات پر اتفاق رکھتے ہیں کہ شریعت قرآن شریف پر ختم ہو گئی ہے صرف مبشرات یعنی پیش گوئیاں باقی ہیں۔

صفحہ ۱۸۱

اور پھر خدا تعالیٰ کی اعلیٰ درجہ کی صفات میں سے ایک صفت تقدّس بھی ہے۔ یعنی یہ کہ وہ ہر ایک عیب اور نقصان سے پاک ہے لیکن ظاہر ہے کہ گونگا ہونا ایک عیب ہے۔ ایسا ہی باوجود دعوئے قدرت کے ایک رُوح کو بھی پیدا نہ کر سکنا یہ بھی عیب ہے۔ ایسا ہی اپنا وجود ثابت کرنے کے لئے کوئی پختہ اور محکم دلائل پیش نہ کرنا یہ بھی عیب ہے۔ ایسا ہی اُس کے مقابل پر ازلی اور ابدی طور پر کوئی اور وجود بھی ہونا یہ بھی اُس کے لئے عیب ہے۔ پس باوجود اس قدر عیبوں کے تقدّس کہاں رہ سکتا ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ عمّا یصفون [1]

ایک اور ضروری صفت خدا تعالیٰ کی ہے جس کو وید اندر ہی اندر ہضم کر گیا ہے اور وہ اُس کا توّاب اور غفور ہونا ہے اور توّاب اور غفور کے یہ معنی ہیں کہ وہ توبہ قبول کرنے والا اور گنہ بخشنے والا ہے ظاہر ہے کہ انسان اپنی فطرت میں نہایت کمزور ہے اور خدا تعالیٰ کے صدہا احکام کا اُس پر بوجھ ڈالا گیا ہے پس اس کی فطرت میں یہ داخل ہے کہ وہ اپنی کمزوری کی وجہ سے بعض احکام کے ادا کرنے سے قاصر رہ سکتا ہے اور کبھی نفس امّارہ کی بعض خواہشیں اس پر غالب آجاتی ہیں پس وہ اپنی کمزور فطرت کی رُو سے حق رکھتا ہے کہ کسی لغزش کے وقت اگر

[1] الانعام : ۱۰۱

وہ توبہ اور استغفار کرے تو خدا کی رحمت اُس کو ہلاک ہونے سے بچا لے اس لئے یہ یقینی امر ہے کہ اگر خدا توبہ قبول کرنے والا نہ ہوتا تو انسان پر یہ بوجھ صدہا احکام کا ہرگز نہ ڈالا جاتا۔* اس سے بلاشبہ ثابت ہوتا ہے کہ خدا توّاب اور غفور ہے اور توبہ کے یہ معنی ہیں کہ انسان ایک بدی کو اس اقرار کے ساتھ چھوڑ دے کہ بعد اس کے اگر وہ آگ میں بھی ڈالا جائے تب بھی وہ بدی ہرگز نہیں کرے گا۔ پس جب انسان اس صدق اور عزم محکم کے ساتھ خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے تو خدا جو اپنی ذات میں کریم و رحیم ہے وہ اس گناہ کی سزا معاف کر دیتا ہے اور یہ خدا کی اعلیٰ صفات میں سے ہے کہ توبہ قبول کر کے ہلاکت سے بچا لیتا ہے اور اگر انسان کو توبہ قبول کرنے کی امید نہ ہو تو پھر وہ گناہ سے باز نہیں آئے گا۔ عیسائی مذہب بھی توبہ قبول کرنے کا قائل ہے مگر اس شرط سے کہ توبہ قبول کرنے والا عیسائی ہو۔ لیکن اسلام میں توبہ کے لئے کسی مذہب کی شرط نہیں ہے ہر ایک مذہب کی پابندی کے ساتھ توبہ قبول ہو سکتی ہے اور صرف وہ گناہ باقی رہ جاتا ہے جو کوئی شخص خدا کی کتاب اور خدا کے رسول سے منکر رہے اور یہ بالکل غیر ممکن ہے کہ انسان محض اپنے عمل سے نجات پا سکے بلکہ یہ خدا کا احسان ہے کہ کسی کی وہ توبہ قبول کرتا ہے اور کسی کو اپنے فضل سے ایسی قوت عطا کرتا ہے کہ وہ گناہ کرنے سے محفوظ رہتا ہے۔

۱۸۲

مضمون پڑھنے والے نے الہامی کتاب کی ایک یہ بھی نشانی بیان کی کہ اس میں اعلیٰ اخلاق سکھلائے گئے ہوں۔ مگر مجھے تعجب ہے کہ اتنی جلدی کیوں یہ لوگ وید کی تعلیم کو

* توبہ کرنے والے اپنا صدق ظاہر کرنے کے لئے صدقہ خیرات بھی کرتے ہیں اور اپنی طاقت سے زیادہ خدمات مالی اور جانی بجا لاتے ہیں اور مجاہدہ اور اعمال صالحہ کی آگ سے اپنے تئیں جلا دیتے ہیں اور نہایت درجہ کی تبدیلی اپنے اندر پیدا کرتے ہیں اور موت تک اپنے تئیں پہنچا دیتے ہیں اور پھر وید کہتا ہے کہ توبہ اُن کی قبول نہیں ہوتی گویا وید اپنے پرمیشر کو اُس سخت دل انسان کی طرح قرار دیتا ہے جس کو اپنے جاں نثار خادم کی کچھ بھی پروا نہیں مگر کیا انسانی فطرت قبول کر سکتی ہے کہ درحقیقت وہ خدا جس کے رحم کے سوا ایک دم بھی ہم جی نہیں سکتے ایسا ہی ہے ہرگز نہیں۔ منہ

بُھول جاتے ہیں۔ کیا ایسا پرمیشر کہ جو کسی کا گناہ بخش نہیں سکتا اور کسی کو محض جود اور سخا کے طور پر کچھ دے نہیں سکتا وہ دوسروں کو باوجود اپنے اس ذاتی نقص کے کب اعلیٰ اخلاق سکھلا سکتا ہے؟ جس حالت میں خود پرمیشر میں صفت رحمت اور مغفرت کی موجود ہی نہیں ہے اور جُود و سخا اُس کی عادت ہی نہیں ہے تو پھر وہ دوسروں کو یہ اخلاق فاضلہ کیسے سکھلائے گا۔ اب اگر آریہ لوگ یہ جواب دیں کہ یہ صفات اعلیٰ اخلاق میں داخل نہیں ہیں اور یہ بُری صفات ہیں اچھی نہیں ہیں تو اس سے اُن کو ماننا پڑے گا کہ وہ خود ان اخلاق کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اُن کے پابند نہیں ہیں مگر ہم پوچھتے ہیں کہ کیا اُن کا کانشنس اس بات کو ناپسند کرتا ہے کہ اگر اُن سے کوئی جُرم صادر ہو جائے اور کوئی راہ مخلصی کی نہ ہو تو وہ معافی کے لئے اپنے تئیں گورنمنٹ کے حوالہ کریں یا گورنمنٹ خود ہی اُن کو معاف کر دے اور کیا وہ درحقیقت نہیں چاہتے کہ کوئی ثابت شدہ جُرم اُن کا گورنمنٹ بخش دے۔ پس جب کہ اُن کی فطرت میں درحقیقت یہ تقاضا موجود ہے جس کو ایسے وقتوں میں بے اختیار ظاہر کرتے ہیں کہ جب وہ گورنمنٹ کے کسی مواخذہ میں ہوتے ہیں پس اُن کو سوچنا چاہئے کہ یہ فطرتی تقاضا کس نے اُن کے اندر پیدا کیا ہے؟ اور اگر خدا تعالیٰ کا ارادہ یہ نہ ہوتا کہ توبہ کرنے والوں پر رحم کر کے اُن کو بخش دیا کرے تو انسانوں کی فطرت میں یہ تقاضا کیوں رکھتا؟ اور درحقیقت تمام اخلاق میں سے اعلیٰ خُلق یہی ہے کہ انسان اپنے قصور واروں کے قصور معاف کرے اور اپنے گنہ کرنے والوں کے گناہ بخش دے۔ پس اگر پرمیشر میں یہ خُلق نہیں ہے تو اُس سے کیا توقع ہو سکتی ہے اور جس حالت میں انسان کے لئے یہ امر محال ہے کہ اس کے تمام حقوق ادا کر کے اور تمام خطاؤں سے بچ کر بکلّی نیک اور پاک ہونے کا دعویٰ کرے تو اس صورت میں یہ کہنا کہ نجات اِسی امر پر موقوف ہے کہ انسان بکلّی گناہوں سے بذریعہ سزا کے صاف ہو کر ایسے جنم میں وجود پذیر ہو کہ تمام عمر کوئی گناہ نہ کرے۔ یہ قول محض ایک ایسے پاگل اور دیوانہ کا قول ہو سکتا ہے کہ جو انسانی فطرت کی کمزوری سے بے خبر ہے کیا یہ سچ نہیں کہ انسانی

ص۱۸۳

کمزوری درحقیقت ایک سچا اور واقعی زہر ہے؟ اور درحقیقت خدا کا نام توّاب یعنی توبہ قبول کرنے والا اسی انسانی کمزوری کے تقاضا سے ظہور پذیر ہے اور معاف کرنا ایک ایسا فعل ہے کہ وقت مناسب پر انسانی فطرت اس کو قبول کرتی ہے اس لئے عقل سلیم کے نزدیک ایک سخت گیر انسان جو کبھی اپنے نوکروں کے قصور معاف نہیں کرتا قابل ملامت ہوتا ہے تو پھر پرمیشر جس کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ تمام اخلاق حسنہ کا جامع ہے اور ہر ایک خلق میں کامل اور سب سے بڑھ کر ہے کس قدر اُس کی شان سے دُور ہے کہ وہ اپنے گنہگاروں کے مقابل پر معافی اور بخشش کا کبھی نام نہ لے اور ادنیٰ ادنیٰ باتوں میں سزا دینے کے لئے تیار ہو جائے اور نیز اس میں جود و سخا کی صفت نہ ہو اور انسان صرف ایک مزدور کی طرح جس قدر مزدوری کرے اسی قدر بدلہ لے۔ ایسے پرمیشر سے کہاں توقع ہو سکتی ہے کہ وہ کسی وقت احسان اور مروت سے پیش آوے اور کسی لغزش کے وقت قصور معاف فرماوے بلکہ انسانوں کے لئے اُس کی حکومت خطرناک اور اپنی سخت بدقسمتی کا موجب ہے۔ ؎۱۸۴

یاد رہے کہ توبہ اور مغفرت سے انکار کرنا درحقیقت انسانی ترقیات کے دروازہ کو بند کرنا ہے کیونکہ یہ بات تو ہر ایک کے نزدیک واضح اور بدیہیات سے ہے کہ انسان کامل بالذّات نہیں بلکہ تکمیل کا محتاج ہے اور جیسا کہ وہ اپنی ظاہری حالت میں پیدا ہو کر آہستہ آہستہ اپنے معلومات وسیع کرتا ہے پہلے ہی عالم فاضل پیدا نہیں ہوتا اسی طرح وہ پیدا ہو کر جب ہوش پکڑتا ہے تو اخلاقی حالت اس کی نہایت گری ہوئی ہوتی ہے چنانچہ جب کوئی نوعمر بچوں کے حالات پر غور کرے تو صاف طور پر اس کو معلوم ہوگا کہ اکثر بچے اس بات پر حریص ہوتے ہیں کہ ادنیٰ ادنیٰ نزاع کے وقت دوسرے بچہ کو ماریں اور اکثر اُن سے بات بات میں جھوٹ بولنے اور دوسرے بچوں کو گالیاں دینے کی خصلت مترشح ہوتی ہے اور بعض کو چوری اور چغلخوری اور حسد اور بخل کی بھی عادت ہوتی ہے اور پھر جب جوانی کی مستی جوش میں آتی ہے تو نفس امّارہ اُن پر سوار ہو جاتا ہے اور اکثر ایسے نالائق اور ناگفتنی کام اُن سے ظہور میں آتے ہیں جو

صریح فسق و فجور میں داخل ہوتے ہیں۔ خلاصہ کلام یہ کہ اکثر انسانوں کے لئے اوّل مرحلہ گندی زندگی کا ہے اور پھر جب سعید انسان اوائل عمر کے تند سیلاب سے باہر آجاتا ہے تو پھر وہ اپنے خدا کی طرف توجہ کرتا ہے اور سچی توبہ کرکے نکمّی باتوں سے کنارہ کش ہوجاتا ہے اور اپنے فطرت کے جامہ کو پاک کرنے کی فکر میں لگ جاتا ہے۔ یہ عام طور پر انسانی زندگی کے سوانح ہیں جو نوع انسان کو طے کرنے پڑتے ہیں۔ پس اس سے ظاہر ہے کہ اگر یہی بات سچ ہے کہ توبہ قبول نہیں ہوتی تو صاف ثابت ہوتا ہے کہ خدا کا ارادہ ہی نہیں کہ کسی کو نجات دے۔ پس جب کہ خدا نومیدی کا جواب دے چکا ہے اور کسی پلید جون میں ڈالنے کا اُس کا پختہ ارادہ ہے تو ایسی حالت میں جس کو یہ خواہش ہو کہ وہ گندی زندگی سے رُستگار ہوکر اسی زندگی میں واصلانِ الٰہی میں سے ہوجاوے وہ کیونکر برخلاف خُدا کے ارادہ کے اس خواہش کو پوری کرسکتا ہے؟ اور کیونکر وہ خدا کی راہ میں کوئی معاہدہ کرسکتا ہے جب کہ وہ جانتا ہے کہ میرے لئے خدا کے فضل کا دروازہ قطعاً بند ہے اور یقین رکھتا ہے کہ اب بہرحال میرے لئے کوئی کُتا یا بلّا یا سُور بننا ضروری ہے۔

صـ۱۸۵

مضمون پڑھنے والے نے الہامی کتاب کی ایک یہ بھی نشانی پیش کی کہ وہ کتاب اپنے آپ میں مکمل ہو یعنی اپنے بعد کسی دوسری کتاب کی اُس کو حاجت نہ ہو۔ اب اس چالاکی کی طرف خیال کرو کہ یہ کس قسم کی نشانی لکھی ہے۔ چونکہ آریوں کا یہ عقیدہ ہے کہ وید ایک ایسی کتاب ہے کہ اُس کے بعد کوئی کتاب نازل نہیں ہوئی اِس لئے اُس نے اپنی غرض پُوری کرنے کے لئے اس عقیدہ کو الہامی کتاب کی نشانیوں میں داخل کر دیا۔ تنقیح طلب تو یہ امر ہے کہ کیا درحقیقت وید ایک ایسی کامل مکمل کتاب ہے کہ اس کے بعد کسی دوسری کتاب کو قدم رکھنے کی جگہ نہیں سو جب ہم غور سے دیکھتے ہیں تو صریح معلوم ہوتا ہے کہ وید کو ایسی صفت سے موسوم کرنا سراسر اس پر تہمت ہے وید کے ذریعہ سے جو کچھ آریہ ورت میں ظاہر ہوا ہے وہ یہی عناصر پرستی اور مخلوق پرستی اور سُورج اور چاند کی پُوجا ہے یا نیوگ ہے اور کئی مرتبہ ہم لکھ چکے ہیں

کہ وید توحید اور معرفت الٰہی کا سخت مخالف اور دشمن ہے اور ایک گمراہ کرنے والی کتاب ہے۔ پس جس کتاب نے ایسی گندی تعلیم پھیلائی ہے کہ نہ توحید کو باقی چھوڑا اور نہ عمل صالح کی ترغیب دی اور نہ ایک ذرہ بھر اُس میں کوئی خوبی ہے اُس کی ایسی تعریف کرنا کہ گویا اس کے بعد کسی الہامی کتاب کی حاجت نہیں یہ سراسر بے حیائی ہے اور خواہ نخواہ خدا کی کتابوں پر بے جا حملہ ہے۔ ہم پہلے اس سے لکھ چکے ہیں کہ چونکہ انسانی حالت ایک طور پر نہیں رہی اور نوعِ انسان پر بڑے بڑے انقلاب آئے ہیں پس مصلحت اور حکمت الٰہی کا یہی تقاضا تھا کہ ہر ایک تغیّر کے مناسب حال کتاب نازل ہو۔ جیسا کہ بہت آسانی سے یہ بات سمجھ آسکتی ہے کہ ابتدائی زمانہ میں کسی کامل کتاب کی ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ ابتدائی زمانہ میں نہ گناہوں کا زور ہوتا ہے نہ بدعقیدگی کا طوفان برپا ہوتا ہے اور لوگ سیدھے سادے ہوتے ہیں اور یہ بات ظاہر ہے کہ جسمانی طور پر بھی جہاں تندرست اور صحیح سالم لوگ موجود ہوں وہاں چنداں طبیب کی حاجت نہیں ہوتی کیونکہ جہاں بیمار ہیں طبیب بھی وہیں جاتا ہے پس عند العقل زمانہ تین قسم پر تقسیم ہو سکتا ہے۔ صفحہ ۱۸۶

(۱) ایک صلاحیت کا زمانہ جو ابتدائی زمانہ تھا۔

(۲) دوسرا نیک و بد کی برابری کا زمانہ جس کو درمیانی زمانہ کہہ سکتے ہیں۔

(۳) تیسرا معاصی اور مفاسد کا زمانہ جس کو ہندی میں کلجگ کہتے ہیں سو وہ زہریلا زمانہ طوفان معاصی کا اس لائق تھا کہ کامل کتاب اس میں بھیجی جاوے سو وہ قرآن شریف ہے۔

وید نے جو کچھ کمال ظاہر کیا ہے وہ کسی پر پوشیدہ نہیں (۱) اس نے اپنے پرمیشر کو خالق ہونے سے جواب دے دیا (۲) اُس نے رُوحوں کو اُن کی تمام طاقتوں اور قوتوں کے ساتھ خود بخود سمجھ لیا (۳) اُس نے تمام ذرّات عالم کو مع اُن کے خواص اور طاقتوں کے پرمیشر کی طرح اپنے وجود کے آپ ہی خدا مان لیا (۴) اُس نے خدا کی صفت وحی اور الہام کو ہمیشہ کے لئے معطّل قرار دیا (۵) اُس نے اُن تمام دلائل سے انکار کیا جن سے خدا کے وجود کا پتہ لگتا ہے (۶) اُس نے پرمیشر کو ایک بخیل اور پکش پات اور طرفداری کرنے والا ٹھیرایا کہ جو

ہمیشہ آریہ ورت سے ہی تعلق رکھتا ہے اور انہیں پر الہام نازل کرتا ہے دوسروں پر بے وجہ ناراض ہے گویا اُسی قوم سے اُس کا رشتہ اور قرابت ہے اور گویا دوسرے ملکوں کے لوگ اس کے بندے ہی نہیں یا اُن کے وجود سے ہی بےخبر ہے۔ (۷) اُس نے نیوگ کے ناپاک طریق کے لئے تاکیدی حکم دے کر ہزاروں عورتوں کی عفّت میں خلل ڈالا۔ (۸) اُس نے تناسخ کا عقیدہ پیش کر کے آریوں کو کوئی ایسا قاعدہ نہ بتلایا جس سے سمجھا جاتا کہ مثلاً دوبارہ آنیوالی کوئی لڑکی اُسی شخص کی ماں یا دادی تو نہیں جس سے وہ نکاح کرنا چاہتا ہے (۹) اُس نے یہ عقیدہ ظاہر کیا کہ گویا پرمیشر کو ایک ایسا بدمکر کرنے کی عادت ہے جو مکتی دینے کے وقت پوشیدہ طور پر مکتی یاب کے ذمہ ایک گناہ رکھ لیتا ہے اور پھر اُسی گناہ کا الزام دے کر مکتی خانہ سے اُس کو باہر نکالتا ہے (۱۰) اُس نے اپنے پرمیشر پر یہ نہایت قابل شرم دھبہ لگایا کہ وہ جاودانی مکتی دینے پر قادر نہیں ہے اور پھر جھوٹ یہ بولا کہ اعمال محدود ہیں اس لئے جزا بھی محدود ہی چاہیئے حالانکہ یہ بیان خلاف واقعہ ہے۔ کیونکہ بموجب اصول آریوں کے پرمیشر اسی لئے مکتی خانہ سے ہر ایک رُوح کو باہر نہیں کرتا کہ اعمال محدود ہیں بلکہ اس لئے کرتا ہے کہ اُس کو یہ قدرت ہی نہیں ہے کہ کسی کو دائمی مکتی دے سکے۔ وجہ یہ کہ اگر دائمی مکتی سب رُوحوں کو دیدے تو پھر آئندہ اپنا کام کیونکر چلاوے اور پھر نئی پیدائش ظاہر کرنے کے لئے کہاں سے نئی رُوحیں لاوے۔ حالانکہ بموجب عقیدہ وید کے یہ ضروری امر ہے کہ ہمیشہ سلسلہ جُونوں کا جاری رہے مگر جو لوگ ہمیشہ کے لئے آواگون سے نجات پا چکے وہ کیونکر دوبارہ جونوں کے چکر میں آسکتے ہیں؟ پس پرمیشر پر یہ مصیبت پڑی کہ ہمیشہ کی مکتی دینے سے اُس کا تمام کاروبار بند ہو جاتا ہے کیونکہ نئی رُوحوں کے پیدا کرنے پر تو وہ قادر ہی نہیں اس صُورت میں وہ کہاں سے نئی رُوحیں لاتا ناچار میعادی مکتی قرار دی گئی تا کسی طرح اُس کی راج اور حکومت میں فرق نہ آوے۔ یہ ہے ہندؤوں کا پرمیشر اور یہ ہیں وید کی کامل ہدایتیں جن کی بناء پر مضمون پڑھنے والے نے کہا کہ وید کے بعد کسی اور کتاب کی ضرورت نہیں۔ پس درحقیقت

صفحہ ۱۸۷

ویدنے اپنے قابل شرم اصولوں کے ساتھ نہ پرمیشر کی عزت کا پاس کیا نہ آریوں کی آبرو کا خیال رکھا نیوگ کے عقیدہ کے ساتھ آریوں کی پگڑی اُتاری اور پرمیشر کی سلب قدرت اور سلب خالقیّت کے عقیدہ کے ساتھ اُس نے اپنے پرمیشر کو بے عزت کیا۔ پس جس وید نے اپنے پرمیشر اور اپنے پیروی کرنے والوں کے ساتھ یہ سلوک کیا اُس سے دوسروں کو کیا توقع ہے؟ وہ تو درحقیقت اس شعر کا مصداق ہے ؎

تو بخویشتن چہ کردی کہ بما کنی نظیری * حقاکہ واجب آمد ز تو احتراز کردن

صفحہ ۱۸۸ مضمون پڑھنے والے نے ایک اور نشانی الہامی کتاب کی یہ پیش کی کہ اس میں اختلاف نہ ہو۔ ہم اس بات کو قبول کرتے ہیں کہ واقعی یہ نشانی الہامی کتاب کے لئے ضروری ہے کیونکہ اگر بیان میں تناقض پایا جاوے اور قواعد مقررہ منطق کے رُو سے درحقیقت وہ تناقض ہو تو ایسا بیان اس عالم الغیب کی طرف منسوب نہیں ہوسکتا جس کی ذات غلطی اور نقص اور خطا سے پاک ہے کیونکہ تناقض سے لازم آتا ہے کہ دو متناقض باتوں میں سے ایک جھوٹی ہو یا غلط ہو اور اس دونوں قسم کی منقصت سے خدا تعالےٰ کی شان بلند و برتر ہے۔ لیکن بعض نادان اپنی کوتہ اندیشی اور حماقت سے ایسے امور میں بھی تناقض سمجھ لیتے ہیں جن کو درحقیقت تناقض سے کچھ بھی تعلق نہیں۔ مثلاً یہ کہنا کہ زید مُردہ ہے یعنی باعتبار رُوحانی حیات کے اور یہ کہنا کہ زید زندہ ہے یعنی باعتبار جسمانی حیات کے۔ ان دونوں فقروں میں کچھ اختلاف اور تناقض نہیں کیونکہ اعتبار الگ الگ ہیں۔ ایسا ہی یہ کہنا کہ زید جو خالد کا بیٹا ہے بہت شریر آدمی ہے اور یہ کہنا کہ زید جو ولید کا بیٹا ہے بہت نیک اور بھلا مانس آدمی ہے اس میں بھی کچھ تناقض اور اختلاف نہیں۔ کیونکہ موضوع یعنی وہ لوگ جن کے حالات کا بیان ہے وہ الگ الگ ہیں اور ایسا ہی یہ کہنا کہ زید صبح کے وقت جنگل میں تھا اور یہ کہنا کہ زید شام کے وقت گھر میں تھا ان دونوں فقروں میں بھی کچھ تناقض اور اختلاف نہیں کیونکہ اوقات الگ الگ ہیں اور ایسا ہی یہ کہنا کہ زید بغداد میں کبھی نہیں گیا اور یہ کہنا کہ زید دمشق میں گیا تھا۔ ان دونوں فقروں

میں بھی کوئی تناقض اور اختلاف نہیں کیونکہ مکان الگ الگ ہیں اور یہ کہنا کہ زید کو میں دو روپیہ اُجرت دُوں گا بشرطیکہ وہ سارا دن میرا کام کرے اور یہ کہنا کہ زید کو میں صرف آٹھ آنہ اُجرت دُوں گا بشرطیکہ وہ صرف ایک پہر میرا کام کرے۔ان دونوں فقروں میں بھی کوئی تناقض اور اختلاف نہیں کیونکہ شرطیں علیحدہ علیحدہ ہیں۔غرض جب تک ان تمام امور متذکرہ بالا میں وحدت نہ پائی جائے اور ہر ایک قسم کی زمانی مکانی وغیرہ تفریق سے دو بیان خالی نہ ہوں تب تک نہیں کہا جائے گا کہ وہ دو بیان متناقض ہیں۔

ص۱۸۹

لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اس تناقض سے وید بھرا ہوا ہے جیسا کہ ایک طرف تو وید خدا تعالیٰ کو قادر مطلق مانتا ہے اور اُس کو سرب شکتی مان جانتا ہے اور دوسری طرف اُسکی قُدرت کے تمام کاموں سے انکاری ہے اسکے خالق ارواح اور اجسام ہونے سے منکر ہے اور نہ صرف اسی قدر بلکہ وہ کھلے کھلے طور پر یہ عقیدہ سکھلاتا ہے کہ کیا ارواح اور کیا اُن کی تمام طاقتیں اور قوتیں اور اُن کے عجیب خواص سب خود بخود ہیں اور پرمیشر نے اُن کو پیدا نہیں کیا ایسا ہی اجسام کے ذرّات اور اُن کی تمام طاقتیں اور قوتیں خود بخود ہیں۔

اب ظاہر ہے کہ یہ کس قدر تناقض ہے کہ ایک طرف تو پرمیشر کی کامل قدرت کو ماننا اور دوسری طرف سرے سے تمام قدرتی کاموں سے اُس کو جواب دے دینا؟

ایسا ہی ایک طرف تو وید اقراری ہے کہ پرمیشر تمام فیضوں کا منبع اور سرچشمہ ہے اور دوسری طرف قطعاً اس بات سے انکاری ہے کہ کوئی فیض پرمیشر کا جاری ہے کیونکہ جس حالت میں رُوحوں کی تمام طاقتیں اور قوتیں اور اجسام کی تمام طاقتیں اور قوتیں قدیم سے خود بخود ہیں اور انہیں طاقتوں کے ذریعہ سے وہ علوم و فنون حاصل کرتی ہیں۔تو کیا اس سے ثابت نہ ہوا کہ پرمیشر کا اُن پر ذرہ فیض نہیں؟ اور اگر کہو کہ اگرچہ وہ قوتیں تو خود بخود ہیں لیکن علوم اور معارف کا فیض تو پرمیشر کی طرف سے ہوتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ بموجب اصول آریہ سماج کے پرمیشر اپنی طرف سے کوئی نیکی اور خیر اور فیض انسان کو نہیں پہنچا سکتا اور جو

کچھ انسان کو کوئی بہتری اور خیر اور فیض پہنچتا ہے وہ تمام اس کے اعمال کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اِس صورت میں ظاہر ہے کہ جو کچھ وید کے رشیوں پر الہام ہوا ہے وہ پرمیشر کا کچھ بھی احسان اور فیضان نہیں بلکہ خود ان رشیوں کے اعمال کا نتیجہ ہے۔ پس یہ عجیب پرمیشر ہے کہ نہ رُوحوں کو اُس نے پیدا کیا اور نہ اُن کو کوئی فیض پہنچا سکتا ہے اور پھر یہ بھی دعویٰ ہے کہ وہ تمام فیوض کا منبع ہے۔ کیا یہ صریح تناقض اور اختلاف بیانی وید میں موجود ہے یا نہیں ؟

ایسا ہی وید کی طرف سے یہ دعویٰ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ توحید کی دعوت کرتا ہے حالانکہ دوسری طرف وید کا یہ بھی دعوٰے ہے کہ خدا اپنی ازلیت و ابدیت میں واحد نہیں بلکہ ذرّہ ذرّہ اس عالم کا اور نیز تمام رُوحیں ازلیت و ابدیت میں اس کی شریک ہیں اور نیز ایک طرف تو وید کی طرف توحید کو منسوب کیا جاتا ہے اور دوسری طرف کھلے کھلے طور پر وہ مخلوق پرستی کی تعلیم دیتا ہے اور اگنی وایو وغیرہ کی پرستش سے سارا وید بھرا پڑا ہے۔

صفحہ ۱۹۰

پس جس حالت میں وید کی اختلاف بیانی اور تناقض کا یہ حال ہے تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وید نے اس شرط کو پورا نہیں کیا اور نہ اس نے ایسا دعویٰ کیا کہ اس میں اختلاف بیان نہیں لیکن قرآن شریف یہ دعوٰے کرتا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے۔ اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا[1] یعنی کیا یہ لوگ قرآن میں تدبر نہیں کرتے اور اگر وہ خدا کے سوا کسی اور کا کلام ہوتا تو اس میں بہت سا اختلاف پایا جاتا۔ اور ظاہر ہے کہ جس زمانہ میں قرآن شریف کی نسبت خدا تعالےٰ نے یہ فرمایا کہ اس میں اختلاف نہیں تو اس زمانہ کے لوگوں کا حق تھا کہ اگر اُن کے نزدیک کوئی اختلاف تھا تو وہ پیش کرتے مگر سب ساکت ہو گئے اور کسی نے دم نہ مارا۔ اور اختلاف کیونکر اور کہاں سے ممکن ہے جس حالت میں تمام احکام ایک ہی مرکز کے گرد گھوم رہے ہیں یعنی علمی اور عملی رنگ میں اور درشتی اور نرمی کے پیرایہ میں خدا کی توحید پر قائم کرنا اور ہوا و ہوس چھوڑا کر خدا کی توحید کی طرف کھینچنا۔ یہی قرآن کا مدعا ہے۔

مضمون پڑھنے والے نے ایک اور نشانی الہامی کتاب کی یہ پیش کی کہ اس میں کسی کی

[1] النساء : ۸۳

طرف داری نہ ہو اس تحریر سے مجھے یقین ہو گیا کہ یہ شخص ہوش و حواس کی قائمی سے بات نہیں کرتا کیونکہ جس قدر وید پکش پات اور طرف داری سے بھرا ہوا ہے اس کا نمونہ دوسری جگہ ملنا ناممکن ہے مثلاً اس سے بڑھ کر طرف داری کیا ہوگی کہ باوجود یکہ کروڑہا اربوں بلکہ بے شمار مدتوں سے دنیا چلی آتی ہے لیکن اب تک پرمیشر نے اس طرفداری اور پکش پات کو نہیں چھوڑا کہ ہمیشہ آریہ ورت میں ہی وید کو نازل کرتا رہا ہے اور سنسکرت زبان میں ہی نازل کرتا ہے اور ہمیشہ اس کی پارلیمنٹ میں مُلہم بننے کے لئے اگنی۔ وایو۔ آدت۔ انگرا ہی انتخاب کئے جاتے ہیں پس کیا اس طرفداری سے بڑھ کر کوئی اور بھی طرفداری ہوگی کہ جو وید میں پائی جاتی ہے کہ ہمیشہ الہامی کتاب کے لئے آریہ ورت کو ہی اختیار کرتا ہے اور قدیم سے سنسکرت زبان میں ہی الہام کرتا چلا آیا ہے ایسا ہی اُس کو الہام دینے کے لئے اگنی۔ وایو۔ انگرا۔ آدت ہی پسند آتے ہیں اور ہمیشہ ایسی اعلیٰ جُون اُن کو دیتا ہے کہ جو لائق الہام پانے کے ہوتی ہے اور یہ معاملہ نہ ایک دفعہ نہ دو دفعہ نہ تین دفعہ ظہور میں آتا ہے بلکہ بیشمار اربوں تک اس پر گذر چکے ہیں کہ وہ ایسا ہی کرتا ہے اور جس طرح گورنمنٹ برطانیہ کے افسروں کو گرمی کے دنوں میں شملہ پسند آیا ہوا ہے پرمیشر کو آریہ ورت پسند آگیا ہے۔ دوسرے ملکوں کے باشندوں سے بے وجہ ناراض ہے یا اب تک اس کو اُن کے وجود کا علم ہی نہیں۔ اب کوئی آریہ صاحب انصاف سے فرماوے کہ کیا یہ طریق پرمیشر کا طرفداری اور پکش پات ہے یا کوئی اور بات ہے؟ اور اگر کوئی اور بات ہے تو مع دلائل اُس کو بیان کر دیں۔

صفحہ ۱۹۱

مضمون پڑھنے والے نے الہامی کتاب کی ایک یہ نشانی بتلائی کہ اس میں ایسی باتیں نہ ہوں کہ خدا نے فلاں کام میں مکاری کی۔ اس کا جواب ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ مکر اُن باریک تدبیروں اور تصرفات کو کہتے ہیں کہ وہ ایسے مخفی اور مستور ہوں کہ جس شخص کے لئے وہ تدابیر عمل میں لائی گئی ہیں وہ اُن تدبیروں کو شناخت نہ کر سکے اور دھوکا کھا جائے پس مکر دو قسم کے ہوتے ہیں۔
(۱) اوّل وہ کہ جن کے عملدرآمد سے ارادہ خیر اور بہتری کا کیا گیا ہے اور کسی کو نقصان پہنچانا

منظور نہیں ہے جیسا کہ ماں اپنے بچہ کو اس مکر سے دوا پلا دیتی ہے کہ وہ ایک شربت شیریں ہے اور میں نے بھی پیا ہے بڑا میٹھا ہے اور اس مکر سے بچہ کے دل میں ایک خواہش پیدا ہو جاتی ہے اور وہ دوا کو پی لیتا ہے اور جیسا کہ پولس کے بعض لوگوں کو یہ خدمت سپرد ہے کہ وہ پولس کی وردی نہیں رکھتے اور عام لوگوں کی طرح سفید پوش رہتے ہیں اور پردہ میں بدمعاشوں کو تاڑتے رہتے ہیں۔ پس یہ بھی ایک قسم کا مکر ہے مگر نیک مکر۔ ایسا ہی طالب علم یا وکلاء یا ڈاکٹروں کا امتحان لینے والے یا کسی اور صیغہ میں جو ممتحن ہوتے ہیں وہ بھی نیک نیتی سے سوال بنانے کے وقت ایک حد تک مکر کرتے ہیں۔ پس اسی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ مکر جو خدا کی شان کے مناسب حال ہیں وہ اس قسم کے ہیں جن کے ذریعہ سے وہ نیکوں کو آزماتا ہے اور بدوں کو جو اپنی شرارت کے مکر نہیں چھوڑتے سزا دیتا ہے اور اُس کے قانون قدرت پر نظر ڈال کر ہر ایک شخص سمجھ سکتا ہے کہ ایسی مخفی رحمتیں یا مخفی غضب اُس کے قانون قدرت میں پائے جاتے ہیں۔ بعض اوقات ایک مکار شریر آدمی جو اپنے بد مکروں سے باز نہیں آتا بعض اسباب کے پیدا ہونے سے خوش ہوتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ ان اسباب کے ذریعہ سے جو میرے لئے میسر آ گئے ہیں ایک مظلوم کو انتہا درجہ کے ظلم کے ساتھ پیس ڈالوں گا مگر انہیں اسباب سے خدا اسی کو ہلاک کر دیتا ہے اور یہ خدا کا مکر ہوتا ہے جو شریر آدمی کو اُن کاموں کے بد نتیجے سے بیخبر رکھتا ہے اور اس کے دل میں یہ خیال پیدا کرتا ہے کہ اس مکر میں اُس کی کامیابی ہے۔ اس بات سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ ایسے کام خدا تعالیٰ کے دنیا میں ہزارہا پائے جاتے ہیں کہ وہ ایسے شریر آدمی کو جو بد مکروں سے بے گناہوں کو دُکھ دیتا ہے اپنے نیک اور عدل کے مکر سے سزا دیتا ہے۔

صـــ۱۹۲

اب ہم عام فائدہ کے لئے کتاب لسان العرب سے جو ایک پُرانی اور معتبر کتاب لُغت کی ہے مکر کے معنے لکھتے ہیں اور وہ یہ ہے المکر احتیال فی خفیۃ۔ وان المکید فی الحروب حلالٌ۔ والمکر فی کل حلال حرامٌ۔ قال اللّٰہ تعالیٰ ومکروا مکرًا ومکرنا مکرًا

وّهم لا یشعرون۔[1] قال اهل العلم بالتاویل المکر من الله تعالیٰ جزاء سمی باسم مکر المجازی۔ ترجمہ۔ مکر اس حیلہ کو کہتے ہیں جو پوشیدہ رکھا جائے جنگوں میں اس قسم کے حیلے حلال ہیں۔ اور ہر ایک حلال امر کو حیلہ کر کے ٹالنا یہ حرام ہے اور قرآن شریف میں خدا تعالےٰ فرماتا ہے کہ کافروں نے اپنی دانست میں ایک بڑا مکر کیا اور ہم نے بھی مکر کیا اور وہ ہمارے مکر سے بے خبر تھے اور اہل علم کہتے ہیں کہ خدا کا مکر یہ ہے کہ مکّار کو مکر کی سزا دینا۔ اور قرآن شریف میں پوری آیت یہ ہے۔

وکان فی المدینة تسعة رهط یفسدون فی الارض ولا یصلحون۔ قالوا تقاسموا بالله لنبیّتنّه واهله ثمّ لنقولنّ لولیّه ما شهدنا مهلك اهله وانا لصادقون۔ ومکروا مکرًا ومکرنا مکرًا وهم لا یشعرون۔ فانظر کیف کان عاقبة مکرهم انّا دمّرناهم وقومهم اجمعین۔ فتلك بیوتهم خاویة بما ظلموا ان فی ذٰلك لاٰیة لقوم یعلمون۔ وانجینا الذین اٰمنوا وکانوا یتّقون۔[2] الجزو ۱۹ سورۃ النمل رکوع $\frac{4}{19}$) ترجمہ۔ اور شہر میں نو شخص ایسے تھے جن کا پیشہ ہی فساد تھا اور اصلاح کے روادار نہ تھے انہوں نے باہم قسمیں کھائیں کہ رات کو پوشیدہ طور پر شبخون مار کر اس شخص کو اور اس کے گھر والوں کو قتل کر دو اور پھر ہم اس کے وارث کو جو خون کا دعویدار ہوگا یہ کہیں گے کہ ہم تو ان لوگوں کے قتل کرنے کے وقت اس موقع حاضر نہ تھے اور ہم سچ سچ کہتے ہیں۔ یعنی یہ بہانہ بنائیں گے کہ ہم تو قتل کرنے کے وقت فلاں فلاں جگہ گئے ہوئے تھے جیسا کہ اب بھی مجرم لوگ ایسے ہی بہانے بنایا کرتے ہیں تا مقدمہ نہ چلے۔ پھر اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ تو دیکھ کہ اُن کے مکر کا انجام کیا ہوا ہم نے اُن کو اور اُن کی تمام قوم کو ہلاک کر دیا۔ اور یہ گھر جو ویران پڑے ہوئے ہیں یہ انہیں کے گھر ہیں ہم نے اس لئے اُنکو یہ سزا دی کہ یہ ہمارے برگزیدہ بندوں پر ظلم کرتے تھے اور باز نہیں آتے تھے۔ پس ہمارا یہ عذاب ان لوگوں کے لئے ایک نشان ہے جو جانتے ہیں۔ اور ہم نے اُن ظالم لوگوں کے ہاتھ سے

[1] النمل: ۵۱ [2] النمل: ۴۹ تا ۵۴

اُن ایمانداروں کو نجات دے دی جو متقی اور پرہیزگار تھے۔ سو خدا کا مکر یہ تھا کہ جب شریر آدمی شرارت میں بڑھتے گئے تو ایک مدت تک خدا نے اپنے ارادہ عذاب کو مخفی رکھا اور جب اُن کی شرارت نہایت درجہ تک پہنچ گئی بلکہ انہوں نے ایک بڑا مکر کر کے خُدا کے برگزیدوں کو قتل کرنا چاہا۔ تب وہ پوشیدہ عذاب خدا نے اُن پر ڈال دیا جس کی اُن کو کچھ بھی خبر نہ تھی اور اُنکے وہم گمان میں نہ تھا کہ اس طرح ہم نیست و نابود کئے جائیں گے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ خدا کے برگزیدہ بندوں کو ستانا اچھا نہیں آخر خدا پکڑتا ہے کچھ مدت تک تو خدا اپنے ارادہ کو مخفی رکھتا ہے اور وہی اُس کا ایک مکر ہے مگر جب شریر آدمی اپنی شرارت کو انتہا تک پہنچا دیتا ہے تب خدا اپنے ارادہ کو ظاہر کر دیتا ہے۔ پس نہایت بدقسمت وہ لوگ ہوتے ہیں جو خدا کے برگزیدہ بندوں کے مقابل پر محض شرارت کے جوش سے کھڑے ہو جاتے ہیں اور اُن کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں آخر خدا اُن کو ہی ہلاک کرتا ہے۔ اس کے بارہ میں رُومی صاحب کا یہ شعر نہایت عمدہ ہے۔

مسلہ ۱۹۴

تا دلِ مردِ خُدا نامد بدرد ہیچ قومے را خُدا رُسوا نہ کرد

پھر مضمون پڑھنے والے نے الہامی کتاب کی یہ نشانی پیش کی کہ اُس میں کسی کا مال لُوٹنے کے لئے حکم نہ دیا گیا ہو ہم اس سے بھی یہی بات نکالتے ہیں کہ یا تو یہ شخص وید سے ناواقف ہے اور یا وید کے رشیوں کا پکا دشمن ہے۔ کیونکہ بار بار وہی باتیں بیان کرتا ہے جو وید کی تعلیم کے مخالف ہیں۔ اس جگہ ہم بطور نمونہ ناظرین کے لئے رگوید کی چند شرتیاں لُوٹ کے بارے میں لکھ دیتے ہیں اور وہ یہ ہیں:۔ اگنی کے آگے ایک دعا کر کے آخری فقرہ شرتی کا یہ ہے۔ ایسا ہو کہ ہم لڑائیوں میں اپنے دشمنوں سے لُوٹ حاصل کریں اے اندر گو ہم مستحق نہ ہوں پر تو ہمیں ہزارہا گوئیں اور گھوڑے دے کر مالا مال کر۔ اے خوبصورت اور طاقتور اندر خوراک کے مالک تیری شفقت ہمیشہ قائم رہتی ہے ہزاروں عمدہ گھوڑے اور گوئیں ہمیں دے ہر ایک کو جو ہمیں گالی دیتا ہے غارت کر یعنے اُن کا مال گوئیں وغیرہ ہمیں دیدے۔

اے اندر اور اگنی بجر گھمانے والو شہروں کے غارت کرنے والو ہمیں دولت عطا کرو۔ لڑائیوں میں ہماری مدد کرو یعنی بہت سا لوٹ کا مال ہمیں دو۔ اے اندر جو سب دیوتاؤں میں اول درجہ کا دیوتا ہے ہم تجھے بلاتے ہیں تو نے لڑائیوں میں بہت سا لُوٹ کا مال حاصل کیا ہے اے اجیت اِندر ایسی لڑائیوں میں ہماری حفاظت کر جہاں سے بہت لُوٹ ہمارے ہاتھ آوے ہم اندر کو جو ہمارے دشمنوں کے مقابل پر بجر گھماتا ہے اور جو ہمارا مددگار ہے بے شمار دولت حاصل کرنے کے لئے بلاتے ہیں۔ (وید کی تعلیم کی رُو سے لُوٹ کا مال اکثر اندر ہی دیا کرتا ہے) اے اگنی ہم نے تجھے گھی کا ہوم کر کے بُلایا ہے ہمارے دشمنوں کو جلا دے۔

۱۹۵ ص

اب کوئی آریہ صاحب بتلا دیں کہ یہ شرتیاں وید میں ہیں یا قرآن شریف میں۔ قرآن شریف میں تو کہیں نہیں لکھا کہ اپنے دشمنوں کو آگ سے جلا دو اور اُن کا مال لُوٹ لو۔ یہ ایک سخت بدذاتی ہے جو خدا تعالیٰ کی پاک کلام پر ناحق تہمت لگائی جاتی ہے۔ قرآن شریف میں صرف یہ حکم دیا گیا ہے کہ جن لوگوں نے مسلمانوں کو قتل کیا اور اُن کا مال لُوٹا اور اُن کو وطن سے نکالا تم بھی بعوض اس نقصان کے اُن کا مال لُوٹ لو۔ اور جب سے دُنیا پیدا ہوئی ہے ہمیشہ لڑائیوں کی وضع اسی طرح چلی آئی ہے کہ فتح کرنے والے مغلوب فریق کا مال لوٹ لیتے ہیں بلکہ اُن کے ملک پر بھی قبضہ کر لیتے ہیں۔ آج کل بھی فتح پانے والے بادشاہوں میں یہی رسم جاری ہے مگر قرآن شریف نے ظلم اور زیادتی کی تعلیم نہیں دی اور صرف مظلوموں کی نسبت لڑائی کرنا جائز رکھا ہے اور نیز یہ کہ جس طرح دشمن نے اُن کا مال لُوٹ لیا ہے وہ بھی لُوٹ لیں زیادتی نہ کریں۔ پس کس قدر بیحیائی بے شرمی۔ بے ایمانی ہے کہ ناحق قرآن شریف پر یہ تہمت تھاپ دی جاتی ہے کہ گویا اُس نے آتے ہی بغیر اس کے کہ فریق ثانی سے مجرمانہ حرکتیں صادر ہوں لُوٹ اور قتل کرنے کا حکم دیدیا تھا ہمیں ایسی کوئی آیت سارے قرآن شریف میں نہیں ملتی اگر آریوں نے کوئی ایسی آیت دیکھی ہے جس سے یہ پایا جاتا ہو کہ بغیر فریق ثانی کے ظلم اور مجرمانہ حرکات کے اُن کے ساتھ جنگ کرنے کا حکم ہو تو ان پر کھانا حرام ہے جب تک وہ آیت پیش نہ کریں۔ یوں ہی کسی آیت کا سر پیر کاٹ کر اور

اپنے مطلب کے موافق بنا کر پیش کر دینا یہ تو اُن لوگوں کا کام ہے جو سخت شریر اور بدمعاش اور گندے کہلاتے ہیں۔ خدا تو قرآن شریف میں یہ فرماتا ہے اذن للذین یقاتلون بانھم ظُلِمُوْا وان اللّٰہ علیٰ نصرھم لقدیر[1]۔ یعنی جن مسلمانوں پر ناحق قتل کرنے کے لئے چڑھائی کی جاتی ہے۔ خدا نے دیکھا کہ وہ مظلوم ہیں اس لئے خدا بھی اُن کو مقابلہ کرنے کے لئے اجازت دیتا ہے۔

مضمون پڑھنے والے نے ایک نشانی الٰہی کتاب کی یہ بیان کی کہ پیدائش اور فنا کے بارہ میں اس میں صحیح صحیح حالات درج ہوں۔ واضح ہو کہ اس نشانی کی حقیقت بیان کرنے کے بارے میں ہم چنداں ضرورت نہیں دیکھتے کیونکہ پہلے بھی وضاحت کے ساتھ ہم لکھ چکے ہیں کہ ان دونوں نشانیوں میں وید نے بڑی بھاری غلطی کھائی ہے کیونکہ بموجب قول آریہ سماج کے وید کی یہ تعلیم ہے کہ ارواح اور ذرات اجسام انادی اور غیر مخلوق اور قدیم سے پرمیشر کی طرح خود بخود ہیں اور اُن کی تمام طاقتیں اور قوتیں بھی خود بخود ہیں۔ اور انسان کے مرنے کے وقت میں اُس کی رُوح آسمان کی فضا میں چلی جاتی ہے اور پھر شبنم کی طرح رات کے وقت کسی گھاس پات پر پڑتی ہے اور وہ گھاس کوئی کھا لیتا ہے اور اس طرح پر نطفہ کے اندر ہو کر وہ رُوح کسی عورت کے پیٹ میں چلی جاتی ہے۔ یہ ہے وید کی فلاسفی جو پیدائش اور فنا کے متعلق ہے اور ہم اسی رسالہ میں ثابت کر چکے ہیں کہ یہ ایسا بدیہی البطلان عقیدہ ہے کہ ایک بچہ بھی اُس پر ہنسے گا اگر رُوحیں خود بخود ہیں اور اُن کی طاقتیں خود بخود ہیں تو پھر پرمیشر پرمیشر نہیں رہ سکتا اور نہ پرستش کرانے کے لئے اس کا کوئی حق ٹھہرتا ہے اور اس کا رُوحوں پر حکومت کرنا صرف قبضہ جابرانہ ہوگا اور ہم کوئی دوسرا نام اس قبضہ کا نہیں رکھ سکتے۔ ایسا ہی اس عقیدہ سے اس کی توحید تمام درہم برہم ہو جاتی ہے اور قدامت میں ذرہ ذرہ اُس کے وجود کے ساتھ برابر ہو جاتا ہے۔ اور نیز بڑی خرابی یہ ہے کہ اس صورت میں نہ منبع فیوض نہیں ٹھہر سکتا کیونکہ جب کہ رُوحیں خود بخود ہیں اور اُن کی طاقتیں خود بخود ہیں تو صاف ظاہر ہے کہ اُن کے ادراک مجہولات

ملفوظ ۱۹۶

[1] الحج: ۴۰

کی قوت بھی خود بخود ہو گی۔ اس صورت میں اُن کو ادراک مجہولات کے لئے پرمیشر کی کچھ بھی حاجت نہ رہی اور اسے بھی ماننا پڑے گا کہ جیسا کہ رُوحیں قدیم سے خود بخود ہیں ایسا ہی علوم ضروریہ کے تمام دروازے بھی قدیم سے اُن پر کھلے پڑے ہیں۔ پس اس صورت میں پرمیشر کی کچھ بھی ضرورت نہیں رہے گی۔ اور اگر یہ کہو کہ رُوحیں تو خود بخود ہیں مگر اُن کے صفات خود بخود نہیں تو یہ خیال خود غلط ہے کیونکہ کسی چیز کا تحقق وجود بغیر تحقق صفات کے ممکن نہیں۔ غرض اس عقیدہ سے پرمیشر سرچشمہ فیوض نہ رہا۔ اور اس کا ہونا نہ ہونا برابر ہو گیا اور نیز اُس کے وجود پر کوئی دلیل نہیں رہی جس سے سمجھا جائے کہ وہ موجود بھی ہے اور نیز اس عقیدہ سے پرمیشر تمام تعریفوں کا مستحق نہ رہا کیونکہ جب رُوحیں مع اپنی طاقتوں کے اور ایسا ہی ذرات اجسام مع اپنی طاقتوں کے قدیم سے خود بخود ہیں اور پرمیشر کا اُن میں دخل نہیں تو پھر پرمیشر تمام تعریفوں کا کیونکر مستحق ہو سکتا ہے؟ اور جن اپنی قدیم قوتوں کے ذریعہ سے کوئی شخص اعمال بجا لاتا ہے اُن اعمال کی بجا آوری میں بھی پرمیشر کا کچھ دخل قرار نہیں پا سکتا کیونکہ پرمیشر کے فیض کا اُن میں ایک ذرہ دخل نہیں اور یہ خود آریوں کے نزدیک مسلّم امر ہے کہ پرمیشر اپنی طرف سے عطیہ کے طور پر کچھ نہیں دے سکتا بلکہ سب کچھ جو انسان کو ملتا ہے وہ محض اعمال کا نتیجہ ہے پس کسی آریہ کو یہ توفیق نہیں مل سکتی کہ وہ الحمد للّٰہ کہہ سکے یعنی یہ کہ تمام محامد اور تمام تعریفیں خدا سے خاص ہیں کیونکہ اُن کے نزدیک جیسا کہ پرمیشر میں خوبیاں ہیں ایسا ہی رُوحوں اور ذرات اجسام میں بھی خوبیاں ہیں کیونکہ وہ پرمیشر کی طرح قدیم سے خود بخود ہیں اور جن طاقتوں کو وہ اپنے اندر رکھتے ہیں وہ بھی پرمیشر کی طاقتوں اور صفات کی طرح خود بخود ہیں اور انسان محض اپنی ذاتی طاقت سے اچھے اعمال بجا لاتا ہے نہ پرمیشر کی کسی مدد سے کیونکہ اوّل تو پرمیشر کو مدد دینے کے لئے قدم رکھنے کی جگہ نہیں کیونکہ پرمیشر کی مدد کی ضرورت ہی نہیں۔ خود بخود سب کچھ حاصل ہے۔ ماسوا اس کے اگر وہ انسانوں کو نیک اعمال کے بجا لانے پر کچھ مدد دے تو اس سے آریہ سماج کا اصول ٹوٹتا ہے اور وہ یہ کہ پرمیشر بغیر عوض اعمال کے کچھ

صفحہ ۱۹۷

نہیں دے سکتا*۔ اس کے مقابل پر وہ عقیدہ دیکھو کہ قرآن شریف نے ہمیں سکھایا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے۔ الحمد لله رب العٰلمين۔ الرحمٰن الرحيم۔ مٰلك يوم الدين۔ اياك نعبد واياك نستعين۔ اهدنا الصراط المستقيم۔ صراط الذين انعمت عليهم غير المغضوب عليهم ولا الضّآلين۔[1] (ترجمہ) تمام تعریفیں اور تمام مدح اور تمام استت اور مہما خدا کے لئے مسلم اور مخصوص ہے جو تمام چیزوں کا پیدا کرنے والا اور پرورش کرنے والا ہے کوئی چیز بھی ایسی نہیں کہ جو اُس کی پیدا کردہ نہیں اور اُس کی پرورش کردہ نہیں وہ رحمٰن ہے یعنی وہ بغیر عوض اعمال کے اپنے تمام بندوں کو خواہ کافر ہیں خواہ مومن اپنی نعمتیں دیتا ہے اور اُن کی آسائش اور آرام کے لئے بے شمار نعمتیں اُن کو عطا کر رکھی ہیں اور وہ رحیم ہے یعنی پہلے تو وہ اپنی رحمانیت سے جس میں انسان کی کوشش کا دخل نہیں ایسے قویٰ اور طاقتیں اپنے بندوں کو عطا کرتا ہے جن سے نیک اعمال بجا لاسکیں اور تکمیل اعمال کے لئے ہر ایک قسم کے اسباب مہیا کر دیتا ہے اور پھر جب اُس کی رحمانیت سے انسان اس لائق ہو جاتا ہے کہ اعمال نیک بجا لاسکے تو ان اعمال کی جزا کے لئے خدا تعالیٰ کا نام رحیم ہے۔ اور جب انسان خدا تعالیٰ کی رحیمیت سے فیضیاب ہو کر اس لائق ہو جاتا ہے کہ اس کی طرف سے ابدی انعام و اکرام پاوے تو اس ابدی انعام و اکرام کے دینے کے لئے خدا تعالیٰ کا نام مالک یوم الدین ہے۔ پھر بعد اس کے فرمایا کہ اے وہ خدا جو ان صفات کا تو جامع ہے ہم تیری ہی پرستش کرتے ہیں اور پرستش وغیرہ نیک امور میں تیری ہی مدد چاہتے ہیں۔ ہمیں سیدھی راہ دکھا۔ ان لوگوں کی راہ جن پر تیرا انعام اکرام ہے۔ اور اُن لوگوں کی راہ سے بچا جو تیرے غضب کے نیچے ہیں (یعنی ایسی شوخی اور شرارت کے کام کرتے ہیں جو اسی دنیا میں مورد غضب ہو جاتے ہیں) اور ہمیں اُن لوگوں کی راہ سے بچا جو تیری راہ کو بھول

۱۹۸

* اگر پرمیشر خود بخود کچھ دے سکتا تو پھر آریوں کی مکتی محدود کیوں ٹھہرتی؟ پرمیشر میں یہ صفت ہی نہیں تھی کہ اپنی طرف سے بطور فیاضی کچھ عطا کر سکتا تبھی تو مکتی بھی محدود رکھنی پڑی کیسے بدقسمت وہ لوگ ہیں جن کا پرمیشر ایسا کمزور اور صفت جود و سخا سے محروم ہے۔ منہ

[1] الفاتحہ : ۲-۷

گئے ہیں اور وہ راہیں اختیار کرتے ہیں جو تیری مرضی کے موافق نہیں۔آمین

اب دیکھو کہ قرآن شریف کی یہ سورۃ جس کا نام سورۃ فاتحہ ہے کیسی توحید سے پُر ہے جو کسی جگہ انسان کی طرف سے یہ دعویٰ نہیں کہ میں خود بخود ہوں اور خدا کا پیدا کردہ نہیں اور نہ یہ دعویٰ ہے کہ میرے اعمال اپنی قوت اور طاقت سے ہیں اور وید کی طرح اُس میں یہ دُعا نہیں کہ "اے پرمیشر ہمیں بہت سی گوئیں دے اور بہت سے گھوڑے دے اور بہت سا لُوٹ کا مال دے" بلکہ یہ دعا ہے کہ ہمیں وہ راہ دکھا جس راہ سے انسان تجھے پالیتا ہے اور تیرا رُوحانی انعام واکرام اسے نصیب ہوتا ہے اور تیرے غضب سے بچتا ہے اور گمراہی کی راہوں سے محفوظ رہتا ہے۔

صــ ۱۹۹

اسی طرح قرآن شریف میں یہ تعلیم نہیں ہے کہ جب ایک انسان مرجاتا ہے تو اس کی رُوح دو ٹکڑے ہوکر شبنم کی طرح رات کے وقت کسی گھاس پات پر پڑتی ہے اور ہم پہلے اس سے بہت تفصیل کے ساتھ بیان کرچکے ہیں کہ وید کی یہ تعلیم سراسر غلط ہے بلکہ رُوح اور اُس کی تمام طاقتیں خدا کی پیدائش ہے اور کوئی رُوح واپس نہیں آتی۔اس سے ظاہر ہے کہ وید نے رُوحوں کی پیدائش اور فنا کے بارہ میں دونوں پہلو سے سخت غلطی کی ہے چاہیئے کہ اس بارہ میں ہمارے گذشتہ بیان کو غور سے پڑھیں۔

پھر مضمون پڑھنے والے نے بیان کیا کہ الہامی کتاب کی ایک نشانی یہ ہے کہ اُس میں راجا پرجا اور والدین اور اولاد کے سب حقوق انصاف سے درج ہوں مگر مجھے تعجب ہے کہ یہ شخص اس قدر جلدی دیانند کی اس تعلیم کو کیوں بھول گیا جو ویدوں کی رُو سے ستیارتھ پرکاش میں درج ہے جس میں لکھا ہے کہ اُسی راجا کو ماننا چاہیئے جو ویدوں کی تعلیم کے موافق چلتا ہو اس تعلیم میں اس نے صاف اشارہ کیا ہے کہ جو بادشاہ آریہ مذہب کا پابند نہ ہو گو وہ کیسا ہی عادل ہو کیسا ہی رحم کرنے والا ہو کیسا ہی شرائط رعیت پروری پورا کرنے والا ہو اُس کو ہرگز قبول نہیں کرنا چاہیئے۔اور یہی تعلیم تھی جس نے انہیں ایام میں بڑے عقلمند اور سمجھ دار اور تعلیم یافتہ

آریوں کو باغیانہ حرکت کا مرتکب کیا ہم قبول کرتے ہیں کہ بعض وحشی مسلمان جو قرآنی تعلیم سے بالکل بے خبر ہیں باوجود رعیت کہلانے کے باغیانہ حرکت کر بیٹھتے ہیں مگر ہم ایک تعلیم یافتہ قوم کو جاہلوں کے ساتھ برابر نہیں کر سکتے۔ جاہلوں کی نسبت یہ مقولہ امیر عبدالرحمٰن خان کا بہت صحیح ہے کہ افغان بر نصف قرآن عمل میکنند قرآن شریف میں صاف اور صریح طور پر فرمایا گیا ہے کہ عادل بادشاہوں کی فرمانبرداری کرو اور بغاوت سے پرہیز کرو۔ اور جس بادشاہ یا جس کسی سے احسان دیکھو اس کا شکر کرو اور سب سے بھلائی کرو۔ مگر وید کی ہدایت اس کے برخلاف ہے اگر چاہو تو ستیارتھ پرکاش میں دیکھ لو۔

صفحہ ۲۰۰

اس نشانی کا دوسرا فقرہ مضمون پڑھنے والے نے یہ لکھا ہے کہ الہامی کتاب کی ایک یہ بھی نشانی ہے کہ والدین اور اولاد کے سب حقوق انصاف سے اُس میں درج ہوں سبحان اللہ ان لوگوں کی حالت تعصب کی وجہ سے کہاں تک پہنچ گئی ہے کہ محض اس غرض سے الہامی کتاب کی نشانیاں اپنی طرف سے تراشتے ہیں کہ تا قرآن شریف پر کوئی زد پیدا ہو جائے مگر خدا کی کلام پر کیونکر زد پیدا ہو اس لئے اُن کی وہ زد اُلٹ کر وید ہی پر پڑتی ہے۔ قرآن شریف نے جس قدر والدین اور اولاد اور دیگر اقارب اور مساکین کے حقوق بیان کئے ہیں۔ میں نہیں خیال کرتا کہ وہ حقوق کسی اور کتاب میں لکھے گئے ہوں جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا[1] ۔ الجزو ۵ سورۃ النساء (ترجمہ) تم خدا کی پرستش کرو۔ اور اُس کے ساتھ کسی کو مت شریک ٹھہراؤ۔ اور اپنے ماں باپ سے احسان کرو اور اُن سے بھی احسان کرو جو تمہارے قرابتی ہیں (اس فقرہ میں اولاد اور بھائی اور قریب اور دُور کے تمام رشتہ دار آگئے) اور پھر فرمایا کہ یتیموں کے ساتھ بھی احسان کرو اور مسکینوں کے ساتھ بھی اور جو ایسے ہمسایہ ہوں جو قرابت والے بھی ہوں اور ایسے ہمسایہ ہوں جو محض اجنبی ہوں اور ایسے

[1] النساء : ۳۷

رفیق بھی جو کسی کام میں شریک ہوں یا کسی سفر میں شریک ہوں یا نماز میں شریک ہوں یا علم دین حاصل کرنے میں شریک ہوں اور وہ لوگ جو مسافر ہیں اور وہ تمام جاندار جو تمہارے قبضہ میں ہیں سب کے ساتھ احسان کرو۔ خدا ایسے شخص کو دوست نہیں رکھتا جو تکبر کرنے والا اور شیخی مارنے والا ہو جو دوسروں پر رحم نہیں کرتا۔ مگر افسوس! کہ ایک آریہ بجز عوض معاوضہ کے کسی پر رحم نہیں کر سکتا۔ کیونکہ یہ صفت اُس کے پرمیشر میں بھی موجود نہیں کیونکہ وہ بھی صرف اعمال کی جزا دے سکتا ہے اس سے زیادہ نہیں اور اسی وجہ سے مکتی محدود ہے نہ دائمی۔*

صفحہ ۲۰۱

اور پھر والدین کے حقوق کی بجا آوری کے لئے قرآن شریف میں ایک اور جگہ حکم فرمایا ہے اور وہ یہ ہے وَقَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰـهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۔ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا

---

* ایک دوسری جگہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسَانًا ۭ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ۭ وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ۭ حَتّٰٓي اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۙ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰي وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ ڕ اِنِّىْ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاِنِّىْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ[1] (الجزو ۲۶ سورۃ الاحقاف) (ترجمہ) اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کی تاکید کی ہے یہاں وجہ سے کہ مشکل سے اس کی ماں نے اپنے پیٹ میں اس کو رکھا اور مشکل ہی سے اس کو جنا اور یہ مشکلات اس دور دراز مدت تک رہتی ہیں کہ اس کا پیٹ میں رہنا اور اس کے دودھ کا چھوٹنا تیس مہینہ میں جا کر تمام ہوتا ہے یہاں تک کہ جب ایک نیک انسان اپنی پوری قوت کو پہنچتا ہے تو دُعا کرتا ہے کہ اے میرے پروردگار مجھ کو اس بات کی توفیق دے کہ تو نے جو مجھ پر اور میرے ماں باپ پر احسانات کئے ہیں تیرے اُن احسانات کا شکریہ ادا کرتا رہوں اور مجھ اس بات کی بھی توفیق دے کہ میں کوئی ایسا نیک عمل کروں جس سے تو راضی ہو جائے اور میرے پر یہ بھی احسان کر کہ میری اولاد نیک بخت ہو اور میرے لئے خوشی کا موجب ہو اور میں اولاد پر بھروسہ نہیں کرتا بلکہ ہر ایک حاجت کے وقت تیری طرف رجوع کرتا ہوں اور میں ان میں سے ہوں جو تیرے آگے اپنی گردن رکھ دیتے ہیں نہ کسی اور کے آگے۔ منہ

[1] الاحقاف : ۱۶

عَمَا رَبَّيَانِیْ صَغِیْرًا۔ الجزو ۱۵ سورۃ بنی اسرائیل (ترجمہ) تیرے رب نے یہ حکم کیا ہے کہ تم فقط میری ہی پرستش کرو اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرو اور اگر تیرے سامنے ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں پس تو اُن کی نسبت کوئی بیزاری کا لفظ منہ پر مت لا اور اُن کو مت جھڑک اور سخت لفظ مت بول اور جب تو اُن سے بات کرے تو تعظیم اور ادب سے کر اور مہربانی کی راہ سے اُن دونوں کے آگے اپنے بازو جھکا دے اور دعا کرتا رہ کہ اے میرے پروردگار ان دونوں پر رحم کر جیسا کہ انہوں نے بچپن کے زمانہ میں رحم کر کے میری پرورش کی۔ اور پھر ایک جگہ فرماتا ہے کُتِبَ عَلَیْکُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَکُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَکَ خَیْرًا ۨالْوَصِیَّۃُ لِلْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَی الْمُتَّقِیْنَ۔ فَمَنْ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ عَلَی الَّذِیْنَ یُبَدِّلُوْنَهٗ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ۔ فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَیْنَهُمْ فَلَآ اِثْمَ عَلَیْهِ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔[۲] الجزو ۲ سورۃ البقرۃ) ترجمہ۔ تم پر فرض کیا گیا ہے کہ جس وقت تم میں سے کسی کی موت کا وقت آجائے تو اگر اُس نے کچھ مال چھوڑا ہے تو چاہئے کہ ماں باپ کے لئے اس مال میں سے کچھ وصیت کرے ایسا ہی خویشوں کے لئے بھی معروف طور پر جو شرع اور عقل کے رُو سے پسندیدہ ہے اور مستحسن سمجھا جاتا ہے وصیت کرنی چاہئے یہ خدا نے پرہیزگاروں کے ذمہ ایک حق ٹھیرا دیا جس کو بہرحال ادا کرنا چاہئے یعنے خدا نے سب حقوق پر وصیت کو مقدم رکھا ہے اور سب سے پہلے مرنے والے کے لئے یہی حکم دیا ہے کہ وہ وصیت لکھے۔ اور پھر فرمایا کہ جو شخص سُننے کے بعد وصیت کو بدل ڈالے تو یہ گناہ اُن لوگوں پر ہے جو جرم تبدیل وصیت کے عمداً مرتکب ہوں۔ تحقیق اللہ سُنتا اور جانتا ہے یعنی ایسے مشورے اُس پر مخفی نہیں رہ سکتے اور یہ نہیں کہ اُس کا علم ان باتوں کے جاننے سے قاصر ہے اور پھر فرمایا کہ جس شخص کو یہ خوف دامنگیر ہوا کہ وصیت کرنے والے نے کچھ کجی اختیار کی ہے یعنی بغیر سوچنے سمجھنے کے کچھ غلطی کر بیٹھا ہے یا کسی گناہ کا مرتکب ہوا ہے یعنی عمداً کوئی ظلم کیا ہے اور اُس نے اس بات پر اطلاع پاکر جنکے

صـ ۲۰۲

[۱] بنی اسرائیل: ۲۴-۲۵ [۲] البقرۃ: ۱۸۱ تا ۱۸۳

لئے وصیت کی گئی ہے اس میں کچھ مناسب اصلاح کر دے تو اس پر کوئی گناہ نہیں تحقیق اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

اور پھر حقوق اولاد کے بارہ میں ایک جگہ فرمایا۔ وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ ۚ وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ[1] الجزو ۲ سورۃ البقرہ (ترجمہ) یعنی ماؤں کو چاہئے کہ اپنے بچوں کو دو برس کامل تک دودھ پلاویں اگر وہ مدت رضاعت کو پورا کرنا چاہتی ہیں۔ اور ان کی خوراک پوشاک اس مرد کے ذمہ ہے جس کے وہ بچے ہیں۔

اور پھر ایک دوسرے مقام میں فرماتا ہے۔ لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ ۚ نَصِيبًا مَفْرُوضًا ۔ وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُو الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينُ فَارْزُقُوهُمْ مِنْهُ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوفًا ۔ وَلْيَخْشَ الَّذِينَ لَوْ تَرَكُوا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعَافًا خَافُوا عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللَّهَ وَلْيَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ۔ إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا ۖ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا ۔ يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ ۚ فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۖ وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۚ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ ۚ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ ۚ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۗ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۚ فَرِيضَةً مِنَ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ۔ وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ ۚ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۚ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ

ص۲۰۳

[1] البقرۃ : ۲۳۴

مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ أَوْ دَيْنٍ ط وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً أَوِ امْرَأَةٌ وَّلَهٗٓ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ج فَإِنْ كَانُوْٓا أَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِي الثُّلُثِ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ أَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَآرٍّ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ط وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ [1] الجزو نمبر ۴ سورۃ النساء۔ ترجمہ۔ مردوں کے لئے اُس جائیداد میں سے ایک حصہ ہے جو ماں باپ اور قرابتی چھوڑ گئے ہوں۔ ایسا ہی عورتوں کے لئے اس جائیداد میں سے ایک حصہ ہے جو ماں باپ اور قرابتی چھوڑ گئے ہوں۔ اس میں سے کسی کا حصہ تھوڑا ہو یا بہت ہو بہرحال ہر ایک کے لئے ایک حصہ مقرر کیا گیا ہے۔ اور جب ترکہ کے تقسیم کے وقت ایسے قرابتی لوگ حاضر آویں جن کو حصہ نہیں پہنچتا۔ ایسا ہی اگر یتیم اور مسکین بھی تقسیم کے موقع پر آجاویں تو کچھ کچھ اس مال میں سے اُن کو دے دو اور اُن سے معقول طور پر پیش آؤ یعنی نرمی اور خلق کے ساتھ پیش آؤ اور سخت جواب نہ دو۔ اور وارثان حقدار کو ڈرنا چاہیئے کہ اگر وہ خود چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑ مرتے تو اُن کے حال پر اُن کو کیسا کچھ ترس نہ آتا اور کیسی وہ اُن کی کمزوری کی حالت کو دیکھ کر خوف سے بھر جاتے پس چاہیئے کہ وہ کمزور بچوں کے ساتھ سختی کرنے میں اللہ سے ڈریں اور اُن کے ساتھ سیدھی طرح بات کریں یعنی کسی قسم کے ظلم اور حق تلفی کا ارادہ نہ کریں۔ جو لوگ یتیموں کا مال ناحق خورد بُرد کرتے ہیں وہ مال نہیں کھاتے بلکہ آگ کھاتے ہیں۔ تمہاری اولاد کے حصوں کے بارے میں خدا کی یہ وصیت ہے کہ لڑکے کو دو لڑکیوں کے برابر حصہ دیا کرو۔* پھر اگر لڑکیاں دو یا دو سے بڑھ کر ہوں تو جو کچھ مرنے والے نے چھوڑا ہے اُس مال میں سے اُن کا حصہ تہائی ہے اور اگر لڑکی اکیلی ہو تو وہ مال متروکہ میں سے نصف کی مستحق ہے اور میت کے ماں باپ کو یعنی دونوں میں سے ہر ایک کو اس مال میں سے جو میت نے چھوڑا

صـ۲۰۴

* یہ اس لئے ہے کہ لڑکی سسرال میں جاکر ایک حصہ لیتی ہے پس اس طرح سے ایک حصہ ماں باپ کے گھر سے پاکر اور ایک حصہ سسرال سے پاکر اس کا حصہ لڑکے کے برابر ہو جاتا ہے۔ منہ

[1] النساء: ۸ تا ۱۳

ہے چھٹا حصہ ہے اور یہ اس حالت میں کہ مرنے والا کچھ اولاد چھوڑ گیا ہو۔ اور اگر مرنے والا لاولد مرا ہو اور اُس کے وارث صرف ماں باپ ہوں تو ماں کا حصہ صرف ایک تہائی ہے۔ باقی سب باپ کا۔ اگر ماں باپ کے علاوہ میت کے ایک سے زیادہ بھائی یا بہنیں ہوں تو اس صورت میں ماں کا چھٹا حصہ ہوگا۔ لیکن یہ حصہ وصیت یا قرض کے ادا کرنے کے بعد دینا ہوگا۔ تمہارے باپ ہوں یا بیٹے تمہیں معلوم نہیں کہ اُن میں سے باعتبار نفع رسانی کے کونسا تم سے زیادہ قریب ہے پس جو حصے خدا نے قرار دے دیئے ہیں اُن پر کاربند ہو جاؤ۔ کیونکہ یہ وہ صرف خدا ہی ہے جس کا علم غلطی اور خطا سے پاک ہے اور جو حکمت سے کام کرتا اور ہر ایک مصلحت سے واقف ہے اور جو ترکہ تمہاری بیبیاں چھوڑ مریں پس اگر وہ لاولد مر جاویں تو اُن کے ترکے میں سے تمہارا آدھا حصہ ہے اور اگر تمہاری بیبیوں کی اولاد ہے تو اس حالت میں ان کے ترکہ میں سے تمہارا حصہ چوتھائی ہے مگر وصیت یا قرض کے ادا کرنے کے بعد۔ اور اگر تم مر جاؤ اور تمہاری کچھ اولاد نہ ہو تو تمہاری بیبیوں کا حصہ تمہارے مال میں سے چوتھائی ہے اور اگر تمہاری اولاد ہو تو اُن کا حصہ تمہارے ترکہ میں سے آٹھواں ہے مگر اس امر کے بعد کہ پہلے اُن کی وصیت کی تعمیل کی جائے یا جو کچھ اُن کے سر پر قرضہ ہے وہ ادا کیا جائے۔

ص۲۰۵

اور اگر کسی مرد یا عورت کی میراث ہو اور وہ ایسا ہو کہ اُس کا نہ باپ ہو نہ بیٹا اور اُس کی بھائی یا بہن ہو تو اُن بھائی یا بہنوں میں سے ہر ایک کے لئے چھٹا حصہ ہے اور اگر وہ ایک سے زیادہ ہوں تو اس صُورت میں ایک تہائی میں سب شریک ہوں گے مگر ضروری ہوگا کہ پہلے وصیت کی تعمیل کی جائے یا اگر مرنے والے کے ذمہ قرض ہو تو وہ ادا کیا جائے لیکن اس وصیت اور اس قرض میں ایک شرط ہے اور وہ یہ ہے کہ اس وصیت یا اس قرضہ کے ذریعہ سے مرنے والے نے کسی کو نقصان پہنچانا نہ چاہا ہو۔ اس طرح پر کہ ایک ثُلث سے زیادہ کی وصیت کر دی ہو یا ایک فرضی قرضہ ظاہر کیا ہو۔ یہ خدا کا حکم ہے وہ خدا جس کے علم سے کوئی چیز باہر نہیں اور وہ علیم ہے اس لئے وہ باوجود علم کے نافرمان کو جلدی سزا نہیں دیتا یعنی

وہ سزا دینے میں دھیما ہے۔ پس اگر کسی ظلم اور خیانت کے وقت کوئی شخص اپنے کیفرِ کردار کو نہ پہنچے تو اُس کو یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ خدا کو اس کی اس مجرمانہ حرکت کی خبر نہیں بلکہ یہ سمجھنا چاہیئے کہ بباعث خدا کے حکم کے یہ تاخیر واقع ہوئی ہے اور آخر شریر آدمی کو وہ سزا دیتا ہے جس کے وہ لائق ہوتا ہے ؎

ہاں مشو مغرور بر حلم خدا — دیر گیرد سخت گیرد مر ترا

اب ان تمام آیات سے صاف ظاہر ہے کہ کیسے خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں والدین کے حق کو تاکید کے ساتھ ظاہر فرمایا ہے اور ایسا ہی اولاد کے حقوق بلکہ تمام اقارب کے حقوق ذکر فرمائے ہیں اور مساکین اور یتیموں کو بھی فراموش نہیں کیا بلکہ ان حیوانات کا حق بھی انسانی مال میں ٹھہرایا ہے جو کسی انسان کے قبضہ میں ہوں۔ اس کے مقابل پر وید نے اہل حقوق کی بہت حق تلفی کی ہے یہاں تک کہ ایک ناجائز ولادت کا بچہ جو بذریعہ نیوگ پیدا کیا جاتا ہے وہ بھی وید کے رُو سے کسی شخص کا ایسا ہی وارث ٹھہرتا ہے جیسا کہ اُس کا صُلبی بچہ۔ یہ کس قدر بے انصافی ہے اور پھر کسی کی موت کے بعد اس کے بعض وارثوں کی وید کے حکم سے حق تلفی کی جاتی ہے اور اُن کو صاف جواب دیا جاتا ہے مگر قرآن شریف کی رُو سے حصہ کشی کے وقت ایک ہی مجلس میں سب کے حقوق دئیے جاتے ہیں کوئی محروم نہیں رکھا جاتا۔

صفحہ ۲۰۶ پھر مضمون پڑھنے والے نے الہامی کتاب کی یہ نشانی پیش کی کہ اس میں ترمیم تنسیخ نہ ہو اور نہ ہونے کی ضرورت ہو۔ اب ہم اس کے جواب میں کیا کہیں اور کیا لکھیں یہ شخص ناحق وید کی پردہ دری کراتا جاتا ہے۔ ابھی تک اس کو یہ بھی خبر نہیں کہ انسانی فطرت معرضِ تبدل اور تغیر میں پڑی ہوئی ہے پس خدا کی طرف سے وہی کتاب ٹھہر سکتی ہے جو ان تغیرات کا لحاظ رکھے۔ جو شخص طبیب کہلا کر ایک شیر خوار بچہ کو اسی قدر اور اُسی درجہ کی دوا دیتا ہے جو ایک جوان کو دینے کے لائق ہے وہ ایک نادان آدمی ہے طبیب نہیں ہے اور جیسا کہ ایک طبیب کو موسموں کے لحاظ سے ایک دوا کی کمی بیشی کرنی پڑتی ہے یا ایک دوا ترک کرکے دوسری دوا اختیار

کرنی پڑتی ہے۔ یہی قاعدہ طب رُوحانی میں ہے یعنی خدا کی شریعت میں ایک مریض جب علاج کرانے کے لئے طبیب کے پاس حاضر ہوتا ہے تو اگر وہ حاذق طبیب ہے تو مرض کے تمام درجوں پر ایک ہی دوا نہیں دیتا۔ بلکہ ابتدائی حالت میں کچھ تجویز کرتا ہے اور جب مرض ابتدا سے ترقی کر کے تزائد کے درجہ تک پہنچ جاتی ہے یعنی زیادہ ہونا شروع کرتی ہے تو اُسی درجہ کے مناسب حال نسخہ کو بدل دیتا ہے اور جب مرض تزائد سے انتہا کے درجہ پر پہنچتی ہے یعنی اُس کا زور و شور کمال تک پہنچ جاتا ہے تب طبیب حاذق اسی شدت مرض کے مطابق نسخہ تجویز کرتا ہے اور پھر جب مرض کے انحطاط کا وقت آتا ہے یعنی مرض گھٹنی شروع ہوتی ہے تو طبیب بھی اپنے نسخہ کو نرم کر لیتا ہے اور جب کسی مرض میں بغیر اپریشن یعنی جراحی کے چارہ نہیں ہوتا اور اندیشہ موت ہوتا ہے تو طبیب کا یہ فرض ہوتا ہے کہ فوراً اپریشن پر کمربستہ ہو اور اس بات کا لحاظ نہ رکھے کہ بیمار کو کچھ تکلیف ہوگی۔ بعض اوقات طبیب کو جان بچانے کے لئے مریض کا پیٹ چیرنا پڑتا ہے یا سر یا جبڑہ کی کوئی ہڈی نکالنی پڑتی ہے تو ان تمام تجاویز میں طبیب کو ظالم نہیں کہہ سکتے کیونکہ وہ ان تدابیر میں ہلاک کرنا نہیں چاہتا بلکہ جان کو بچانا چاہتا ہے۔

ایسا ہی اگر تم سوچ کر دیکھو تو ظاہر ہوگا کہ انسان کی زندگی ہر ایک پہلو سے تغیرات سے بھری ہوئی ہے اور جیسا کہ انسان جسمانی طور پر تختہ مشق تغیرات ہے ایسا ہی رُوحانی طور پر بھی اُس کو تغیرات سے چارہ نہیں۔ ہم اپنے ملک میں دیکھتے ہیں کہ اکتوبر مہینہ کے شروع ہوتے ہی ہمیں اپنے لباس میں کچھ کچھ تغیر کرنا پڑتا ہے اور پھر دسمبر کے مہینہ میں ہم پورے طور پر اس ہلکے لباس کو چھوڑ دیتے ہیں جو پہلے رکھتے تھے۔ اور بجائے اُس کے پشم وغیرہ کے موٹے موٹے کپڑے پہننے شروع کرتے ہیں جو دفع سردی کے لئے کافی ہوں۔ اور پھر جب اپریل کا مہینہ آتا ہے تو پھر ہم باریک کپڑے پہننے شروع کرتے ہیں اور جون جولائی میں پنکھے اور ٹھنڈے پانیوں کی شدید حاجت ہوتی ہے۔ سو جاننا چاہیئے کہ یہی تغیرات انسان کی رُوحانی زندگی میں بھی

ص ۲۰۷

واقع ہیں۔ ایک متعصب اور جاہل آدمی تو اعتراض کے طور پر جلدی کے ساتھ منہ سے ایک بات نکال لیتا ہے گویا وہ اس کا منہ نہیں ہوتا بلکہ وہ ایسی بے اختیاری کی حالت ہوتی ہے جیساکہ زحیر کے بیمار کو پیچش کے ساتھ بے اختیار دست آجاتا ہے۔ غرض تعصب نہایت سخت بلا ہے اور پھر جب یہی تعصب نادانی اور جہالت کے ساتھ مرکب ہو جاتا ہے تو ایک ایسی زہریلی تاثیر اس میں پیدا ہو جاتی ہے کہ اکثر وہ ایسے انسان کو جو متعصب ہو ہلاک بھی کر دیتی ہے۔

ہندوؤں میں سے ایک شخص یعنی **باوا نانک صاحب** بے تعصب انسان پیدا ہوئے ہیں۔ چونکہ وہ شخص دل کا پاک تھا اس لئے خدا نے اُس کو دِکھا دیا کہ اسلام سچا ہے اُس کے شعروں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسلام پر فدا شدہ ہے میں نے ڈیرہ نانک میں خود جاکر باوا صاحب کے چولا صاحب کو دیکھا ہے انہوں نے اس چولا میں قرآن شریف کی آیتیں لکھی ہیں اور جا بجا صاف اقرار کیا ہے کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ اور ہر ایک موقعہ پر لکھا ہے کہ بجز اسلام کے کوئی مذہب قبول کرنے کے لائق نہیں۔ اور میں نے مُلتان میں وہ مسجد دیکھی ہے جہاں باوا صاحب نماز پڑھا کرتے تھے اور اُن کے ہاتھ سے یہ لفظ مُلتان کی خانقاہ پر میں نے لکھا ہوا دیکھا ہے کہ **یَا اللّٰهُ**۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ باوا صاحب پاک دل تھے اور انہوں نے اسلام کی سچائی کے بارے میں بار بار گواہی دی۔ سو کروڑہا ہندوؤں میں سے ایک ہی شخص پیدا ہوا جس کو خدا نے آنکھ کا نور بخشا اور دل کو صاف کیا اور اپنی محبت عطا کی۔ مگر افسوس کہ پنڈت دیانند نے اُن کی شان میں بہت کچھ نالائق اور توہین کے الفاظ اپنی کتاب ستیارتھ پرکاش میں لکھے ہیں جن کا نقل کرنا بھی میرے نزدیک بے ادبی ہے۔

مضمون پڑھنے والے نے ایک الہامی کتاب کی یہ نشانی پیش کی کہ وہ خاص ایشور کی ہی زبان ہو مگر افسوس کہ وہ یہ نہیں سمجھتا کہ جس حالت میں بموجب اصول آریہ کے نوع انسان قدیم سے ہے تو پھر اس سے لازم آتا ہے کہ اُن کی زبانیں بھی قدیم ہیں تو پھر قدامت کی وجہ سے

ص ۲۰۸

اُن زبانوں میں فرق کیا ہوا۔ اور ویدک کی سنسکرت میں کونسی خاص علامت ہے جس سے وہ ایشور کی زبان سمجھی جاوے۔ہاں چونکہ اب وہ اس زمانہ میں مردہ زبان ہے اور کوئی قوم اس کو بولتی نہیں اس لئے ایک نادان خیال کر سکتا ہے کہ وہ زبان چونکہ انسانی استعمال سے الگ ہے اس لئے وہ ایشور کی زبان ہوگی۔مگر متروک الاستعمال ہونا یہ امر سنسکرت سے ہی خاص نہیں بلکہ اور کئی زبانیں ہیں جو اول بولی جاتی تھیں اب متروک الاستعمال ہیں تو کیا اس وجہ سے وہ تمام زبانیں ایشور کی زبان بن جائیں گی۔اور اگر ویدک سنسکرت کسی اور دلیل سے ایشور کی زبان کہلاتی ہے اور ایشور کسی خاص اپنی کچہری میں وہ زبان بولا کرتا ہے تو اس پر کوئی دلیل پیش کرنی چاہیئے ورنہ جو کچھ عبری زبانوں اور فارسی زبانوں اور دوسرے ممالک کی زبانوں میں انواع اقسام کے تغیرات اگر بعض زبانیں تو بالکل مردہ ہوگئیں اور بعض میں اس قدر تغیر آئے کہ پہلے الفاظ بہت ہی تھوڑے اُن میں باقی رہ گئے اور نئے الفاظ اور نئے محاورات اُن میں داخل ہو گئے اگر اس قسم کے نمونوں کا شوق ہو تو ہم اس بارے میں ایک بڑی لمبی فہرست پیش کر سکتے ہیں پس اگر کوئی زبان متروک الاستعمال ہونے کی وجہ سے ایشر کی زبان ہو سکتی ہے تو پھر ان تمام دوسری زبانوں نے کیا گناہ کیا ہے جو متروک الاستعمال ہیں کہ اُن کو ایشور کی زبانیں نہ کہا جائے۔آریوں کو یہ ماننا پڑتا ہے کہ دوسری زبانیں بھی قدیم ہیں کیونکہ جب کہ یہ دُنیا کا سلسلہ قدیم ہے تو کیا وجہ کہ نوع انسان کی آبادی کروڑہا برسوں سے صرف آریہ ورت تک ہی محدود رہی اور اُن کی ایک ہی زبان رہی اس بات کو تو کوئی عقلمند نہیں مانے گا کیونکہ یہ قانون قدرت کے برخلاف ہے اور جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ دو تین سو برس گذرنے تک ایک زبان میں کچھ تغیر پیدا ہو جاتا اور ایسا ہی جب ایک جگہ سے مثلاً سو کوس کے فاصلہ پر آگے نکل جائیں تو صریح زبان کا تغیر محسوس ہوتا ہے تو اس سے صاف ثابت ہے کہ اختلاف اَلسنہ ایک قدیمی امر ہے جس پر موجودہ حالت گواہی دے رہی ہے پس ماننا پڑتا ہے کہ جس نے انسان کو بنایا اُسی نے اُن کی زبانوں کو بنایا ہے اور وقتاً فوقتاً وہی اُن

صفحہ ۲۰۹

میں تغیرات ڈالنا ہے اور یہ بالکل غیر معقول اور بیہودہ امر ہے کہ انسان کی اصل زبان تو کوئی ہو اور الہام اس کو کسی اور زبان میں ہو جس کو وہ سمجھ بھی نہیں سکتا کیونکہ اس میں تکلیف مالا یُطاق ہے اور ایسے الہام سے فائدہ کیا ہؤا جو انسانی سمجھ سے بالاتر ہے پس جب کہ بموجب اصول آریہ سماج کے وید کے رشیوں کی زبان ویدک سنسکرت نہیں تھی اور نہ وہ اُس کے بولنے اور سمجھنے پر قادر تھے اور پھر خدا کا ایسی بیگانہ زبان میں اُن کو الہام کرنا گویا دیدہ دانستہ اُن کو اپنی تعلیم سے محروم رکھنا تھا۔ اور اگر کہو کہ خدا اُن کو اُن کی زبان میں سمجھا دیتا تھا کہ ان عبارتوں کے یہ معنی ہیں تو اس صورت میں پرمیشر کا یہ عہد بحال نہیں رہے گا کہ انسانی زبان میں اُس کو بولنا حرام ہے۔ مجھے تعجب ہے کہ ان نہایت کچی اور خام باتوں کے پیش کرنے سے آریوں کو فائدہ کیا ہے کیا جو کچھ انسان کا ہے وہ سب کچھ پرمیشر کا نہیں ہے تو پھر کونسی پرمیشر کی ہتک عزت ہے کہ انسان کو اُسی کی زبان میں سمجھادے۔ کیا ہمارا خدا ہماری دعائیں ہماری زبان میں ہی نہیں سُنتا۔ پس جب کہ ہماری زبان میں ہی ہماری دعا سُننے سے اُس کی شان میں کچھ فرق نہیں آتا تو پھر ہماری زبان میں ہی ہمیں کوئی راہ راست سمجھانے سے کیوں اُس کی شان میں فرق آئے گا۔

صـــ۲۱۰

پس یاد رکھنا چاہیئے کہ قدیم سُنت اللہ کے موافق تو یہی عادت الٰہی ہے کہ وہ ہر ایک قوم کے لئے اُسی زبان میں ہدایت کرتا ہے لیکن اگر کوئی زبان ایسی ہو کہ مُلہم کو خوب یاد ہو اور گویا اُس کی زبان کے حکم میں ہو تو بسا اوقات مُلہم کو اس زبان میں الہام ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ قرآن شریف کے بعض الفاظ سے یہ سند ملتی ہے کیونکہ اوّل قرآن شریف قریش کی زبان میں ہی نازل ہونا شروع ہوا تھا کیونکہ اوّل مخاطب قریش ہی تھے مگر بعد اس کے قرآن شریف میں عرب کی اَور اَور زبانوں کے بھی الفاظ آگئے ہیں اور ہم لوگ جو قرآن شریف کے پیرو ہیں اور ہماری شریعت کی کتاب خدا تعالیٰ کی طرف سے قرآن شریف ہے۔ اس لئے ہم خدا تعالیٰ سے اکثر عربی میں الہام پاتے ہیں تا وہ اس بات کا نشان ہو کہ جو کچھ ہمیں ملتا ہے وہ آنحضرت

صلے اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے ملتا ہے اور ہم ہر ایک امر میں اُسی ذریعہ سے فیضیاب ہیں اور چونکہ اس زمانہ میں خدا تعالےٰ کا ارادہ ہے کہ تمام انسانوں کو ایک ہی قوم بنادے اس لئے ہم کبھی دوسری زبانوں میں الہام پاتے ہیں مگر اکثر خدا تعالیٰ کا مکالمہ مخاطبہ عربی میں ہی ہوتا ہے بلکہ بہت حصہ خدا تعالےٰ کے مکالمہ مخاطبہ کا قرآن شریف کی آیتوں کے ساتھ ہوتا ہے جس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے کہ قرآن شریف خدا کا کلام ہے اور اس طور پر ایک نئے طریق سے ملہم کو یقین دلایا جاتا ہے کہ جس رسول پر وہ ایمان رکھتا ہے وہ سچا رسول ہے اور جس کتاب کو وہ مانتا ہے یعنی قرآن شریف کو وہ خدا کی کتاب ہے غرض جب کہ اب بھی مختلف زبانوں میں الہام ہوتا ہے اور صدہا پیش گوئیاں اس الہام کے ذریعہ سے پوری ہوتی ہیں تو کیا اب تک ثابت نہ ہوا کہ خدا ہر ایک زبان میں الہام کرتا ہے کیا سچی خوابیں خدا کی طرف سے نہیں ہوتیں کیا اُن میں بھی ویدک سنسکرت لازمی امر ہے۔

اب ہم مضمون پڑھنے والے کی پیش کردہ نشانیوں کو اختصار کے ساتھ بیان کر چکے اور اس کے بعد ہم اُن اعتراضات کا جواب دیں گے جو اُس نے اپنی تجویز کردہ نشانیوں کی بناء پر قرآن شریف پر کئے ہیں۔

اول یہ اعتراض کیا ہے کہ قرآن شریف آغاز دنیا میں ہونے کا دعویٰ نہیں کرتا ہم پہلے بھی اس اعتراض کا جواب لکھ آئے ہیں کہ چونکہ قرآن شریف امر معروف اور نہی منکر میں کامل ہے اور خدا نے اُس میں یہی ارادہ کیا ہے کہ جو کچھ انسانی فطرت میں انتہا تک بگاڑ ہو سکتا ہے اور جس قدر گمراہی اور بدعملی کے میدانوں میں وہ آگے سے آگے بڑھ سکتے ہیں اُن تمام خرابیوں کی قرآن شریف کے ذریعہ سے اصلاح کی جائے اس لئے ایسے وقت میں اُس نے قرآن شریف کو نازل کیا کہ جب کہ نوع انسان میں یہ تمام خرابیاں پیدا ہو گئی تھیں اور رفتہ رفتہ انسانی حالت نے ہر ایک بدعقیدہ اور بدعمل سے آلودگی اختیار کر لی تھی اور یہی حکمت الٰہیہ کا تقاضا تھا کہ ایسے وقت میں اُس کا کامل کلام نازل ہو کیونکہ خرابیوں کے پیدا ہونے پہلے

صـ۱۱

ایسے لوگوں کو ان جرائم اور بدعقاید کی اطلاع دینا کہ وہ اُن سے بکلی بے خبر ہیں یہ گویا اُن کو ان گناہوں کی طرف خود میلان دینا ہے۔ سو خدا کی وحی حضرت آدم سے تخم ریزی کی طرح شروع ہوئی اور وہ تخم خدا کی شریعت کا قرآن شریف کے زمانہ میں اپنے کمال کو پہنچکر ایک بڑے درخت کی طرح ہو گیا اور ہم لکھ چکے ہیں کہ وید پر یہ سراسر تہمت ہے کہ وہ ابتدائے زمانہ کی کتاب ہے۔ بلکہ وہ متفرق وقتوں کا ایک مجموعہ ہے جیسا کہ محققین اس کی نسبت رائے ظاہر چکے ہیں۔ اور ابتدائے زمانہ کا دعوےٰ جو کیا جاتا ہے اُس کے رد کرنے کے لئے وید ہی کافی ہے۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ وید کے ذریعہ سے جو کچھ آریوں کو فیض پہنچا۔ وہ تو یہی ہے کہ اس ملک کے کروڑہا ہندو لوگ مخلوق پرستی کی بلامیں گرفتار ہو گئے۔ ان لوگوں نے مخلوق پرستی میں حد ہی کر دی کہ نہ پانی چھوڑا نہ آگ۔ نہ سُورج نہ چاند۔ نہ پتھر نہ انسان نہ درخت بلکہ ہر ایک عجیب چیز کو خدا سمجھ لیا۔ آخر جب قرآن شریف کا اس مُلک میں مبارک قدم پڑا تو کروڑہا ہندوؤں کو اُس نے مخلوق پرستی کی بلا سے نجات دی اور دے رہا ہے مگر پھر یہ لوگ ناشکر گذار ہیں اور ناحق وید وید کر رہے ہیں۔ شاید وید کے پہلے ہاتھ جو ان کو لگ چکے ہیں وہ بھول گئے۔

پھر مضمون پڑھنے والے نے قرآن شریف پر ایک یہ اعتراض کیا کہ اُس میں سینکڑوں باتیں قانونِ قدرت کے برخلاف ہیں جب تک مسلمان لوگ اُن کی مطابقت قانونِ قدرت سے نہ کر دکھائیں تب تک ایمان لانے کے لئے ہم لوگوں کو مدعو نہ کریں۔ اس بیہودہ اعتراض کا ہم پہلے بھی جواب دے آئے ہیں کہ خدا کے قانونِ قدرت کی وہ شخص حد بست کر سکتا ہے جو خدا سے بھی بڑھ کر ہو ورنہ یہ خیال نہایت بے ادبی اور بے ایمانی ہے کہ وہ خدا جس کے اسرار وراء الوراء ہیں اور جس کی قدرتیں اُس کی ذات کی طرح ناپیداکنار ہیں اُس کے عجائبات قدرت کو کسی حد تک محدود کر دیا جائے۔ کیونکہ یہ بات ظاہر ہے کہ جب کہ خدا تعالےٰ کی ذات غیر محدود ہے تو پھر اُس کی صفات کیونکر محدود ہو جائیں گی ہاں جو امر اُس کے ثابت

۲۱۲

شدہ صفات کے برخلاف ہو یا اس کے ذکر کردہ عہد کے منافی ہو وہی اُس کے قانونِ قدرت کے برخلاف سمجھا جائے گا۔ مثلاً اُس کی صفات ثابت شدہ سے یہ امر ہے کہ اُس کا کوئی ثانی نہیں اور یہ امر ہے کہ اس پر موت وارد نہیں ہوسکتی اور نیز یہ امر ہے کہ اپنی صفات کے مطابق وہ کسی بات کے کرنے سے عاجز نہیں اور یا مثلاً اس کا یہ عہد ہے کہ جو شخص مرجائے پھر اُس کو دنیا میں آباد کرنے کے لئے واپس نہیں لاتا۔ سو جو بات ان ثابت شدہ صفات اور عہد کے برخلاف ہو اس کی طرف وہ توجہ نہیں کرتا۔ وہ اپنا ثانی کسی کو نہیں بناتا وہ خودکشی نہیں کرتا اور کسی پر موت وارد کرکے پھر اُس کو دنیا میں لاکر آباد نہیں کرتا اور ان امور کے سوا وہ سب کچھ کرسکتا ہے کس کی یہ مجال ہے کہ وہ یہ کہے کہ صرف فلاں حد تک اُس کی قدرتیں ہیں آگے نہیں یا فلاں فلاں امور اُس کے احاطہ اقتدار سے باہر ہیں اور وہ اُن کے کرنے سے عاجز ہے۔ ہاں اُس کی عجائب قدرتیں ہر ایک کے ساتھ یکساں نہیں جیسے جیسے انسان اس سے تعلق محبت اور اخلاص پیدا کرتا ہے اسی قدر اُس پر قدرتیں ظاہر ہوتی ہیں اور جو اُس کے کام عوام کے لئے محال ہیں اور ظاہر نہیں ہوتے وہ خواص کے لئے بباعث اُن کے تعلق کے ظاہر کئے جاتے ہیں۔ غرض اُس کی ذات میں بے شمار عجائب قدرتیں ہیں مگر اسی پر ظاہر ہوتی ہیں جو اُس کی محبت میں گم ہو جاتا ہے وہ اُن کے لئے وہ کام دکھاتا ہے جو ایک اندھا فلسفی اُن کام کو محال سمجھتا ہے وہ اپنے صادق محبوں کے لئے وہ عجائبات ظاہر کرتا ہے جو دنیا کے عقل مند اُس کو فوق العادت سمجھتے ہیں اُس کے آگے کوئی بات انہونی نہیں اور صرف ایسی بات وہ نہیں کرتا جو اس کا عہد یا اُس کے صفات روکتے ہوں۔ مبارک وہ جو اُس کی قدرتوں کی نسبت اپنے ایمان کو ترقی دیں۔ ورنہ بے ایمان کی دُعا بھی قبول نہیں ہوسکتی کیونکہ وہ اپنی شیطانی نیچریت کی وجہ سے اُس کو قادر نہیں جانتا۔

پھر مضمون پڑھنے والے نے قرآن شریف پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اس میں لکھا ہے کہ

ص۱۳

کُن سے سب کچھ پیدا کر لیا اور چھ دن میں زمین و آسمان بنایا اور ساتویں دن آرام کیا حالانکہ علم جیالوجی سے ثابت ہے کہ لاکھوں برسوں میں زمین بنی۔ سو ہم اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ اس میں کیا شک ہے کہ سب کچھ کُن سے یعنی حکم سے ہی پیدا کیا گیا ہے خواہ لاکھوں برسوں میں ایک چیز بنے اور خواہ کروڑوں برسوں میں مگر اول خُدا کا حکم ہونا ضروری ہے ہر ایک شخص جو خدا تعالےٰ پر ایمان لاتا ہے وہ اس سے انکار نہیں کر سکتا جو ہر ایک محو و اثبات حکم الٰہی سے وابستہ ہے ہاں جو شخص دہریہ اور خدا تعالےٰ سے منکر ہے اس کا یہ قول ہوگا کہ ہر ایک چیز بغیر ضرورت حکم کے خود بخود بن جاتی ہے مگر جب کہ خدا تعالیٰ کی ہستی ثابت ہے اور یہ بھی ثابت ہے کہ کوئی چیز بغیر اُس کے ارادہ کے ظہور پذیر نہیں ہو سکتی تو اس سے ہر ایک ایماندار کو ماننا پڑتا ہے کہ کوئی چیز بغیر اُس کے حکم کے ظہور پذیر نہیں ہو سکتی کسی طاقت کی مجال نہیں ہے کہ بغیر خدا تعالےٰ کے حکم کے کچھ کام کر سکے اور جس آیت میں کُن کا لفظ ہے وہ آیت یہ ہے۔ اِنَّمَآ اَمْرُہٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ [1] یعنی خدا کا حکم اس طرح پر ہوتا ہے کہ جب وہ کسی چیز کو کہتا ہے کہ ہو تو وہ ہو جاتی ہے اِس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ فی الفور بلا توقف ہو جاتی ہے کیونکہ آیت میں فی الفور کا لفظ نہیں ہے بلکہ آیت اطلاق پر دلالت کرتی ہے جس سے یہ مطلب ہے کہ چاہے تو خدا تعالیٰ اس امر کو جلدی سے کر دے اور چاہے تو اس میں دیر ڈال دے جیسا کہ خدا تعالیٰ کے قانون قدرت میں بھی یہی مشہود و محسوس ہے کہ بعض امور جلدی سے ہو جاتے ہیں اور بعض دیر سے ظہور میں آتے ہیں۔ پس یہ کونسا محل اعتراض ہے اور اگر انسان کے دل میں کچھ شرم اور حیا ہو تو ایسے اعتراض کی حقیقت سوچ کر شرمندگی سے مر ہی رہے گا مگر ان لوگوں کو کچھ شرم بھی تو نہیں ہے۔

صفحہ ۲۱۴

رہی یہ بات کہ خُدا نے چھ دن میں زمین و آسمان پیدا کیا اور ساتویں دن آرام کیا۔ سو اوّل تو واضح ہو کہ آرام کا لفظ قرآن شریف میں کہیں نہیں لکھا۔ ہاں توریت میں یہ لفظ ہے۔ سو وہ کوئی استعارہ ہوگا۔ لیکن اس دھوکا کے دُور کرنے کے لئے اس موقع پر قرآن شریف نے ایک

[1] یٰس: ۸۳

اور لفظ اختیار کیا ہے اور وہ یہ ہے وَمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ [1]۔ یعنی ہم نے چھ دن میں زمین آسمان کو پیدا کیا اور ہم اس سے تھکے نہیں۔ یہ لفظ گویا اُس لفظ کا ردّ ہے کہ خدا نے ساتویں دن آرام کیا۔ کیونکہ ظاہری معنے اگر لئے جاویں تو اس سے خدا کا تھکنا ہی پایا جاتا ہے وجہ یہ کہ آرام وہی کرتا ہے جو تھکتا ہے لیکن خدا تعالیٰ تھکنے سے پاک ہے۔ کوئی نقص اُس کی طرف منسوب نہیں ہو سکتا۔ رہی یہ بات کہ خدا تعالیٰ نے چھ دن میں زمین و آسمان پیدا کیا۔ سو قرآن سے ہی ہمیں معلوم ہوا ہے کہ خدا کے دن انسان کے دنوں کے برابر نہیں۔ ایک جگہ قرآن شریف میں لکھا ہے کہ خدا کا دن ایسا ہے جیسا کہ تمہارا ہزار برس۔ ایک جگہ خدا کا دن پچاس ہزار برس کا لکھا ہے۔ پس ہم کچھ نہیں کہہ سکتے کہ ان چھ دنوں سے کتنی مدت مراد ہے ہاں ہم یقیناً کہتے ہیں کہ ان چھ دنوں سے مراد وہ دن نہیں ہیں جو انسان کے دن ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب سُورج اور چاند اور زمین اور آسمان کا ہی کچھ وجود نہ تھا تو ان انسانی دنوں کا کیونکر اور کہاں سے وجود تھا۔ اور پھر جب کہ خدا تعالیٰ نے خود توضیح سے فرما دیا کہ انسانی دن اور ہوتے ہیں اور خُدا کے دن اَور تو پھر اعتراض محض شرارت یا حماقت ہے۔

پھر ماسوا اس کے جیالوجی کی تحقیقات پر کونسی سچائی کی مُہر چمکتی ہوئی نظر آتی ہے یہ تمام خیالات ظنّی بلکہ محض شکّی اور وہمی ہیں اور آئے دن ان میں تغیر تبدّل ہوتا رہتا ہے پہلے حکماء یونانیوں نے ان تمام امور میں جو تحقیقاتیں کی تھیں وہ تو سائنس وغیرہ علوم جدیدہ نے جو بعد میں ظاہر ہوئے خاک میں ملا دیں اور اُن کا نام و نشان نہ رہا۔ ایسا ہی جو حال کی تحقیقاتیں ہیں وہ بھی کسی آئندہ زمانہ میں کسی اور جدید تحقیقات سے خاک میں مل جائیں گی۔ اب تک جو حکماء کی رائیں ظاہر ہوئی ہیں اُن میں کبھی آسمان کو گردش دی گئی اور کبھی زمین کو اور شاید آئندہ کوئی تیسرا مذہب نکل آوے جو آسمان و زمین دونوں کو طاق میں رکھ دے اور کوئی اور ہی بات بتلا دے۔

پھر مضمون پڑھنے والے نے یہ اعتراض قرآن شریف پر سنایا کہ آدم کی پسلی سے عورت

[1] ق: ۳۹

پیدا کی گئی۔ عورتوں سے مرد پیدا ہوا کرتے ہیں اور یہاں مرد سے عورت پیدا ہوئی اور وہ بھی صرف ایک پسلی سے۔ خون سے گوشت اور پھر ہڈی بنتی ہے یہاں ہڈی سے گوشت بنا۔ یہ قانون قدرت کے خلاف ہے۔

جاننا چاہیئے کہ اس بارے میں قرآن شریف میں یہ آیت ہے خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا...... يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ۔[1] الجزو ۲۳ سورۃ الزمر (ترجمہ) خدا نے تم لوگوں کو ایک وجود سے پیدا کیا۔ پھر اُسی وجود سے اُس کا جوڑا بنایا...... وہی تم کو تین اندھیروں میں تمہاری ماؤں کے پیٹ میں پیدا کرتا ہے۔ ایک قسم کی پیدائش کے بعد دوسری پیدائش سو اس آیت میں تو کہیں پسلی اور ہڈی وغیرہ کا ذکر نہیں صرف اسی قدر لکھا ہے کہ ایک انسان سے دوسرے انسان کو پیدا کیا۔ ہاں یہ ذکر پایا جاتا ہے کہ خدا نے اپنا پہلا قانون بدلا دیا کیونکہ پہلے انسان نطفہ سے پیدا نہیں ہوا تھا بلکہ ایک وجود سے دوسرا وجود پیدا کیا گیا تھا تا نوعیت میں فرق نہ آوے اور پھر بعد میں یہ دوسرا قانون قدرت شروع ہوا کہ انسان نطفہ سے پیدا ہونے لگے اور یہ محل اعتراض نہیں کہ خدا نے پہلا قانون قدرت کیوں منسوخ کر دیا*۔ کیونکہ خدا اپنے قانون کو اس لئے منسوخ کرتا ہے کہ تا اُس کے انواع و اقسام کی قدرتیں ظاہر ہوں۔

ممدوحہ بالا آیت کے ایک یہ بھی معنے ہیں کہ کسی قسم کے پیدائش کے بعد رحم کے اندر پورا انسان بنتا ہے اور تین اندھیر میں اس کی پیدائش ہوتی ہے (۱) پیٹ (۲) رحم (۳) جھلّی جس کے اندر بچہ پیدا ہوتا ہے۔

۲۱۶

اور یاد رہے کہ پسلی اور ہڈی سے خدا کی کتابوں میں قریبی رشتہ بھی مراد لئے گئے ہیں

* اس جگہ یہ ثبوت ملتا ہے کہ خدا کا یہ قانون قدرت ہے کہ بعض امور کو منسوخ کر کے دوسرے امور پیدا کرتا ہے پس جو لوگ تنسیخ کے منکر ہیں اُن کو غور کرنی چاہیئے۔ منہ

[1] الزمر: ۷

جس سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ آدم اور حوّا کا رشتہ نہایت قریب تھا مگر چونکہ ہم خدا تعالیٰ کو ہر ایک چیز پر قادر سمجھتے ہیں اس لئے ہم اس امر کو بھی کچھ بعید نہیں سمجھتے کہ حوّا آدم کی پسلی سے یا آدم حوّا کی پسلی سے پیدا ہو گیا ہو۔ خدا کا کلام اس جگہ نہایت وسیع معنوں پر مشتمل ہے آیت کے معنے وسیع طور پر یہ ہیں کہ ایک سے ہم نے دوسرے کو پیدا کیا۔ اگر کسی کو یہ اعتراض ہو کہ پسلی سے پیدا کرنا قانون قدرت کے خلاف ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ نطفہ سے پیدا ہونا بھی اُس قانون قدرت کے خلاف ہے جو بموجب اصول آریہ کے پہلے ظہور میں آیا۔ پس جس نے ایک قانون قدرت بدلا کر دوسرا قانون قدرت پیدائش کے لئے مقرر کیا تو پھر کیا اُس کی شان سے کچھ تعجب کی جگہ ہے کہ جس طرح اُس نے بموجب اصول آریہ کے پہلی پیدائش میں کھمبوں کی طرح انسانوں کو پیدا کیا ایسا ہی اُس نے بموجب اصول اسلام کے پہلی پیدائش میں ایک انسان کی پسلی سے دوسرا انسان پیدا کر دیا کیونکہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

پھر مضمون پڑھنے والے نے یہ بیان کیا کہ نوح کے طوفان کے وقت ایسی کشتی میں جو صرف بیس ہاتھ چوڑی اور تیس ہاتھ اونچی تھی تمام دنیا کے چرند پرند کے جوڑے کیونکر سما گئے۔ اس کے جواب میں صرف اس قدر کہنا کافی ہے کہ قرآن شریف میں اس کشتی کا کوئی مقدار نہیں لکھا کہ اتنی چوڑی اور اتنی لمبی اور اس قدر اونچی تھی اور نہ یہ لکھا ہے کہ وہ تمام دنیا کے لئے عام طوفان تھا بلکہ اُسی ملک میں طوفان تھا جس ملک کے لوگوں کے لئے حضرت نوحؑ بھیجے گئے تھے اور جو کچھ اس بارے میں توریت میں ہے وہ تحریف تبدیل سے خالی نہیں اور خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں خبر دی ہے کہ وہ کتابیں محرّف مبدّل ہو گئی ہیں اس لئے یہ اعتراض محض لغو اور سراسر بے اصل ہے۔

پھر مضمون پڑھنے والے نے ایک یہ اعتراض پیش کیا کہ مریم کیونکر رُوح القدس سے حاملہ ہو گئی اور کیونکر صرف مریم سے یسوع پیدا ہو گیا۔ اس کا یہی جواب ہے کہ اُسی خدا نے

صفحہ ۱۷۰

اُس کو پیدا کیا جو بموجب قول آریہ سماج کے ہر ایک ابتدا دنیا میں لاکھوں انسان کو یوں ہی مولی گاجر کی طرح زمین میں سے نکالتا ہے جب کہ وید کے بیان کی رو سے کروڑہا مرتبہ بلکہ بے شمار مرتبہ خدا نے اسی طرح دنیا کو پیدا کیا ہے اور اس بات کا محتاج نہیں رہا کہ مرد عورت باہم ملیں تا بچہ پیدا ہو۔ تو پھر اسی طرح اگر یسوع بھی پیدا ہو گیا تو اس میں حرج کیا ہے اس اعتراض کی جڑھ تو صرف اسی قدر ہے کہ بغیر مرد اور عورت کے ملنے کے کیونکر انسان پیدا ہو گیا۔ مگر جو شخص اپنا یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ اس سے پہلے کروڑہا بلکہ بے شمار مرتبہ ایسا اتفاق ہو چکا ہے کہ اسی دنیا میں یہی انسان جو اب موجود ہیں بغیر مرد اور عورت کے ملنے کے پیدا ہوتے رہے ہیں وہ کس مُنہ سے کہہ سکتا ہے اور اس کا کیونکر یہ حق ہو سکتا ہے کہ وہ کچھ اعتراض کرے کہ یسوع کی پیدائش خلاف قانون قدرت ہے۔ بڑے بڑے محقق طبیبوں نے جو ہم سے پہلے گذر چکے ہیں اس قسم کی پیدائش کی مثالیں لکھی ہیں اور نظیریں دی ہیں اور اُن کی تحقیق کے رُو سے بعض اس قسم کی بھی عورتیں ہوتی ہیں کہ قوت رجولیت اور انثیت دونوں اُن میں جمع ہوتی ہیں اور کسی تحریک سے جب اُن کی منی جوش مارے تو حمل ہو سکتا ہے۔ اور ہندوؤں کی کتابوں میں بھی ایسے قصے پائے جاتے ہیں جیسا کہ خود وید میں یہ شرتی موجود ہے کہ اسے اندر کو سیکا رشی کے پوتر جس کو ہم پہلے بیان کر آئے ہیں۔ پس جب کہ اس قسم کا قصہ وید میں بھی موجود ہے اور سیانا بھاشیکار نے وضاحت سے اس قصہ کو لکھا ہے تو پھر اعتراض کرنا حیا سے دُور ہے۔ نہایت کار تم یہ جواب دو گے کہ ہم اس شرتی کے اس طرح پر معنی نہیں کرتے تو یہ جواب درست نہیں ہے کیونکہ جب کہ ایک پُرانا بھاشیکار یعنی سیانا یہی معنی کر چکا ہے تو تمہاری کیا مجال کہ اُس سے رُوگردانی کرو۔ کیا **سیانا** بھاشیکار کے مقابل پر پاینند کی کچھ حقیقت ہے؟ کوئی دانا سیانا بھاشیکار کے مقابل پر دیانند کو طفل مکتب بھی نہیں کہہ سکتا اور پھر وہ بھاشیکار پرانے زمانہ کا ہے اور پھر بطریق تنزل کہتے ہیں کہ جب کہ ویدکی مذکورہ بالا شرتی کے سیانا بھاشیکار یہ معنے کر چکا ہے خواہ تم اب ان معنوں کو قبول کرو یا نہ کرو تو بہر حال

ص۲۱۸

وہ معنی تم پر ایک حجت ہے کیونکہ اس زمانہ سے پہلے وہ معنی شائع ہو چکے ہیں اور یہ بات کہ کوشیکا رشی کی بیوی کے پیٹ میں خود اِندر داخل ہو گیا۔ یہ صرف اس بات کے ظاہر کرنے کے لئے استعارہ ہے کہ بغیر اس کے کہ کوسیکا اپنی بیوی کے پاس جاتا خود بیوی کی منی سے بچہ پیدا ہو گیا تھا اور یہ خود تعجب کی جگہ نہیں کیونکہ جس حالت میں برسات کے ایام میں ہزارہا کیڑے مکوڑے خود بخود مٹی سے ہی پیدا ہو جاتے ہیں تو اگر خدا نے کوئی ایسا نمونہ نوع انسان میں بھی پیدا کیا تو کیوں اس کو انکار کی نظر سے دیکھا جائے اور کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ یہ امر خدا کے قانون قدرت کے برخلاف ہے حالانکہ جس قانون قدرت پر زور دے کر اعتراض کیا جاتا ہے وہ تو بقول آریہ سماج کے اول دفعہ ہی ٹوٹ چکا ہے اور کروڑہا دفعہ خدا نے ابتدائے دنیا میں اس موجودہ قانون کی پابندی چھوڑ دی ہے۔ پس ایسا قادر خدا جو ابتداء دنیا میں صرف مٹی سے انسان کو پیدا کر دیتا ہے پھر اگر وہ کسی انسان کو صرف عورت کے نطفہ سے ہی پیدا کرے تو یہ کونسی تعجب کی جگہ ہے۔ ظاہر ہے کہ نطفہ بہ نسبت مٹی کے بچہ پیدا ہونے کے لئے بہت قریب استعداد رکھتا ہے اور مٹی کی استعداد ایک استعداد بعیدہ ہے پس جب کہ تمہارا یہ اقرار ہے کہ جو چیز استعداد بعید رکھتی ہے اس سے انسان پیدا ہو سکتا ہے تو پھر یہ کہنا کہ جو چیز بہ نسبت مٹی کے بچہ پیدا ہونے کے لئے استعداد قریب رکھتی ہے اس سے بچہ پیدا نہیں ہو سکتا اگر یہ حماقت نہیں تو اور کیا ہے۔ اسی وجہ سے خدا تعالےٰ نے یسوع کی پیدائش کی مثال بیان کرنے کے وقت آدم کو ہی پیش کیا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَہٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ[1] یعنی عیسیٰ کی مثال خدا تعالیٰ کے نزدیک آدم کی سی ہے کیونکہ خدا نے آدم کو مٹی سے بنا کر پھر کہا کہ تو زندہ ہو جا پس وہ زندہ ہو گیا۔

پھر مضمون پڑھنے والے نے قرآن شریف پر یہ اعتراض کیا کہ اُس میں لکھا ہے کہ عیسیٰ مسیح معہ گوشت پوست آسمان پر چڑھ گیا تھا۔ ہماری طرف سے یہ جواب ہی کافی ہے کہ اوّل تو

[1] آل عمران : ۶۰

خدا تعالیٰ کی قدرت سے کچھ بعید نہیں کہ انسان مع جسم عنصری آسمان پر چڑھ جائے ماسوا اس کے یہ خیال سراسر غلط ہے کہ گویا حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر چڑھ گئے تھے۔ قرآن شریف میں کئی جگہ صاف فرما دیا ہے کہ کوئی شخص مع جسم عنصری آسمان پر نہیں جائے گا۔ بلکہ تمام زندگی زمین پر بسر کریں گے یہ خدا کا وعدہ ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے فِیْھَا تَحْیَوْنَ وَ فِیْھَا تَمُوْتُوْنَ وَ مِنْھَا تُخْرَجُوْنَ[1]۔ یعنی زمین پر ہی تم زندہ رہو گے اور زمین پر ہی تم مرو گے اور زمین میں سے ہی تم نکالے جاؤ گے۔ پس اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ انسان کا مع جسم عنصری آسمان پر جانا اس وعدہ کے برخلاف ہے اور خدا پر تخلّف وعدہ جائز نہیں اور اس وعدہ میں کوئی استثناء نہیں۔ اور پھر دوسری جگہ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ کِفَاتًا اَحْیَآءً وَّ اَمْوَاتًا[2] یعنی کیا ہم نے زمین کو ایسے طور سے پیدا نہیں کیا جو اپنے تمام باشندوں کو اپنی طرف کھینچ رہی ہے خواہ وہ زندوں میں سے ہوں اور خواہ مردوں میں سے ہوں۔ اور یہ بھی خدا کا وعدہ ہے۔ اور پھر ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ولکم فی الارض مستقرٌ و متاع الی حین[3] یعنی تمہارا زمین پر ہی قرار ہوگا اور تم زمین پر ہی اپنی موت تک زندگی بسر کرو گے۔ یہ بھی خدا کا وعدہ ہے اور پھر ایک موقع پر قرآن شریف میں یہ ذکر ہے کہ کفار قریش نے ہمارے سید و مولیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ معجزہ طلب کیا کہ اُن کے روبرو آسمان پر چڑھ جائیں۔ تو آپ کو خدا تعالیٰ نے ان الفاظ کے ساتھ جواب دیا کہ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ ھَلْ کُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا[4]۔ یعنی ان لوگوں کو یہ جواب دے کہ خدا تعالیٰ اس بات سے پاک ہے کہ اپنے وعدہ میں تخلّف کرے (وعدہ کا ابھی ذکر ہو چکا ہے) اور میں تو صرف ایک انسان ہوں جو تمہاری طرف بھیجا گیا۔ منہ ۲۲

اب ان تمام آیات سے ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر یہ تہمت ہے کہ گویا وہ مع جسم عنصری آسمان پر چلے گئے تھے یہ عقیدہ اسلام میں صرف اُن عیسائیوں کے ذریعہ سے آیا ہے جو ابتدائے اسلام میں مسلمان ہو گئے تھے ورنہ قرآن شریف میں اس کا کہیں ذکر نہیں اور

[1] الاعراف: ۲۶ [2] المرسلات: ۲۶-۲۷ [3] البقرۃ: ۳۷ [4] بنی اسرائیل: ۹۴

کسی صحیح حدیث میں بھی یہ ذکر نہیں کہ حضرت عیسیٰ معہ جسم آسمان پر چلے گئے تھے ہاں یہ ذکر ہے کہ مسیح کے نام پر ایک شخص آنے والا ہے جو اسی اُمت میں سے ہوگا مگر یہ کہیں ذکر نہیں کہ وہ آسمان پر گیا تھا اور پھر آسمان سے واپس آئے گا۔ نزول کا لفظ جو مسیح موعود کی نسبت حدیثوں میں موجود ہے وہ اعزاز کے طور پر ہے اگر کوئی شخص آسمان سے واپس آنے والا ہوتا تو اس موقعہ پر رجوع کا لفظ ہونا چاہیئے تھا نہ نزول کا لفظ اکثر نادان اس سے دھوکا کھاتے ہیں کہ نزول اترنے کو کہتے ہیں اور پھر اس فقرہ کے ساتھ آسمان کا لفظ اپنی طرف سے جوڑ لیتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ آنے والا آسمان سے اترے گا۔ حالانکہ تمام حدیثیں پڑھ کر دیکھ لو کسی صحیح حدیث میں آسمان کا لفظ نہیں پاؤ گے اور جیسا کہ ابھی میں نے بیان کیا ہے ہر ایک زبان کا یہ محاورہ ہے کہ ایک شخص کی آمد کو جب بطور اکرام و اعزاز بیان کیا جاتا ہے تو یہی کہتے ہیں کہ وہ فلاں جگہ اترا ہے۔ جیسا کہ ہم معزز انسان کو کہہ سکتے ہیں کہ آپ کہاں اترے ہیں۔ پس اس سے یہ مطلب نہیں ہوتا کہ آپ آسمان سے اترے ہیں۔ اسی وجہ سے عربی زبان میں **نزیل** مسافر کو کہتے ہیں اور جو راہ میں مسافروں کے اترنے کی جگہ ہوتی ہے اس کو **منزل** کہتے ہیں اور واپس آنے والے کے لئے رجوع کا لفظ بولا جاتا ہے نہ نزول کا۔

ماسوا اس کے قرآن شریف میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت صاف فرما دیا ہے کہ وہ فوت ہو چکے جیسا کہ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ سے بطور حکایت ذکر کرکے فرماتا ہے فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ[1] یعنی قیامت کو خدا تعالیٰ عیسیٰ سے پوچھے گا کہ کیا تو نے اپنی قوم کو یہ تعلیم دی تھی کہ مجھے اور میری ماں کو خدا کر کے مانا کرو تو وہ جواب دیں گے کہ جب تک میں اپنی قوم میں تھا میں اُن کو یہی تعلیم دیتا رہا کہ خدا ایک ہے اور میں اس کا رسول ہوں اور پھر جب تو نے مجھ کو وفات دے دی تو بعد اس کے مجھے اُن کے عقائد کا کچھ علم نہیں۔ اس آیت میں حضرت عیسیٰ اپنی وفات کا صاف اقرار کرتے ہیں اور اس میں یہ بھی اقرار ہے کہ میں دنیا میں واپس نہیں گیا کیونکہ اگر وہ دنیا میں واپس آئے ہوتے۔ تو پھر اس صورت میں قیامت کے

[1] المآئدۃ: ۱۱۸

۲۲۱

دن یہ کہنا جھوٹ تھا کہ مجھے اپنی اُمّت کی کچھ بھی خبر نہیں کہ میرے بعد انہوں نے کونسا طریق اختیار کیا۔ کیونکہ اگر یہ عقیدہ صحیح ہے کہ وہ قیامت سے پہلے دنیا میں واپس آئیں گے اور عیسائیوں سے لڑائیاں کریں گے تو پھر قیامت کے دن انکار کر کے یہ کہنا کہ عیسائیوں کے بگڑنے کی مجھ کو کچھ بھی خبر نہیں سراسر جھوٹ ہوگا۔ نعوذ باللہ۔ منہٗ

پھر مضمون پڑھنے والے نے قرآن شریف پر یہ اعتراض کیا کہ شق القمر خلاف قانون قدرت ہے اور ایسا ہی پتھر سے پانی نکلنا جو قرآن شریف میں مذکور ہے وہ بھی خلاف قدرت ہے سو اوّل ہم پتھر کی نسبت جواب دیتے ہیں کہ مضمون خواں کو پتھروں کے اقسام معلوم نہیں۔ صرف انکار کے جوش سے ایک نادان بچہ کی طرح باتیں کر رہا ہے۔ بعض ایسے پتھر اب تک پائے جاتے ہیں جن میں یہ خاصیت ہے کہ اگر اُن پر کوئی شربت ڈال دیا جائے تو پانی پتھر کے اندر سے نیچے آجاتا ہے اور شیرینی کا حصہ اوپر رہ جاتا ہے بعض پتھر ایسے ہیں کہ اُن میں پرندوں کی تصویر جم جاتی ہے۔ اور بعض پتھر لوہے کو اپنی طرف کھینچتے ہیں اور بعض پتھروں میں یہ خاصیت دیکھی گئی ہے کہ سرکہ میں ڈالنے سے ایک زندہ چیز کی طرح جست کر کے باہر آجاتے ہیں اور بعض پتھر تریاق اور بعض زہر ہوتے ہیں اور وہ بھی پتھر ہی ہوتے ہیں جو اعلیٰ درجہ کا ہیرا بن کر اُن میں سے روشنی کی شعاع نکلتی ہے اور یاقوت نیلم وغیرہ سب پتھر ہی ہیں جو بقدرت قادر مطلق عجیب و غریب خواص اپنے اندر رکھتے ہیں۔ حکیموں کا پرانا مقولہ مشہور ہے کہ "خَوَاصُ الْاَشْیَاءِ حَقٌّ" یعنی یہ حق بات ہے کہ ہر ایک چیز میں ایک خاصیت ہوتی ہے اور انہیں خواص پر اطلاع پا کر انسانوں نے ایجادیں کی ہیں اور کر رہے ہیں اور خدا کی مخلوق میں اس قدر خواص پائے جاتے ہیں کہ جو کچھ اب تک دریافت ہوا ہے گویا وہ ایک دریا میں سے ایک قطرہ ہے۔ پھر میں نہیں سمجھ سکتا کہ یہ کونسی عقلمندی ہے کہ مضمون خواں نے خواص اشیاء سے انکار کر دیا۔ کیا یہ تعجب کی جگہ ہے کہ ایک پتھر ہو جس کے نیچے بہت پانی ہو اور پتھر کے پھٹنے سے پانی نکل آوے پتھر کو پانی سے ایسا تعلق ہے جیسا کہ مچھلی کو دریا سے۔

صفحہ ۲۲۲

پھر ماسوا اس کے اگر اس وجہ سے انکار کیا جاتا ہے کہ یہ امر خارق عادت ہے۔ تو کیا بموجب اصول آریوں کے وید کے بعد الہام الٰہی ہونا یہ خارق عادت امر نہیں ہے پس جبکہ لیکھرام کی موت نے اس بات کو ثابت کر دیا کہ وہ قادر خدا اس زمانہ میں بھی برخلاف وید کے مقرر کردہ قانون قدرت کے الہام کرتا ہے تو وید کا سارا قانون قدرت دریا بُرد ہو گیا اس صورت میں وید کی بات کا کوئی بھی اعتبار نہ رہا۔ ظاہر ہے کہ جب ایک بات میں کوئی جھوٹا ثابت ہو جائے تو پھر دوسری باتوں میں بھی اُس پر اعتبار نہیں رہتا اور اگر لیکھرام والی پیش گوئی سے تسلی نہیں ہوئی تو پھر درخواست کرنے سے اور کوئی ذریعہ تسلی کا پیدا ہو سکتا ہے اور خدا تعالےٰ کی صدہا الہامی پیشگوئیاں جو پوری ہو چکی ہیں تسلی دے سکتی ہیں۔ غرض وید کا قانون قدرت ایسا جھوٹا ثابت ہوا کہ ساتھ ہی وید کو بھی لے ڈوبا۔ پھر اسی بناء پر اعتراض کرنا حیا سے بعید ہے۔ ظاہر ہے کہ وید نے دعویٰ کیا تھا کہ اس کے بعد خدا کی قوّتِ تکلّم ہمیشہ کے لئے مسلوب رہے گی مگر ہم نے چمکتے ہوئے نشانوں کے ساتھ ثابت کر دیا کہ وید نے جو کچھ دعویٰ کیا ہے اور جو کچھ آئندہ کے لئے خدا کے الہام کے بارہ میں لکھا ہے کہ وہ محال اور قانون قدرت کے برخلاف ہے وہ سراسر جھوٹ اور خلاف حق ہے بلکہ خدا ہمیشہ اپنے بندوں کو الہام کرتا ہے تو پھر بتلاؤ کہ اس کے بعد بار بار اُسی وید کو پیش کرنا جس کے قانون قدرت کا نمونہ ہم دیکھ چکے ہیں۔ کس قدر خلاف حیا و شرم ہے۔

صـــــ۲۲۳

غرض لیکھرام کی موت نے ثابت کر دیا کہ وید کی یہ تعلیم سراسر غلط ہے کہ اس کے بعد الہام نہیں ہے تو پھر وید کے مقرر کردہ قانون قدرت پر اعتبار کیا رہا۔ خدا تعالےٰ کے کروڑہا قانون قدرت ابھی مخفی ہیں اور آہستہ آہستہ ظاہر ہو رہے ہیں مگر افسوس ان لوگوں پر کہ دانستہ آنکھ بند کر لیتے ہیں اگر یورپ کا کوئی شخص یہ بات ظاہر کرے کہ میں پتھر میں سے پانی نکال سکتا ہوں یا تمام پتھر کو پانی بنا سکتا ہوں تو اُس کے مقابل پر یہ لوگ دم بھی نہ ماریں اور فی الفور آمنّا وصدّقنا کہنے لگیں مگر خدا کے کلام نے جو کچھ بیان کیا اُس کو نہیں مانتے۔

رہا اعتراض شق القمر تو ہم پہلے بھی لکھ آئے ہیں کہ یہ وہ معجزہ ہے کہ جو عرب کے ہزار ہا کافروں کے روبرو بیان کیا گیا ہے پس اگر یہ امر خلاف واقعہ ہوتا تو یہ اُن لوگوں کا حق تھا کہ وہ اعتراض پیش کرتے کہ یہ معجزہ ظہور میں نہیں آیا خاص کر اس حالت میں کہ شق القمر کی آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ کافروں نے یہ معجزہ دیکھا اور کہا کہ یہ پکا جادو ہے جو آسمان تک پہنچ گیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ۔ وَاِنْ یَّرَوْا اٰیَةً یُّعْرِضُوْا وَیَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ۔[1] یعنی قیامت نزدیک آئی اور چاند پھٹ گیا اور جب یہ لوگ خدا کا کوئی نشان دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ایک پکا جادو ہے۔ اب ظاہر ہے کہ اگر شق القمر ظہور میں نہ آیا ہوتا تو اُن کا حق تھا کہ وہ کہتے کہ ہم نے تو کوئی نشان نہیں دیکھا اور نہ اس کو جادو کہا۔ اس سے ظاہر ہے کہ کوئی امر ضرور ظہور میں آیا تھا جس کا نام شق القمر رکھا گیا۔ بعض نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ ایک عجیب قسم کا خسوف تھا جس کی قرآن شریف نے پہلے خبر دی تھی اور یہ آیتیں بطور پیشگوئیوں کے ہیں اس صورت میں شق کا لفظ محض استعارہ کے رنگ میں ہوگا کیونکہ خسوف کسوف میں جو حصہ پوشیدہ ہوتا ہے گویا وہ پھٹ کر علیحدہ ہو جاتا ہے ایک استعارہ ہے۔

مضمون پڑھنے والے نے ایک یہ اعتراض پیش کیا کہ قرآن شریف میں لوگوں کو زبردستی مسلمان بنانے کا حکم ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص کو نہ اپنی ذاتی کچھ عقل ہے اور نہ علم صرف پادریوں کا کاسہ لیس ہے چونکہ پادریوں نے اپنے نہایت کینہ اور بغض سے جیسا کہ صـــ۲۴۴ اُن کی عادت ہے محض افترا کے طور پر اپنی کتابوں میں یہ لکھ دیا ہے کہ اسلام میں جبراً مسلمان بنانے کا حکم ہے۔ سو اُس نے اور اُس کے دوسرے بھائیوں نے بغیر تحقیق اور تفتیش کے وہی پادریوں کے مفتریانہ الزام کو پیش کر دیا۔ قرآن شریف میں تو کھلے کھلے طور پر یہ آیت موجود ہے لَاۤ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ۔[2] یعنی دین میں کوئی جبر نہیں ہے تحقیق ہدایت اور گمراہی میں کھلا کھلا فرق ظاہر ہو گیا ہے پھر جبر کی کیا حاجت ہے تعجب کہ باوجودیکہ

[1] القمر: ۲-۳ [2] البقرۃ: ۲۵۷

قرآن شریف میں اس قدر تصریح سے بیان فرمایا ہے کہ دین کے بارے میں جبر نہیں کرنا چاہئے پھر بھی جن کے دل بغض اور دشمنی سے سیاہ ہو رہے ہیں ناحق خدا کے کلام پر جبر کا الزام دیتے ہیں۔ اب ہم ایک اور آیت لکھ کر منصفین سے انصاف چاہتے ہیں کہ وہ خدا سے ڈر کر ہمیں بتلادیں کہ کیا اس آیت سے جبر کی تعلیم ثابت ہوتی ہے یا برخلاف اس کے ممانعت جبر کا حکم بپایہ ثبوت پہنچتا ہے اور وہ یہ آیت ہے۔ وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ۔ الجزء ۱۰ سورۃ التوبۃ (ترجمہ) اگر تجھ سے اے رسول کوئی شخص مشرکوں میں سے پناہ کا خواستگار ہو تو اس کو پناہ دے دو اور اس وقت تک اس کو اپنی پناہ میں رکھو کہ وہ اطمینان سے خدا کے کلام کو سن سمجھ لے اور پھر اُس کو اُس کے امن کی جگہ پر واپس پہنچا دو۔ یہ رعایت ان لوگوں کے حق میں اس وجہ سے کرنی ضرور ہے کہ یہ لوگ اسلام کی حقیقت سے واقف نہیں ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ اگر قرآن شریف جبر کی تعلیم کرتا تو یہ حکم نہ دیتا کہ جو کافر قرآن شریف کو سننا چاہے تو جب وہ سُن چکے اور مسلمان نہ ہو تو اُس کو اُس کے امن کی جگہ پر پہنچا دینا چاہیئے بلکہ یہ حکم دیتا کہ جب ایسا کافر قابو میں آجادے تو وہیں اُس کو مسلمان کر لو۔

اب ہم ایک اور بات ان جاہلوں کو سُناتے ہیں کہ جو خواہ نخواہ جبر کا الزام خدا کے کلام پر دیتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ مکّے کے رہنے والے کل کفار اور نیز دیہاتی اور گرد نواح کے لوگ ایسے تھے کہ جنہوں نے اس زمانہ میں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکّہ معظمہ میں تھے اور کوئی جنگ شروع نہ تھا کئی مسلمان ناحق قتل کر دئے تھے اور ان مظلوموں کا خون اُن کی گردن پر تھا اور درحقیقت وہ سب اس گناہ میں شریک تھے کیونکہ بعض قاتل اور بعض ہمراز اور بعض اُن کے معاون تھے اس وجہ سے وہ لوگ خدا کے نزدیک قتل کے لائق تھے کیونکہ اُن کی اس قسم کی شرارتیں حد سے گذر گئی تھیں۔ علاوہ اس کے سب سے بڑا گناہ اُن کا یہ تھا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقدام قتل کے مرتکب تھے اور انہوں نے پختہ ارادہ کیا تھا کہ

۲۲۵

لہ التوبۃ : ٦

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دیں۔ پس ان گناہوں کی وجہ سے وہ خدا کی نظر میں واجب القتل ٹھہر چکے تھے اور اُن کا قتل کرنا عین انصاف تھا کیونکہ وہ جُرم قتل اور اقدام قتل کے مرتکب ہو چکے تھے* اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو برابر تیرہ برس اُن میں رہ کر وعظ کرتے رہے اور نیز آسمانی نشان دکھلاتے رہے اس صورت میں خُدا کی حجت اُن پر پوری ہو چکی تھی اس وجہ سے خُدا نے جو رحیم و کریم ہے اُن کی نسبت یہ حکم دیا تھا کہ وہ اگرچہ اپنے جرائم کی وجہ سے بہرحال قتل کرنے کے لائق ہیں لیکن اگر کوئی اُن میں سے خدا کی کلام کو سُن کر اسلام قبول کرے تو یہ قصاص اس کو معاف کیا جاوے ورنہ اپنے گناہوں کی سزا میں جو قتل اور اقدام قتل ہے وہ بھی قتل کئے جائیں گے اب بتلاؤ کہ اس میں کونسا جبر ہے؟ جس حالت میں وہ لوگ جُرم قتل اور اقدام قتل کی وجہ سے بہرحال قتل کے لائق تھے اور یہ رعایت قرآن شریف نے اُن کو دی کہ اسلام لانے کی حالت میں وہ قصاص دُور ہو سکتا ہے تو اس میں جبر کیا ہوا؟ اور اگر یہ رعایت نہ دی جاتی تو ان کا قتل کرنا بہرحال ضروری تھا کیونکہ وہ قاتل اور اقدام قتل کے مرتکب تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰي نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ۔[1] یعنی ہم اُن لوگوں کو جو ناحق قتل کئے جاتے ہیں اجازت دیتے ہیں کہ اب وہ بھی قاتلوں کا مقابلہ کریں یعنی ایک مدت تک تو مومنوں کو مقابلہ کی اجازت نہیں دی گئی تھی اور وہ مدت تیرہ۱۳ برس تھی اور جب بہت سے مومن قتل ہو چکے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقدام قتل کے بھی کافر لوگ مرتکب ہوئے تب تیرہ برس کے مصائب اٹھانے کے بعد مقابلہ کی اجازت دی گئی۔ اور پھر دوسری آیت یہ ہے وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ۭ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ[2] الجزو نمبر۹ سورۃ الانفال (ترجمہ) اور اے پیغمبر وہ وقت یاد کر جب کافر لوگ تجھ پر داؤ چلانا چاہتے

* دیکھو کتاب سوانح عمری حضرت محمدؐ صاحب صفحہ ۲۵ جس کو ایک برہمو صاحب نے انصاف کی راہ سے حال ہی میں تالیف کرکے شائع کیا ہے۔ منہ

[1] الحج : ۴۰ [2] الانفال : ۳۱

۲۲۶

تھے تا کہ تجھے گرفتار کر رکھیں یا تجھے مار ڈالیں اور یا تجھے جلا وطن کر دیں اور حال یہ تھا کہ کافر تو قتل کے لئے اپنا داؤ کر رہے تھے اور خدا اُن کو مغلوب کرنے کے لئے اپنا داؤ کر رہا تھا اور خُدا سب داؤ کرنے والوں سے بہتر داؤ کرنے والا ہے جس کے داؤ میں سراسر مخلوق کی بھلائی ہے۔

اسی طرح جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کر لیا تو تمام کفار گرفتار کر کے آپ کے سامنے پیش کئے گئے تو کفار نے خود اپنے منہ سے اس وقت اقرار کیا کہ ہم بباعث اپنے سخت جرائم کے واجب القتل ہیں اور اپنے تئیں آپ کے رحم کے سپرد کرتے ہیں تو آپ نے سب کو بخش دیا اور اس موقع پر معافی کے لئے اسلام کی بھی شرط نہ لگائی۔ لیکن وہ لوگ یہ اخلاق کریمانہ دیکھ کر خود بخود مسلمان ہو گئے اور تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ مکہ معظمہ میں کئی مرتبہ کفار قریش آنحضرتؐ کے اقدام قتل کے مرتکب ہوئے تھے اور ہر ایک مرتبہ میں ناکام رہے پس اُن کے یہ جرائم تھے جن کی وجہ سے وہ خدا تعالیٰ کی نظر میں واجب القتل تھے اور اُن کو یہ رعایت دی گئی تھی کہ اگر وہ بُت پرستی سے باز آجائیں اور خدا کی کتاب کو قبول کر لیں تو سزائے موت سے اُن کو معافی دی جائے گی۔ ایسا ہی اُن جرائم میں عرب کے تمام بُت پرست اُن کے مددگار اور معاون تھے اور اُن کے ہاتھ سے صدہا مومن بے گناہ قتل ہو چکے تھے سو اُن خونریزیوں کے جرائم کے پاداش میں اُن پر قتل کا حکم تھا پر خدا کریم نے جو سزا دینے میں دھیما ہے اُن سے نرمی کی اور فرمایا کہ اگر اطاعت کر لیں اور بغاوت چھوڑ دیں تو اُن کے گناہ معاف کئے جائیں گے سو اوّل اوّل تو بہتوں نے اُن میں سے اطاعت اختیار نہ کی لیکن جب اسلام کا ستارہ چمکا اور خدا کی نصرت اور مدد روز روشن کی طرح ظاہر ہو گئی تب ان لوگوں نے بھی اطاعت اختیار کی چنانچہ خدا تعالیٰ اُن کے حق میں قرآن شریف میں یہ فرماتا ہے قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ[1] الجزو ۲۶ سورۃ الحجرات (ترجمہ) عرب کے دیہاتی کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ان کو کہہ دے کہ تم ایمان نہیں لائے ایمان تو اور ہی چیز ہے سو تم یہ کہو کہ ہم نے اطاعت کے لئے گردن ڈال دی اور

۲۲۷

[1] الحجرات : ۱۵

ایمان کا تو ہنوز تمہارے دلوں میں گذر تک نہیں ہوا۔ سو خدا نے یہ معافی محض اطاعت کے لئے دی تھی تا ملک میں سے بغاوت دُور ہو اور اس طرح پر اُن کو سوچنے سمجھنے کا زیادہ موقعہ ملے اور درحقیقت اس معافی سے کفار کو بڑا فائدہ ہوا پہلے تو انہوں نے اطاعت کر لی اور مقابلہ چھوڑ دیا۔ اور پھر خدا تعالیٰ کے کلام پر غور کر کے اور خدا کی نصرت اور فضل کے تازہ نشان دیکھ کر اُن کے دلوں میں ایمان رچ گیا اور وہ لوگ ایسے کامل الایمان ہو گئے کہ فرشتوں کے ساتھ ہاتھ جا ملائے۔

ہمارے مخالف جو خواہ نخواہ اسلام پر جبر کا الزام لگاتے ہیں اُن کو یہ دو باتیں ضرور سوچنی چاہئیں (۱) اول یہ کہ جس قدر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے صحابہ کے دلوں میں تبدیلی پیدا ہوئی اور جس قدر وہ بت پرستی اور ہر ایک مشرکانہ رسم سے متنفر ہو گئے کیا ایسی تبدیلی اور ایسی شرک سے بیزاری اس شخص کے دل میں پیدا ہو سکتی ہے کہ جو جانتا ہے کہ مجھے جبراً مسلمان کیا گیا ہے۔٭ (۲) دوسری وہ تائید اسلام جو انہوں نے اپنی جانوں کو ہتھیلی پر رکھ کر دکھلائی یہاں تک کہ پچاس برس کی مدت ابھی نہیں گذری تھی کہ اسلام ایک عالمگیر مذہب ہو گیا اور مختلف ممالک میں پھیل گیا اور انہوں نے اسلام کی تائید میں وہ کام حیرت انگیز دکھلائے کہ جب تک انسان کا دل کسی اپنے ہادی کی راہ میں فدا شدہ نہ ہو ایسے کام ہرگز نہیں دکھلا سکتا۔٭٭ تاریخ پڑھنے

٭ حاشیہ۔ اس جگہ آریہ صاحبوں کو چاہئے کہ اپنے ایک ہندو بھائی برہمو کی کتاب یعنی سوانح عمری حضرت محمد صاحب صفحہ ۱۴۲ غور سے مطالعہ کریں۔ منہ

٭٭ محققین یورپ بھی اس بات کے قائل ہیں کہ جس صدق دل اور دلی جوش سے عربوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قبول کیا وہ ایک خرق العادت امر ہے اور اسی سچے ایمان اور اخلاص کا نتیجہ تھا کہ تھوڑی ہی مدت میں اُن کو دنیا میں وہ فتوحات حاصل ہوئیں جو آج تک کسی قوم کو حاصل نہیں ہوئیں اور ایک حیرت ناک امر یہ اُن سے ظہور میں آیا کہ یا تو وہ لوگ اُمّی اور ناخواندہ تھے اور یا علوم و فنون میں وہ فوقیت حاصل کی جو قدیم علموں کو زندہ کیا۔ اور بہت سے نئے علوم ایجاد کئے۔ عراق اور شام۔ اسپین اور دیگر ممالک اسلامیہ کی یونیورسٹیاں مشہور تھیں۔

(باقی دیکھو صفحہ ۲۳۷)

سے ہر ایک کو معلوم ہوگا کہ انہوں نے کیا کیا مصیبتیں اسلام کی راہ میں اٹھائیں اور کیسی استقامت دکھلائی اور باوجود بھوکے اور فاقہ کش ہونے کے کیسے دشمنوں سے مقابلے کئے یہاں تک کہ بت پرستی کی تاریکی کو اپنے خونوں سے دُنیا کے کئی حصوں میں سے اُٹھا دیا اور خدا کے دین کی خدمت میں چین کے ملک تک پہنچے اور کروڑ ہا انسانوں کو بُت پرستی سے تائب کرکے توحید کے نور سے منور کیا اور ہر ایک میدان میں اور ہر ایک موقعہ میں آزمائش میں ایسا اپنا صدق دکھلایا کہ اس کے تصور سے رونا آتا ہے تو کیا اُن کی نسبت کوئی عقلمند کہہ سکتا ہے کہ وہ جبراً مسلمان کئے گئے تھے۔ فی الواقع ایمانی مراتب میں انہوں نے وہ ترقی کی تھی کہ اُن کا نمونہ ملنا مشکل ہے ان کے صدق اور اخلاص نے تمام ممالک کو فتح کرکے دکھلا دیا اور جس جلدی سے انہوں نے دنیا میں اسلام کو پھیلایا وہ بھی درحقیقت ایک معجزہ ہی تھا جس کی نظیر دنیا میں نہیں پائی جاتی۔ وید کے خادم جو برہمن اور پنڈت کہلاتے ہیں اگر ان پاک لوگوں کے مقابل پر دیکھے جائیں تو ضرور ہمیں کہنا پڑے گا کہ یہ لوگ محض دنیا پرست اور نفسانی انسان تھے تبھی تو وہ کسی دل کو فتح نہ کر سکے اور دنیا میں نہایت بدنمونہ مخلوق پرستی وغیرہ کا چھوڑ گئے اور آریہ ورت کی نسل کو آتش پرستی اور بُت پرستی اور آب پرستی اور آفتاب پرستی سے نہ روک سکے اگر وہ لوگ رُوحانی آدمی ہوتے تو ضرور اُن کا اثر آریہ ورت پر پڑتا مگر جو کچھ آریہ ورت کی حالت مذہبی اعتقاد کی رو سے اب تک دیکھی جاتی ہے وہ صاف بتلا رہی ہے کہ یہ تمام لوگ خدا کی محبت سے بے بہرہ تھے انسان کی عملی حالت سے بڑھ کر کوئی امر اُس کے خالص ایمان پر گواہ نہیں ہو سکتا۔ عملی حالت انسان کی اس کے ایمان پر ایک مستحکم شہادت ہے۔ آج جو بیس[۲۰] کروڑ کے قریب یا اس سے زیادہ دنیا میں مسلمان پائے جاتے ہیں یہ انہیں لوگوں

ص۲۳۸

بقیہ حاشیہ ص۲۳۶ یورپ کے علماء صدق دل سے اقرار کرتے ہیں کہ اُن کے بزرگوں کو عرب کی شاگردی کا فخر ہے پس کیا یہ ترقیات وہ قوم کر سکتی ہے جو جبراً تلوار سے مسلمان کئے گئے اور ابتداء میں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم محض اکیلے تھے تو پھر جبر کرنے والی فوج کہاں سے نکل آئی۔ منہ

کی پاک کوششوں کا نتیجہ ہے جن کی نسبت سیاہ دل دشمن کہتے ہیں کہ وہ جبراً مُسلمان کئے گئے تھے۔ اے اندھو! جن لوگوں نے اپنے خونوں سے مہریں لگا دیں کہ اسلام سچا ہے کیا وہ جبراً مسلمان کئے گئے تھے؟ حیف تمہاری زندگی پر۔ خدا تعالیٰ نے اُن کی تعریفیں قرآن شریف میں کی ہیں اور اُن کا نام مخلص اور صادق اور وفادار رکھا ہے اور اُن کی جاں نثاری کی گواہی دی ہے جیساکہ وہ فرماتا ہے مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا[1] (ترجمہ) یہ لوگ جو ایمان لائے دو قسم کے ہیں پہلے تو وہ ہیں جو جاں نثاری کے عہد کو پورا کر چکے اور خدا کی راہ میں شہید ہو گئے اور دُوسرے وہ لوگ ہیں جو شہادت کے منتظر ہیں اور چاہتے ہیں کہ خدا کی راہ میں جانیں دیں اور انہوں نے اپنی بات میں ذرا بھی ردّ و بدل نہیں کی اور اپنے عہد پر قائم رہے۔ ص۲۲۹

پھر مضمون پڑھنے والے نے یہ بیان کیا کہ قرآن شریف میں لکھا ہے کہ جو مسلمان نہیں ہوتا اُن کے ساتھ جنگ کرو۔ مگر ابھی ہم قرآن شریف کی یہ آیت لکھ چکے ہیں کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ دین میں جبر نہیں ہے ہاں بعض آیات قرآن شریف میں ایسی ہیں کہ جاہل اور متعصب مخالف اُن کے معنوں کو بگاڑ کر اعتراض کے طور پر پیش کر دیتے ہیں جیساکہ یہ آیت ہے قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ[2]۔ (ترجمہ) وہ اہل کتاب کہ جو نہ خدا کو مانتے ہیں اور نہ روزِ آخرت پر ایمان لاتے ہیں اور نہ خدا اور اُس کے رسُول کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں اور نہ دیانت اور سچائی کی راہ کو اختیار کرتے ہیں اُن سے تم لڑو یہاں تک کہ ذلیل ہو کر اپنے ہاتھوں سے جزیہ دیں۔

یہ آیات ہیں جن سے نادان لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ جنگ کا حکم مسلمان کرنے کے لئے ہے لیکن ان آیات کو اخیر تک پڑھ کر دیکھ لو۔ ان آیات میں مسلمان کرنے کا کہیں بھی حکم نہیں بلکہ اگر تم ان آیات کو آیت اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ تک پڑھو گے تو تمہیں معلوم ہوگا کہ یہ اُن اہل کتاب کا

[1] الاحزاب: ۲۴ [2] التوبۃ: ۲۹

ذکر ہے کہ جو کھلے کھلے طور پر جرائم پیشہ ہو گئے تھے اور عیسائیت اور یہودیت صرف نام کے لئے تھی ورنہ اُن کو خدا پر بھی ایمان نہیں رہا تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے وَتَرٰی کَثِیۡرًا مِّنۡہُمۡ یُسَارِعُوۡنَ فِی الۡاِثۡمِ وَالۡعُدۡوَانِ وَاَکۡلِہِمُ السُّحۡتَ ؕ لَبِئۡسَ مَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ۔ لَوۡلَا یَنۡہٰہُمُ الرَّبّٰنِیُّوۡنَ وَالۡاَحۡبَارُ عَنۡ قَوۡلِہِمُ الۡاِثۡمَ وَاَکۡلِہِمُ السُّحۡتَ لَبِئۡسَ مَا کَانُوۡا یَصۡنَعُوۡنَ[۱] ...... قل یا ھل الکتٰب لستم علیٰ شیءٍ حتّٰی تقیموا التوراۃ والانجیل وما انزل الیکم من ربکم[۲] (ترجمہ) اور اکثر اہل کتاب کو تو دیکھے گا کہ گناہ کے کاموں کی طرف دوڑتے ہیں اور حرام کھاتے ہیں کیا ہی بُرے یہ کام اور بداعمالیاں ہیں کہ یہ لوگ کر رہے ہیں اُن کے مشائخ اور علماء کیوں ان بُرے کاموں سے اُن کو منع نہیں کرتے اور دیکھتے ہیں کہ وہ جھوٹ بولتے اور جھوٹی گواہیاں دیتے ہیں اور حرام کھاتے ہیں پھر بھی چپ رہتے ہیں۔ پس یہ اُن کے علماء بھی بُرے کام کر رہے ہیں کہ خاموش رہ کر اُن کی بدی میں آپ بھی شریک ہیں۔ اے پیغمبر! تُو یہود اور نصاریٰ کو کہہ دے کہ جب تک تم توریت اور انجیل کے احکام پر نہ چلو اور ایسا ہی اُن دوسری تمام کتابوں پر قائم نہ ہو جاؤ جو خدا کی طرف سے تمہیں دی گئی ہیں تب تک تمہارا کچھ بھی مذہب نہیں محض لامذہب ہو کر اپنے نفسوں کی پیروی کر رہے ہو پس ان تمام آیات سے ظاہر ہے کہ عرب کے یہود اور عیسائی ایسے بگڑ گئے تھے اور اس درجہ پر وہ بدچلن ہو گئے تھے کہ جو کچھ خدا نے اُن کی کتابوں میں حرام کیا تھا یعنی یہ کہ چوری نہ کریں لوگوں کا ناحق مال نہ کھاویں۔ ناحق کا خون نہ کریں۔ جھوٹی گواہی نہ دیں۔ خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔ یہ تمام ناجائز کام ایسی دلی رغبت سے کرتے تھے کہ گویا اُن بُرے کاموں کو انہوں نے اپنا مذہب قرار دیدیا تھا جیسا کہ پادری فنڈل صاحب نے بھی اپنی کتاب میزان الحق میں جو اس ملک میں مدت تیس سال سے شائع ہو چکی ہے اس بات کی تصدیق کی ہے کہ درحقیقت ملک عرب میں جو عیسائی اور یہودی تھے وہ سخت بدچلن ہو گئے تھے اور ملک کے لئے اُن کا وجود خطرناک تھا اور اُن کے مفاسد حد سے بڑھ گئے تھے بعد اس کے وہ پادری اپنی شرارت

[۱] المائدۃ: ۶۳-۶۴ [۲] المائدۃ: ۶۹

ص۲۳۰

سے لکھتا ہے کہ نعوذ باللہ اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبی تو نہیں تھے مگر خدا نے اس ملک کے بدچلن یہودیوں اور عیسائیوں کو سزا دینے کے لئے آپ کو غلبہ بخشا اور خدا نے بطور تنبیہ کے یہ قرین مصلحت قرار دیا کہ اس طرح پر اُن بدچلن فرقوں کو آئندہ بدچلنیوں اور بداعمالیوں سے روکا جاوے۔ یہ وہ گواہی ہے جو ایک سخت دشمن اسلام کا یعنی پادری فنڈل اپنی کتاب میزان الحق میں دیتا ہے اور باوجود سخت متعصب ہونے کے اس قدر سچ اُس کے منہ سے نکل گیا کہ اس وقت کے عیسائی اور یہودی سخت بدچلن اور بداعمال اور جرائم پیشہ تھے پس ایک عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ امن عامہ قائم کرنے کے لئے ایسے جرائم پیشہ لوگوں کا تدارک ضروری تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف پیغمبری کا عہدہ رکھتے تھے بلکہ وہ خدا تعالےٰ کی طرف سے ایک بادشاہ بااختیار کی طرح ملکی مصالح قائم رکھنے کے ذمہ وار ٹھہرائے گئے تھے اس صورت میں آپ کا فرض تھا کہ بحیثیت ایک بادشاہ اور والی ملک کے شریروں اور بدمعاشوں کا قرار واقعی بندوبست کریں اور مظلوموں کو جو اُن کی شرارتوں سے تباہ ہو گئے تھے اُن کے پنجہ سے چھڑا دیں۔ پس یُوں سمجھنا چاہیئے کہ خدا تعالےٰ کی طرف سے آپ کے دو عہدے تھے ایک عہدۂ رسالت کہ جو کچھ خدا تعالےٰ کی طرف سے حکم ملتا تھا وہ لوگوں کو پہنچا دیتے تھے اور دوسرا عہدہ بادشاہت اور خلافت کا جس عہدہ کی رُو سے وہ ہر ایک مفسد اور مخلِ امن کو سزا دے کر امن عامہ کو مُلک میں قائم کر دیتے تھے اور مُلک عرب کا اُن دنوں میں یہ حال تھا کہ ایک طرف تو خود عرب کے لوگ اکثر لٹیرے اور قزاق اور طرح طرح کے جرائم کرنے والے تھے اور دوسری طرف جو اہل کتاب کہلاتے تھے وہ بھی سخت بدچلن تھے اور ناجائز طریقوں سے لوگوں کا مال کھاتے تھے اگر عرب رات کو لُوٹتے تھے تو یہ لوگ دن کو ہی غریب لوگوں کی گردن پر چُھری پھیرتے تھے پس جب کہ خدا تعالےٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ملک عرب کی بادشاہی دی تو بلاشبہ آنجناب کا یہ فرض تھا کہ بدمعاشوں اور مُجرموں اور چوروں اور ڈاکوؤں اور مفسدوں کا بندوبست کریں اور جو لوگ جرائم سے باز نہیں آتے اُن کو سزا دیں

صفحہ ۲۳۱

اور ہر ایک شخص سمجھ سکتا ہے کہ بادشاہ کے لئے ایسا کرنا ضروری ہے کہ مثلاً اگر کسی بادشاہ کی رعایا پر لوگ ڈاکہ ماریں اور اُن کا مال لُوٹ کر لے جاویں یا نقب لگا کر مال لے جاویں یا طمع نفسانی سے لوگوں کو قتل کریں تو کیا اس بادشاہ کا فرض نہیں ہوگا کہ ایسے مفسد لوگوں پر چڑھائی کرے اور ایسے مفسد لوگوں کو قرار واقعی سزا دے کر ملک میں امن قائم کر دے۔ سو یہ لڑائی اہل کتاب سے اس وجہ سے نہیں تھی کہ اُن کو مسلمان کیا جائے بلکہ اس وجہ سے تھی کہ اُن کی شرارتوں سے ملک کو بچایا جائے۔ اس بات کا قرآن شریف میں تصریح ذکر ہے کہ اُن کی بدچلنی نہایت درجہ تک پہنچ گئی تھی۔ چنانچہ ان بدچلنیوں کے بارے میں قرآن شریف میں یہ آیات موجود ہیں۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُونَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۗ وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ[1] (الجزو ۱۰ سورۃ التوبہ) (ترجمہ) مسلمانو! اہل کتاب کے اکثر عالم اور مشائخ لوگوں کے مال ناحق کھاتے ہیں یعنی ناجائز طور پر اُن کا روپیہ اپنے قبضہ میں کر لیتے ہیں اور خدا کی راہ سے لوگوں کو روکتے رہتے ہیں اور اس طرح پر ناجائز طور پر لوگوں کے مال لے کر سونا اور چاندی جمع کر لیتے ہیں اور خدا کی راہ میں کچھ بھی خرچ نہیں کرتے سو اُن کو دردناک عذاب کی خوشخبری سُنا دو۔

پھر ایک دوسری جگہ اللہ تعالےٰ اہل کتاب کی بدچلنی کی نسبت خوب وضاحت سے فرماتا ہے اور وہ آیات یہ ہیں۔ وَمِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مَنْ إِن تَأْمَنْهُ بِقِنطَارٍ يُؤَدِّهِ إِلَيْكَ وَمِنْهُم مَّنْ إِن تَأْمَنْهُ بِدِينَارٍ لَّا يُؤَدِّهِ إِلَيْكَ إِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَائِمًا ۗ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمِّيِّينَ سَبِيلٌ وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ۔[2] الجزو ۳ سورۃ آل عمران۔ (ترجمہ) اور اہل کتاب میں سے بعض ایسے ہیں کہ اگر اُن کے پاس زر نقد کا ایک ڈھیر بھی امانت رکھی جائے تو جب تو مانگے وہ سب مال تیرے حوالہ کریں گے اور بعض اہل کتاب ایسے ہیں کہ اگر ایک اشرفی بھی تو اُن کے حوالہ بطور

[1] التوبۃ: ۳۴ [2] آل عمران: ۷۶

صفحہ ۲۳۲

امانت کرے تو وہ کبھی حوالہ نہ کریں گے۔ مگر صرف اُس وقت کہ تو اُن کے سر پر کھڑا ہوگا۔ یہ بدمعاملگی اس لئے کرتے ہیں کہ وہ کھلے کھلے طور پر کہتے ہیں کہ عرب کے ان پڑھ لوگوں کا حق مار لینے میں ہم سے کوئی باز پرس نہیں ہوگی اور دیدہ دانستہ خدا پر جھوٹ بولتے ہیں۔

غرض عرب کے مشرکوں کی طرح اس ملک کے اہل کتاب بھی جرائم پیشہ ہو گئے تھے عیسائیوں نے تو کفارہ کے مسئلہ پر زور دے کر اور اس پر بھروسہ کرکے یہ سمجھ لیا تھا کہ ہم پر سب جرائم حلال ہیں اور یہودی کہتے تھے کہ ہم ارتکاب جرائم کی وجہ سے صرف چند روز دوزخ میں پڑیں گے اس سے زیادہ نہیں جیسا کہ اس بارہ میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ وَّغَرَّهُمْ فِيْ دِيْنِهِمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ۔ الجزو نمبر ۳ سورۃ آل عمران[1] (ترجمہ) یہ دلیری اور جرأت اِس سے اُن کو پیدا ہوئی کہ اُن کا یہ قول ہے کہ دوزخ کی آگ ہمیں چھوئے گی بھی تو صرف چند روز تک رہے گی اور جو افترا پردازیاں وہ کرتے ہیں انہیں پر مغرور ہو کر اُن کے یہ خیالات ہیں۔

پس جب کہ اہل کتاب اور مشرکین عرب نہایت درجہ بدچلن ہو چکے تھے اور بدی کرکے سمجھتے تھے کہ ہم نے نیکی کا کام کیا ہے اور جرائم سے باز نہیں آتے تھے اور امن عامہ میں خلل ڈالتے تھے تو خدا تعالےٰ نے اپنے نبیؐ کے ہاتھ میں عنانِ حکومت دے کر اُن کے ہاتھ سے غریبوں کو بچانا چاہا اور چونکہ عرب کا ملک مطلق العنان تھا اور وہ لوگ کسی بادشاہ کی حکومت کے ماتحت نہیں تھے اس لئے ہر ایک فرقہ نہایت بے قیدی اور دلیری سے زندگی بسر کرتا تھا اور چونکہ اُن کے لئے کوئی سزا کا قانون نہ تھا اس لئے وہ لوگ روز بروز جرائم میں بڑھتے جاتے تھے پس خدا نے اس ملک پر رحم کرکے ..... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس ملک کے لئے نہ صرف رسول کرکے بھیجا بلکہ اس ملک کا بادشاہ بھی بنا دیا اور قرآن شریف کو ایک ایسے قانون کی طرح مکمل کیا جس میں دیوانی فوجداری مالی سب ہدایتیں ہیں سو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت ایک بادشاہ ہونے کے تمام فرقوں کے حاکم تھے اور ہر ایک مذہب

۲۳۳

[1] آل عمران : ۲۵

کے لوگ اپنے مقدمات آپ سے فیصلہ کراتے تھے۔ قرآن شریف سے ثابت ہے کہ ایک دفعہ ایک مسلمان اور ایک یہودی کا آنجناب کی عدالت میں مقدمہ آیا تو آنجناب نے تحقیقات کے بعد یہودی کو سچا کیا اور مسلمان پر اُس کے دعوے کی ڈگری کی پس بعض نادان مخالف جو غور سے قرآن شریف نہیں پڑھتے وہ ہر ایک مقام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے نیچے لے آتے ہیں حالانکہ ایسی سزائیں خلافت یعنی بادشاہت کی حیثیت سے دی جاتی تھیں۔ بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰؑ کے بعد نبی جدا ہوتے تھے اور بادشاہ جدا ہوتے تھے جو امور سیاست کے ذریعہ سے امن قائم رکھتے تھے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں یہ دونوں عہدے خدا تعالیٰ نے آنجناب ہی کو عطا کئے اور جرائم پیشہ لوگوں کو الگ الگ کرکے باقی لوگوں کے ساتھ جو برتاؤ تھا وہ آیت مندرجہ ذیل سے ظاہر ہوتا ہے اور وہ یہ ہے وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ؕ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ؕ[۱] الجزو ۳ سورۃ آل عمران۔ اور اے پیغمبر اہل کتاب اور عرب کے جاہلوں کو کہو کہ کیا تم دین اسلام میں داخل ہوتے ہو۔ پس اگر اسلام قبول کرلیں تو ہدایت پا گئے اور اگر منہ موڑیں تو تمہارا تو صرف یہی کام ہے کہ حکم الٰہی پہنچا دو۔ اس آیت میں یہ نہیں لکھا کہ تمہارا یہ بھی کام ہے کہ تم اُن سے جنگ کرو۔ اس سے ظاہر ہے کہ جنگ صرف جرائم پیشہ لوگوں کے لئے تھا کہ مسلمانوں کو قتل کرتے تھے یا امن عامہ میں خلل ڈالتے تھے اور چوری ڈاکہ میں مشغول رہتے تھے اور یہ جنگ بحیثیت بادشاہ ہونے کے تھا نہ بحیثیت رسالت۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ؕ[۲] الجزو ۲ سورۃ البقرۃ (ترجمہ) تم خدا کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں یعنی دوسروں سے کچھ غرض نہ رکھو اور زیادتی مت کرو۔ خدا زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

پھر مضمون پڑھنے والے نے قرآن شریف کا ذکر کرکے تعدّدِ ازدواج پر اعتراض کیا۔ اس کے

[۱] آل عمران : ۲۱ [۲] البقرۃ : ۱۹۱

جواب میں اس قدر ہم لکھنا کافی سمجھتے ہیں کہ اگرچہ آریہ سماج والے تعدّد ازواج کو نظر نفرت سے دیکھتے ہیں مگر بلاشبہ وہ اس ضرورت کو تسلیم کرتے ہیں جس کے لئے اکثر انسان تعدّد ازواج کے لئے مجبور ہوتا ہے اور وہ یہ کہ انسان جو اشرف المخلوقات ہے۔اس کے لئے یہ ضروری امر ہے کہ اپنی نسل باقی رہنے کے لئے کوئی احسن طریق اختیار کرے اور لاولد رہنے سے اپنے تئیں بچاوے اور یہ ظاہر ہے کہ بسا اوقات ایک بیوی سے اولاد نہیں ہوتی اور یا ہوتی ہے اور بباعث لاحق ہونے کسی بیماری کے مر مر جاتی ہے اور یا لڑکیاں ہی پیدا ہوتی ہیں اور ایسی صورت میں مرد کو دوسری بیوی کی نکاح کے لئے ضرورت پیش آتی ہے خاص کر ایسے مرد جن کی نسل کا مفقود ہونا قابل افسوس ہوتا ہے اور اُن کی ملکیت اور ریاست کو بہت حرج اور نقصان پہنچتا ہے۔ایسا ہی اور بہت سے وجوہ تعدّدِ نکاح کے لئے پیش آتے ہیں مگر بالفعل ہم صرف یہ ایک ہی وجہ بیان کر کے قرآن شریف کی اس تعلیم کا جو تعدّد ازدواج کی ضرورت پیش کرتی ہے وید کی اس تعلیم سے مقابلہ کرتے ہیں جو ضرورت مندرجہ بالا کے پورا کرنے کے لئے وید نے پیش کی ہے۔

سنو! جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں قرآن شریف میں انسانی ضرورتوں کے پورا کرنے کیلئے تعدّدِ ازدواج کو روا رکھا ہے اور منجملہ ان ضرورتوں کے ایک یہ بھی ہے کہ تا بعض صورتوں میں تعدّدِ ازدواج نسل قائم رہ جانے کا موجب ہو جائے کیونکہ جس طرح قطرے قطرے سے دریا بنتا ہے اسی طرح نسل سے بھی قومیں بنتی ہیں اور اس میں کچھ شک نہیں کہ کثرت نسل کیلئے نہایت عمدہ طریق تعدّدِ ازدواج ہے پس وہ برکت جس کا دوسرے لفظوں میں نام کثرت نسل ہے اس کا بڑا بھاری ذریعہ تعدّدِ ازدواج ہی ہے یہ تو وہ ذریعہ کثرت نسل کا ہے جو قرآن شریف نے پیش کیا ہے اور اس کے برخلاف جو وید نے ذریعہ پیش کیا ہے جس کو وہ نہایت ضروری سمجھتا ہے وہ نیوگ ہے یعنی یہ کہ اگر کسی کے گھر میں پہلی بیوی سے اولاد نہ ہو تو اولاد حاصل کرنے کے لئے دو طریق ہیں۔

(۱) ایک یہ کہ اُس کی اپنی بیوی کسی دُوسرے مرد سے منہ کالا کراوے۔ نہ ایک دن نہ دو دن بلکہ قریباً چودہ سال تک کسی دوسرے مرد سے ناجائز تعلق رکھے یا کم و بیش۔ اور جو اُس غیر مرد سے اولاد ہو وہ مرغیوں کے بچوں کی طرح نصفا نصف تقسیم ہو جائے گی یعنی نصف بچے تو اُس پاکدامن کے خاوند کو ملیں گے اور نصف دیگر اُس کو ملیں گے جس کے ساتھ یارانہ اولاد کے لئے لگایا گیا۔ اب اگرچہ آریہ صاحبان اس کام سے کچھ بھی نفرت نہیں کرتے مگر میں جانتا ہوں کہ اب بھی کئی کروڑ ہندو اسی آریہ ورت میں ایسے ہونگے کہ وید کی اس تعلیم کو اُن کا دل ہرگز منظور نہیں کرتا ہوگا اور مسلمانوں کی طرح ضرورت کے وقت دوسری شادی کرتے ہوں گے اس سے ظاہر ہے کہ شریف ہندوؤں کی فطرت نے بھی ضرورت کے وقت نکاح ثانی کو پسند کیا ہے اگر تم پنجاب میں ہی تلاش کرو تو ہزارہا دولت مند اور امیر ہندو ایسے نکلیں گے کہ وہ دو دو تین تین بیویاں رکھتے ہوں گے مگر بجز اس قلیل گروہ آریوں کے کوئی شریف باعزت ہندو اس بات کو منظور نہیں کرے گا کہ اپنی جوان خوب صورت بیوی کو رات کو دوسرے کے ساتھ ہمبستر کراوے۔ اگر یہ بے غیرتی نہیں تو پھر بے غیرتی اور بے شرمی کس چیز کا نام ہے؟ مگر کئی بیویاں کرنے کا طریق مسلمانوں کی طرح ہندوؤں میں بھی ہمیشہ سے چلا آیا ہے اور اس وقت کے ہندو راجے بھی برابر اس کے کاربند ہیں اور ہم بڑے دعوے سے کہتے ہیں کہ کئی بیویاں کرنے کا طریق فقط اسی زمانہ میں ہندوؤں میں پیدا نہیں ہوا بلکہ ہندوؤں کے وہ بزرگ جو اوتار کہلاتے تھے اُن کا تعدّدِ ازدواج بھی ثابت ہے۔ چنانچہ کرشن جی کی ہزاروں بیویاں بیان کی جاتی ہیں اور اگر ہم اس بیان کو مبالغہ خیال کریں تو اس میں شک نہیں کہ دس بیس تو ضرور ہوں گی۔ راجہ رامچندر کے باپ کی بھی دو بیویاں تھیں اور جہاں تک ہمیں معلوم ہے وید میں کہیں تعدّدِ ازدواج کی ممانعت نہیں پائی جاتی۔ ورنہ یہ بزرگ لوگ ایسا کام کیوں کرتے جو وید کے برخلاف تھا۔ ایسا ہی باوا نانک صاحب جو ہندو قوم میں ایک بڑے مقدس آدمی شمار کئے گئے ہیں اُن کی بھی دو بیویاں تھیں۔

صفحہ ۲۳۶

اس جگہ مخالفوں کی طرف سے یہ اعتراض ہُوا کرتا ہے کہ تعدد ازدواج میں یہ ظلم ہے کہ اعتدال نہیں رہتا۔ اعتدال اسی میں ہے کہ ایک مرد کے لئے ایک ہی بیوی ہو مگر مجھے تعجب ہے کہ وہ دوسروں کے حالات میں کیوں خواہ نخواہ مداخلت کرتے ہیں جب کہ یہ مسئلہ اسلام میں شائع متعارف ہے کہ چار تک بیویاں کرنا جائز ہے مگر جبر کسی پر نہیں اور ہر ایک مرد اور عورت کو اس مسئلہ کی بخوبی خبر ہے تو یہ اُن عورتوں کا حق ہے کہ جب کسی مسلمان سے نکاح کرنا چاہیں تو اوّل شرط کرالیں کہ اُن کا خاوند کسی حالت میں دوسری بیوی نہیں کرے گا اور اگر نکاح سے پہلے ایسی شرط لکھی جائے تو بیشک ایسی بیوی کا خاوند اگر دوسری بیوی کرے تو جُرم نقض عہد کا مرتکب ہوگا۔ لیکن اگر کوئی عورت ایسی شرط نہ لکھاوے اور حکم شرع پر راضی ہو وے تو اس حالت میں دوسرے کا دخل دینا بے جا ہوگا اور اس جگہ یہ مثل صادق آئے گی کہ میاں بیوی راضی تو کیا کرے گا قاضی۔ ہر ایک عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ خدا نے تو تعدّد ازدواج فرض واجب نہیں کیا ہے خدا کے حکم کی رُو سے صرف جائز ہے پس اگر کوئی مرد اپنی کسی ضرورت کی وجہ سے اس جائز حکم سے فائدہ اٹھانا چاہے جو خدا کے جاری کردہ قانون کی رُو سے ہے اور اُس کی پہلی بیوی اُس پر راضی نہ ہو تو اس بیوی کے لئے یہ راہ کشادہ ہے کہ وہ طلاق لے لے اور اس غم سے نجات پاوے۔ اور اگر دوسری عورت جس سے نکاح کرنے کا ارادہ ہے اُس نکاح پر راضی نہ ہو تو اُس کے لئے بھی یہ سہل طریق ہے کہ ایسی درخواست کرنیوالے کو انکاری جواب دیدے۔ کسی پر جبر تو نہیں۔ لیکن اگر وہ دونوں عورتیں اس نکاح پر راضی ہو جاویں تو اس صورت میں کسی آریہ کو خواہ نخواہ دخل دینے اور اعتراض کرنے کا کیا حق ہے؟ کیا اُس مرد نے اُن عورتوں سے نکاح کرنا ہے یا اس آریہ سے۔ جس حالت میں خُدا نے تعدد ازدواج کو کسی موقعہ پر انسانی ضرورتوں میں جائز رکھا ہے اور ایک عورت اپنے خاوند کے دوسرے نکاح میں رضامندی ظاہر کرتی ہے اور دُوسری عورت بھی اس نکاح پر خوش ہے تو کسی کا حق نہیں ہے کہ اُن کے اس باہمی فیصلہ کو منسوخ کر دے اور اس جگہ یہ بحث پیش کرنا کہ ایک سے زیادہ بیوی کرنا پہلی بیوی کے حق میں

ظلم ہے اور طریق اعتدال کے برخلاف ہے یہ اُن لوگوں کا کام ہے جن کی تعصب سے عقل ماری گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ مسئلہ حقوقِ عباد کے متعلق ہے اور جو شخص دو بیویاں کرتا ہے اس میں خدا تعالےٰ کا حرج نہیں اگر حرج ہے تو اس بیوی کا جو پہلی بیوی ہے یا دوسری بیوی کا۔ پس اگر پہلی بیوی اس نکاح میں اپنی حق تلفی سمجھتی ہے تو وہ طلاق لے کر اس جھگڑے سے خلاصی پا سکتی ہے اور اگر خاوند طلاق نہ دے تو بذریعہ حاکم وقت وہ خلع کرا سکتی ہے اور اگر دوسری بیوی اپنا کچھ حرج سمجھتی ہے تو وہ اپنے نفع نقصان کو خود سمجھتی ہے پس یہ اعتراض کرنا کہ اس طور سے اعتدال ہاتھ سے جاتا ہے خواہ نخواہ کا دخل ہے اور باایں ہمہ خدا تعالےٰ نے مردوں کو وصیت فرمائی ہے کہ اگر اُن کی چند بیویاں ہوں تو اُن میں اعتدال رکھیں ورنہ ایک ہی بیوی پر قناعت کریں۔

اور یہ کہنا کہ تعدّد ازواج شہوت پرستی سے ہوتا ہے یہ بھی سراسر جاہلانہ اور متعصبانہ خیال ہے ہم نے تو اپنی آنکھوں کے تجربہ سے دیکھا ہے کہ جن لوگوں پر شہوت پرستی غالب ہے اگر وہ تعدّد ازواج کی مبارک رسم کے پابند ہو جائیں تب تو وہ فسق و فجور اور زناکاری اور بدکاری سے رُک جاتے ہیں اور یہ طریق اُن کو متقی اور پرہیزگار بنا دیتا ہے۔ ورنہ نفسانی شہوات کا تند اور تیز سیلاب بازاری عورتوں کے دروازہ تک اُن کو پہنچا دیتا ہے آخر آتشک اور سوزاک خریدتے یا اور کسی خطرناک مرض میں مبتلا ہوتے ہیں اور وہ کام فسق و فجور کے چھپے چھپے اور کھلے کھلے اُن سے صادر ہوتے ہیں جن کی نظیر اُن لوگوں میں ہرگز نہیں پائی جاتی جن کی دو دو تین تین دل پسند بیویاں ہوتی ہیں۔ یہ لوگ تھوڑی مدت تک تو اپنے تئیں روک سکتے ہیں آخر اس قدر یک دفعہ اُن کی ناجائز شہوات جوش میں آتی ہیں کہ جیسے ایک دریا کا بند ٹوٹ کر وہ دریا دن کو یا رات کو تمام ارد گرد کے دیہات کو تباہ کر دیتا ہے سچ تو یہ ہے کہ تمام کام نیت پر موقوف ہیں جو لوگ اپنے اندر یہ محسوس کرتے ہیں کہ دوسری بیوی کرنے سے اُن کے تقویٰ کا سامان پورا ہو جائے گا اور وہ فسق و فجور سے بچ جائیں گے

یا یہ کہ وہ اس ذریعہ سے اپنی صالح اولاد چھوڑ جائیں گے تو اُن کا یہ فرض ہے کہ وہ ضرور اس بابرکت کام سے حصہ لیں خدا کی جناب میں بدکاری اور بدنظری ایسے ناپاک گناہ ہیں جن سے نیکیاں باطل ہو جاتی ہیں اور آخر اسی دُنیا میں جسمانی عذاب نازل ہو جاتے ہیں۔ پس اگر کوئی تقویٰ کے محکم قلعہ میں داخل ہونے کی نیت سے ایک سے زیادہ بیویاں کرتا ہے اس کے لئے صرف جائز ہی نہیں بلکہ یہ عمل اس کے لئے موجب ثواب ہے۔ جو شخص اپنے تئیں بدکاری سے روکنے کے لئے تعدّدِ ازدواج کا پابند ہوتا ہے وہ گویا اپنے تئیں فرشتوں کی طرح بنانا چاہتا ہے۔

۲۳۹

میں خوب جانتا ہوں کہ یہ اندھی دنیا صرف جھوٹی منطقوں اور جھوٹی شیخیوں میں گرفتار ہے وہ لوگ جو تقویٰ کی تلاش میں لگے نہیں رہتے کہ کیونکر حاصل ہو اور تقویٰ کے حصول کیلئے کوئی تدبیر نہیں کرتے اور نہ دعا کرتے ہیں اُن کی حالتیں اُس پھوڑے کی مانند ہیں جو اُوپر سے بہت چمکتا ہے مگر اُس کے اندر بجز پیپ کے اور کچھ نہیں۔ اور خدا کی طرف جھکنے والے جو کسی ملامت گر کی ملامت کی پروا نہیں کرتے وہ تقویٰ کی راہوں کو یوں ڈھونڈتے پھرتے ہیں جیسا کہ ایک گدا روٹی کو۔ اور جو لوگ خدا کی راہ میں مصیبتوں کی آگ میں پڑتے ہیں۔ جن کا دل ہر وقت مغموم رہتا ہے اور خدا کی راہ میں بڑے مقاصد مگر دشوار گذار اُن کی رُوح کو تحلیل کرتے اور کمر کو توڑتے رہتے ہیں اُن کے لئے خدا خود تجویز کرتا ہے کہ وہ اپنے دن یا رات میں سے چند منٹ اپنی مانوس بیویوں کے ساتھ بسر کریں اور اس طرح پر اپنے کوفتہ اور شکستہ نفس کو آرام پہنچاویں اور پھر سرگرمی سے اپنے دینی کام میں مشغول ہو جاویں۔ ان باتوں کو کوئی نہیں سمجھتا مگر وہ جو اس راہ میں مذاق رکھتے ہیں۔ میں نے ہندوؤں کی ہی پستک میں یہ ایک حکایت پڑھی ہے کہ ایک شخص کسی بہت ضروری کام کے لئے کسی طرف جاتا تھا اور راہ میں اس کے ایک خونخوار دریا تھا اور کوئی کشتی نہیں تھی اور جانا ضروری تھا جب وہ دریا کے کنارہ پر پہنچا تو ایک فقیر کو اُس نے دیکھا جس کی سَو بیوی تھی تب اُس نے اُس کی خدمت میں عرض کی کہ آپ دعا کریں کہ میں کسی طرح اس دریا سے پار ہو جاؤں۔ اس فقیر نے کہا کہ تو دریا کے کنارہ

پر جا اور اس دریا کو کہدے کہ میں تیرے آگے اُس فقیر مجرّد کا واسطہ ڈالتا ہوں جو تیرے کنارہ پر بیٹھا ہے جس نے ساری عمر میں کسی عورت کو چھُوا بھی نہیں۔ پس اگر یہ بات سچ ہے تو مجھے راہ دیدے۔ جب اس شخص نے یہ پیغام اس دریا کو پہنچایا تو یہ سنتے ہی دریا نے راہ دیدی اور وہ دریا سے پار ہو گیا۔ اور آتے وقت پھر وہی مشکل تھی اور دوسرے کنارہ پر اَور فقیر بیٹھا ہوا تھا جو ہر روز ایک دیگ پلاؤ کی کھاتا تھا یہ شخص اُس کے پاس گیا اور اپنی مشکل بیان کی اُس نے کہا کہ دریا کو میری طرف سے جا کر کہہ دے کہ میں تیرے آگے اس فقیر کا واسطہ ڈالتا ہوں جو تیرے کنارہ پر بیٹھا ہے جس نے کبھی ایک دانہ اناج کا بھی نہیں کھایا اگر یہ بات سچ ہے تو مجھے راہ دیدے تب فی الفور دریا نے راہ دیدی۔ ؎

تو مردانِ آں راہ چوں بنگری ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ که از کینہ و بغض کور و کری
چہ دانی کہ ایشاں چساں میز بند ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ز دنیا نہاں در نہاں میز بند
فدا گشتہ در راہ آں جاں پناہ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ زکف دل ز سر اوفتادہ کلاہ
ولے ریش رفتہ بکوئے دِگر ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ز تحسین و لعنِ جہاں بے خبر
چو بیت المقدس درون پر ز تاب ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ رہا کردہ دیوار بیروں خراب

اور مضمون پڑھنے والے نے ایک یہ اعتراض پیش کیا کہ قرآن شریف کی تعلیم کی رُو سے قریبی رشتہ داروں میں شادی ہوتی ہے مگر میں نہیں جانتا کہ ایسا لغو اعتراض کیوں کیا گیا ہے یوں تو نوع انسان سب آپس میں قریبی ہیں اسی وجہ سے ایک دوسرے پر حق رکھتے ہیں باقی یہ بحث کہ نہایت قریبی کون کون ہیں جن کا باہم نکاح حرام ہے سو خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں تفصیل سے بتلا دیا ہے اور وہ آیات یہ ہیں وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ۔ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ

ص۲۰

الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِکُمْ مِّنْ نِّسَآئِکُمُ الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَاِنْ لَّمْ تَکُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْکُمْ وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِکُمُ الَّذِیْنَ مِنْ اَصْلَابِکُمْ وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَیْنَ الْاُخْتَیْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ اِنَّ اللّٰهَ کَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ۝ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ کِتٰبَ اللّٰهِ عَلَیْکُمْ وَاُحِلَّ لَکُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِکُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِکُمْ مُّحْصِنِیْنَ غَیْرَ مُسٰفِحِیْنَ[1] الجزو ۴ سورۃ النساء (ترجمہ) اور جن عورتوں کے ساتھ تمہارے باپوں نے نکاح کیا ہو تم اُن کے ساتھ نکاح مت کرو اور جو ہو چکا اس پر کچھ مواخذہ نہیں (یعنی جاہلیت کے زمانہ کی خطا معاف کی گئی) اور پھر فرماتا ہے کہ باپ کی منکوحہ عورت کو کرنا یہ بڑی بے حیائی اور غضب کی بات تھی اور بہت ہی بُرا دستور تھا تم پر یہ سب رشتے حرام کئے گئے ہیں جیسے تمہاری مائیں اور بیٹیاں اور بہنیں اور پھوپھیاں اور خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور دائیاں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا اور دودھ شریک بہنیں اور تمہاری عورتوں کی ماں اور تمہاری بیویوں کی وہ لڑکیاں جو تمہاری گودوں میں پرورش پائیں اور تمہارے گھروں میں رہیں۔ مگر عورتوں سے وہ عورتیں مراد ہیں جو تم سے ہمبستر ہو چکی ہوں اور اگر تم نے اُن عورتوں سے صحبت داری نہ کی ہو تو اس صورت میں تمہیں نکاح کرنے میں مضائقہ نہیں اور ایسا ہی تمہارے بیٹوں کی بیویاں تم پر حرام ہیں مگر وہ بیٹے جو تمہارے صلبی بیٹے ہیں متبنّٰے نہیں ہیں اور یہ حرام ہے کہ تم دو بہنوں کو ایک ساتھ نکاح کرو اور دونوں تمہارے نکاح میں ہوں مگر جو پہلے اس سے گذر گیا اُس پر کچھ مواخذہ نہیں بیشک اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا مہربان ہے۔ اور وہ عورتیں بھی تم پر حرام ہیں جو دوسروں کے قید نکاح میں ہیں * مگر وہ عورتیں جو شرعی طور پر ظالم

* حاشیہ۔ افسوس کہ وید کی تعلیم ایسی عورتوں کو بھی حلال کرتی ہے جو دوسروں کے نکاح میں ہوں اگر تمام آریہ ورت کی عورتیں لاولد رہ جائیں یا لڑکیاں ہوں تو وید کی رُو سے جائز ہے کہ ایک ہی رات میں کروڑوں عورتیں اپنے خاوندوں کو چھوڑ کر دوسروں سے ہمبستر ہو جائیں افسوس جن کا یہ مذہب ہے وہ اسلام پر حملہ کرتے ہیں۔ اسلام نے کب جائز رکھا ہے کہ نکاح والی عورت دوسرے سے ہمبستر ہو جائے؟ اگر یہ صریح حرام کاری نہیں تو اور کیا ہے؟ منہ

[1] النساء : ۲۳ تا ۲۵

کافروں کی لڑائی میں قید ہو کر تمہارے قبضہ میں آئی ہوں۔ یہ خدا کا حکم تحریری ہے جو تم پر لازم کیا جاتا ہے۔ ان عورتوں کے سوا جو ذکر ہو چکیں باقی سب عورتیں تم پر حلال ہیں مگر اس شرط سے کہ وہ تعلق صرف شہوت رانی کا ناجائز تعلق نہ ہو بلکہ نیک اور پاک مقاصد کی بناء پر نکاح ہو۔

یہ ہیں وہ عورتیں جو خدا کے قانون نے مسلمانوں پر حرام کر دی ہیں اور یہ محض خدا کا حق ہے کہ جن چیزوں کو چاہے حلال کرے اور جن چیزوں کو چاہے حرام کرے اور وہی اپنے مصالح کو خوب جانتا ہے۔ اب آریوں کا خدائی قانون میں خواہ نخواہ بغیر کسی حجت اور روشن دلیل کے دخل دینا صرف شوخی اور کمینگی ہے۔ اور ہمیں تو تعجب آتا ہے کہ جو لوگ حیوانات کا پیشاب اور گوبر بھی کھا جاتے ہیں اور حرام حلال کا یہ حال ہے کہ اپنی بیوی کو بنام نہاد نیوگ دوسروں سے ہمبستر کراتے ہیں وہ اسلام پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ قریبی رشتہ داروں سے کیوں نکاح کیا جاتا ہے؟ اس کا یہی جواب ہے کہ وہ خدا کے نزدیک ایسے قریبی نہیں ہیں جو تمہارے خیال خام میں قریبی معلوم ہوتے ہیں۔ جن کو خدا نے قریبی ٹھیرایا ہے اُن کا ذکر اپنی کتاب میں کر دیا ہے اور وہ نکاح حرام کئے گئے ہیں جیسا کہ ابھی ہم ذکر کر آئے ہیں مگر اس کا کیا جواب ہے کہ وید کے پرمیشر نے ایک بڑا اندھیر مارا ہے (جس کی وجہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آریہ لوگ بسا اوقات ماؤں اور بہنوں سے بھی شادی کر لیتے ہیں) اور وہ تناسخ یعنی آواگون کا دھوکہ دینے والا طریق ہے کیونکہ جس حالت میں دوبارہ آنیوالی رُوح کے ساتھ پرمیشر کی طرف سے کوئی ایسی فہرست پیٹ میں سے ساتھ نہیں نکلتی جس سے معلوم ہو کہ فلاں عورت سے پیدا ہونے والی درحقیقت فلاں شخص کی ماں ہے یا دادی ہے یا نانی ہے یا بیٹی ہے یا بہن ہے تو اس میں کیا شک ہے کہ بسا اوقات ایک آریہ شادی کرنیوالا اپنی ماں سے نکاح کر لیتا ہوگا؟ یا بیٹی سے یا بہن سے یا دادی سے۔ اگر کہو کہ یہ تو پرمیشر کا قصور ہے ہمارا قصور نہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ پھر تم ایسے پرمیشر پر کیوں ایمان لاتے

ص۲۴۲

ہو؟ جو تمہیں بدیدہ دانستہ ایسی ایسی ناپاکی میں ڈالتا ہے اور اگر وہ ان رشتوں کو تمہارے لئے حلال سمجھتا ہے تو پھر تم کیوں اپنے پرمیشر کی نافرمانی کرتے ہو اور کیوں شاکت مت کی طرح جو ہندوؤں کی ایک شاخ ہے ماؤں بہنوں کو اپنے پر حلال نہیں کر لیتے۔ یہ کمال ناسمجھی اور کمزوری ہے کہ جن چیزوں کو پرمیشر تمہارے لئے حلال ٹھیراتا ہے تم ان چیزوں کو حرام ٹھیراتے ہو۔

پھر مضمون پڑھنے والے نے یہ اعتراض پیش کیا کہ قرآن شریف میں لونڈیوں سے ہمبستر ہونا لکھا ہے مگر اس معترض کو اول یہ سوچنا چاہیئے تھا کہ کیا یہ امر نیوگ کے برابر ہے؟ نیوگ کی تو یہ حقیقت ہے کہ ایک بے گناہ شریف زادی جو کسی کے نکاح میں ہو وہ محض اس وجہ سے دوسرے سے ہمبستر کرائی جاتی ہے کہ تا اس غریب کے پیٹ سے کسی طرح لڑکا پیدا ہو جائے جب دیکھتے ہیں کہ اُن کی عورت کو لڑکا پیدا نہیں ہوتا یا صرف لڑکیاں پیدا ہوتی ہیں یا محض بانجھ ہوتی ہے تو ان تمام صورتوں میں اُس آریہ عورت کا کسی دوسرے سے منہ کالا کرایا جاتا ہے پس وہ عورت لڑکے کی خواہش سے کسی بیگانہ شخص سے حرامکاری کراتی ہے اور اُس کے خاوند کو ایک ذرہ غیرت نہیں آتی کہ اُس کے گھر میں ایک بیگانہ شخص اُس کی عورت سے حرامکاری کر رہا ہے بلکہ وہ خوش ہوتا ہے کہ اب شاید اس فعل شنیع سے حمل ٹھہر جائے گا اور لڑکا پیدا ہوگا اور وہ لڑکا مفت میں اُس کا لڑکا بن جائے گا۔ افسوس جن لوگوں کو اپنی عورت کی نسبت غیرت نہیں وہ دوسروں کے ساتھ کس طریق پر پرہیزگاری برت سکتے ہیں۔

صفحہ ۲۴۳

رہا یہ امر کہ کافروں کی عورتوں اور لڑکیوں کو جو لڑائیوں میں ہاتھ آدیں لونڈیاں بنا کر اُن سے ہمبستر ہونا تو یہ ایک ایسا امر ہے جو شخص اصل حقیقت پر اطلاع پاوے وہ اس کو ہرگز محل اعتراض نہیں ٹھیرائے گا۔

اور اصل حقیقت یہ ہے کہ اُس ابتدائی زمانہ میں اکثر چنڈال اور خبیث طبع لوگ ناحق اسلام کے دشمن ہو کر طرح طرح کے دُکھ مسلمانوں کو دیتے تھے اگر کسی مسلمان کو قتل کریں تو اکثر اس میت کے ہاتھ پیر اور ناک کاٹ دیتے تھے اور بے رحمی سے بچوں کو بھی قتل کرتے تھے اور اگر کسی

غریب مظلوم کی عورت ہاتھ آتی تھی تو اُس کو لونڈی بناتے تھے اور اپنی عورتوں میں (مگر لونڈی کی طرح) اُس کو داخل کرتے تھے اور کوئی پہلو ظلم کا نہیں تھا جو انہوں نے اٹھا رکھا تھا۔ ایک مدت دراز تک مسلمانوں کو خدا تعالیٰ کی طرف سے یہی حکم ملتا رہا کہ ان لوگوں کی شرارتوں پر صبر کرو۔ مگر آخر کار جب ظلم حد سے بڑھ گیا تو خدا نے اجازت دیدی کہ اب ان شریر لوگوں سے لڑو اور جس قدر وہ زیادتی کرتے ہیں اس سے زیادہ نہ کرو* لیکن پھر بھی مُثلہ کرنے سے منع کیا یعنی منع فرما دیا کہ کافروں کے کسی مقتول کی ناک کان، ہاتھ وغیرہ نہیں کاٹنے چاہئیں اور جس بے عزتی کو مسلمانوں

---

*حاشیہ۔ یاد رہے کہ نکاح کی اصل حقیقت یہ ہے کہ عورت اور اس کے ولی کی اور نیز مرد کی بھی رضامندی لی جاتی ہے لیکن جس حالت میں ایک عورت اپنی آزادی کے حقوق کھو چکی ہے اور وہ آزاد نہیں ہے بلکہ وہ اُن ظالم طبع جنگ جو لوگوں میں سے ہے جنہوں نے مسلمانوں کے مردوں اور عورتوں پر بے جا ظلم کئے ہیں تو ایسی عورت جب گرفتار ہو کر اپنے اقارب کے جرائم کی پاداش میں لونڈی بنائی گئی تو اُس کی آزادی کے حقوق سب تلف ہو گئے لہٰذا وہ اب فتحیاب بادشاہ کی لونڈی ہے اور ایسی عورت کو حرم میں داخل کرنے کے لئے اُس کی رضامندی کی ضرورت نہیں بلکہ اس کے جنگجو اقارب پر فتحیاب ہو کر اس کو اپنے قبضہ میں لانا یہی اس کی رضامندی ہے۔ یہی حکم توریت میں بھی موجود ہے ہاں قرآن شریف میں فَكُّ رَقَبَةٍ یعنی لونڈی غلام کو آزاد کرنا بڑے ثواب کا کام بیان فرمایا ہے اور عام مسلمانوں کو رغبت دی ہے کہ اگر وہ ایسی لونڈیوں اور غلاموں کو آزاد کر دیں تو خدا کے نزدیک بڑا اجر حاصل کریں گے۔ اگرچہ مسلمان بادشاہ ایسے خبیث اور چنڈال لوگوں پر فتحیاب ہو کر غلام اور لونڈی بنانے کا حق رکھتا ہے مگر پھر بھی بدی کے مقابل پر نیکی کرنا خدا نے پسند فرمایا ہے۔ یہ بہت خوشی کی بات ہے کہ ہمارے زمانہ میں اسلام کے مقابل پر جو کافر کہلاتے ہیں انہوں نے یہ تعدّی اور زیادتی کا طریق چھوڑ دیا ہے۔ اس لئے اب مسلمانوں کے لئے بھی روا نہیں کہ اُن کے قیدیوں کو لونڈی غلام بنا دیں کیونکہ خدا قرآن شریف میں فرماتا ہے جو تم جنگجو فرقہ کے مقابل پر صرف اُسی قدر زیادتی کرو جس میں پہلے انہوں نے سبقت کی ہو پس جب کہ اب وہ زمانہ نہیں ہے اور اب کافر لوگ جنگ کی حالت میں مسلمانوں کے ساتھ ایسی سختی اور زیادتی نہیں کرتے کہ اُن کو اور اُنکے مردوں اور عورتوں کو لونڈیاں اور غلام بناویں بلکہ وہ شاہی قیدی سمجھے جاتے ہیں اس لئے اب اس زمانہ میں مسلمانوں کو بھی ایسا کرنا ناجائز اور حرام ہے۔ منہ

۲۴۴

کے لئے وُہ لوگ پسند کرتے تھے اس کا بدلہ لینے کے لئے حکم دیدیا۔ اسی بناء پر اسلام میں یہ رسم جاری ہوئی کہ کافروں کی عورتیں لونڈی کی طرح رکھی جائیں اور عورتوں کی طرح استعمال کی جائیں یہ تو انصاف اور طریق عدل سے بعید تھا کہ کافر تو جب کسی مسلمان عورت کو اپنے قبضہ میں لادیں تو اُس کو لونڈی بناویں اور عورتوں کی طرح اُن کو استعمال کریں اور جب مسلمان اُن کی عورتوں اور اُن کی لڑکیوں کو اپنے قبضہ میں کریں تو ماں بہن کر کے رکھیں۔ خدا بے شک حلیم ہے مگر وہ سب سے زیادہ غیرت مند ہے اُس کی غیرت ہی تھی جو نوح کے طوفان کا باعث ہوئی۔ اُسی کی غیرت نے ہی انجامکار فرعون اور اُس کے تمام لشکر کو دریا میں غرق کر دیا۔ اُسی کی غیرت نے لُوط کی قوم پر زمین کا تختہ اُلٹا دیا۔ اور اُسی کی غیرت اب جابجا ہیبت ناک زلزلے دکھلا رہی ہے اور لاکھوں انسانوں کو طاعون سے ہلاک کر رہی ہے اور اسی کی غیرت نے لیکھرام کو جو بدزبانی سے کسی طرح باز نہیں آتا تھا اسی کی زبان کی چُھری سے آخر لوہے کی چھری غیب سے پیدا کر دی اور جوانااں مرگ مارا اور بڑے دُکھ سے اُس کو اُس کی قوم میں سے اُٹھالیا اور کوئی اس کو بچا نہ سکا اور خُدا نے اپنی پیش گوئی اُس میں پوری کر دی۔ پس اسی طرح جب عرب کے خبیث فطرت ایذا اور دُکھ دینے سے باز نہ آئے اور نہایت بیحیائی اور بےغیرتی سے عورتوں پر بھی فاسقانہ حملے کرنے لگے تو خدا نے اُن کی تنبیہ کے لئے یہ قانون جاری کر دیا کہ اُن کی عورتیں بھی اگر لڑائیوں میں پکڑی جائیں تو اُن کے ساتھ بھی یہی معاملہ کیا جائے۔ پس یہ تو بموجب مثل مشہور کہ عوض معاوضہ گلہ ندارد کوئی محل اعتراض نہیں۔ جیسی ہندی میں بھی یہ مثل مشہور ہے کہ جیسی کرنی ویسی بھرنی مگر یہ دوسری بات درحقیقت نہایت بے رحمی۔ دیوثی اور بیحیائی کا کام ہے کہ انسان اپنی عورت سے محض لڑکا پیدا ہونے کی خواہش سے زنا کراوے یہ ایک ایسی ناپاکی کی راہ اور گندی نظیر ہے کہ تمام دنیا میں اگر تلاش کرو تو ہرگز ہرگز اُس کی نظیر نہیں ملے گی۔ پھر ماسوا اس کے اسلام اس بات کا حامی نہیں کہ کافروں کے قیدی غلام اور لونڈیاں بنائی جائیں بلکہ غلام آزاد کرنے کے بارہ میں اس قدر قرآن شریف میں تاکید ہے کہ جس سے بڑھ کر متصور نہیں۔ غرض ابتدا غلام لونڈی بنانے کی

کافروں سے شروع ہوئی اور اسلام میں بطور سزا کے یہ حکم جاری ہوا اور اُس میں بھی آزاد کرنے کی ترغیب دی گئی۔ اب ہم اس جگہ مذکورہ بالا بیان کی شہادت کے لئے ایک برہمو صاحب کی کتاب سے ذیل میں چند عبارتیں اختصار کے ساتھ نقل کرتے ہیں۔ برہمو صاحب کا نام **پرکاش دیوجی** ہے جو براہمو دھرم لاہور کے پرچارک ہیں اور کتاب کا نام سوانحعمری حضرت محمد صاحب ہے اور اس پُرآشوب زمانہ میں کہ ہر ایک فرقہ خواہ آریہ ہیں خواہ پادری صاحبان دیدہ و دانستہ کسی طور کے افترا کر کے ہمارے سید و مولیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین اور اسلام کی تحقیر کو بڑا ثواب کا کام سمجھ رہے ہیں ایسے وقت میں آریہ قوم میں سے ایسا منصف مزاج پیدا ہونا جو برہمو مذہب رکھتے ہیں نہایت عجیب بات ہے مؤلف کتاب نے اپنی دیانت داری اور انصاف پسندی اور حق گوئی اور بے تعصبی کا عمدہ نمونہ دکھلایا ہے۔ میرے نزدیک مناسب ہے کہ ہماری جماعت کے لوگ ایک ایک نسخہ اس کتاب کا خرید لیں قیمت بھی بہت کم ہے اور وہ عبارتیں برہمو صاحب کی کتاب کی خلاصہ کے طور پر یہاں لکھی جاتی ہیں اور وہ یہ ہیں۔*

اہل عرب آنحضرتؐ کے ظہور کے وقت میں بہت ہی بد رسوم کے مروّج تھے چنانچہ فسق و فجور رہزنی قزاقی وغیرہ اس درجہ تک اُن میں بڑھی ہوئی تھی کہ اُن کے حالات پڑھ کر انسان کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ یتیموں کا مال کھا لیتے اور لڑکیوں کو زندہ درگور کرتے تھے۔ شراب خوری کی یہ کثرت تھی کہ بچہ نے دودھ چھوڑا اور شراب پینی شروع کی۔ مرد جس قدر چاہتا تھا عورتیں کر لیتا تھا جب چاہتا تھا بلا عذر چھوڑ دیتا تھا۔ کینہ حسد بغض بہت بڑھا ہوا تھا۔ بُت پرستی سے کوئی گھر خالی نہ تھا اور مکہ گویا ایک بت پرستی کا تیرتھ بنا ہوا تھا اور جتنے اُن لوگوں کے چلن تھے سب وحشیانہ تھے اور لوٹ اور مار میں یگانہ تھے قتل

* حاشیہ۔ برہمو صاحب کی کتاب میں ایک دو جگہ خفیف غلطی پائی گئی ہے۔ یہ بشریت ہے مگر یہ تو ممکن نہیں تھا کہ ایک مسلمان کی طرح اُن کی تقریر ہوتی۔ ایسی صورت میں شبہات پیدا ہوتے اور کچھ اثر نہ ہوتا۔ منہ

اور غارت میں درندوں سے بڑھ کر تھے اور عیاشی اور غفلت کا کوئی حساب نہ تھا اور ہر ایک حرام کو حلال سمجھ رکھا تھا۔ غرض جس وقت عرب کی یہ حالت تھی جو اوپر مذکور ہوئی تب حضرت محمد صاحب عرب کے ایک مشہور اور معروف قبیلہ قریش کی شاخ بنی ہاشم میں پیدا ہوئے اور چونکہ آپ کے والدین بچپن میں ہی فوت ہو چکے تھے اس لئے آپ کو اس قدر تعلیم پانے کا بھی موقع نہ ملا کہ وہ ماں باپ کے زیرِ سایہ اپنی مادری زبان کو سیکھ سکتے بلکہ پیدا ہوتے ہی دودھ پلانے کے لئے ایک دیہاتی اور گنوار دایہ کے سپرد کئے گئے اور دن رات ایک گنواری زبان سے اُن کو واسطہ پڑا شاید اس میں یہی حکمتِ خدا تھی کہ جو شخص جوان ہو کر کلام کا معجزانہ نمونہ پیش کرنے والا تھا وہ بچپن میں یوں گنواروں اور چرواہوں میں پلے تا خدا کی قدرت کا نمونہ ظاہر ہو۔ خدا نے جو اُن پر پیدا ہوتے ہی یہ مصیبتیں ڈالیں تو شاید اس میں یہ حکمت تھی کہ تا اُن کے مزاج میں اعلیٰ درجہ کا حلم اور صبر اور رحم پیدا ہو جائے اور تا وہ ہمدردی بُردباری اور غم خواری سے اپنے ہم وطنوں کو چاہ گمراہی سے باہر نکالیں۔ آپ نے پینتیس[۳۵] برس کی عمر میں ہمدردی نوع انسان کا یہ نمونہ دکھلایا کہ زید بن حارث کسی لڑائی میں پکڑا گیا تھا اور وہ غلام بنا کر خدیجہؓ کے بھتیجے کے ہاتھ فروخت کر دیا گیا تھا اور خدیجہؓ کے بھتیجے نے اُس غلام کو اپنی پھوپھی کی نذر کیا تب آپ نے اُس غلام کو خدیجہ سے مانگ کر آزاد کر دیا۔ اور آپ کا دل اپنے ملک کو تاریکی اور جہالت میں ڈوبا ہوا دیکھ کر بہت دردمند رہتا تھا اور عورتوں کے حال زار اور معصوم لڑکیوں کو زندہ درگور ہوتے ہی دیکھ کر جگر پاش پاش ہوتا تھا۔ فی الواقع آنحضرتؐ کی ذات سے جو جو فیض دنیا کو پہنچے اُن کے لئے نہ صرف عرب بلکہ تمام دنیا کو اُن کا شکرگذار ہونا مناسب ہے۔ کون کونسی تکلیفیں ہیں جو اس بزرگ نے نسل انسان کے لئے اپنے اوپر برداشت نہیں کیں اور کیا کیا مصیبتیں ہیں جو اُن کو اس راہ میں اٹھانی نہیں پڑیں۔ عرب جیسے ایک وحشی اور کندۂ ناتراش ملک کو توحید کی راہ دکھانا اور اُن بدیوں سے روکنا جو عادت میں داخل ہو گئی تھیں کچھ سہل کام نہ تھا۔ تنگ دل اور متعصب لوگ ایسے بزرگ

کی نسبت کچھ ہی کہیں لیکن جو لوگ انصاف پسند اور کشادہ دل ہیں وہ کبھی محمد صاحب کی اِن بے بہا خدمات کو جو وہ نسل انسان کے لئے بجا لائے بھلا کر احسان فراموش نہیں ہو سکتے وہ اپنی فضیلت کا ایسا جھنڈا کھڑا کر گئے ہیں جس کے نیچے اب تیرہ[۱۳] چودہ[۱۴] کروڑ دنیا کے آدمی پناہ گزین ہیں اور اُن کے نام پر جان دینے کے لئے مستعد کھڑے ہیں قریش نے ایک مرتبہ یہ سوچا کہ محمد صاحب کو کوئی زبردست دنیاوی لالچ دے کر اس کام سے باز رکھیں چنانچہ پہلے اُن کے وکیل نے آپ کے پاس آکر بہت سے مال اور دولت کے طمع دئے مگر آپ نے کچھ توجہ نہ کی اور پھر یہ بھی کہا کہ ہم آپ کو اپنا سردار اور پیشوا مقرر کر لیتے ہیں اور آخر کو جب یہ بھی نہ مانا گیا تو یہ کہا کہ ہم آپ کو اپنا بادشاہ قبول کرتے ہیں مگر آپ نے اس کے جواب میں قرآن شریف کی چند آیتیں سُنائیں جو خدا کی توحید پر مشتمل تھیں۔ آخر قریش کا قاصد ناکام واپس آیا۔

اور جب قریش اپنے اس حیلہ میں کامیاب نہ ہوئے تو انہوں نے مسلمانوں کو بے انتہا اذیتیں اور تکلیفیں پہنچانی شروع کیں۔ عزیزوں کا لہو سفید ہو گیا۔ سگا چچا ابولہب دشمن جانی بن گیا۔ سگی چچی کا یہ حال تھا کہ وہ بہت سے کانٹے گوکھرو سمیٹ لیتی اور جن جن راہوں سے آپ گذرتے وہاں وہ گوکھرو اور کانٹے بکھیر دیتی اور آپ کے پاؤں زخمی ہو جاتے تب آپ بیٹھ جاتے اپنے پاؤں سے بھی کانٹے نکالتے اور راستہ میں سے بھی دور کرتے تا دوسرے چلنے والے بھی اُس اذیت سے بچیں۔ آپ جب وعظ کہنے کے لئے کھڑے ہوتے اور قرآن مجید پڑھتے تو لوگ غل مچاتے تاکوئی شخص اُن کی بات کو نہ سن سکے۔ آپ کو کہیں کھڑا نہ ہونے دیتے اور جب آپ تنگ آکر چلے جاتے تو اُن پر پتھر اور ڈھیلے پھینکے جاتے یہاں تک کہ آپ کے ٹخنے اور پنڈلیاں زخمی ہو جاتیں۔

ایک دفعہ چند دشمنوں نے آپ کو تنہا پا کر پکڑ لیا اور آپ کے گلے میں پٹکا ڈال کر اُسے مروڑنا شروع کیا۔ قریب تھا کہ آپ کی جان نکل جائے کہ اتفاق سے ابوبکر آنکلے اور اُنہوں نے

۱۴۷

مشکل سے چھڑایا۔ اس پر ابوبکر کو اس قدر مارا پیٹا کہ وہ بیہوش ہو کر زمین پر گر پڑے۔

ص۲۴۸ حضرت کے اُوپر جو ظلم ہوتا تھا اُسے جس طرح بن پڑتا تھا وہ برداشت کرتے تھے۔ مگر اپنے رفیقوں کی مصیبت دیکھ کر اُن کا دل ہاتھ سے نکل جاتا تھا اور بیتاب ہو جاتا تھا اُن غریب مومنوں پر ظلم وستم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا۔ لوگ اُن غریبوں کو پکڑ کر جنگل میں لے جاتے اور برہنہ کر کے جلتی تپتی ریت میں لٹا دیتے اور اُن کی چھاتیوں پر پتھر کی سلیں رکھ دیتے وہ گرمی کی آگ سے تڑپتے۔ مارے بوجھ کے زبان باہر نکل پڑتی۔ بہتیروں کی جانیں اس عذاب سے نکل گئیں۔ انہیں مظلوموں میں سے ایک شخص عمّار تھا جسے اس حوصلہ و صبر کی وجہ سے جو اُس نے ظلموں کی برداشت میں ظاہر کیا حضرت عمّار کہنا چاہئے اُنکی مشکیں باندھ کر اُسی پتھریلی زمین پر لٹاتے تھے اور اُن کی چھاتی پر بھاری پتھر رکھ دیتے تھے اور حکم دیتے تھے کہ محمّد کو گالیاں دو۔ اور یہی حال اُن کے بڈھے باپ کا کیا گیا۔

اُن کی مظلوم بی بی سے جس کا نام سمیّہ تھا یہ ظلم نہ دیکھا گیا اور وہ عاجزانہ فریاد زبان پر لائی اس پر وہ بے گناہ ایماندار عورت جس کی آنکھوں کے روبرو اس کے شوہر اور جوان بچے پر ظلم کیا جاتا تھا برہنہ کی گئی اور اُسے سخت بے حیائی سے ایسی تکلیف دی گئی جس کا بیان کرنا بھی داخل شرم ہے آخر اس عذاب شدید میں تڑپ تڑپ کر اس ایماندار بی بی کی جان نکل گئی۔*

(دیکھو صفحہ ۲۵ سوانح عمری حضرت محمّد صاحب)

*حاشیہ۔ جو ظالم طبع لوگ مسلمانوں پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ انہوں نے لڑائیوں میں کافروں کی عورتوں کو لونڈیاں بنایا تھا وہ اس تھوڑے سے قصہ پر ہی غور کریں جو ایک منصف مزاج برہمو نے اپنی کتاب مسمّی سوانح عمری حضرت محمّدؐ میں لکھا ہے۔ یہ قصہ اس کتاب کے صفحہ ۲۵ میں درج ہے جو اس جگہ مصنف کی عبارت میں بجنسہٖ نقل کر دیا ہے اور اس قصہ پر (باقی صفحہ ۲۵۹ پر دیکھیں)

ص۲۴۹

ان ایمانداروں پر عذاب کا ایک باقاعدہ سلسلہ قائم کیا گیا اور عجیب مصیبت میں اُن بیچاروں کی جان پھنس گئی۔ محمد صاحب اپنی آنکھوں سے اُن بیچاروں پر یہ ظلم ہوتا دیکھ کر اُن کا جگر مظلوموں کی ہمدردی میں پاش پاش ہوتا تھا مگر کچھ نہ کر سکتے تھے۔

مومنوں کی یہ حالت دردناک دیکھ کر آپ نے انہیں یہ صلاح دی کہ تم نے راہ خدا میں قدم رکھا ہے تم ان تکلیفوں سے نہ گھبراؤ۔ اور اللہ کا نام لے کر ابے سینیا کی طرف ہجرت کر جاؤ چنانچہ اُن کے کہنے کے بموجب چند قبیلوں کے لوگ جو اپنی جان سے بھی تنگ تھے مع اپنے عیال و اطفال کے اپنا گھر بار چھوڑ کر ابے سینیا کی طرف روانہ ہو گئے اور اُن کے بعد اور بہت سے لوگوں نے ترک وطن اختیار کیا۔ جلا وطنی جس کو مسلمانوں نے ہجرت کے نام سے موسوم کیا ہے پانچویں سال نبوت میں وقوع میں آئی۔

جب قریش کو یہ خبر پہنچی کہ مسلمان حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے تو انہوں نے وہاں تک تعاقب کیا۔* اور نجاشی شاہ ابے سینیا کی خدمت میں پہنچے اور بعض کی نسبت یہ بیان کیا کہ

ص۲۴۸

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۵۸۔ کیا موقوف ہے جو شخص اسلامی تاریخ پڑھے گا اس کو معلوم ہوگا کہ صدہا قصے اسی طرح کی بے رحمی کے ہیں۔ علاوہ اس سختی کے جو مردوں سے کی گئی پاکدامن عورتوں کے ذلیل کرنے اور بے عزت کرنے میں کوئی کسر نہ رکھی۔ پس چونکہ خدا کا نام غیور بھی ہے لہٰذا اس نے تیرہ[۱۳] برس تک صبر کر کے خبیث کافروں کو اُن کے خبث کا مزہ چکھایا۔ ظالم طبع لوگوں کا کام ہے کہ وہ یک طرفہ قصہ سنا کر ایک اعتراض بنا لیتے ہیں لیکن اگر انصاف کے پابند ہوتے تو اُن کو یہ بھی دیکھنا چاہیئے تھا کہ مسلمانوں پر کیا کیا ظلم کیا گیا ہے۔ منہ

ص۲۴۹

*** حاشیہ**۔ یاد رہے کہ یہ عبارتیں ہم رسالہ مسمی بہ سوانح عمری حضرت محمد صاحب سے نقل کر رہے ہیں جو ایک منصف مزاج برہمو نے (جو پرچارک براہم دھرم ہیں) لکھ کر شائع کیا ہے۔ یہ رسالہ رفاہ عام سٹیم پریس لاہور میں چھپا ہے جس کا جی چاہے منگوا کر دیکھ لے۔ اس سے ایک بے تعصب آدمی سمجھ سکتا ہے کہ جو اُس زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جنگ اور اس کے دوسرے لوازم غلام اور لونڈیاں بنانا ظہور میں آئے ان تمام امور میں پہلے کفار کی طرف سے سبقت تھی اور جب اُن کی شرارت اور ظلم انتہا کو پہنچ گیا تب خدا نے جو صرف (باقی صفحہ ۲۶۰ پر دیکھیں)

وہ ہمارے بھاگے ہوئے غلام ہیں اور ہمیں اُن کی گرفتاری کا حق حاصل ہے۔
شاہ حبشہ نے ان جلا وطنوں کو اپنے روبرو طلب کیا اور اُن کے دشمنوں نے جو کچھ بیان کیا تھا وہ پیش کیا تب **جعفرؓ ابن ابی طالبؓ** جو حضرت علیؓ کے حقیقی بھائی تھے بادشاہ کی خدمت میں آگے بڑھے اور سب کی طرف سے اپنا حال یوں بیان کیا :۔

صـ ۲۵۰ **اے بادشاہ!** ہمارا یہ حال ہے کہ ہم جہالت اور گمراہی کے گڑھے میں گرے ہوئے تھے ہم بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ گندی فحش باتیں بکتے تھے۔ مُردار کھایا کرتے تھے۔ ہم میں کوئی انسانیت کی خوبی نہ تھی۔ خداوند تعالےٰ نے جس کا فضل تمام جہان پر چھایا ہوا ہے **محمدؐ** کو اُس پر اللہ کی رحمت اور سلامتی ہو ہمارے لئے رسول کر کے بھیجا۔ اُس کی شرافت، نسب اور راست گفتاری صفا باطنی اور دیانت داری سے ہم خوب آگاہ ہیں۔ اُس پر اللہ تعالےٰ نے اپنی مرضی ظاہر فرمائی اور وہ اللہ کا پیغام لیکر ہمارے پاس آیا کہ صرف ایک خدا پر ایمان رکھو۔ اس کی ذات اور صفات میں اور کسی کو شریک مت کرو۔ اور بتوں کی پرستش مت کرو۔ راست گفتاری اپنا شعار ٹھہراؤ۔ امانت میں کبھی خیانت نہ کرو۔ اپنے تمام ابنائے جنس سے ہمدردی رکھو۔ پڑوسیوں کے حقوق کی نگہداشت کرو۔ عورت ذات کی عزت کرو۔ یتیموں کا مال نہ کھاؤ پاکیزگی اور پرہیزگاری کی زندگی اختیار کرو۔ خدا کی عبادت کرو۔ اُس کی یاد میں کھانا پینا تک بھول جاؤ۔ راہِ خدا میں غریبوں کی مدد کے لئے خیرات کرو۔

اے بادشاہ! صرف اس ایمان لانے پر ہمیں وہ ایذائیں دی گئی ہیں کہ ہمیں جلاوطن ہونا اور راہِ غربت اختیار کرنا پڑا ہے ہمیں اپنے دیس میں کہیں پناہ نہ ملی۔ تیرے انصاف

صـ ۲۴۹ بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۵۹۔ حلیم نہیں بلکہ اپنے خاص بندوں کے لئے غیرت بھی رکھتا ہے ظالموں کو پکڑا۔ کیا بدزبان مخالفوں کی یہ بدذاتی اور خباثت نہیں کہ کافروں کو جو تکلیف دی گئی وہ تو پُر زور لفظوں سے بیان کی جاتی ہے اور جو کافروں نے ظلم اور شرارت میں سبقت کی اور درندوں کی طرح بے گناہ مومنوں کو دُکھ دیا اس کا نام بھی نہیں لیا جاتا مگر یہ بے ایمانی نہیں تو اور کیا ہے؟ من مؤلف ہذاالکتاب

اور رحم سے ہمیں امید ہے کہ تو ہم غریبوں پر ظلم نہ ہونے دیگا۔

جعفرؓ نے اس رقت بھرے دل سے اس تقریر کو ادا کیا کہ نجاشی پر اُس کا بہت اثر ہوا اور اُس کا دل اُس رسُول عربی کی کچھ تعلیم سننے کا آرزو مند ہوا۔ اُس نے جعفرؓ کو کہا کہ جو کلام تمہارے نبی پر اترا ہے اس میں سے بھی کچھ پڑھ کر سناؤ۔ تب جعفرؓ نے سورۂ مریم کی چند ابتدائی آیتیں جو ولادت مسیح کے باب میں تھیں پڑھ کر سُنائیں۔ +

ان آیتوں کو سُن کر نیک دل شاہ حبش کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے اور دل سوزاں وہ بول اٹھا کہ یہ اُسی نور کی شعاعیں ہیں جس کا جلوہ موسیٰ پر ہوا تھا یہ کہہ کر اس نے مظلوم مسلمانوں کو دشمنوں کے سپرد کرنے سے انکار کر دیا۔ وہ بار بار جعفرؓ سے پوچھتا تھا کہ تم مسیح کی نسبت کیا عقیدہ رکھتے ہو۔ جعفرؓ کہتے کہ وہ ایک برگزیدہ بندۂ خدا تھا جسے اللہ نے اپنا نبی اور رسول بنا کر بنی اسرائیل کے لئے بھیجا تھا۔

صــ ۲۵۱

حاشیہ۔ میں نے یہ بھی ایک روایت میں دیکھا ہے کہ کفار قریش نے شاہ حبشہ کو افروختہ کرنے کے لئے یہ بھی اس کے آگے کہہ دیا تھا کہ یہ لوگ حضرت عیسیٰ کو گالیاں دیتے اور توہین کرتے ہیں اور اُن کا وہ درجہ نہیں مانتے جو آپ کے نزدیک مسلّم ہے مگر نجاشی نے جس کو حق کی خوشبو آرہی تھی ان لوگوں کی شکایت کی طرف کچھ توجہ نہ کی۔ مجھے تعجب ہے کہ وہی شکایتیں جو کفار قریش نے حضرت مسیح کا نام لے کر مسلمانوں کو گرفتار کرانے کے لئے نجاشی کے سامنے کی تھیں بعینہٖ وہ تہمتیں اس وقت کے مخالف مسلمان ہم پر کر رہے ہیں اگر ہم نے یہ کہا کہ حضرت عیسیٰ فوت ہو گئے ہیں تو اس میں ہمارا کیا گناہ ہے؟ ہمارے وجود سے صدہا برس پہلے خدا تعالیٰ اُن کی موت قرآن شریف میں ظاہر کر چکا ہے۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم معراج کی رات میں اُن کو فوت شدہ نبیوں میں دیکھ چکے ہیں۔ عجیب تر تو یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اصحاب اُن کی موت کے قائل بھی ہو چکے ہیں اور کتاب تاریخ طبری کے صفحہ ۷۳۹ میں ایک بزرگ کی روایت سے حضرت عیسیٰ کی قبر کا بھی حوالہ دیا ہے جو ایک جگہ دیکھی گئی یعنی ایک قبر پر پتھر پایا جس پر یہ لکھا ہوا تھا کہ یہ عیسیٰ کی قبر ہے۔ یہ قصہ ابن جریر نے اپنی کتاب میں لکھا ہے جو نہایت معتبر اور آئمہ حدیث میں سے ہے مگر افسوس کہ پھر بھی متعصب لوگ حق کو قبول نہیں کرتے۔ منہ مؤلف ہذا الکتاب

ان تمام تقریروں اور مباحثہ کے بعد نجاشی صداقت کا قائل ہوگیا تھا اور کہا کہ اگر مہمات شاہی مہلت دیتیں تو میں خود عرب کو جاتا اور اس شاہِ عرب کا چاکر بنتا۔

اس طرف ابوطالب کے مرنے کے بعد قریش نے آپ کو بہت دُکھ دینا شروع کیا۔ تب آپ نے یہ ٹھانی کہ آؤ اس شہر سے طائف کو چلیں اور وہاں کے لوگوں کو وعظ و نصیحت کریں چنانچہ آپ زید بن حارث کو اپنے ساتھ لے کر طائف کو چلے۔ تقدیر کی بات ہے وہاں کے لوگ آپ کی وعظ سے ایسے برافروختہ ہوئے کہ انہوں نے آپ کو وہاں ٹھیرنے تک کی اجازت نہ دی اور پتھر روڑے اور اینٹیں مار مار کر اور لڑکے پیچھے لگا کر اسی وقت شہر سے نکال دیا۔ آپ کے پاؤں ٹخنے پنڈلیاں پتھروں سے زخمی ہوگئیں۔ پنڈلیوں کا خون پونچھتے جاتے تھے اور آبدیدہ ہو کر اپنے خدا کی درگاہ میں نہایت عاجزی سے دعا کرتے لگے۔

کہ اے خداوند! میں اپنے ضعف و ناتوانی اور مصیبت اور پریشانی کا حال تیرے سوا کس سے کہوں مجھ میں صبر کی طاقت اب تھوڑی رہ گئی ہے مجھے اپنی مشکل حل کرنے کی کوئی تدبیر نظر نہیں آتی۔ میں سب لوگوں میں ذلیل اور رُسوا ہوگیا ہوں تیرا نام ارحم الراحمین ہے تو رحم فرما۔

غرض آنحضرت وہاں سے ناکام آئے اُس وقت قریش نے طیش میں آکر مکہ کے دارالندوۃ میں جو اُن کا کمیٹی گھر تھا ایک جلسہ کیا جس میں قریش مکّہ اور آس پاس کے قبیلوں کے کل سردار جمع ہوئے اتنا جم غفیر اس سے پہلے اس مطلب کے لئے مکہ میں کبھی جمع نہیں ہوا تھا اب ہر ایک شخص اپنی اپنی رائے ظاہر کرتا تھا کہ محمد صاحب کو عمر بھر کے لئے قید کرنا چاہیئے کوئی کہتا تھا کہ اِسے جلاوطن کرنا چاہیئے مگر فیصلہ اس پر ہوا کہ انہیں قتل کر کے ملک کو مصیبتوں سے نجات دینی چاہیئے۔ اور ابوجہل نے یہ تجویز پیش کی کہ بہت سے آدمی مل کر ایک ہی دفعہ محمدؐ صاحب کے سینہ میں خنجر ماریں تاکہ قتل کا الزام کسی شخص پر نہ

ص۲۵۲

آنے پائے یہ تجویز سب نے پسند کی اور قریش رات ہوتے ہی محمد صاحب کے گھر کے آگے ڈٹ گئے کہ جس وقت وُہ دروازہ سے نکلیں یہیں اُن کا ڈھیر کر دیا جائے مگر کسی جاں نثار خادم نے آپ کو وقت پر خبر کر دی۔ آپ پچھلی طرف سے کود کر ابو بکر کے ہاں چلے گئے اور وہاں سے دونوں راتوں رات بھاگ کر ایک غار میں پناہ گزین ہوئے۔

علی الصباح جب قریش نے دیکھا کہ محمد صاحب بھاگ گئے† اور وہ اپنے ارادہ میں

† حاشیہ۔ یاد رہے کہ پانچ موقعے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نہایت نازک پیش آئے تھے جن میں جان کا بچنا محالات سے معلوم ہوتا تھا اگر آنجناب درحقیقت خدا کے سچے رسول نہ ہوتے تو ضرور ہلاک کئے جاتے۔ ایک تو وہ موقعہ تھا جب کفار قریش نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے گھر کا محاصرہ کیا اور قسمیں کھالی تھیں کہ آج ہم ضرور قتل کریں گے۔ (۲) دوسرا وہ موقعہ تھا جب کہ کافر لوگ اس غار پر معہ ایک گروہ کثیر کے پہنچ گئے تھے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مع حضرت ابوبکر کے چھپے ہوئے تھے (۳) تیسرا وہ نازک موقعہ تھا جب کہ اُحد کی لڑائی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکیلے رہ گئے تھے اور کافروں نے آپ کے گرد محاصرہ کر لیا تھا اور آپ پر بہت سی تلواریں چلائیں مگر کوئی کارگر نہ ہوئی یہ ایک معجزہ تھا (۴) چوتھا وہ موقعہ تھا جب کہ ایک یہودیہ نے آنجناب کو گوشت میں زہر دیدی تھی۔ اور وہ زہر بہت تیز اور مہلک تھی اور بہت وزن اس کا دیا گیا تھا (۵) پانچواں وہ نہایت خطرناک موقعہ تھا جب کہ خسرو پرویز شاہ فارس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے لئے مصمم ارادہ کیا تھا اور گرفتار کرنے کے لئے اپنے سپاہی روانہ کئے تھے*۔ پس صاف ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ان تمام پُرخطر موقعوں سے نجات پانا اور ان تمام دشمنوں پر آخرکار غالب ہو جانا ایک بڑی زبردست دلیل اس بات پر ہے کہ درحقیقت (باقی صفحہ ۲۶۴ پر دیکھیں)

* حاشیہ در حاشیہ۔ یہ عجیب بات ہے کہ میرے لئے بھی پانچ موقعے ایسے پیش آئے تھے جن میں عزت اور جان نہایت خطرہ میں پڑ گئی تھی (۱) اول وہ موقع جب کہ میرے پر ڈاکٹر مارٹن کلارک نے خون کا مقدمہ کیا تھا (۲) دوسرے وہ موقعہ جب کہ پولیس نے ایک فوجداری مقدمہ مسٹر ڈوئی صاحب ڈپٹی کمشنر گورداسپور کی کچہری میں میرے پر چلایا تھا (۳) تیسرے وہ فوجداری مقدمہ جو ایک شخص کرم الدین نام نے بمقام جہلم میرے پر کیا تھا (۴) وہ فوجداری مقدمہ جو اسی کرم دین نے گورداسپور میں میرے پر کیا تھا (۵) پانچویں جب لیکھرام کے مارے جانے کے وقت میرے گھر کی تلاشی کی گئی اور دشمنوں نے ناخنوں تک زور لگایا تھا تا میں قاتل قرار دیا جاؤں۔ مگر وہ تمام مقدمات میں نامراد رہے۔ منہ للمؤلف

ناکام رہے تو مارے غصہ کے دیوانہ ہو گئے اور ہر طرف اُن کی تلاش کرنے لگے انہوں نے یہ اشتہار دے دیا کہ جو شخص محمدؐ صاحب کا سر کاٹ کر لائے گا اُس کو سَو اونٹ انعام دیا جائے گا۔ چاروں طرف سے اُن کی جان کے پیاسے تلاش میں پھرتے تھے۔ ایک دفعہ دشمن اُس غار کے منہ تک بھی پہنچ گئے ابوبکر کا دل لوگوں کے پاؤں کی آہٹ سے بہت گھبرایا۔ انہوں نے کہا کہ ہم صرف دو آدمی ہیں اب ضرور مارے جائیں گے مگر محمدؐ صاحب نے اُن کو تسلی دی اور کہا نہیں ہم دو نہیں ہیں بلکہ تین ہیں اور تیسرا ہمارے ساتھ وہ ہے جو سب سے زیادہ زور آور اور صاحبِ طاقت ہے حقیقت میں وہ تیسرا اُن کے ساتھ تھا۔*

ص ۲۵۳

پھر مضمون پڑھنے والے نے بیان کیا کہ قرآن بائبل کی نقل ہے اس سے ظاہر ہے کہ ان لوگوں کی بیباکی اور دروغ گوئی میں کہاں تک نوبت پہنچ گئی ہے دنیا میں کوئی شخص اس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ قرآن شریف تئیس ۲۳ برس برابر یہود و نصاریٰ کے رُو برُو اترتا رہا مگر کسی نے یہ اعتراض نہ کیا کہ قرآن شریف بائبل کی نقل ہے اور خود ظاہر ہے کہ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶۳۔ آپ صادق تھے اور خدا آپ کے ساتھ تھا اور یہ قول برہمو صاحب کا کہ جب گھر کا قتل کیلئے محاصرہ کیا گیا تو کسی جاں نثار خادم نے آپ کو اطلاع دیدی تھی یہ قول صحیح نہیں ہے بلکہ وہ خدا جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا تھا اُس نے خود اطلاع دی تھی۔ چونکہ برامہو مذہب اس معرفت کی منزل تک نہیں پہنچا کہ خدا کے نبیوں کو خدا کی طرف سے وحی ہوا کرتی ہے۔ لہٰذا انہوں نے ایسا ہی لکھ دیا۔ من المؤلف

* حاشیہ۔ یہ خوب سوچ لینا چاہیئے کہ کس قدر ظالم طبع کافروں کی شرارت بڑھ گئی تھی اور کیسے وہ ایک معصوم بے گناہ کے خون کے پیاسے ہو گئے تھے۔ یہ واقعہ برہمو صاحب کی کتاب سوانح عمری کے صفحہ ۵۰ میں لکھا ہے جس کو ہم نے اس جگہ انہیں کی کتاب کی عبارت میں نقل کر دیا ہے اور یہ تحریر صرف انہیں کی ہاتھ سے نہیں نکلی بلکہ اُن سے پہلے بہت سے فاضل انگریزوں نے جو پادری نہ تھے ان تمام حالات کو بہ تفصیل بیان کیا ہے کہ کیسی تیرہ ۱۳ برس تک اہل اسلام کے مردوں اور عورتوں نے کافروں کے ہاتھ سے تکلیفیں اٹھائیں اور بہت سے لوگ بھیڑوں بکریوں کی طرح ذبح کئے گئے۔ افسوس کہ اس زمانہ کے ظالم طبع دشمن اسلام ان واقعات کو چھپانا چاہتے ہیں۔ من مؤلف ہذا الکتاب

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُمّی تھے اور نہ لکھ سکتے تھے اور نہ پڑھ سکتے تھے اور نصاریٰ اور یہود کے علماء سخت دشمن تھے اس صورت میں کیونکر ممکن تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نصاریٰ اور یہود کی کتابوں میں سے کچھ نقل کر سکتے تھے چنانچہ اس بارے میں قرآن شریف میں یہ آیات ہیں۔ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۚ وَمِنْ هٰٓؤُلَآءِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ ؕ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ ۔ وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ۔ بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ؕ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ ۔[1] الجزو ۲۱ سورۃ العنکبوت۔

(ترجمہ) اور اے پیغمبر! جس طرح اگلے پیغمبروں پر ہم نے کتابیں اتاری تھیں اسی طرح تجھ پر یہ کتاب اُتاری ہے۔ پس جن کو تجھ سے پہلے ہم نے کتاب دی ہے اُن کے سمجھ دار اور سعید لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں اور ان مشرکین اہل مکہ سے بھی سوچنے والے لوگ ایمان لاتے ہیں اور ان دونوں فرقوں میں سے وہ لوگ ایمان نہیں لاتے جنہوں نے دیدہ و دانستہ کفر کو اپنے لئے اختیار کر لیا ہے۔ اور اے پیغمبر! قرآن سے پہلے نہ تو تم کوئی کتاب ہی پڑھتے تھے اور نہ تم اپنے ہاتھ سے کچھ لکھ سکتے تھے اگر ایسا ہوتا تو ان بے دین لوگوں کو شبہ کرنے کی کوئی گنجائش ہوتی مگر اب تو اُن کا شبہ سراسر ہٹ دھرمی ہے یعنی جب کہ یہ امر ثابت شدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم محض ناخواندہ اور اُمّی تھے اور کوئی نہیں ثابت کر سکا کہ آپ لکھ سکتے یا پڑھ سکتے تھے تو پھر ایسے شبہات ایمانداری کے برخلاف ہیں اور پھر فرمایا کہ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ جن لوگوں کو قرآن شریف کے حقائق اور معارف کا علم دیا گیا ہے اُن کے نزدیک تو قرآن شریف خدا کے کھلے کھلے نشان ہیں یعنی اعتراض وہی لوگ کرتے ہیں جو قرآن شریف میں کچھ تدبّر نہیں کرتے اور اس کے معجزانہ مرتبہ سے بے خبر ہیں اور تدبّر کرنے والے تو ایک ہی نظر سے شناخت کر جاتے ہیں کہ یہ کلام انسانی طاقتوں سے برتر ہے کیونکہ وہ اعجازی صفت اپنے اندر رکھتا ہے۔ علاوہ اس کے یہ کہ وہ عین ضرورت کے وقت

صـ۲۵۴

[1] العنکبوت : ۴۸ تا ۵۰

آیا ہے اور اس وقت آیا ہے جب کہ دنیا خدا کے راہ کو بھول چکی تھی اور جن بیماروں کیلئے آیا۔ اُن کو اُس نے چنگا کر کے دکھلا دیا اور نہ توریت اور نہ انجیل وہ اصلاح کر سکی جو قرآن شریف نے کی۔ کیونکہ توریت کی تعلیم پر چلنے والے یعنی یہودی ہمیشہ بار بار بت پرستی میں پڑتے رہے چنانچہ تاریخ جاننے والے اس پر گواہ ہیں اور وہ کتابیں کیا باعتبار علمی تعلیم کے اور کیا باعتبار عملی تعلیم کے سراسر ناقص تھیں اس لئے اُن پر چلنے والے بہت جلد گمراہی میں پھنس گئے۔ انجیل پر ابھی تیس برس بھی نہیں گذرے تھے کہ بجائے خدا کی پرستش کے ایک عاجز انسان کی پرستش نے جگہ لے لی یعنی حضرت عیسیٰ خدا بنائے گئے اور تمام نیک اعمال کو چھوڑ کر ذریعہ معافی گناہ یہ ٹھیرا دیا کہ اُن کے مصلوب ہونے اور خدا کا بیٹا ہونے پر ایمان لایا جائے پس کیا یہی کتابیں تھیں جن کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نقل کی بلکہ سچ تو یہ بات ہے کہ وہ کتابیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک ردّی کی طرح ہو چکی تھیں اور بہت جھوٹ اُن میں ملائے گئے تھے جیسا کہ کئی جگہ قرآن شریف میں فرمایا گیا ہے کہ وہ کتابیں محرّف مُبدّل ہیں اور اپنی اصلیت پر قائم نہیں رہیں چنانچہ اس واقعہ پر اس زمانہ میں بڑے بڑے محقق انگریزوں نے بھی شہادت دی ہے۔ پس جب کہ بائبل محرّف مبدّل ہو چکی تھی اور جو بائبل کے حامی تھے وہ بقول پادری فنڈل اور دوسرے محقق عیسائیوں کے اس زمانہ میں نہایت درجہ بدچلن ہو چکے تھے اور زمین پاپ اور گناہ سے بھر گئی تھی اور آسمان کے نیچے بجز معصیت اور مخلوق پرستی کے اور کوئی عمل نہ تھا اس طرف آریہ ورت بھی خراب ہو چکا تھا۔ اس کے لئے پنڈت دیانند کی گواہی ستیارتھ پرکاش میں کافی ہے اور قرآن شریف نے خود اپنے آنے کی ضرورت پیش کی ہے کہ اس زمانہ میں ہر ایک قسم کی بدچلنی اور بداعتقادی اور بدکاری زمین کے رہنے والوں پر محیط ہو گئی تھی تو اب خدا کا خوف کر کے سوچنا چاہیئے کہ کیا باوجود جمع ہونے اتنی ضرورتوں کے پھر بھی خدا نے نہ چاہا کہ اپنے تازہ اور زندہ کلام سے

۲۵۵

دنیا کو نئے سرے زندہ کرے یکیا آپ ۔لوگوں میں سے کوئی شریف اور بھلامانس اس دلیل پر غور نہیں کرتا کہ قرآن شریف تو خود فرماتا ہے کہ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا[1] یعنی اے انسانو! تمہیں معلوم ہو کہ زمین مرچکی تھی اور خدا نئے سرے اب اُس کو زندہ کر رہا ہے۔پس قرآن شریف کا بھی ایک نُور تھا جس کے آنے سے پھر دنیا نے توحید کی طرف پلٹا کھایا اور تمام جزیرہ عرب توحید سے بھر گیا اور ممالک ایران کی آتش پرستی بھی دُور ہو گئی پس اے عزیزو! کچھ تو خدا کا خوف کرو اور ایسے گندوں اور شُہدوں کی طرح آفتاب پر مت تھوکو جن میں کوئی بھی شرم اور حیا کا مادہ نہیں رہتا۔قرآن شریف نے تو توریت انجیل کی اصلاح کی اور ان دونوں کتابوں کے نقصان کو پورا کیا تو پھر وہ اُن کی نقل کیونکر ہو گیا؟ظاہر ہے کہ توریت کی تعلیم یہ تھی کہ دانت کے بدلہ دانت اور آنکھ کے بدلہ آنکھ اور ناک کے بدلہ ناک اور انجیل کی تعلیم تھی کہ شر کا ہرگز مقابلہ نہ کرو لیکن قرآن شریف نے ان دونوں تعلیموں کو ناقص ٹھہرایا اور فرمایا کہ جَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَی اللّٰهِ[2] اس آیت کے یہ معنے ہیں کہ دراصل بدی کی جزا اُسی قدر بدی ہے لیکن اگر کوئی ایسے طور سے اپنے گنہگار کو معاف کرے کہ اس معافی سے اُس کی کچھ اصلاح ہو جائے یعنی وہ معافی اس کے لئے مفید پڑے تو وہ اپنا بدلہ پائے گا۔

۲۵۶

ایسا ہی ان دونوں کتابوں کے پیروؤں میں شراب اور قمار بازی کی کوئی حد نہیں رہی تھی کیونکہ ان کتابوں میں یہ نقص تھا کہ ان خبیث چیزوں کو حرام نہیں ٹھہرایا اور عیاش لوگوں کو اُن کے استعمال سے منع نہیں کیا تھا اسی وجہ سے یہ دونوں قومیں اس قدر شراب پیتی تھیں کہ جیسے پانی۔اور قمار بازی بھی حد سے زیادہ ہو گئی تھی مگر قرآن شریف نے شراب کو جو اُمّ الخبائث ہے قطعاً حرام کر دیا اور یہ فخر خاص قرآن شریف کو ہی حاصل ہے کہ ایسی خبیث چیز جس کی خباثت پر آج کل تمام یورپ کے لوگ فریاد کر اٹھے ہیں وہ قرآن شریف نے ہی قطعاً حرام کر دی ایسا ہی قمار بازی کو قطعاً حرام کیا۔

[1] الحدید : ۱۸ [2] الشوریٰ : ۴۱

ایسا ہی توریت توحید کے بیان کرنے میں ناقص تھی اور انجیل بھی ناقص تھی جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ عیسائیوں نے ایک عاجز انسان کو خدا بنالیا۔ اگر توریت اور انجیل میں وہ تعلیم موجود ہوتی جو قرآن شریف میں موجود ہے تو ہرگز ممکن نہ تھا کہ اس طرح پر عیسائی گمراہ ہو جاتے مجھے تعجب ہے کہ وہ کامل اور پاک کتاب جس نے توریت اور انجیل کا ناقص ہونا بکمال صفائی ثابت کر دیا اور اُن کے محرّف اور مُبدّل ہونے پر مطلع کیا اور بد چلنی اور شرک کو اس ملک سے اٹھا دیا اور ایک تازہ نور سے دُنیا کو منور کیا اُسی کتاب کو یہ لوگ انجیل توریت کی نقل سمجھتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا نام ہم کیا رکھیں؟ +

حاشیہ + قرآن شریف کی اعجازی خوبیوں میں سے ایک بلاغت فصاحت بھی ہے جو انسانی بلاغت فصاحت سے بالکل ممتاز اور الگ ہے۔ کیونکہ انسانی بلاغت فصاحت کا میدان نہایت تنگ ہے اور جب تک کسی کلام میں مبالغہ یا جھوٹ یا غیر ضروری باتیں نہ ملائی جائیں تب تک کوئی انسان بلاغت فصاحت کے اعلیٰ درجہ پر قادر نہیں ہو سکتا (۲) دوسرے قرآن شریف کی ایک معجزانہ خوبی یہ ہے کہ جس قدر اُس نے قصے بیان کئے ہیں درحقیقت وہ تمام پیشگوئیاں ہیں جن کی طرف جا بجا اشارہ بھی کیا ہے۔ (۳) تیسرے قرآن شریف میں یہ معجزانہ خوبی ہے کہ اُس کی تعلیم انسانی فطرت کو اس کے کمال تک پہنچانے کے لئے پورا پورا سامان اپنے اندر رکھتی ہے اور مرتبہ یقین حاصل کرنے کے لئے جن دلائل اور نشانوں کی انسان کو ضرورت ہے سب اس میں موجود ہیں (۴) چوتھے ایک بڑی خوبی اس میں یہ ہے کہ وہ کامل پیروی کرنے والے کو خدا سے ایسا نزدیک کر دیتا ہے کہ وہ مکالمہ الٰہیہ کا شرف پا لیتا ہے اور کھلے کھلے نشان اس سے ظاہر ہوتے ہیں اور تزکیہ نفس اور ایمانی استقامت اس کو حاصل ہوتی ہے اور قرآن شریف کا یہ نکتہ نہایت ہی یادداشت کے لائق ہے کہ مومن کامل پر جو فیضان آسمانی نشانوں کا ہوتا ہے وہ تو ایک خدا کا فضل ہے اس کی وجہ سے کوئی اپنی خوبی قرار نہیں دے سکتا۔ مومن کامل کی اپنی ذاتی خوبی تقویٰ طہارت اور قوت ایمان اور استقامت ہے مثلاً جیسے اگر کسی دیوار پر آفتاب کی روشنی پڑے تو وہ روشنی اس دیوار کی خوبیوں میں داخل نہیں کیونکہ وہ اس سے الگ بھی ہو سکتی ہے بلکہ دیوار کی خوبی یہ ہے کہ اُس کی بنیاد ایک مضبوط پتھر پر ہو اور ایسی پختہ اور ریختہ کی عمارت ہو کہ گو کیسے ہی سیلاب آویں اور تند ہوائیں چلیں اور طوفان کی طرح مینہ برسیں اس دیوار میں جنبش نہ آوے۔ منہ

صـ۲۵۷

توریت انجیل کو تو الگ رہنے دو۔ وید جس کی اشاعت کی نسبت کروڑوں برسوں کا دعوےٰ کیا جاتا ہے اُس نے اتنی مدت میں کیا بنایا اور خواہ نخواہ اگنی۔ وایو۔ پانی اور چاند سُورج کی عظمتیں بیان کرکے آریہ ورت کے لوگوں کو عناصر پرست اور آفتاب پرست بنا دیا۔ بھلا کوئی بتلاوے کہ اگر آریہ ورت میں اس آتش پرستی اور آفتاب پرستی اور گنگا وغیرہ کی پُوجا کی اصل جڑھ وید نہیں ہے تو پھر وہ کونسی کتاب ہے جس نے یہ گند آریہ ورت میں پھیلا دیا؟ ہر ایک دانشمند رگوید کا پہلا صفحہ ہی دیکھ کر بلکہ پہلی سطر ہی دیکھ کر ضرور اس بات کا اقرار کریگا کہ بلاشبہ یہ سب گند وید کے ذریعہ سے ہی پھیلا ہے وید نے ایک جگہ بھی یہ بیان نہیں کیا کہ ان چیزوں کی پرستش نہ کرو۔ اگر فرض کے طور پر یہ سب پرمیشر کے نام تھے تو وید نے اس تصریح سے کیوں اپنا منہ پھیر رکھا؟ اور کیوں خواہ نخواہ لوگوں کو ہلاک کیا۔ آخر قرآن شریف ہی تھا جس نے وید کی تعلیم پر حملہ کرکے بلند آواز سے کہا لا تسجدوا للشمس ولا للقمر واسجدوا للّٰہ الّذی خلقھنّ[1]۔ ترجمہ یعنی تم نہ سُورج کی پُوجا کرو اور نہ چاند کی پوجا کرو بلکہ اس ذات کی پُوجا کرو جس نے ان سب چیزوں کو پیدا کیا۔ ایسا ہی دوسری طرف قرآن شریف نے بار بار عیسائیوں کو سمجھایا کہ مسیح ابن مریم صرف خدا کا رسُول ہے تم خواہ نخواہ اُس کو خدا مت بناؤ۔ پھر مجوسیوں کو اُن کے شرک اور آتش پرستی سے روکا اور سب کو خدائے واحد کی طرف بُلایا اور اپنا کام کرکے دکھایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک انتقال فرما نہ ہوئے جب تک ہر ایک قسم کے شرک اور بُت پرستی سے عرب کے جزیرہ نما کو صاف نہ کر دیا اور باقی ماندہ ممالک کو اپنے خلفاء کے ذریعہ سے مخلوق پرستی سے نجات دی اور یہ کامیابی کسی کو حاصل نہیں ہوئی اور آریہ ورت پر بھی قرآن شریف کا ہی احسان ہے کہ یہ مُلک جو مخلوق پرستی سے پُر ہو چکا تھا اور اُس کی حالت ایک متعفن مردار کی طرح ہو گئی تھی اُس نے اسی قوم میں سے کئی کروڑ موحد پیدا کر دئیے پھر بھی کُفرانِ احسان کرتے ہیں یہ اُن کا خاصہ فطرت ہے۔

[1] حٰمٓ السجدۃ : ۳۸

صـ۲۵۸
قرآن شریف وہ کتاب ہے جو عین ضرورت کے وقت آئی اور ہر ایک تاریکی کو دُور کیا اور ہر ایک فساد کی اصلاح کی اور توریت و انجیل کے غلط اور محرّف بیانات کو رد کیا اور علاوہ معجزات کے توحید باری پر عقلی دلائل قائم کیں۔ تو اب یہ لوگ ہمیں بتلاویں کہ قرآن شریف نے کس بات میں توریت و انجیل کی نقل کی؟ کیا قرآن شریف کی تعلیم وہی ہے جو توریت کی تعلیم ہے؟ کیا توریت کی طرح قرآن شریف کا یہ حکم ہے کہ ضرور دانت کے بدلے دانت نکال دو یا آنکھ کے بدلے آنکھ نکال دو یا کیا قرآن شریف میں یہ حکم ہے کہ شراب پی لیا کرو؟ یا یہ حکم ہے کہ بجز اپنی قوم کے دُوسروں سے سُود لے لیا کرو؟

اور کیا عیسائیوں کے عقیدہ کی طرح قرآن شریف بھی حضرت عیسیٰ کو خدا تعالےٰ کا بیٹا قرار دیتا ہے؟ یا شراب پینے کا فتویٰ دیتا ہے یا یہ تعلیم دیتا ہے کہ بہرحال بدی کا مقابلہ نہ کرو؟ پس یہ کس قدر خباثت اور بدذاتی ہے کہ قرآن شریف کو توریت اور انجیل کی نقل قرار دیا جاتا ہے اگر قرآن شریف توریت و انجیل کی نقل ہے تو پھر اس قدر اسلام اور ان فرقوں میں اختلاف کیوں پیدا ہوئے؟ اس صورت میں تو اسلام ۔ عین یہودیت اور یا عین عیسائیت ہونا چاہئے تھا (نقل جو ہوئی) اور اگر یہی حالت تھی کہ قرآن شریف توریت اور انجیل کی تعلیم کی نقل ہے تو کیوں یہودیوں اور عیسائیوں نے اس قدر اسلام کو مغائرت کی نظر سے دیکھا اور اس قدر مقابلہ سے پیش آئے کہ خون کی ندیاں بہ گئیں؟ ہاں یہ سچ ہے کہ دُنیا کے تمام مذاہب بعض باتوں اور بعض احکام میں مشترک ہوتے ہیں۔ مگر کیا ہم اس اشتراک کی وجہ سے کہہ سکتے ہیں کہ بعض بعض کی نقل ہیں۔ مثلاً ہر ایک مذہب کی یہی تعلیم ہے کہ جھوٹ نہ بولو۔ جھوٹی گواہی نہ دو۔ چوری نہ کرو۔ ناحق کا خون نہ کرو۔ لوگوں سے ہمدردی کرو پس اگر اس توارد کی وجہ سے کسی کتاب پر چوری کا الزام آسکتا ہے تو پھر وید اس الزام سے کہاں بَری ٹھہر سکتا ہے۔ مجوسیوں کا اب تک یہ الزام چلا آتا ہے کہ وید اُن کی پاک کتابوں کے مضامین چرا کر لکھا گیا ہے اور بیاس کا ایران پہنچنا اور ان بزرگوں کی شاگردی
صـ۲۵۹

اختیار کرنا اس پر ایک دلیل بھی ہے جس سے انکار نہیں ہو سکتا اور چونکہ وید میں کوئی ذاتی روشنی نہیں ہے اور نہ کوئی ذاتی معجزانہ طاقت ہے اور صرف ایسی باتیں ہیں جو دوسری کتابوں سے نقل ہو سکتی ہیں اس لئے وید کا اس الزام سے بَری ہونا مشکل ہے خاص کر ہر ایک کہہ سکتا ہے کہ وید میں اگنی کی پوجا فارس کے گبروں سے لی گئی ہے اسی طرح رگوید کی بہت سی تعلیمیں ژند کی تعلیم کی سرقہ معلوم ہوتی ہیں۔ لیکن قرآن شریف تو بجائے خود ایک عظیم الشان معجزہ ہے اور نہ صرف معجزانہ بلاغت وفصاحت رکھتا ہے بلکہ معجزات اور پیشگوئیوں سے بھرا ہوا ہے اور جن قوی دلائل سے وہ خدا تعالیٰ کے وجود کا ثبوت دیتا ہے وہ ثبوت نہ توریت کی رُو سے مل سکتا ہے نہ انجیل کی رُو سے حاصل ہو سکتا ہے* اور جو کچھ عالم معاد کی نسبت قرآن شریف نے بیان کیا ہے وہ معارف وحقائق نہ توریت میں پائے جاتے ہیں نہ انجیل میں نہ کسی اور کتاب میں۔

اور جس قدر قرآن شریف میں قصے ہیں وہ بھی درحقیقت قصّے نہیں بلکہ وہ پیشگوئیاں ہیں جو قصوں کے رنگ میں لکھی گئی ہیں ہاں وہ توریت میں تو ضرور صرف قصے پائے جاتے ہیں مگر قرآن شریف نے ہر ایک قصہ کو رسول کریم کے لئے اور اسلام کے لئے ایک پیشگوئی قرار دے دیا ہے اور یہ قصوں کی پیشگوئیاں بھی کمال صفائی سے پوری ہوئی ہیں۔ غرض قرآن شریف معارف وحقائق کا ایک دریا ہے اور پیشگوئیوں کا ایک سمندر ہے۔ اور ممکن نہیں کہ کوئی انسان بجُز ذریعہ قرآن شریف کے پُورے طور پر خدا تعالیٰ پر یقین لاسکے کیونکہ یہ خاصیت خاص طور پر قرآن شریف میں ہی ہے کہ اُس کی کامل پیروی سے وہ پردے جو خُدا میں اور انسان میں حائل ہیں سب دُور ہو جاتے ہیں۔ ہر ایک مذہب والا محض

---

* حاشیہ۔ قرآن شریف کی معجزانہ تاثیرات سے ایک یہ بھی ہے کہ اس کی کامل پیروی کرنے والے درجہ قبولیت کا پاتے ہیں اور اُن کی دعائیں قبول ہو کر خدا تعالیٰ اپنی کلام لذیذ اور پُر رعب کے ذریعہ سے اُن کو اطلاع دیتا ہے اور خاص طور پر دشمنوں کے مقابل پر اُن کی مدد کرتا ہے اور تائید کے طور پر اپنے غیب خاص پر اُن کو مطلع فرماتا ہے۔ منہ

قصہ کے طور پر خدا کا نام لیتا ہے مگر قرآن شریف اس محبوب حقیقی کا چہرہ دکھلا دیتا ہے اور یقین کا نور انسان کے دل میں داخل کر دیتا ہے اور وہ خدا جو تمام دنیا پر پوشیدہ ہے وہ محض قرآن شریف کے ذریعہ سے دکھائی دیتا ہے۔

پھر مضمون پڑھنے والے نے قرآن شریف پر یہ اعتراض کیا کہ اس میں لکھا ہے کہ خدا عرش پر کرسی نشین ہے۔ اس لغو اعتراض کا جواب پہلے ہم مبسوط اور مفصل طور پر لکھ آئے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے عاجز انسانوں کو اپنی کامل معرفت کا علم دینے کیلئے اپنی صفات کو قرآن شریف میں دو رنگ پر ظاہر کیا ہے۔ (۱) اوّل اس طور پر بیان کیا ہے جس سے اُس کی صفات استعارہ کے طریق پر مخلوق کی صفات کی ہم شکل ہیں جیسا کہ وہ کریم رحیم ہے مُحسن ہے اور وہ غضب بھی رکھتا ہے اور اُس میں محبت بھی ہے اور اُس کے ہاتھ بھی ہیں اور اُس کی آنکھیں بھی ہیں اور اس کی ساقیں بھی ہیں اور اُس کے کان بھی ہیں اور نیز یہ کہ قدیم سے سلسلہ مخلوق کا اُس کے ساتھ چلا آیا ہے مگر کسی چیز کو اُس کے مقابل پر قدامت شخصی نہیں ہاں قدامت نوعی ہے اور وہ بھی خدا کی صفت خلق کے لئے ایک لازمی امر نہیں کیونکہ جیسا کہ خلق یعنی پیدا کرنا اُس کی صفات میں سے ہے ایسا ہی کبھی اور کسی زمانہ میں تجلّیٔ وحدت اور تجرّد اس کی صفات میں سے ہے اور کسی صفت کے لئے تعطّل دائمی جائز نہیں ہاں تعطّل میعادی جائز ہے۔

غرض چونکہ خدا نے انسان کو پیدا کر کے اپنی اُن تشبیہی صفات کو اس پر ظاہر کیا جن صفات کے ساتھ انسان بظاہر شراکت رکھتا ہے جیسے خالق ہونا کیونکہ انسان بھی اپنی حد تک بعض چیزوں کا خالق یعنی مُوجد ہے۔ ایسا ہی انسان کو کریم بھی کہہ سکتے ہیں کیونکہ وہ اپنی حد تک کرم کی صفت بھی اپنے اندر رکھتا ہے اور اسی طرح انسان کو رحیم بھی کہہ سکتے ہیں کیونکہ وہ اپنی حد تک قوت رحم بھی اپنے اندر رکھتا ہے اور قوتِ غضب بھی اُس میں ہے اور ایسا ہی آنکھ کان وغیرہ سب انسان میں موجود ہیں پس اِن تشبیہی

صفحہ ۲۶۰
صفحہ ۲۶۱

صفات سے کسی کے دل میں شُبہ پیدا ہو سکتا تھا کہ گویا انسان ان صفات میں خُدا سے مشابہ ہے اور خدا انسان سے مشابہ ہے اس لئے خُدا نے ان صفات کے مقابل پر قرآن شریف میں اپنی تنزیہی صفات کا بھی ذکر کر دیا یعنی ایسی صفات کا ذکر کیا جن سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا کو اپنی ذات اور صفات میں کچھ بھی شراکت انسان کے ساتھ نہیں اور نہ انسان کو اس کے ساتھ کچھ مشارکت ہے۔ نہ اُس کا خَلق یعنی پَیدا کرنا انسان کی خَلق کی طرح ہے نہ اُس کا رحم انسان کے رحم کی طرح ہے نہ اُس کا غضب انسان کے غضب کی طرح ہے نہ اُس کی محبت انسان کی محبت کی طرح ہے نہ وہ انسان کی طرح کسی مکان کا محتاج ہے۔

اور یہ ذکر یعنی خدا کا اپنی صفات میں انسان سے بالکل علیحدہ ہونا قرآن شریف کی کئی آیات میں تصریح کے ساتھ کیا گیا ہے جیسا کہ ایک یہ آیت ہے لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ[1] یعنی کوئی چیز اپنی ذات اور صفات میں خدا کی شریک نہیں اور وہ سُننے والا اور دیکھنے والا ہے۔ اور پھر ایک جگہ فرمایا۔ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَا يَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ[2]۔ ترجمہ۔ حقیقی وجود اور حقیقی بقا اور تمام صفات حقیقیہ خاص خدا کے لئے ہیں کوئی اُن میں اُس کا شریک نہیں وہی بذاتہ زندہ ہے اور باقی تمام زندے اُس کے ذریعہ سے ہیں۔ اور وہی اپنی ذات سے آپ قائم ہے اور باقی تمام چیزوں کا قیام اُس کے سہارے سے ہے اور جیسا کہ موت اُس پر جائز نہیں ایسا ہی ادنیٰ درجہ کا تعطّل حواس بھی جو نیند اور اُونگھ سے ہے وہ بھی اُس پر جائز نہیں۔ مگر دوسروں پر جیسا کہ موت وارد ہوتی ہے نیند اور اُونگھ بھی وارد ہوتی ہے۔ جو کچھ تم زمین میں دیکھتے

۲۶۲

[1] الشوریٰ : ۱۲ [2] البقرۃ : ۲۵۶

ہو یا آسمان میں وہ سب اُسی کا ہے اور اُسی سے ظہور پذیر اور قیام پذیر ہے کون ہے جو بغیر اُس کے حکم کے اُس کے آگے شفاعت کر سکتا ہے وہ جانتا ہے جو لوگوں کے آگے ہے اور جو پیچھے ہے یعنی اُس کا علم حاضر اور غائب پر محیط ہے اور کوئی اُس کے علم کا کچھ بھی احاطہ نہیں کر سکتا لیکن جس قدر وہ چاہے۔ اُس کی قدرت اور علم کا تمام زمین و آسمان پر تسلّط ہے۔ وہ سب کو اٹھائے ہوئے ہے۔ یہ نہیں کہ کسی چیز نے اُس کو اٹھا رکھا ہے اور وہ آسمان و زمین اور اُن کی تمام چیزوں کے اٹھانے سے تھکتا نہیں اور وہ اس بات سے بزرگ تر ہے کہ ضعف و ناتوانی اور کم قدرتی اُس کی طرف منسوب کی جائے۔

اور پھر ایک جگہ فرماتا ہے اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ[1] (ترجمہ) تمہارا پروردگار وہ خدا ہے جس نے زمین و آسمان کو چھ دن میں پیدا کیا پھر اُس نے عرش پر قرار پکڑا یعنی اُس نے زمین و آسمان اور جو کچھ اُن میں ہے پیدا کر کے اور تشبیہی صفات کا ظہور فرما کر پھر تنزیہی صفات کے ثابت کرنے کے لئے مقام تنزّہ اور تجرّد کی طرف رُخ کیا جو وراء الوراء مقام اور مخلوق کے قرب و جوار سے دُور تر ہے وہی بلند تر مقام ہے جس کو عرش کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ تشریح اس کی یہ ہے کہ پہلے تو تمام مخلوق چیز عدم میں تھی اور خدا تعالیٰ وراء الوراء مقام میں اپنی تجلّیات ظاہر کر رہا تھا جس کا نام عرش ہے یعنی وہ مقام جو ہر ایک عالم سے بلند تر اور برتر ہے اور اسی کا ظہور اور پرتو تھا اور اُس کی ذات کے سوا کچھ نہ تھا۔ پھر اُس نے زمین و آسمان اور جو کچھ اُن میں ہے پیدا کیا اور جب مخلوق ظاہر ہوئی تو پھر اُس نے اپنے تئیں مخفی کر لیا اور چاہا کہ وہ ان مصنوعات کے ذریعہ سے شناخت کیا جائے۔ مگر یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہے کہ دائمی طور پر تعطّل صفات الٰہیہ کبھی نہیں ہوتا اور بجز خدا کے کسی چیز کے لئے قدامت شخصی تو نہیں مگر قدامت نوعی ضروری ہے اور خدا کی کسی صفت کے لئے تعطّل دائمی تو نہیں مگر تعطّل میعادی

ص۲۶۳

[1] الاعراف: ۵۵

کا ہونا ضروری ہے اور چونکہ صفت ایجاد اور صفت اِفنا باہم متضاد ہیں اس لئے جب
اِفنا کی صفت کا ایک کامل دور آجاتا ہے تو صفت ایجاد ایک میعاد تک معطّل رہتی
ہے۔ غرض ابتداء میں خدا کی صفت وحدت کا دور تھا اور ہم نہیں کہہ سکتے کہ اس دَور
نے کتنی دفعہ ظہور کیا بلکہ یہ دَور قدیم اور غیر متناہی ہے بہرحال صفت وحدت کے دَور کو دُوسری
صفات پر تقدّم زمانی ہے پس اسی بناء پر کہا جاتا ہے کہ ابتداء میں خدا اکیلا تھا اور اُس
کے ساتھ کوئی نہ تھا اور پھر خُدا نے زمین و آسمان کو اور جو کچھ اُن میں ہے پیدا کیا اور
اسی تعلق کی وجہ سے اُس نے اپنے یہ اسماء ظاہر کئے کہ وہ کریم اور رحیم ہے اور غفور
اور توبہ قبول کرنے والا ہے مگر جو شخص گناہ پر اصرار کرے اور باز نہ آوے اُس کو وہ
بے سزا نہیں چھوڑتا اور اُس نے اپنا یہ اسم بھی ظاہر کیا کہ وہ توبہ کرنے والوں سے پیار کرتا
ہے اور اُس کا غضب صرف انہیں لوگوں پر بھڑکتا ہے جو ظلم اور شرارت اور معصیت سے
باز نہیں آتے اور اُس نے اپنی یہ صفات اپنی کتاب میں بیان فرمائیں کہ وہ دیکھتا ہے اور
سُنتا ہے اور محبت کرتا ہے اور غضب کرتا ہے اور اپنے ہاتھ اور پیر اور آنکھ اور
کان کا بھی ذکر کیا مگر ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اُس کا دیکھنا انسان کے دیکھنے کی طرح نہیں اور
اُس کا سُننا انسان کے سننے کی طرح نہیں اور اس کا محبت کرنا انسان کے محبت کرنے کی
طرح نہیں اور اُس کا غضب انسان کے غضب کی طرح نہیں اور اُس کے ہاتھ پیر اور آنکھ
کان مخلوق کے اعضاء کی طرح نہیں بلکہ وہ ہر ایک بات میں بے مثل ہے اور بار بار صاف
فرما دیا کہ یہ اُس کی تمام صفات اُس کی ذات کے مناسب حال ہیں انسان کی صفات کی مانند
نہیں اور اُس کی آنکھ وغیرہ جسم اور جسمانی نہیں اور اُس کی کسی صفت کو انسان کی کسی صفت
سے مشابہت نہیں مثلاً انسان اپنے غضب کے وقت پہلے غضب کی تکلیف آپ
اُٹھاتا ہے اور جوش غضب میں فوراً اُس کا سرور دُور ہو کر ایک جلن سی اُس کے دل میں
پیدا ہو جاتی ہے اور ایک مادّہ سوداوی اُس کے دماغ میں چڑھ جاتا ہے اور ایک تغیر اُسکی

ص۲۶۴

حالت میں پیدا ہو جاتا ہے مگر خدا ان تغیرات سے پاک ہے اور اُس کا غضب ان معنوں سے ہے کہ وہ اس شخص سے جو شرارت سے باز نہ آوے اپنا سایۂ حمایت اٹھا لیتا ہے اور اپنے قدیم قانون قدرت کے موافق اُس سے ایسا معاملہ کرتا ہے جیسا کہ ایک غضبناک انسان کرتا ہے لہٰذا استعارہ کے رنگ میں وہ معاملہ اُس کا غضب کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ایسا ہی اُس کی محبت انسان کی محبت کی طرح نہیں کیونکہ انسان غلبۂ محبت میں بھی دُکھ اٹھاتا ہے اور محبوب کے علیحدہ اور جُدا ہونے سے اُس کی جان کو تکلیف پہنچتی ہے مگر خدا ان تکالیف سے پاک ہے ایسا ہی اُس کا قرب بھی انسان کے قرب کی طرح نہیں کیونکہ انسان جب ایک کے قریب ہوتا ہے تو اپنے پہلے مرکز کو چھوڑ دیتا ہے مگر وہ باوجود قریب ہونے کے دُور ہوتا ہے اور باوجود دُور ہونے کے قریب ہوتا ہے غرض خدا تعالےٰ کی ہر ایک صفت انسانی صفات سے الگ ہے اور صرف اشتراک لفظی ہے اس سے زیادہ نہیں اسی لئے خدا تعالےٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے کہ لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ یعنی کوئی چیز اپنی ذات یا صفات میں خدا تعالےٰ کے برابر نہیں۔

اب ناظرین با انصاف پر ظاہر ہو کہ اسی مطلب کی طرف یہ آیت اشارہ کرتی ہے۔ کہ اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّۃِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ[1] یعنی خدا وہ ہے جس نے سب کچھ چھ دن میں پیدا کر کے پھر اپنے مقام وراء الوراء کی طرف توجہ کی٭ اور عرش پر قرار پکڑا۔ ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ عرش سے مراد قرآن شریف میں وہ مقام ہے جو تشبیہی مرتبہ سے بالاتر اور ہر ایک عالم سے برتر اور نہاں در نہاں اور تقدس اور تنزّہ کا مقام ہے وہ کوئی ایسی جگہ نہیں کہ پتھر یا اینٹ یا کسی اور چیز سے بنائی گئی ہو اور خدا

٭حاشیہ۔ ہم کئی مرتبہ لکھ چکے ہیں کہ اس آیت سے مطلب یہ ہے کہ خدا نے اپنی تشبیہی صفات کا اظہار فرما کر پھر اس مقام کی طرف توجہ کی جو بے مثل و مانند ہونے کا مقام ہے جس کو زبان شرع میں عرش کہتے ہیں جو تمام عالموں سے برتر اور وہم و خیال سے بلند تر ہے اور عرش کوئی مخلوق چیز نہیں ہے بلکہ محض وراء الوراء مقام کا نام عرش ہے جس سے مخلوق کو کوئی اشتراک نہیں۔ منہ

[1] الاعراف : ۵۵

اس پر بیٹھا ہوا ہے اسی لئے عرش کو غیر مخلوق کہتے ہیں اور خدا تعالےٰ جیساکہ یہ فرماتا ہے کہ کبھی وہ مومن کے دل پر اپنی تجلی کرتا ہے۔ ایسا ہی وہ فرماتا ہے کہ عرش پر اُس کی تجلی ہوتی ہے اور صاف طور پر فرماتا ہے کہ ہر ایک چیز کو میں نے اٹھایا ہوا ہے یہ کہیں نہیں کہا کہ کسی چیز نے مجھے بھی اُٹھایا ہوا ہے۔ اور عرش جو ہر ایک عالم سے برتر مقام ہے وہ اُس کی تنزیہی صفت کا مظہر ہے اور ہم بار بار لکھ چکے ہیں کہ ازل سے اور قدیم سے خدا میں دو صفتیں ہیں۔ ایک صفت تشبیہی دوسری صفت تنزیہی۔ اور چونکہ خدا کے کلام میں دونوں صفات کا بیان کرنا ضروری تھا یعنی ایک تشبیہی صفت اور دُوسری تنزیہی صفت اس لئے خدا نے تشبیہی صفات کے اظہار کے لئے اپنے ہاتھ آنکھ محبت غضب وغیرہ صفات قرآن شریف میں بیان فرمائے اور پھر جب کہ احتمال تشبیہ کا پیدا ہوا تو بعض جگہ لَیْسَ کَمِثْلِہٖ کہہ دیا اور بعض جگہ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ کہہ دیا جیساکہ سُورۃ رعد جزو نمبر ١٣ میں بھی یہ آیت ہے اَللّٰہُ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَھَا ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ[1] (ترجمہ) تمہارا خدا وہ خدا ہے جس نے آسمانوں کو بغیر ستون کے بلند کیا جیساکہ تم دیکھ رہے ہو اور پھر اُس نے عرش پر قرار پکڑا۔ اس آیت کے ظاہری معنی کے رُو سے اِس جگہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا پہلے خدا کا عرش پر قرار نہ تھا۔ اس کا یہی جواب ہے کہ عرش کوئی جسمانی چیز نہیں ہے بلکہ وراء الوراء ہونے کی ایک حالت ہے جو اُس کی صفت ہے پس جب کہ خدا نے زمین و آسمان اور ہر ایک چیز کو پیدا کیا اور ظلّی طور پر اپنے نور سے سُورج چاند اور ستاروں کو نور بخشا اور انسان کو بھی استعارہ کے طور پر اپنی شکل پر پیدا کیا اور اپنے اخلاق کریمہ اس میں پھونک دئے تو اس طور سے خدا نے اپنے لئے ایک تشبیہ قائم کی مگر چونکہ وہ ہر ایک تشبیہ سے پاک ہے اس لئے عرش پر قرار پکڑنے سے اپنے تنزّہ کا ذکر کر دیا۔ خلاصہ یہ کہ وہ سب کچھ پیدا کر کے پھر مخلوق کا عین نہیں ہے بلکہ سب سے الگ اور وراء الوراء مقام پر ہے اور پھر سورۃ طٰہٰ جزو نمبر ١٦ میں یہ آیت ہے اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی[2] (ترجمہ) خدا رحمٰن ہے جس نے

صفحہ ٢٦٦

[1] الرعد: ٣ [2] طٰہٰ: ٦

عرش پر قرار پکڑا اس قرار پکڑنے سے یہ مطلب ہے کہ اگرچہ اُس نے انسان کو پیدا کر کے بہت سا قرب اپنا اُس کو دیا مگر یہ تمام تجلّیات مختص الزمان ہیں یعنی تمام تشبیہی تجلّیات اُس کی کسی خاص وقت میں ہیں جو پہلے نہیں تھیں مگر ازلی طور پر قرار گاہ خدا تعالیٰ کی عرش ہے جو تنزیہ کا مقام ہے کیونکہ جو فانی چیزوں سے تعلق کر کے تشبیہ کا مقام پیدا ہوتا ہے وہ خدا کی قرارگاہ نہیں کہلا سکتا وجہ یہ کہ وہ معرضِ زوال میں ہے اور ہر ایک وقت میں زوال اُس کے سر پر ہے بلکہ خُدا کی قرار گاہ وہ مقام ہے جو فنا اور زوال سے پاک ہے پس وہ مقام عرش ہے۔

اس جگہ ایک اور اعتراض مخالف لوگ پیش کرتے ہیں اور وہ یہ کہ قرآن شریف کے بعض مقامات سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن عرش کو آٹھ فرشتے اٹھائیں گے جس سے اشارۃ النص کے طور پر معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں چار فرشتے عرش کو اٹھاتے ہیں اور اب اس جگہ اعتراض یہ ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ تو اس بات سے پاک اور برتر ہے کہ کوئی اُس کے عرش کو اٹھا دے اس کا جواب یہ ہے کہ ابھی تم سُن چکے ہو کہ عرش کوئی جسمانی چیز نہیں ہے جو اٹھائی جائے یا اُٹھانے کے لائق ہو بلکہ صرف تنزّہ اور تقدّس کے مقام کا نام عرش ہے اسی لئے اس کو غیر مخلوق کہتے ہیں۔ ورنہ ایک مجسّم چیز خُدا کی خالقیت سے کیونکر باہر رہ سکتی ہے اور عرش کی نسبت جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ سب استعارات ہیں۔ پس اسی سے ایک عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ ایسا اعتراض محض حماقت ہے۔ اب ہم فرشتوں کے اٹھانے کا اصل نکتہ ناظرین کو سُناتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے تنزّہ کے مقام میں یعنی اس مقام میں جب کہ اُس کی صفت تنزّہ اُس کی تمام صفات کو رُو پوش کر کے اُس کو وراء الوراء اور نہاں در نہاں کر دیتی ہے جس مقام کا نام قرآن شریف کی اصطلاح میں عرش ہے تب خدا عقول انسانیہ سے بالاتر ہو جاتا ہے اور عقل کو طاقت نہیں رہتی کہ اُس کو دریافت کر سکے تب اُس کی چار صفتیں جن کو چار فرشتوں کے نام سے موسوم کیا گیا ہے جو دُنیا میں ظاہر ہو چکی ہیں اُس کے پوشیدہ وجود کو ظاہر کرتی ہیں* (۱) اول ربوبیت جس کے ذریعہ سے وہ انسان

صفحہ ۲۷۰

* حاشیہ۔ ملاحظہ ہو صفحہ ۲۸۰

کی رُوحانی اور جسمانی تکمیل کرتا ہے چنانچہ رُوح اور جسم کا ظہور ربوبیت کے تقاضا سے ہے اور اسی طرح خدا کا کلام نازل ہونا اور اُس کے خارق عادت نشان ظہور میں آنا ربوبیت کے تقاضا سے ہے (۲) دوم خدا کی رحمانیت جو ظہور میں آچکی ہے یعنی جو کچھ اُس نے بغیر پاداش اعمال بیشمار نعمتیں انسان کے لئے میسر کی ہیں یہ صفت بھی اُس کے پوشیدہ وجود کو ظاہر کرتی ہے (۳) تیسری خدا کی رحیمیّت ہے اور وہ یہ کہ نیک عمل کرنے والوں کو اوّل تو صفت رحمانیت کے تقاضا سے نیک اعمال کی طاقتیں بخشتا ہے اور پھر صفت رحیمیت کے تقاضا سے نیک اعمال اُن سے ظہور میں لاتا ہے اور اس طرح پر اُن کو آفات سے بچاتا ہے یہ صفت بھی اُس کے پوشیدہ وجود کو ظاہر کرتی ہے (۴) چوتھی صفت مَالِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ ہے یہ بھی اُس کے پوشیدہ وجود کو ظاہر کرتی ہے کہ وہ نیکوں کو جزا اور بدوں کو سزا دیتا ہے۔ یہ چاروں صفتیں ہیں جو اُس کے عرش کو اٹھاتے ہوئے ہیں یعنی اُس کے پوشیدہ وجود کا ان صفات کے ذریعہ سے اس دنیا میں پتہ لگتا ہے اور یہ معرفت عالم آخرت میں دوچند ہو جائے گی گویا بجائے چار کے آٹھ فرشتے ہو جائیں گے۔

پھر مضمون پڑھنے والے نے یہ اعتراض پیش کیا کہ دُنیا کی پیدائش کا طریقہ قرآن شریف میں غلط بیان کیا گیا ہے۔ مگر اس اعتراض سے معترض کا یہ مطلب ہے کہ قرآن شریف میں یہ لکھا ہے کہ ہر ایک چیز خدا کے حکم سے پیدا ہوئی ہے اور کسی چیز کے وجود کو خدا کے حکم کے ساتھ وابستہ کرنا علم طبعی کے قواعد کے برخلاف ہے تو یہ لوچ اور لغو اعتراض ہے کیونکہ جو شخص

* حاشیہ صفحہ ۲۷۸۔ خدا تعالیٰ نے تمام اجرام سماوی و ارضی پیدا کر کے پھر اپنے وجود کو وراء الوراء مقام میں مخفی کیا جس کا نام عرش ہے اور یہ ایسا نہاں در نہاں مقام ہے کہ اگر خدا تعالیٰ کی چار صفات ظہور پذیر نہ ہوتیں جو سورۃ فاتحہ کی پہلی آیات میں ہی درج ہیں تو اس کی وجود کا کچھ پتہ نہ لگتا یعنی ربوبیت۔ رحمانیت۔ رحیمیت۔ مالک یوم الجزا ہونا۔ سو یہ چاروں صفات استعارہ کے رنگ میں چار فرشتے خدا کی کلام میں قرار دئیے گئے ہیں جو اُس کے عرش کو اٹھا رہے ہیں یعنی اس وراء الوراء مقام میں جو خدا ہے اُس مخفی مقام سے اس کو دکھلا رہے ہیں ورنہ خُدا کی شناخت کیلئے کوئی ذریعہ نہ تھا۔ منہ

خداتعالیٰ کی ہستی کو مانتا ہے اور ہر ایک چیز کا وجود اُس کے ارادہ سے جانتا ہے اُس کو یہ ماننا پڑتا ہے کہ بغیر حکم خداتعالیٰ کے کوئی چیز ظہور پذیر نہیں ہو سکتی اور اگر خدا کے وجود کو نہیں مانتا تو دلائل قویہ بدیہیہ اُس کو ملزم کرتے ہیں اور اگر کہو کہ اعتراض یہ ہے کہ قرآن شریف سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایک دم میں خداتعالیٰ نے سب کچھ پیدا کیا تو یہ جھوٹ ہے کیونکہ قرآن شریف سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ چھ دن میں پیدا کیا اور چھ دن سے مراد وہ دن نہیں ہیں جو انسانوں کے دن ہیں بلکہ بموجب تصریح قرآن شریف کے ہر ایک دن سے ہزارہا برس مراد ہیں اور اگر کہو کہ قرآن شریف سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ خداتعالیٰ نے اجسام ارضی اور اجرام سماوی کو فلاں فلاں مادہ سے پیدا کیا تو یہ خُدا کی قدرتوں میں بے جا دخل ہے۔ یاد رکھو کہ انسان کی ہرگز یہ طاقت نہیں ہے کہ ان تمام دقیق در دقیق خدا کے کاموں کو دریافت کر سکے بلکہ خدا کے کام عقل اور فہم اور قیاس سے برتر ہیں اور انسان کو صرف اپنے اس قدر علم پر مغرور نہیں ہونا چاہیئے کہ اُس کو کسی حد تک سلسلہ علل و معلولات کا معلوم ہو گیا ہے کیونکہ انسان کا وہ علم نہایت ہی محدود ہے جیسا کہ سمندر کے ایک قطرہ میں سے کروڑم حصہ قطرہ کا*۔ اور حق بات یہ ہے کہ جیسا کہ خداتعالیٰ خود

ص۲۶۸

---

* حاشیہ۔ یہ خیال ہی سراسر حماقت ہے کہ جس قدر قانون قدرت ظاہر ہو چکا ہے اسی پر خدا کے مخفی ارادوں اور مخفی قدرتوں کا قیاس کرنا چاہیئے کیونکہ قیاس کرنے کے لئے کم سے کم نسبت مساوات تو ضرور چاہیئے لیکن جس حالت میں انسان کا علم خدا کی قدرتوں کی نسبت اس قدر بھی نہیں جیسا کہ ایک سُوئی کے نوک کی تری ایک بحر اعظم کے پانی سے نسبت رکھتی ہے تو پھر اس قدر قلیل علم انسان کا اُن مخفی قدرتوں کے لئے معیار کیونکر ہو سکتا ہے جو غیر متناہی ہیں۔ اگر خدا کی اسی قدر قدرتیں ہیں جو انسان کے احاطہ علم میں ہو چکی ہیں اور اس کے سوا کچھ نہیں تو اس صورت میں خدا محدود ہو جائے گا اور نیز اُس کی قدرتیں بھی انسان کے علم سے زیادہ نہیں ہوں گی لیکن انسان کا خُدا کی قدرتوں پر محیط ہونا ایسا ہے جیسا کہ خدا پر محیط ہو جانا۔ وہ خدا جس نے انسان کو مولی گاجر کی طرح زمین سے پیدا کیا۔ پھر اس پہلے قانون کو توڑ دیا۔ پس اگر وہ کسی زمانہ میں اس موجودہ قانون قدرت کو بھی توڑ دے تو اُس کو کون روک سکتا ہے اور کس دلیل سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ پہلے تو وہ تبدیل قانون قدرت پر قادر تھا مگر اب قادر نہیں۔ منہ

ناپیداکنار ہے ایسا ہی اُس کے کام بھی ناپیداکنار ہیں اور اُس کے ہر ایک کام کی اصلیت تک پہنچنا انسانی طاقت سے برتر اور بلند تر ہے ہاں ہم اُس کی صفات قدیمہ پر نظر کرکے یہ کہہ سکتے ہیں کہ چونکہ خدا تعالیٰ کی صفات کبھی معطّل نہیں رہتیں اس لئے خدا تعالیٰ کی مخلوق میں قدامت نوعی پائی جاتی ہے یعنی مخلوق کی انواع میں سے کوئی نہ کوئی نوع قدیم سے موجود چلی آئی ہے مگر شخصی قدامت باطل ہے اور باوجود اس کے خدا کی صفت اِفنا اور اِہلاک بھی ہمیشہ اپنا کام کرتی چلی آتی ہے وہ بھی کبھی معطّل نہیں ہوئی اور اگرچہ نادان فلاسفروں نے بہت ہی زور لگایا کہ زمین و آسمان کے اجرام و اجسام کی پیدائش کو اپنے سائنس یعنی طبعی قواعد کے اندر داخل کرلیں اور ہر ایک پیدائش کے اسباب قائم کریں مگر سچ یہی ہے کہ وہ اس میں ناکام اور نامراد رہے ہیں اور جو کچھ ذخیرہ اپنی طبعی تحقیقات کا انہوں نے جمع کیا ہے وہ بالکل ناتمام اور نامکمل ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہ کبھی اپنے خیالات پر قائم نہیں رہ سکے اور ہمیشہ اُن کے خود تراشیدہ خیالات میں تغیّر تبدّل ہوتا رہتا ہے اور معلوم نہیں کہ آگے کس قدر ہوگا اور چونکہ اُن کی تحقیقاتوں کی یہ حالت ہے کہ تمام مدار اُن کا صرف اپنی عقل اور قیاس پر ہے اور خدا سے کوئی مدد اُن کو نہیں ملتی اس لئے وہ تاریکی سے باہر نہیں آسکتے اور درحقیقت کوئی شخص خدا کو شناخت نہیں کرسکتا جب تک اس حد تک اُس کی معرفت نہ پہنچ جائے کہ وہ اس بات کو سمجھ لے کہ خدا کے بیشمار کام ایسے ہیں کہ جو انسانی طاقت اور عقل اور فہم سے بالاتر اور بلند تر ہیں اور اس مرتبہ معرفت سے پہلے یا تو انسان محض دہریہ ہوتا ہے اور خدا کے وجود پر ایمان ہی نہیں رکھتا اور یا اگر خدا کو مانتا ہے تو صرف اس خدا کو مانتا ہے کہ جو اُس کے خود تراشیدہ دلائل کا ایک نتیجہ ہے نہ اُس خدا کو جو اپنی تجلّی سے اپنے تئیں آپ ظاہر کرتا ہے اور جس کی قدرتوں کے اسرار اس قدر ہیں کہ انسانی عقل اُن کا احاطہ نہیں کرسکتی۔ جب سے خدا نے مجھے یہ علم دیا ہے کہ خدا کی قدرتیں عجیب در عجیب اور عمیق در عمیق اور وراء الوراء لا یُدرَک ہیں تب سے میں ان لوگوں کو جو فلسفی کہلاتے ہیں پکّے کافر سمجھتا ہوں اور چھپے ہوئے دہریہ خیال کرتا ہوں میرا خود ذاتی

۲۶۹

مشاہدہ ہے کہ کئی عجائب قدرتیں خدا تعالیٰ کی ایسے طور پر میرے دیکھنے میں آئی ہیں کہ بجز اس کے کہ اُن کو نیستی سے ہستی کہیں اور کوئی نام اُن کا ہم رکھ نہیں سکتے جیسا کہ ان نشانوں کی بعض مثالیں بعض موقعہ پر میں نے لکھ دی ہیں جس نے یہ کرشمۂ قدرت نہیں دیکھا اُس نے کیا دیکھا؟ ہم ایسے خدا کو نہیں مانتے جس کی قدرتیں صرف ہماری عقل اور قیاس تک محدود ہیں اور آگے کچھ نہیں بلکہ ہم اُس خدا کو مانتے ہیں جس کی قدرتیں اُس کی ذات کی طرح غیر محدود اور ناپیدا کنار اور غیر متناہی ہیں۔ ایسا ہی اُس کی قدرت کا یہ راز ہے کہ وہ نیست سے ہست کرتا ہے جیسا کہ اس بات پر ہزارہا نمونے ہماری نظر کے سامنے ہیں۔ بعض درخت ایسے ہیں کہ اُن کے پھل جیسے جیسے پکتے جاتے ہیں وہ پردار کیڑوں کی طرح بنتے جاتے ہیں اور بعض درخت ایسے ہیں کہ اُن کے پتوں میں سے بڑے بڑے پرندے پیدا ہو جاتے ہیں اُن میں سے ایک آک کا درخت بھی ہے اور اُس کی نظیریں ہزارہا ہیں نہ صرف ایک دو۔ پس اس جگہ بجز اس کے کیا کہہ سکتے ہیں کہ وہ نیستی سے ہستی ہے اور یہ ایک ایسا رازِ قدرت ہے کہ ہم اس کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتے اور کیا یہ بھی ضروری ہے کہ ایک ناچیز انسان خدا کے تمام اسرار پر اطلاع بھی پا جائے اور اس کی تمام قدرتوں پر محیط ہو جائے۔ یہ ایک فیصلہ شدہ بات ہے کہ اگر علم سائنس یعنی طبعی خدا تعالیٰ کے تمام عمیق کاموں پر احاطہ کر لے تو پھر وہ خدا ہی نہیں جس قدر انسان اُس کی باریک حکمتوں پر اطلاع پاتا ہے وہ انسانی علم اس قدر بھی نہیں کہ جیسے ایک سوئی کو سمندر میں ڈبو یا جائے اور اُس میں کچھ سمندر کی پانی کی تری باقی رہ جائے اور یہ کہنا کہ اُس کی تمام باریک قدرتوں پر اطلاع پانے کے لئے ہمارے لئے راہ کشادہ ہے اس سے زیادہ کوئی حماقت نہیں باوجودیکہ ہزارہا قرن اس دُنیا پر گذر چکے ہیں پھر بھی انسان نے صرف اس قدر خدا کی حکمتوں پر اطلاع پائی ہے جیسا کہ ایک عالمگیر بارش میں سے صرف اس قدر تری جو ایک بال کی نوک کو بمشکل تر کر سکے۔ پس اس جگہ اپنی حکمت اور دانائی کا دم مارنا جھوٹی شیخی اور حماقت ہے۔ انسان باوجودیکہ ہزارہا برسوں سے اپنے علوم طبعیہ اور ریاضیہ کے

صفحہ ۲۷۰

ذریعہ سے خدا کی قدرتوں کے دریافت کرنے کے لئے جان توڑ کوششیں کر رہا ہے مگر ابھی اس قدر اُس کے معلومات میں کمی ہے کہ اس کو نامراد اور ناکام ہی کہنا چاہیئے صدہا اسرار غیبیہ اہل کشف اور اہل مکالمہ الٰہیہ پر کھلتے ہیں اور ہزارہا راستباز اُن کے گواہ ہیں مگر فلسفی لوگ اب تک اُن کے منکر ہیں جیسا کہ فلسفی لوگ تمام مدار ادراک معقولات اور تدبّر اور تفکّر کا دماغ پر رکھتے ہیں مگر اہلِ کشف نے اپنی صحیح رویت اور رُوحانی تجارب کے ساتھ معلوم کیا ہے کہ انسانی عقل اور معرفت کا سرچشمہ دِل ہے جیسا کہ میں پینتیس ۳۵ برس سے اس بات کا مشاہدہ کر رہا ہوں کہ خدا کا الہام جو معارف رُوحانیہ اور علوم غیبیہ کا ذخیرہ ہے دل پر ہی نازل ہوتا ہے بسا اوقات ایک ایسی آواز سے دل کا سرچشمہ علوم ہونا کھل جاتا ہے کہ وہ آواز دل پر اس طور سے بشدت پڑتی ہے کہ جیسے ایک ڈول زور کے ساتھ ایک ایسے کنوئیں میں پھینکا جاتا ہے جو پانی سے بھرا ہوا ہے تب وہ دل کا پانی جوش مار کر ایک غنچہ کی شکل میں سربستہ اوپر کو آتا ہے اور دماغ کے قریب ہو کر پھول کی طرح کِھل جاتا ہے اور اس میں سے ایک کلام پیدا ہوتا ہے وہی خدا کا کلام ہے۔ پس ان تجارب صحیحہ رُوحانیہ سے ثابت ہے کہ دماغ کو علوم اور معارف سے کچھ تعلق نہیں ہاں اگر دماغ صحیح واقعہ ہو اور اس میں کوئی آفت نہ ہو تو وہ دل کے علوم مخفیہ سے مستفیض ہوتا ہے اور دماغ چونکہ منبت اعصاب ہے اس لئے وہ ایسی کل کی طرح ہے جو پانی کو کنوئیں سے کھینچ سکتی ہے اور دل وہ کنواں ہے جو علوم مخفیہ کا سرچشمہ ہے یہ وہ راز ہے جو اہل حق نے مکاشفات صحیحہ کے ذریعہ سے معلوم کیا ہے جس میں مَیں خود صاحب تجربہ ہوں۔

ایسا ہی جدید سائنس یعنی طبعی کی تحقیقات میں یہ ایک غلطی ہے کہ قطعی طور پر یہ خیال کیا گیا ہے جو ہر ایک مادی چیزوں میں جو کیڑے پڑ جاتے ہیں وہ ہوا سے آتے ہیں یعنی ہوا کے کیڑے اس چیز میں داخل ہو جاتے ہیں حالانکہ یہ قاعدہ کئی جگہ ٹوٹ جاتا ہے مثلاً جو نطفہ سے

ط ۲۷۱

* حاشیہ۔ چونکہ دماغ منبت اعصاب ہے اس لئے علوم قلبیہ کا محسوس کرنا اس کا کام ہے اور اگر دماغ میں کوئی آفت پیدا ہو تو وہ علوم پردہ میں آجاتے ہیں جیسا کہ اگر ڈول یا اُس کی رسی ناتمام ہو تو پانی کنوئیں میں سے نہیں آسکتا۔ منہ

مثانہ کے اندر کیڑا بنتا ہے وہ سائنس والوں کے اقرار کی رُو سے ہوا سے نہیں بنتا اور ہوا کو
اس میں کوئی دخل نہیں ایسا ہی جو گولر کے پھل میں چھوٹے چھوٹے کیڑے پر دار بن جاتے ہیں
جن سے گولر کا پھل بگڑتا نہیں بلکہ شیریں اور کھانے کے لائق ہو جاتا ہے اُن کو بھی ہوا سے کچھ
تعلق نہیں کیونکہ خدا تعالےٰ کی قدرت سے گولر کا کچا پھل اُن کے لئے بطور نطفہ کے ہوتا ہے
اور جب تک وہ کچا ہوتا ہے اس میں کوئی کیڑا دکھائی نہیں دیتا اور لوگ پکا پکا کر اس کو کھاتے
ہیں اور پھر جیسے جیسے آہستہ آہستہ وہ پکتا جاتا ہے تو اُسی کے مغز میں سے چھوٹے چھوٹے جانور
پر دار کسی قدر سبز چمکدار بنتے جاتے ہیں اور لوگ مع کیڑوں کے اُس پھل کو کھا جاتے ہیں۔ اب
ظاہر ہے کہ ان جانداروں کا محض ایک پھل میں سے بن جانا ایک نرالا قانونِ قدرت ہے جس کو
نیستی سے ہستی کہنا چاہئے کیونکہ یہ اُن کیڑوں کی طرح نہیں ہوتے جو ایک متعفن چیز میں پائے
جاتے ہیں جو ایک قسم کے زہریلے کیڑے ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب دال یا دُودھ یا
گوشت وغیرہ میں اُس قسم کے کیڑے پڑتے ہیں تو وہ چیز سخت متعفن ہو جاتی ہے اور اُس
میں سے نہایت گندی بدبو آتی ہے اور اس میں ایک قسم کی زہر پڑ جاتی ہے اسی وجہ سے
اس کا کھانا مضر صحت ہوتا ہے لیکن یہ کیڑے گولر کے پھل کو مضر صحت نہیں کرتے بلکہ وہ پھل
تبھی کھانے کے لائق ہوتا ہے جب وہ کیڑے اس میں پیدا ہو جاتے ہیں ایسا ہی ہم اس
جگہ بہت سی ایسی مثالیں پیش کر سکتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ بہت سے کیڑے
ایسے پیدا ہوتے ہیں کہ ہوا کا اُن میں کچھ بھی تعلق نہیں یہ بات تو ہر ایک عقلمند سمجھ سکتا ہے
کہ گندی ہوا سے گندی چیزیں ہی پیدا ہوتی ہیں نہ ایسی پاک اور مفید صحت چیزیں جو کھانے
کے لائق ہوں۔ پس یہ عقیدہ کہ تمام کیڑے جو پیدا ہوتے ہیں وہ دراصل ہوا کے کیڑے
ہیں یہ صحیح نہیں ہے بلکہ اس جگہ یہ سوال بھی پیش ہو سکتا ہے کہ دراصل ہوا کیڑوں سے
پاک ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ جیسے کسی اُونچے پہاڑ کی بلندی پر چڑھیں جس کی سطح کھلی
اور ہر ایک روک سے محفوظ ہو وہ ہوا کیڑوں سے خالی ہوتی ہے یا یوں کہو کہ بہت ہی کم

ص۲۷۲

اس میں کیڑے ہوتے ہیں اسی وجہ سے ایسے پہاڑوں پر سل کی بیماری والوں کو فائدہ ہوتا ہے اور اس سے اُوپر کے طبقہ کی ہوا ایسی ہوتی ہے جو بالکل کیڑوں سے خالی ہوتی ہے اور اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ جو ہوا سطح زمین کے نزدیک ہے خاص کر جب وہ آفتاب کی حرارت سے پورا حصہ نہیں لیتی یا برف کی شدید سردی سے متاثر نہیں ہوتی وہی ہوا کیڑوں سے پُر ہوتی ہے کیونکہ وہ اپنی بساطت پر باقی نہیں رہتی۔ پس اس سے ثابت ہے کہ دراصل ہوا میں کوئی کیڑا نہیں ہے بلکہ جب ایک عارضی غلاظت اور رطوبت اُس سے مل جاتی ہے تو اس سے وہ کیڑے پیدا ہو جاتے ہیں اور چونکہ یہ ہوا تمام چیزوں پر محیط ہے اس لئے یہ گندی ہوا جب دوسری چیزوں پر اثر کرے گی تو اُن میں بھی کیڑے پیدا ہو جائیں گے اور عجیب تر یہ ہے کہ اگر مثلاً ایک جگہ پچاس سنگترہ یا اور قسم کے میوے دیر تک رکھے ہیں تو بعض پھل تو بگڑ جاتے ہیں اور بعض مدت تک نہیں بگڑتے حالانکہ وہ ایک ہی ہوا کے اثر کے ماتحت ہوتے ہیں اور پھر یہ بھی ہے کہ جس قدر ہوا لطیف ہوگی اُسی قدر کیڑے کم پیدا ہوں گے۔ اس سے ثابت ہے کہ کیڑے دو قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جو گندی ہوا کی تاثیر سے پیدا نہیں ہوتے بلکہ خدا تعالےٰ کی قدرت اور حکمت سے محض کسی سرسبز پتے یا سرسبز پھل سے پیدا ہوتے ہیں جیسے گولر کا پردار کیڑا یا آک کا جانور جو ملخ کے برابر ہوتا ہے اور جیسے نطفہ کا کیڑا اور جیسے وہ کیڑے جو زمین کے نہایت ہی عمیق طبقوں میں پائے جاتے ہیں اور دوسرے وہ کیڑے ہیں جو گندی ہوا سے پیدا ہوتے ہیں اور ایسی ہوا جب کسی ایسی غذا پر اپنا اثر کرتی ہے جس میں کیڑے پیدا ہو سکتے ہیں تو اس ہوا کے اثر سے ہزارہا کیڑے اس غذا میں پیدا ہو جاتے ہیں پس یہ سائنس والوں کی غلطی ہے کہ وہ ہر ایک پیدا ہونے والے کیڑے کو گندی ہوا کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اب یہ بات بھی بحث طلب ہے کہ وہ کیڑے جو دال وغیرہ چیزوں میں پیدا ہوتے ہیں وہ کہاں سے پیدا ہوتے ہیں؟ پس اصل بات تو یہ ہے کہ جب وہ گندی ہوا جس میں کیڑے پیدا ہو چکے ہیں کسی کھانے والی یا کسی دوسری چیز پر اثر کرتی ہے

ص۲۷۳

تو اس کے اثر سے اس چیز میں کیڑے پیدا ہو جاتے ہیں اگر محض یہی بات ہوتی کہ اس ہوا کے کیڑے اس کھانے کے اندر داخل ہو جاتے ہیں تو کوئی کھانا کیڑوں سے بچ نہ سکتا ایک طرف ہم ایک کھانا تیار کر کے اپنے سامنے رکھتے ..... اور ایک طرف فی الفور ہزارہا کیڑے بلا توقف اُس میں پڑ جاتے کیونکہ جب کیڑے پہلے سے ہوا میں موجود ہیں اور کھانا بھی کھلا پڑا ہے تو پھر توقف کی کوئی وجہ نہیں اور اگر کہو کہ اول حالت میں باریک ہوتے ہیں تو پھر تم خوردبین کے ذریعہ سے ہمیں دکھلاؤ کہ اس تازہ کھانے میں کہاں کیڑے ہیں۔ غرض یہ بھی سائنس والوں کی ایک موٹی غلطی ہے وہ لوگ خدا کے اسرار کا معمّا کھولنا چاہتے ہیں آخر مُنہ کے بل گرتے ہیں۔ *

مضمون پڑھنے والے نے ایک یہ اعتراض قرآن شریف پر پیش کیا کہ خاوند کی مرضی پر طلاق رکھی ہے اِس سے شاید اس کا یہ مطلب معلوم ہوتا ہے کہ عقل کی رُو سے مرد اور عورت درجہ میں برابر ہیں تو پھر اس صورت میں طلاق کا اختیار محض مرد کے ہاتھ میں رکھنا بلاشبہ قابل اعتراض ہوگا۔ پس اس اعتراض کا یہی جواب ہے کہ مرد اور عورت درجہ میں ہرگز برابر نہیں۔ دنیا کے قدیم تجربہ نے یہی ثابت کیا ہے کہ مرد اپنی جسمانی اور علمی طاقتوں میں

* حاشیہ۔ یاد رہے کہ بموجب اصول آریہ سماج کے وید نے ہر ایک جانور کو خواہ وہ کیڑا ہے یا اور جاندار انسان قرار دیا ہے یعنی یہ تعلیم دی ہے کہ وہ دراصل انسانی رُوح ہے جو کسی اور جُون میں واپس آئی ہے مگر وید نے جو واپس آنے کا طریق بیان کیا ہے وہ ایسا بیہودہ اور خلاف عقل ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وید کے بنانے والے علم اور عقل سے محض بے نصیب تھے اس بات کا بار ثبوت وید کے ذمہ تھا کہ وہ رُوح جو بدن سے نکل گئی تھی وہ کیونکر اور کس طریق سے واپس آتی ہے اور کیونکر انسانی نطفہ سے اُس کا پیوند ہو جاتا ہے اور یہ خیال کہ وہ رُوح شبنم کی طرح گھاس پات پر گرتی ہے اس سے زیادہ اور کوئی خیال بیہودہ نہیں ہوگا کیونکہ نطفہ صرف گھاس پات سے نہیں بلکہ صدہا مختلف طریقوں سے تیار ہوتا ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔ ایک دال کی طرف دیکھو جو اکثر آریوں کی غذا ہے اول وہ آگ پر گداز کی جاتی ہے اور کیڑے مر جاتے ہیں اور اگر باسی ہو جائے تو ہزارہا کیڑے اس میں پڑ جاتے ہیں۔ تو کیا یہ خیال ہو سکتا ہے کہ وہ کیڑے بھی شبنم سے ہی غذا میں داخل ہوتے ہیں اور وہ سب انسان ہیں۔ منہ

عورتوں سے بڑھ کر ہیں اور شاذ و نادر حکم معدوم کا رکھتا ہے پس جب مرد کا درجہ باعتبار اپنے ظاہری اور باطنی قوتوں کے عورت سے بڑھ کر ہے تو یہی قرین انصاف ہے کہ مرد اور عورت کے علیحدہ ہونے کی حالت میں عنانِ اختیار مرد کے ہاتھ میں ہی رکھی جائے مگر تعجب ہے کہ یہ اعتراض ایک آریہ نے کیوں پیش کیا؟ کیونکہ آریوں کے اصول کی رُو سے تو مرد کا درجہ عورت سے اس قدر بڑھ کر ہے کہ بغیر لڑکا پیدا ہونے کے نجات ہی نہیں ہو سکتی۔ اِسی بناء پر ایک آریہ کی عورت باوجود موجود ہونے خاوند کے دوسرے مرد سے منہ کالا کراتی ہے تا کسی طرح لڑکا پیدا ہو جائے۔ پس ظاہر ہے کہ اگر اُن کے نزدیک مرد اور عورت کا درجہ برابر ہوتا تو اس رسوائی اور فضیحت کی ضرورت ہی کیا تھی؟ لیکن یہ بات ہر ایک کو معلوم ہے کہ اگر ایک آریہ کی چالیس لڑکیاں بھی ہوں یا فرض کرو کہ سَو لڑکی ہو تب بھی وہ اپنی نجات کے لئے فرزند نرینہ کا خواہشمند ہوتا ہے اور اُس کے مذہب کی رُو سے سو لڑکیاں بھی ایک لڑکے کے برابر نہیں ہو سکتیں۔ پس اس سے ثابت ہے کہ آریہ مذہب کی رُو سے جس قدر لڑکے کو یعنی فرزند نرینہ کو دُختر پر ترجیح دی گئی ہے وہ اس قدر ترجیح ہے کہ دختر کو اپنی قدر و منزلت میں فرزند نرینہ کا سواں حصہ بھی قرار نہیں دیا گیا ورنہ یہ صاف ظاہر ہے کہ اگر مذہب کی رُو سے لڑکی اور لڑکا ایک درجہ پر سمجھے جاتے تو پھر لڑکا ہونے کے لئے یہ بے غیرتی کیوں روا رکھی جاتی کہ اپنی منکوحہ عورت جس کے لئے غیرت مند لوگ مرنے مارنے پر طیار ہو جاتے ہیں وہ دوسروں سے ہمبستر کرائی جاتی؟ اور کیوں اس قدر لڑکا پیدا ہونے کے لئے حرص بڑھائی جاتی کہ یہ روا رکھا جاتا کہ گو اُس بدقسمت عورت کو تمام دُنیا کے مردوں سے ہمبستر کرایا جائے مگر لڑکا ضرور پیدا ہونا چاہیے۔

ماسوا اس کے منو شاستر کو پڑھ کر دیکھ لو کہ اس میں بھی صاف لکھا ہے کہ اگر عورت مرد کی دشمن ہو جائے یا زہر دینا چاہے یا اور کوئی ایسا سبب ہو تو مرد کو طلاق دینے کا اختیار ہے اور عملی طور پر تمام شریف ہندوؤں کا یہی طریق ہے کہ اگر عورت کو بدکار اور بدچلن پاویں

تو اس کو طلاق دیدیتے ہیں اور تمام دنیا میں انسانی فطرت نے یہی پسند کیا ہے کہ ضرورتوں کے وقت میں مرد عورتوں کو طلاق دیتے ہیں اور مرد کا عورت پر ایک حق زائد بھی ہے کہ مرد عورت کی زندگی کے تمام اقسام آسائش کا متکفل ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالےٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ[1] یعنی یہ بات مردوں کے ذمہ ہے کہ جو عورتوں کو کھانے کے لئے ضرورتیں ہوں یا پہننے کے لئے ضرورتیں ہوں وہ سب اُن کے لئے مہیا کریں۔ اس سے ظاہر ہے کہ مرد عورت کا مربی اور محسن اور ذمہ دار آسائش کا ٹھہرایا گیا ہے اور وہ عورت کے لئے بطور آقا اور خداوند نعمت کے ہے اسی طرح مرد کو بہ نسبت عورت کے فطرتی قویٰ زبردست دئے گئے ہیں یہی وجہ ہے کہ جب سے دُنیا پیدا ہوئی ہے مرد عورت پر حکومت کرتا چلا آیا ہے اور مرد کی فطرت کو جس قدر باعتبار کمال قوتوں کے انعام عطا کیا گیا ہے وہ عورت کی قوتوں کو عطا نہیں کیا گیا۔ اور قرآن شریف میں یہ حکم ہے کہ اگر مرد اپنی عورت کو مروّت اور احسان کی رُو سے ایک پہاڑ سونے کا بھی دے تو طلاق کی حالت میں واپس نہ لے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اسلام میں عورتوں کی کس قدر عزت کی گئی ہے ایک طور سے تو مردوں کو عورتوں کا نوکر ٹھیرایا گیا ہے اور بہرحال مردوں کے لئے قرآن شریف میں یہ حکم ہے کہ عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ[2] یعنی تم اپنی عورتوں سے ایسے حُسنِ سلوک سے معاشرت کرو کہ ہر ایک عقلمند معلوم کر سکے کہ تم اپنی بیوی سے احسان اور مُروّت سے پیش آتے ہو۔

علاوہ اس کے شریعتِ اسلام نے صرف مرد کے ہاتھ میں ہی یہ اختیار نہیں رکھا کہ جب کوئی خرابی دیکھے یا ناموافقت پاوے تو عورت کو طلاق دیدے بلکہ عورت کو بھی یہ اختیار دیا ہے کہ وہ بذریعہ حاکم وقت کے طلاق لے لے۔ اور جب عورت بذریعہ حاکم کے طلاق لیتی ہے تو اسلامی اصطلاح میں اُس کا نام خُلع ہے جب عورت مرد کو ظالم پاوے یا وہ اُس کو ناحق مارتا ہو یا اور طرح سے ناقابل برداشت بدسلوکی کرتا ہو یا کسی اور وجہ سے ناموافقت

[1] البقرۃ : ۲۳۴ [2] النساء : ۲۰

ہو یا وہ مرد دراصل نامرد ہو یا تبدیل مذہب کرے یا ایسا ہی کوئی اور سبب پیدا ہو جائے جس کی وجہ سے عورت کو اُس کے گھر میں آباد رہنا ناگوار ہو تو ان تمام حالتوں میں عورت یا اُس کے کسی ولی کو چاہئے کہ حاکمِ وقت کے پاس یہ شکایت کرے اور حاکمِ وقت پر یہ لازم ہوگا کہ اگر عورت کی شکایت واقعی درست سمجھے تو اس عورت کو اس مرد سے اپنے حکم سے علیحدہ کر دے اور نکاح کو توڑ دے لیکن اس حالت میں اس مرد کو بھی عدالت میں بلانا ضروری ہوگا کہ کیوں نہ اُس کی عورت کو اُس سے علیحدہ کیا جائے۔

اب دیکھو کہ یہ کس قدر انصاف کی بات ہے کہ جیسا کہ اسلام نے یہ پسند نہیں کیا کہ کوئی عورت بغیر ولی کے جو اُس کا باپ یا بھائی یا اور کوئی عزیز ہو خود بخود اپنا نکاح کسی سے کر لے ایسا ہی یہ بھی پسند نہیں کیا کہ عورت خود بخود مرد کی طرح اپنے شوہر سے علیحدہ ہو جائے بلکہ جُدا ہونے کی حالت میں نکاح سے بھی زیادہ احتیاط کی ہے کہ حاکمِ وقت کا ذریعہ بھی فرض قرار دیا ہے تا عورت اپنے نقصانِ عقل کی وجہ سے اپنے تئیں کوئی ضرر نہ پہنچا سکے۔ مگر وید میں یہ منصفانہ طریق کہاں ہے؟ میں اس معترض کی حالت سے نہایت تعجب میں ہوں کہ کس قدر یہ شخص سچائی کا دشمن ہے جس سے بمجبوری ہمیں کچھ وید کا حال بیان کرنا پڑتا ہے اگر یہ شخص ایسا بیہودہ اور لغو اعتراض نہ کرتا تو ہمیں کیا ضرورت تھی کہ ہم وید کا ذکر کرتے؟ ان لوگوں کی عجیب حالت ہے کہ اپنے وید کی خرابیوں پر کچھ بھی اطلاع نہیں رکھتے اور چاند پر تھوک رہے ہیں۔ افسوس!!!

پھر مضمون پڑھنے والے نے بیان کیا کہ قرآنی تعلیم سُورج اور چاند کی ماہیت سے بے علم ہے۔ اس بات کا جواب بجز اس کے کیا کہا جائے کہ اس بارے میں قرآنی تعلیم کو وید کی تعلیم کے ساتھ مقابلہ کر کے دیکھنا چاہئے۔ قرآن شریف نے سُورج اور چاند کو خدا کی مخلوق ٹھیرایا ہے مگر وید ان دونوں کو خدا قرار دیتا ہے اور اُن کی پرستش کا حکم کرتا ہے اور یہ بیان کرتا ہے کہ گویا وہ دونوں خدا تعالیٰ کی طرح عالم الغیب اور قادر ہیں اور ہر ایک جو اُن کی پُوجا کرے

ملک ۶

اُن کو مرادیں عطا کرتے ہیں جس کو اس بارے میں شک ہو وہ رگوید کی شرتیاں غور سے پڑھے افسوس! جن لوگوں کا وید بجائے خدا تعالیٰ کے سورج چاند کو خدا قرار دیتا ہے اُن کو ایسی باتوں سے کچھ حیا کرنی چاہیئے تھی کہ وہ ایسی کتاب پر حملہ کریں جو سُورج اور چاند کو خدا نہیں بناتی بلکہ خدا کی پیدائش قرار دیتی ہے۔ قرآن شریف میں ایک شاہزادی بِلقیس نام کا ایک عجیب قصہ لکھا ہے جو سُورج کی پُوجا کرتی تھی شاید وید کی پیرو تھی۔ حضرت سلیمانؑ نے اُس کو بُلایا اور اُس کے آنے سے پہلے ایسا محل طیار کیا جس کا فرش شیشہ کا تھا اور شیشہ کے نیچے پانی بہہ رہا تھا جب بلقیس نے حضرت سلیمانؑ کے پاس جانے کا قصد کیا تو اُس نے اُس شیشہ کو پانی سمجھا اور اپنا پاجامہ پنڈلی سے اُوپر اُٹھالیا حضرت سلیمانؑ نے کہا کہ دھوکا مت کھا یہ پانی نہیں ہے بلکہ یہ شیشہ ہے پانی اس کے نیچے ہے تب وہ عقلمند عورت سمجھ گئی کہ اس پیرایہ میں میرے مذہب کی غلطی انہوں نے ظاہر کی ہے اور یہ ظاہر کیا ہے کہ سُورج اور چاند اور دوسرے روشن اجرام شیشہ کی مانند ہیں اور ایک پوشیدہ طاقت ہے جو ان کے پردہ کے نیچے کام کر رہی ہے اور وہی خدا ہے۔ جیسا کہ قرآن شریف میں اس جگہ فرمایا صَرۡحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنۡ قَوَارِيۡرَ[1]* سو دُنیا کو خدا نے شیش محل سے مثال دی ہے جاہل ان شیشوں کی پرستش کرتے ہیں اور دانا اس پوشیدہ طاقت کے پرستار ہیں مگر وید نے اس شیش محل کی طرف کچھ اشارہ نہیں کیا اور ان ظاہری شیشوں کو پرمیشور سمجھ لیا اور پوشیدہ طاقت سے بے خبر رہا۔

اور پھر ایک دُوسری جگہ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے وَالشَّمۡسِ وَضُحٰهَا وَالۡقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا[2] یعنی قسم ہے سُورج کی اور اُس کی روشنی کی اور قسم ہے چاند کی جب سُورج کی پیروی کرے یعنی چاند بغیر پیروی کے کچھ بھی چیز نہیں اور اس کا نور سُورج کے نُور سے مستفاض ہے یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انسان کو کیسا ہی اپنے اندر استعداد رکھتا ہے مگر جب تک وہ کامل طور پر خدا کی اطاعت نہ کرے اُس کو کوئی نور نہیں ملتا مگر افسوس!

* یعنی یہ ایک محل ہے شیشوں سے بنایا گیا۔ منہ

[1] النمل: ۴۵ [2] الشمس: ۲-۳

ص۲۷۷

کہ وید کو یہ بھی خبر نہیں کہ چاند اپنی روشنی سُورج سے لیتا ہے اور اسی وجہ سے اُس نے برابر طور پر دونوں سُورج اور چاند کو معبود ٹھہرایا ہے۔

پھر عجیب تر یہ بات ہے کہ معترض تو تعصب کی دیوانگی کی وجہ سے سُورج چاند تک پہنچ گیا ہے جو آسمانی اجرام ہیں مگر اس کے وید نے تو زمین کی چیزوں میں بھی غلطی کھائی ہے اور وہ رُوح جس سے جاندار انسان زندہ ہوتے ہیں اُس کی کیفیت صحیح طور پر بیان نہیں کر سکا پس اس معترض پر تو یہ شعر صادق آتا ہے ؎

تو کارِ زمیں را نکو ساختی؟ کہ با آسماں نیز پرداختی

ص ۲۷۸

کیا یہ وید کی فلاسفی درست ہے کہ رُوحیں مع اپنی تمام قوتوں اور طاقتوں کے انادی اور غیر مخلوق ہیں اور وہی بار بار دُنیا میں آتی ہیں اور کیا یہ بات عقل سلیم کے نزدیک سچ ٹھہر سکتی ہے کہ رُوح انسان کے مرنے کے وقت اکاش میں چلی جاتی ہے اور پھر رات کے وقت کسی گھاس پات پر گرتی ہے اور وہ گھاس پات کوئی مرد کھاتا ہے تو نطفہ کے ساتھ اندر چلی جاتی ہے۔ ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ اس سے لازم آتا ہے کہ رُوح دو ٹکڑے ہو کر گرتی ہو ایک ٹکڑہ ایسی گھاس پر گرتا ہو جس کو مرد کھاتا ہو اور دُوسرا ٹکڑہ ایسی گھاس پات پر پڑتا ہو جس کو عورت کھاتی ہو۔ کیونکہ پیدا ہونے والے بچہ میں رُوحانی اخلاق صرف مرد کی طرف سے نہیں ہوتے بلکہ عورت کی طرف سے بھی ہوتے ہیں۔ ماسوا اس کے وہ گھاس پات کچا تو نہیں کھایا جاتا بلکہ بخوبی آگ پر پکایا جاتا ہے اس صورت میں ظاہر ہے کہ جو کچھ شبنم کی طرح گھاس پات پر پڑا تھا وہ آگ سے جل جاتا ہو گا اور اگر کیڑا تھا تو مر جاتا ہو گا۔

اور پھر ماسوا اس کے جو گوشت کھانے والی قومیں ہیں جو صرف مچھلی یا مثلاً بکرا یا بھیڈ کا گوشت کھاتے ہیں کیا وہ رُوح جو شبنم کی طرح آسمان سے گرتی ہے وہ بکرے یا بھیڈ کی کھال پر پڑتی ہے۔ پس جس وید کی یہ فلاسفی ہے جو قدم قدم پر ٹھوکر کھاتا ہے اُس کے ساتھ فخر کرنا ایک بھارے نادان کا کام ہے۔

افسوس! یہ لوگ نہیں سوچتے کہ اگر گھاس پات پر رُوح شبنم کی طرح پڑتی ہے تو اگر فرض کر لیں کہ وہ رُوح اس گھاس پات میں ایک کیڑے کی طرح پیدا ہو جاتی ہے لیکن پکانے کے بعد وہ کیڑا مر جاتا ہے اور پھر اگر وہ ساگ دو چار دن رکھا جائے اور سڑ جائے اور اُس میں کیڑے پڑ جائیں تو وہ کیڑے کس شبنم سے آتے ہیں اور کیا اُس گندے ساگ کے کھانے سے جس میں ہزارہا کیڑے ہیں اتنے ہی بچے پیدا ہو جائیں گے۔ افسوس!!! دنیا میں خدا ایک دانہ سے صدہا دانے پیدا کر دیتا ہے پھر بھی وید کہتا ہے کہ نیستی سے ہستی نہیں ہوتی اسے نادان! اگر یہ نیستی سے ہستی نہیں تو تم بھی ایسا کر کے دکھلاؤ۔

پھر مضمون پڑھنے والے نے بیان کیا کہ قرآن میں لکھا ہے کہ عورتیں کھیتوں کی مانند صرف شہوت رانی کا ذریعہ ہیں۔ اب دیکھنا چاہیئے کہ یہ ناپاک طبع ہندو افترا میں کہاں تک بڑھتا جاتا ہے اور کیسے اپنی طرف سے الفاظ تراش کر قرآن شریف کی طرف منسوب کرتا ہے ایسے مفتری کے مقابل پر بجز اس کے ہم کیا کہہ سکتے ہیں کہ لعنۃ اللّٰہ علی الکاذبین۔ قرآن شریف میں صرف یہ آیت ہے:۔ نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّىٰ شِئْتُمْ[1]۔ یعنی تمہاری عورتیں تمہاری اولاد پیدا ہونے کے لئے ایک کھیتی ہیں۔ پس تم اپنی کھیتی کی طرف جس طور سے چاہو آؤ۔ صرف کھیتی ہونے کا لحاظ رکھو یعنی اس طور سے صحبت نہ کرو جو اولاد کی مانع ہو۔ بعض آدمی اسلام کے اوائل زمانہ میں صحبت کے وقت انزال کرنے سے پرہیز کرتے تھے اور باہر انزال کر دیتے تھے۔ اس آیت میں خدا نے اُن کو منع فرمایا اور عورتوں کا نام کھیتی رکھا یعنی ایسی زمین جس میں ہر قسم کا اناج اُگتا ہے۔ پس اس آیت میں ظاہر فرمایا کہ چونکہ عورت درحقیقت کھیتی کی مانند ہے جس سے اناج کی طرح اولاد پیدا ہوتی ہے سو یہ جائز نہیں کہ اُس کھیتی کو اولاد پیدا ہونے سے روکا جاوے۔ ہاں اگر عورت بیمار ہو اور یقین ہو کہ حمل ہونے سے اُس کی موت کا خطرہ ہوگا ایسا ہی صحت نیت سے کوئی اور مانع ہو تو یہ صورتیں مستثنیٰ ہیں ورنہ عند الشرع ہرگز جائز نہیں کہ اولاد ہونے سے روکا جائے۔

[1] البقرۃ : ۲۲۴

ص ۲۷۹

غرض جب کہ خدا تعالیٰ نے عورت کا نام کھیتی رکھا تو ہر ایک عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ اسی واسطے اُس کا نام کھیتی رکھا کہ اولاد پیدا ہونے کی جگہ اُس کو قرار دیا اور نکاح کے اغراض میں سے ایک یہ بھی غرض رکھی کہ تا اس نکاح سے خدا کے بندے پیدا ہوں جو اُس کو یاد کریں۔ دُوسری غرض اللہ تعالیٰ نے یہ بھی قرار دی ہے کہ تا مرد اپنی بیوی کے ذریعہ اور بیوی اپنے خاوند کے ذریعہ سے بدنظری اور بدعملی سے محفوظ رہے۔ تیسری غرض یہ بھی قرار دی ہے کہ تا باہم اُنس ہو کر تنہائی کے رنج سے محفوظ رہیں۔ یہ سب آیتیں قرآن شریف میں موجود ہیں ہم کہاں تک کتاب کو طول دیتے جائیں۔

صفحہ ۲۸۰

پھر مضمون پڑھنے والے نے بیان کیا کہ خدا نے شیطان کو کیوں بنایا اُس کو سزا کیوں نہ دی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات ہر ایک کو ماننی پڑتی ہے کہ ہر ایک انسان کے لئے دو جاذب موجود ہیں یعنی کھینچنے والے۔ ایک جاذب خیر ہے جو نیکی کی طرف اُس کو کھینچتا ہے۔ دُوسرا جاذب شر ہے جو بدی کی طرف کھینچتا ہے جیسا کہ یہ امر مشہود و محسوس ہے کہ بسا اوقات انسان کے دل میں بدی کے خیالات پڑتے ہیں اور اُس وقت وہ ایسا بدی کی طرف مائل ہوتا ہے کہ گویا اُس کو کوئی بدی کی طرف کھینچ رہا ہے۔ اور پھر بعض اوقات نیکی کے خیالات اس کے دل میں پڑتے ہیں اور اُس وقت وہ ایسا نیکی کی طرف مائل ہوتا ہے کہ گویا کوئی اُس کو نیکی کی طرف کھینچ رہا ہے۔ اور بسا اوقات ایک شخص بدی کر کے پھر نیکی کی طرف مائل ہوتا ہے اور نہایت شرمندہ ہوتا ہے کہ میں نے بُرا کام کیوں کیا اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص کسی کو گالیاں دیتا اور مارتا ہے اور پھر نادم ہوتا ہے اور دل میں کہتا ہے کہ یہ کام میں نے بہت ہی بے جا کیا اور اُس سے کوئی نیک سلوک کرتا ہے یا معافی چاہتا ہے سو یہ دونوں قسم کی قوتیں ہر ایک انسان میں پائی جاتی ہیں اور شریعت اسلام نے نیکی کی قوت کا نام لمّۂ ملک رکھا ہے اور بدی کی قوت کو...... لمّۂ شیطان سے موسوم کیا ہے۔ فلسفی لوگ تو صرف اس حد تک ہی قائل ہیں کہ یہ دونوں قوتیں ہر ایک انسان میں ضرور موجود ہیں مگر خدا کے وجود اور الہام

اسرار ظاہر کرتا ہے اور عمیق اور پوشیدہ باتوں کی خبر دیتا ہے اُس نے ان دونوں قوتوں کو مخلوق قرار دیا ہے جو نیکی کا القاء کرتا ہے اُس کا نام فرشتہ اور رُوح القدس رکھا ہے اور جو بدی کا القاء کرتا ہے اُس کا نام شیطان اور ابلیس قرار دیا ہے مگر قدیم عقلمندوں اور فلاسفروں نے مان لیا ہے* کہ القاء کا مسئلہ بیہودہ اور لغو نہیں ہے۔ بے شک انسان کے دل میں دو قسم کے القاء ہوتے ہیں۔ نیکی کا القاء اور بدی کا القاء۔ اب ظاہر ہے کہ یہ دونوں القاء انسان کی پیدائش کا جزو نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ وہ باہم متضاد ہیں اور نیز انسان اُن پر اختیار نہیں رکھتا اس لئے ثابت ہوتا ہے کہ یہ دونوں القاء باہر سے آتے ہیں اور انسان کی تکمیل اُن پر موقوف ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ ان دونوں قسم کے وجود یعنی فرشتہ اور شیطان کو ہندوؤں کی کتابیں بھی مانتی ہیں اور گبر بھی اس کے قائل ہیں۔ بلکہ جس قدر خدا کی طرف سے دُنیا میں کتابیں آئی ہیں سب میں ان دونوں وجودوں کا اقرار ہے۔ پھر اعتراض کرنا محض جہالت اور تعصب ہے اور جواب میں اس قدر لکھنا بھی ضروری ہے کہ جو شخص بدی اور شرارت سے باز نہیں آتا وہ خود شیطان بن جاتا ہے جیسا کہ ایک جگہ خدا نے فرمایا ہے کہ انسان بھی شیطان بن جایا کرتے ہیں۔ اور یہ کہ خدا اُن کو کیوں سزا نہیں دیتا اس کا جواب یہی ہے کہ شیطانوں کو سزا دینے کے لئے قرآن شریف میں وعدہ کا دن مقرر ہے پس اس وعدہ کے دن کے منتظر رہنا چاہئے کئی شیطان خدا کے ہاتھ سے سزا پا چکے اور کئی پائیں گے۔

صفحہ ۲۸۱

* حاشیہ۔ یہ دونوں قوتیں جو ہر ایک انسان میں موجود ہیں خواہ تم اُن کو یا دو قوتیں کہو اور یا رُوح القدس اور شیطان نام رکھو مگر بہرحال تم ان دونوں حالتوں کے وجود سے انکار نہیں کر سکتے اور اُن کے پیدا کرنے سے غرض یہ ہے کہ تا انسان اپنے نیک اعمال سے اجر پانے کا مستحق ٹھہر سکے کیونکہ اگر انسان کی فطرت ایسی واقع ہوتی کہ وہ بہرحال نیک کام کرنے کے لئے مجبور ہوتا اور بدکام کرنے سے طبعاً متنفر ہوتا تو پھر اس حالت میں نیک کام کا ایک ذرہ بھی اُس کو ثواب نہ ہوتا کیونکہ وہ اس کی فطرت کا خاصہ ہوتا۔ لیکن اس حالت میں کہ اُس کی فطرت دو کششوں کے درمیان ہے اور وہ نیکی کی کشش کی اطاعت کرتا ہے اس کو اس عمل کا ثواب مل جاتا ہے۔ منہ

صفحہ ۲۸۰

پھر مضمون پڑھنے والے نے یہ اعتراض پیش کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پوتر نہیں تھی یعنی پاک نہیں تھی اور حیلہ اور مکر اور فریب سے عار نہ تھی۔ اور حیوانی خواہشات کی طرف بہت مائل تھے۔ ہم قبل اس کے جو اس بہتان کا جواب دیں اس قدر کہنا ضروری سمجھتے ہیں کہ لعنۃ اللّٰہ علی الکاذبین۔ یہ شخص بدزبانی میں لیکھرام سے بھی کچھ بڑھا ہوا معلوم ہوتا ہے جس نے ہماری جماعت کے معزز آدمیوں کو جو چار سَو کے قریب تھے اپنی بدزبانی سے دُکھ دیا۔ یہ دراصل تمام آریوں کی شرارت ہے جنہوں نے مکر اور فریب کی راہ سے یہ دعویٰ کر کے کہ تہذیب سے مضمون سُنائے جائیں گے پھر اپنے اقرار کے مخالف ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس شخص کے مُنہ سے وہ گالیاں دلوائیں جن کے تصوّر سے بدن کانپتا ہے۔ سادہ طبع مسلمان ان منافق آریوں کے دھوکہ میں آکر اُس جلسہ میں حاضر ہُوئے اور اس سفر میں ہزارہا روپیہ کا خرچ اُٹھایا اور پھر ہر ایک نے فی کس چار آنہ کے حساب سے جلسہ میں داخل ہونے کے لئے آریوں کو فیس دی آخر کار ایسی سخت گالیاں سُن کر آئے کہ اگر کوئی وحشی قوم ہوتی تو اس جگہ خُون کی ندیاں بہ جاتیں۔ اِس سے بڑھ کر اور کونسی گالی ہوگی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو ناپاک زندگی قرار دیا اور نعوذ باللہ آپ کو مکّار اور فریبی اور نفسانی شہوات .... کی طرف مائل ٹھیرایا۔

اب مذکورہ بالا اعتراض کا جواب یہ ہے کہ پوتر یعنی پاک ہونا یا ناپاک ہونا یہ ایک پوشیدہ امر ہے اور بجز خدا کی گواہی کے کسی کی نسبت ہم نہیں کہہ سکتے کہ وہ پاک ہے کیونکہ کسی انسان کے اندرونی حالات کا بجز خدا کے کسی شخص کو علم نہیں وہ خُدا کا ہی علم ہے جو پاک اور پلید میں فرق کر کے دکھلاتا ہے۔ بہت لوگ ایسے دیکھے گئے ہیں کہ بڑی بڑی لمبی مالا اُن کے ہاتھ میں ہوتی ہے اور سر سے پاؤں تک بھگوے کپڑے ہوتے ہیں اور کسی تالاب پر آنکھیں بند کر کے بیٹھے رہتے ہیں مگر اول درجہ کے بدمعاش اور خبیث اور چنڈال ہوتے ہیں لیکن خدا کے نبیوں کی زندگی سادہ ہوتی ہے وہ اس نیّت سے کوئی کام نہیں کرتے کہ انکو

ص۲۸۲

بزرگ سمجھا جائے۔ وہ خاص طور پر کوئی رنگ دار کپڑہ نہیں پہنتے۔ کوئی مالا اپنے ہاتھ میں نہیں رکھتے اور کوئی ایسی خاص وضع نہیں بناتے جس سے یہ مقصود ہو کہ لوگ اُن کو بزرگ سمجھیں اور نہ اُن کو اِس بات کی کچھ پروا ہوتی ہے کہ لوگ اُن کو خدا رسیدہ خیال کریں بلکہ وہ دُنیا کے لوگوں کو ایک مرے ہوئے کیڑے کی طرح بھی تصور نہیں کرتے خدا کی محبت اُن کے دلوں پر ایسا کام کرتی ہے کہ اُن کے دل خدا کی عظمت قبول کرنے کے بعد کسی کی پروا نہیں رکھتے سب پر رحم کرتے ہیں مگر اس طور پر کسی کی عظمت نہیں مانتے کہ بعد خدا کے وہ بھی کچھ چیز ہے اور وہ نہیں چاہتے کہ اپنے تئیں لوگوں پر ظاہر کریں اور اپنی اندرونی پاکیزگی لوگوں کو دکھاویں۔ بلکہ وہ انگشت نما ہونے سے کراہت کرتے ہیں۔ اُن کی فطرت ہی ایسی واقع ہوتی ہے کہ وہ شہرت سے ہزار کوس دُور بھاگتے ہیں اور گمنام رہنا چاہتے ہیں مگر وہ خدا جو اُن کے دلوں کو دیکھتا ہے اور اُن کو اِس کام کے لئے لائق سمجھتا ہے کہ وہ اپنے گوشوں اور حجروں سے باہر نکلیں اور خُدا کے بندوں کو سیدھی راہ کی دعوت کریں وہ جبراً اُن کو خلوت سے جلوت کی طرف لے آتا ہے اور زمین پر اپنے قائم مقام بنا کر اُن کے ذریعہ سے دلوں کو سچائی کی طرف کھینچتا ہے اور اُن کے لئے بڑے بڑے نشان دکھاتا ہے اور دُنیا پر اُن کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے اُن کی تائید میں وہ قدرت کے نمونے ظاہر کرتا ہے کہ آخر ہر ایک عقلمند کو ماننا پڑتا ہے کہ وہ خُدا کی طرف سے ہیں اور چونکہ وہ زمین پر خُدا کے قائم مقام ہوتے ہیں اس لئے ہر ایک مناسب وقت پر خُدا کی صفات اُن سے ظاہر ہوتی ہیں اور کوئی امر اُن سے ایسا ظاہر نہیں ہوتا کہ وہ خدا کی صفات کے برخلاف ہو۔ بیشک یہ سچ بات ہے کہ جیسا کہ خدا حلیم و کریم ہے ایسا ہی حلم و کرم اُن سے بھی ظاہر ہوتا ہے اور جیسا کہ خدا قہار اور منتقم ہے۔ ایسا ہی جس وقت زمین پاپ اور گناہ سے بھر جاتی ہے تو خدا اُن کے ذریعہ سے بھی زمین والوں کو سزا دیتا ہے اور ہر ایک نرمی اور سختی جو خدا خود بخود دکھلاتا رہتا ہے اُن کے ذریعہ سے بھی کرتا ہے کیونکہ وہ زمین پر خدا کے جانشین کی طرح ہوتے ہیں پس اگر ایسے کاموں سے خدا پر اعتراض نہیں ہو

۲۸۳

سکتا تو اسی طرح اُن پر بھی کچھ اعتراض نہیں ہو سکتا۔ *

غرض خدا کے نبیوں اور رسُولوں کی نسبت کسی کو جائز نہیں اور نہ کسی کا حق ہے کہ وہ محض اپنی محدود عقل کی رُو سے فیصلہ کرے کہ وہ پاک ہیں یا پلید ہیں بلکہ جس کے قرب اور تعلق کے وہ مدعی ہیں اور جس کے فرستادہ وہ اپنے تئیں خیال کرتے ہیں اُسی کا یہ حق ہے کہ اگر وہ درحقیقت اُسی کی طرف سے ہیں تو اپنی خاص تائیدوں اور خاص فضلوں اور خاص نصرتوں سے دنیا پر یہ ظاہر کر دے کہ وہ اُس کے برگزیدہ بندے ہیں اور جب خُدا کی زبردست نصرتوں اور فوق العادت نشانوں سے اُن کا برگزیدہ ہونا ثابت ہو جائے تو پھر سراسر خباثت اور بے ایمانی اور کمینگی ہوگی کہ ادنیٰ ادنیٰ نکتہ چینیوں سے اُن کی عزت اور مرتبہ پر حملہ کیا جائے کمینہ آدمی جیسا کہ اپنے اندر کمینگی رکھتا ہے ایسا ہی اس کے اعتراض بھی کمینگی پر مبنی ہوتے ہیں اس کو خبر نہیں ہوتی کہ کس حالت اور کن تعلقات کے ساتھ کوئی شخص خدا کا برگزیدہ بن جاتا ہے۔ کمینہ طبع آدمی کے ہاتھ میں صرف بدظنی کے طور پر چند اعتراض ہوتے ہیں مثلاً یہ کہ فلاں شخص کیونکر خدا کا نبی ہو سکتا ہے کیونکہ وہ ایک سے زیادہ بیویاں رکھتا ہے ** مگر وہ نادان نہیں جانتا کہ اس میں کیا حرج ہے بلکہ کثرتِ ازدواج کثرتِ اولاد کا موجب ہے جو ایک برکت ہے۔ اگر ایک عورت کا سو خاوند ہو تو اُس کو سو لڑکا پیدا نہیں ہو سکتا۔ لیکن اگر سَو عورت کا ایک خاوند ہو تو سو لڑکا پیدا ہونا کچھ بعید نہیں ہے پس جس طریق سے انسان کی نسل پھیلتی ہے اور خدا کے بندوں کی تعداد بڑھتی اس طریق کو کیوں بُرا کہا جاتا ہے؟

صفحہ ۲۷۷

* حاشیہ۔ خدا تعالیٰ اپنے خاص اور پیارے لوگوں کو اجنبی لوگوں کی آنکھ سے پوشیدہ رکھنے کے لئے بعض حالات ان کے اس طور سے ظاہر کرتا ہے کہ وہ ایک متعصب نادان کی نظر میں قابل اعتراض ہوتے ہیں تا غیر اُن سے دُور رہے۔ منہ

** حاشیہ۔ جیسا کہ عرب کے کفار کا ایک یہ اعتراض خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں لکھا ہے کہ یَاْکُلُ الطَّعَامَ وَ یَمْشِیْ فِی الْاَسْوَاقِ[1] یعنی یہ تو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں پھرتا ہے۔ اُن کے نزدیک روٹی کھانا یا عمدہ کھانا استعمال کرنا شانِ نبوت کے برخلاف تھا اور نیز یہ اعتراض تھا کہ نبی کو گوشہ گزین ہونا چاہئے نہ یہ کہ بازاروں میں بھی پھرے۔ منہ

[1] الفرقان: ۸

اگر کہو کہ یہ اعتدال کے برخلاف ہے تو یہ خیال باطل ہے کیونکہ جب کہ خُدا نے ایک کو مرد بنایا اور زیادہ بچہ پیدا کرانے کا اُس میں مادہ رکھا اور عورت کی نسبت اس کو بہت زبردست قوتیں دیں تو اس صورت میں اعتدال کو تو خدا نے اپنے ہاتھ سے توڑ دیا جن کو خدا نے برابر نہیں کیا وہ کیونکر برابر ہو جائیں اُن کو برابر سمجھنا صریح حماقت ہے۔ ماسوا اس کے ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ تعدّد ازدواج میں کسی عورت پر ظلم نہیں۔ مثلاً اگر کسی شخص کی پہلی بیوی موجود ہے تو اب دوسری عورت جو اس سے شادی کرنا چاہتی ہے وہ کیوں ایسے شخص سے شادی کرتی ہے جو پہلے بھی ایک بیوی رکھتا ہے ظاہر ہے کہ وہ تو تبھی شادی کرے گی کہ جب تعدّد ازدواج پر راضی ہو جائے گی۔ پھر جب میاں بیوی راضی ہو گئے تو پھر دوسرے کو اعتراض کا حق نہیں پہنچتا جب حق دار نے اپنا حق چھوڑ دیا تو پھر دوسرے کا اعتراض محض جھک مارنا ہے اور اگر پہلی بیوی ہے تو وہ خوب جانتی ہے کہ اسلام میں دوسری بیوی کر سکتے ہیں تو وہ کیوں نکاح کے وقت میں یہ شرط نہیں کر لیتی کہ اُس کا خاوند دوسری بیوی نہ کرے اس صورت میں وہ بھی اپنی خاموشی سے اپنا حق چھوڑتی ہے اور یہ بھی یاد رہے کہ کثرتِ ازدواج خدا کے تعلق کی کچھ حارج نہیں اگر کسی کی دس ہزار بیوی بھی ہو تو اگر اُس کا خدا سے پاک اور مستحکم تعلق ہے تو دس ہزار بیوی سے اُس کا کچھ بھی حرج نہیں بلکہ اس سے اُس کا کمال ثابت ہوتا ہے کہ ان تمام تعلقات کے ساتھ وہ ایسا ہے کہ گویا اُس کو کسی کے ساتھ بھی تعلق نہیں۔ اگر ایک گھوڑا بوجھ کی حالت میں کچھ چل نہیں سکتا مگر بغیر سواری اور بوجھ خوب چال نکالتا ہے تو وہ گھوڑا کس کام کا ہے؟ اسی طرح بہادر وہی لوگ ہیں جو تعلقات کے ساتھ ایسے ہیں کہ گویا بے تعلق ہیں۔ پاک آدمیوں کی شہوات کو ناپاکوں کی شہوات پر قیاس نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ ناپاک لوگ شہوات کے اسیر ہوتے ہیں مگر پاکوں میں خدا اپنی حکمت اور مصلحت سے آپ شہوات پیدا کر دیتا ہے اور صرف صورت کا اشتراک ہے جیسا کہ مثلاً قیدی بھی جیل خانہ میں رہتے ہیں اور داروغہ جیل بھی۔ مگر دونوں کی حالت میں فرق ہے۔ دراصل ایک انسان کا خُدا سے

۲۸۵

کامل تعلق تبھی ثابت ہوتا ہے کہ بظاہر بہت سے تعلقات میں وہ گرفتار ہو۔ بیویاں ہوں اولاد ہو تجارت ہو زراعت ہو اور کئی قسم کے اُس پر بوجھ پڑے ہوئے ہوں اور پھر وہ ایسا ہو کہ گویا خدا کے سوا کسی کے ساتھ بھی اُس کا تعلق نہیں۔ یہی کامل انسانوں کے علامات ہیں۔ مگر ایک شخص ایک بَن میں بیٹھا ہے نہ اُس کی کوئی جورو ہے نہ اولاد ہے نہ دوست ہیں اور نہ کوئی بوجھ کسی قسم کے تعلق کا اُس کے دامن گیر ہے تو ہم کیونکر سمجھ سکتے ہیں کہ اس نے تمام اہل و عیال اور ملکیت اور مال پر خدا کو مقدم کر لیا ہے اور بے امتحان ہم اُس کے کیونکر قائل ہو سکتے ہیں اگر ہمارے سیّد و مولیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیویاں نہ کرتے تو ہمیں کیونکر سمجھ آ سکتا کہ خدا کی راہ میں جاں فشانی کے موقع پر آپ ایسے بے تعلق تھے کہ گویا آپ کی کوئی بھی بیوی نہیں تھی مگر آپ نے بہت سی بیویاں اپنے نکاح میں لا کر صدہا امتحانوں کے موقعہ پر یہ ثابت کر دیا کہ آپ کو جسمانی لذات سے کچھ بھی غرض نہیں اور آپ کی ایسی مجرّدانہ زندگی ہے کہ کوئی چیز آپ کو خدا سے روک نہیں سکتی۔ تاریخ داں لوگ جانتے ہیں کہ آپ کے گھر میں گیارہ لڑکے پیدا ہوئے تھے اور سب کے سب فوت ہو گئے تھے اور آپ نے ہر ایک لڑکے کی وفات کے وقت یہی کہا کہ مجھے اس سے کچھ تعلق نہیں میں خُدا کا ہوں اور خدا کی طرف جاؤں گا۔ ہر ایک دفعہ اولاد کے مرنے میں جو لختِ جگر ہوتے ہیں یہی مُنہ سے نکلتا تھا کہ اے خُدا ہر ایک چیز پر میں تجھے مقدّم رکھتا ہوں مجھے اس اولاد سے کچھ تعلق نہیں کیا اس سے ثابت نہیں ہوتا کہ آپ بالکل دُنیا کی خواہشوں اور شہوات سے بے تعلق تھے اور خُدا کی راہ میں ہر ایک وقت اپنی جان ہتھیلی پر رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک جنگ کے موقعہ پر آپ کی اُنگلی پر تلوار لگی اور خُون جاری ہو گیا۔ تب آپ نے اپنی انگلی کو مخاطب کر کے کہا کہ اے انگلی تو کیا چیز ہے صرف ایک انگلی ہے جو خدا کی راہ میں زخمی ہو گئی۔

ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ کے گھر میں گئے اور دیکھا کہ گھر میں کچھ اسباب نہیں اور آپ ایک چٹائی پر لیٹے ہوئے ہیں اور چٹائی کے نشان پیٹھ پر لگے ہیں تب عمرؓ کو یہ

۲۸۶

حال دیکھ کر رونا آیا۔ آپ نے فرمایا کہ اے عمرؓ تو کیوں روتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کی کہ آپکی تکالیف کو دیکھ کر مجھے رونا آگیا۔ قیصر اور کسریٰ جو کافر ہیں آرام کی زندگی بسر کر رہے اور آپ ان تکالیف میں بسر کرتے ہیں۔ تب آنجنابؐ نے فرمایا کہ مجھے اس دُنیا سے کیا کام؟ میری مثال اس سوار کی ہے کہ جو شدّتِ گرمی کے وقت ایک اونٹنی پر جا رہا ہے اور جب دوپہر کی شدت نے اُس کو سخت تکلیف دی تو وہ اسی سواری کی حالت میں دم لینے کے لئے ایک درخت کے سایہ کے نیچے ٹھیر گیا اور پھر چند منٹ کے بعد اسی گرمی میں اپنی راہ لی۔ اور آپ کی بیویاں بھی بجز حضرت عائشہ کے سب سن رسیدہ تھیں بعض کی عمر ساٹھ برس تک پہنچ چکی تھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا تعدّد ازواج سے یہی اہم اور مُقدّم مقصود تھا کہ عورتوں میں مقاصدِ دین شائع کئے جائیں اور اپنی صحبت میں رکھ کر علم دین اُن کو سکھایا جائے تا وہ دُوسری عورتوں کو اپنے نمونہ اور تعلیم سے ہدایت دے سکیں۔ یہ آپ ہی کی سُنّت مُسلمانوں میں اب تک جاری ہے کہ کسی عزیز کی موت کے وقت کہا جاتا ہے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ[1] یعنی ہم خدا کے ہیں اور خدا کا مال ہیں اور اُسی کی طرف ہمارا رجوع ہے۔ سب سے پہلے یہ صدق و وفا کے کلمے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مُنہ سے نکلے تھے پھر دوسروں کے لئے اس نمونہ پر چلنے کا حکم ہو گیا۔ اگر آنجناب بیویاں نہ کرتے اور لڑکے پیدا نہ ہوتے تو ہمیں کیونکر معلوم ہوتا کہ آپ خدا کی راہ میں اس قدر فدا شدہ ہیں کہ اولاد کو خدا کے مقابل پر کچھ بھی چیز نہیں سمجھتے۔

۲۸۷

اب تم مقابلہ کرو کہ ایک طرف تو وہ آریہ ہیں کہ جو اولاد حاصل کرنے کے لالچ سے اپنی بیویوں سے نیوگ کراتے ہیں جو سراسر حرامکاری ہے اور ایک طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو ہر ایک فرزند عزیز کے مرنے پر یہ کہتے ہیں کہ مجھے کسی سے تعلق نہیں مجھے خُدا تعالیٰ سے تعلق ہے۔ پس یہ پوشیدہ تعلق بجُز ان امتحانوں کے کیونکر ثابت ہو سکتا تھا؟ اسی بناء پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ

[1] البقرۃ : ۱۵۷

اَلْعَالَمِیْنَ[1]۔ یعنی اے نبی لوگوں کو کہدے کہ میں صرف خدا کا پرستار ہوں دوسری کسی چیز سے میرا تعلق نہیں اور میرا زندہ رہنا اور میرا مرنا صرف اُس خُدا کیلئے ہے جو تمام عالموں کا پروردگار ہے۔ دیکھو اس آیت میں کیسی ماسوی اللہ سے بے تعلقی ظاہر کی گئی ہے ؎

چناں زندگی کن کہ با صد عیال ندارى بدل غیر آں ذوالجلال

افسوس ہمارے مخالفوں کو انہی باتوں نے ہلاک کیا ہے کہ وہ خوبیوں پر نظر نہیں ڈالتے اور ہر ایک امر جو اُن کو اپنی نادانی سے سمجھ نہیں آتا اُس کو اعتراض کی صورت میں پیش کرتے ہیں وہ اس بات پر غور نہیں کرتے کہ انسان کن اعمال سے خدا کا پیارا بن جاتا ہے کیا خدا تک پہنچنے کے لئے یہی راہ ہے کہ کوئی شخص بیوی نہ کرے اگر یہی بات ہے تو یہ نسخہ بہت سہل ہے اور اس سے لازم آتا ہے کہ جن کو بیوی میسّر نہیں آتی یا ان امور پر قادر نہیں ہو سکتے وہ سب خدا کے ولی اور دوست سمجھے جائیں۔ نہیں بلکہ وہ راہ بہت دُور ہے اور وہ مقام اُنہیں کو میسّر آتا ہے جو خدا کی راہ میں کھوئے جاتے ہیں اور صدق اور وفا کے مرحلہ کو اس منزل تک طے کر لیتے ہیں جو سچ مچ اور درحقیقت خدا کے لئے اپنے وجود سے مر ہی جاتے ہیں اُن کو خدا سے کوئی چیز نہیں روکتی۔ نہ وہ بیویاں جو اُن کی پیاری اور عزیز ہوتی ہیں اور نہ وہ اولاد جو اُن کے جگر گوشہ کہلاتے ہیں عجیب قسم کے یہ پاک دل لوگ ہیں جو باوجود ہزارہا تعلقات کے پھر بھی کسی سے تعلق نہیں رکھتے۔ وہ ایسے ماسوی اللہ سے بے تعلق ہوتے ہیں کہ اگر اُن کی ہزار ہا بیوی ہو اور ہزار لڑکا ہو پھر بھی ہم قسم کھا کر کہہ سکتے ہیں کہ اُن کی ایک بھی بیوی نہیں اور نہ اُن کا کوئی لڑکا ہے اُن کو یہ اندھی دُنیا نہیں جانتی کہ وہ کس مقام پر ہیں اور کون اُن کو جانتا ہے مگر وُہی جس نے اُن کو یہ پاک فطرت عطا کی ہے یا وہ جس کو اُس کی طرف سے آنکھیں دی جائیں۔ دُنیا میں کروڑہا ایسے پاک فطرت گذرے ہیں اور آگے بھی ہوں گے لیکن ہم نے سب سے بہتر اور سب سے اعلیٰ اور سب سے خُوب تر اس مردِ خُدا کو پایا ہے جس کا نام ہے محمد صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

۲۸۹

[1] الانعام: ۱۶۳

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَٰئِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا[1]
ان قوموں کے بزرگوں کا ذکر تو جانے دو جن کا حال قرآن شریف میں تفصیل سے بیان نہیں کیا گیا صرف ہم اُن نبیوں کی نسبت اپنی رائے ظاہر کرتے ہیں جن کا ذکر قرآن شریف میں ہے۔ جیسے حضرت موسیٰ حضرت داؤد حضرت عیسیٰ علیہم السلام اور دوسرے انبیاء سو ہم خدا کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں نہ آتے اور قرآن شریف نازل نہ ہوتا اور وہ برکات ہم بچشم خود نہ دیکھتے جو ہم نے دیکھ لئے تو ان تمام گذشتہ انبیاء کا صدق ہم پر مشتبہ رہ جاتا کیونکہ صرف قصوں سے کوئی حقیقت حاصل نہیں ہو سکتی اور ممکن ہے کہ وہ قصے صحیح نہ ہوں اور ممکن ہے کہ وہ تمام معجزات جو اُن کی طرف منسوب کئے گئے ہیں وہ سب مبالغات ہوں کیونکہ اب ان کا نام و نشان نہیں بلکہ ان گذشتہ کتابوں سے تو خدا کا پتہ بھی نہیں لگتا اور یقیناً سمجھ نہیں سکتے کہ خدا بھی انسان سے ہمکلام ہوتا ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے یہ سب قصے حقیقت کے رنگ میں آگئے۔ اب ہم نہ قال کے طور پر بلکہ حال کے طور پر اس بات کو خوب سمجھتے ہیں کہ مکالمہ الٰہیہ کیا چیز ہوتا ہے اور خدا کے نشان کس طرح ظاہر ہوتے ہیں اور کس طرح دعائیں قبول ہو جاتی ہیں اور یہ سب کچھ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے پایا اور جو کچھ قصوں کے طور پر غیر قومیں بیان کرتی ہیں وہ سب کچھ ہم نے دیکھ لیا۔ پس ہم نے ایک ایسے نبی کا دامن پکڑا ہے جو خدا نما ہے کسی نے یہ شعر بہت ہی اچھا کہا ہے ؎

محمدِ عربی بادشاہِ ہر دوسرا کرے ہے روح قدس جس کے در کی دربانی
اُسے خدا تو نہیں کہہ سکوں پہ کہتا ہوں کہ اُس کی مرتبہ دانی میں ہے خدا دانی

ہم کس زبان سے خدا کا شکر کریں جس نے ایسے نبی کی پیروی ہمیں نصیب کی جو سعیدوں کی ارواح کے لئے آفتاب ہے جیسے اجسام کے لئے سورج۔ وہ اندھیرے کے وقت ظاہر ہوا اور دُنیا کو اپنی روشنی سے روشن کر دیا وہ نہ تھکا نہ ماندہ ہوا جب تک کہ عرب کے

ص۲۸۹

[1] الاحزاب : ۵۷

تمام حصہ کو شرک سے پاک نہ کر دیا۔ وہ اپنی سچائی کی آپ دلیل ہے کیونکہ اُس کا نور ہر ایک زمانہ میں موجود ہے اور اس کی سچی پیروی انسان کو یوں پاک کرتی ہے کہ جیسا ایک صاف اور شفاف دریا کا پانی میلے کپڑے کو۔ کون صدق دل سے ہمارے پاس آیا جس نے اس نور کا مشاہدہ نہ کیا اور کس نے صحت نیت سے اس دروازہ کو کھٹکھٹایا جو اُس کے لئے کھولا نہ گیا لیکن افسوس! کہ اکثر انسانوں کی یہی عادت ہے کہ وہ سفلی زندگی کو پسند کر لیتے ہیں اور نہیں چاہتے کہ نور اُن کے اندر داخل ہو۔ ایسا ہی اس سفلہ پن کی عادت نے بعض آریوں کو کھالیا ہے وہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑائیوں میں مکر اور فریب سے کام لیا مگر وہ اپنے تعصب کی وجہ سے نہیں جانتے کہ جب دشمن لڑائی کے وقت میں مکر اور فریب استعمال میں لاتا ہے تو مکر کے ساتھ ہی اس کا جواب دینا کیوں حرام ہے۔ مکر اور فریب بجائے خود کوئی بُری چیز نہیں ہے بلکہ اس کی بد استعمالی بُری ہے۔ جو امر صحت نیت سے سچائی کی مدد میں اور مظلوموں کی امداد کی غرض سے کیا جاتا ہے وہ گناہ میں داخل نہیں ہے۔ خدا شریر مکّار کو مکر کے ذریعہ سے ہی سزا دیتا ہے اور خدا ہمیشہ راستباز آدمی کا حامی ہوتا ہے اور خبیث اور چنڈال آدمی کو آخر کو وہ پکڑتا ہے اسی طرح وہ اپنے پاک نبیوں کی مدد کرتا آیا ہے۔ چنانچہ آریوں کو بھی اُس نے اپنی اس مدد کے نمونے دکھائے ہیں اور ہیبت ناک نشانوں کے ساتھ اُن کو دکھلا دیا ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن کا دشمن ہے منجملہ اُن نشانوں کے لیکھرام کی موت بھی ایک بڑا نمونہ ہے۔ یہ شخص محض ایک نادان تھا جس نے خواہ نخواہ خدا کے پاک نبی کو گالیاں دینا اپنا شیوہ اختیار کر لیا تھا میں نے بہت سمجھایا مگر وہ باز نہ آیا اور مجھ سے اُس نے نشان مانگا تب خدا نے اُس کے چھ سال کے اندر قتل کئے جانے کا اُس کو بطور پیشگوئی نشان دیا۔ اُس نے میرے ساتھ مباہلہ بھی کیا اور اپنی کتاب خبط احمدیہ میں دانت پیس پیس کر یہ دعا مانگی کہ ایک طرف یہ شخص ہے جو قرآن کو خدا کا کلام جانتا ہے اور ایک طرف میں ہوں جو وید کو سچا جانتا ہوں اور قرآن کا

مکذّب ہوں۔ پس اے الیشور ہم دونوں میں سچا فیصلہ کر یعنی وہ جو جھوٹا ہے اُس کو جھوٹ کی سزا دے۔ پس خدائے عادل نے یہ فیصلہ کیا کہ اُس کو میری زندگی میں ہی بُری طرح ہلاک کر دیا۔ مگر اس فیصلہ سے آریہ قوم نے کچھ بھی فائدہ نہیں اٹھایا حالانکہ جھوٹ اور سچ کے پرکھنے کے لئے یہی نشان کافی تھا۔ اگر آریہ مذہب سچا تھا تو یہ کیا بلا نازل ہوئی جو خُدا نے جھوٹے کے حق میں فیصلہ کر دیا۔ اس جگہ صرف پیشگوئی نہیں تھی بلکہ باہمی مباہلہ بھی تھا اور پانچ برس سے لوگوں کی آنکھیں اس طرف لگی ہوئی تھیں کہ کس کے حق میں فیصلہ ہوتا ہے آخر ۶ مارچ ۱۸۹۷ء کے مبارک دن میں قریباً دن کے چار بجے کے وقت خدا نے یہ فیصلہ سُنا دیا۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کے لئے یہ خُدا کی گواہی ہے۔ وہ دل لعنتی ہے جو خدا کی گواہی سے بھی تسلی نہیں پکڑتا۔

اب ہم مضمون پڑھنے والے کے تمام اعتراضات کا جواب دے چکے ہیں اور ثابت کر چکے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن شریف پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا ہاں وید پر ایسے اعتراضات وارد ہوتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ موجودہ وید گمراہ کرنے والی کتاب ہے اور جن لوگوں نے بنام نہاد الہام کے ایسی کتاب آریہ ورت کو دی ہے وہ لوگ ہرگز منجانب اللہ نہیں ہو سکتے بعد اس کے ہم اور چند مقاصد لکھیں گے چنانچہ منجملہ اُن کے ایک مقصد مندرجہ ذیل ہے۔

ص۲۹۱

اِلہامی کتابوں کی غرض اصلی کے بیان میں

اور یہ کہ

سب سے اکمل قرآن شریف ہے

یہ تو ظاہر ہے کہ ہر ایک چیز کی بڑی خوبی یہی سمجھی جائے گی کہ جس غرض کے پورا کرنے کے لئے وہ وضع کی گئی ہے اُس غرض کو بوجہ احسن پوری کر سکے مثلاً اگر کسی بَیل کو قلبہ رانی کے لئے خریدا گیا ہے تو اُس بیل کی یہی خوبی دیکھی جائے گی کہ وہ بیل قلبہ رانی کے کام کو بوجہ احسن ادا کر سکے۔ اسی طرح ظاہر ہے کہ اصلی غرض آسمانی کتاب کی یہی ہونی چاہئے کہ اپنے پیروی کرنے والے کو اپنی تعلیم اور تاثیر اور قوت اصلاح اور اپنی رُوحانی خاصیت سے ہر ایک گناہ اور گندی زندگی سے چھڑا کر ایک پاک زندگی عطا فرما دے اور پھر پاک کرنے کے بعد خدا کی شناخت کے لئے ایک کامل بصیرت عطا کرے اور اُس ذات بے مثل کے ساتھ جو تمام خوشیوں کا سرچشمہ ہے محبت اور عشق کا تعلق بخشے کیونکہ درحقیقت یہی محبت نجات کی جڑھ ہے اور یہی وہ بہشت ہے جس میں داخل ہونے کے بعد تمام کوفت اور تلخی اور رنج و عذاب دُور ہو جاتا ہے اور بلاشبہ زندہ اور کامل کتاب الہامی وہی ہے جو طالب خدا کو اس مقصود تک پہنچا دے اور اُس کو سفلی زندگی سے نجات دے کر اس محبوب حقیقی سے ملا دے جس کا وصال عین نجات ہے اور تمام شکوک و شبہات سے مخلصی بخش کر ایسی کامل معرفت اس کو عطا کرے کہ گویا وہ اپنے خُدا کو دیکھ لے اور خدا کے ساتھ ایسے مستحکم تعلقات اُس کو بخش دے کہ وہ خدا کا وفادار بندہ بن جائے اور خدا اُس پر ایسا لُطف و احسان کرے کہ اپنی انواع و اقسام کی نصرت اور مدد اور حمایت سے اُس میں اور اُس کے غیر میں فرق کر کے دکھلائے اور اپنی معرفت کے دروازے اُس پر کھول دے اور اگر کوئی کتاب

اپنے اس فرض کو ادا نہ کرے جو اس کا اصلی فرض ہے اور دوسرے بیہودہ دعووں سے اپنی خوبی ثابت کرنی چاہے تو اس کی یہی مثال ہے کہ ایک شخص مثلاً طبیب حاذق ہونے کا دعویٰ کرے اور جب کوئی بیمار اس کے سامنے پیش کیا جائے کہ اس کو اچھا کر کے دکھلاؤ تو وہ یہ جواب دے کہ میں اس کو اچھا تو نہیں کر سکتا لیکن میں کشتی کرنا خوب جانتا ہوں یا یہ کہے کہ علم ہیئت اور فلسفہ میں مجھے بہت دخل ہے ظاہر ہے کہ ایسا آدمی مسخرہ کہلائے گا اور عقلمندوں کے نزدیک قابل سرزنش ہوگا۔ خدا کی کتاب اور خدا کے رسول جو دنیا میں آتے ہیں بڑی غرض اُن کی یہی ہوتی ہے جو دُنیا کو پاپ اور گناہ کی زندگی سے چھڑا دیں اور خدا سے پاک تعلقات قائم کریں اُن کی یہ غرض تو نہیں ہوتی کہ دُنیا کے علوم اُن کو سکھاویں اور دُنیا کی ایجادوں سے اُن کو آگاہ کریں۔

غرض ایک عقلمند اور منصف مزاج آدمی کے نزدیک اس بات کا سمجھنا کچھ مشکل نہیں ہے کہ خدا کی کتاب کا فرض یہی ہے کہ وہ خدا کو ملاوے اور خدا کی ہستی کے بارہ میں یقین کے درجہ تک پہنچا دے اور خُدا کی عظمت اور ہیبت دل میں بٹھا کر گناہ کے ارتکاب سے روک دے ورنہ ہم ایسی کتاب کو کیا کریں جو نہ دل کا گند دُور کر سکتی ہے اور نہ ایسی پاک اور کامل معرفت بخش سکتی ہے جو گناہ سے نفرت کرنے کا موجب ہو سکے۔ یاد رہے کہ گناہ کی رغبت کا جذام نہایت خطرناک جذام ہے اور یہ جذام کسی طرح دور ہی نہیں ہو سکتا جب تک کہ خدا کی زندہ معرفت کی تجلیات اور اُس کی ہیبت اور عظمت اور قدرت کے نشان بارش کی طرح وارد نہ ہوں اور جب تک کہ انسان خدا کو اُس کی مہیب طاقتوں کے ساتھ ایسا نزدیک نہ دیکھے جیسے وہ بکری کہ جب شیر کو دیکھتی ہے کہ صرف وہ اس سے دو قدم کے فاصلہ پر ہے انسان کو یہ ضرورت ہے کہ وہ گناہ کے مہلک جذبات سے پاک ہو اور اس قدر خُدا کی عظمت اُس کے دل میں بیٹھ جائے کہ وہ بے اختیار کرنے والی نفسانی شہوات کی خواہش کہ جو بجلی کی طرح اس پر گرتی اور اس کے تقویٰ کے سرمایہ کو ایک دم میں جلا دیتی ہے وہ دور ہو جاوے مگر کیا

۲۹۳

وہ ناپاک جذبات کہ جو مرگی کی طرح بار بار پڑتے ہیں اور پرہیزگاری کے ہوش وحواس کو کھو دیتے ہیں وہ صرف اپنے ہی خود تراشیدہ پرمیشر کے تصور سے دُور ہو سکتے ہیں یا صرف اپنے ہی تجویز کردہ خیالات سے دب سکتے ہیں اور یا کسی ایسے کفارہ سے رُک سکتے ہیں جس کا دُکھ اپنے نفس کو چُھوا بھی نہیں؟ ہرگز نہیں یہ بات معمولی نہیں بلکہ سب باتوں سے بڑھ کر عقلمند کے نزدیک غور کرنے کے لائق یہی بات ہے کہ وہ تباہی جو اس بے باکی اور بے تعلقی کی وجہ سے پیش آنیوالی ہے جس کی اصلی جڑھ گناہ اور معصیت ہے اُس سے کیونکر محفوظ رہے یہ تو ظاہر ہے کہ انسان یقینی لذات کو محض ظنی خیالات سے چھوڑ نہیں سکتا ہاں ایک یقین دوسرے یقینی امر سے دست بردار کرا سکتا ہے مثلاً ایک بَن کے متعلق ایک یقین ہے کہ اس جگہ سے کئی ہرن ہم بآسانی پکڑ سکتے ہیں اور ہم اس یقین کی تحریک پر قدم اُٹھانے کے لئے مستعد ہیں مگر جب یہ دوسرا یقین ہو جائے گا کہ وہاں پچاس شیر ببر بھی موجود ہیں اور ہزارہا خونخوار اژدہا بھی ہیں جو منہ کھولے بیٹھے ہیں تب ہم اس ارادہ سے دستکش ہو جائینگے۔ اسی طرح بغیر اس درجہ یقین کے گناہ بھی دُور نہیں ہو سکتا۔ لوہا لوہے سے ہی ٹوٹتا ہے خدا کی عظمت اور ہیبت کا وہ یقین چاہیئے جو غفلت کے پردوں کو پاش پاش کر دے اور بدن پر ایک لرزہ ڈال دے اور موت کو قریب کر کے دکھلا دے اور ایسا خوف دل پر غالب کرے جس سے تمام تار و پود نفس امّارہ کے ٹوٹ جائیں اور انسان ایک غیبی ہاتھ سے خدا کی طرف کھینچا جائے اور اُس کا دل اس یقین سے بھر جائے کہ درحقیقت خدا موجود ہے جو بے باک مجرم کو بے سزا نہیں چھوڑتا۔ پس ایک حقیقی پاکیزگی کا طالب ایسی کتاب کو کیا کرے جس کے ذریعہ سے یہ ضرورت رفع نہ ہو سکے؟

صہ۱۹۴ اِس لئے میں ہر ایک پر یہ بات ظاہر کرتا ہوں کہ وہ کتاب جو ان ضرورتوں کو پورا کرتی ہے وہ قرآن شریف ہے اُس کے ذریعہ سے خدا کی طرف انسان کو ایک کشش پیدا ہو جاتی ہے اور دُنیا کی محبت سرد ہو جاتی ہے اور وہ خدا جو نہایت نہاں در نہاں ہے اُسکی پیروی

سے آخرکار اپنے تئیں ظاہر کرتا ہے اور وہ قادر جس کی قدرتوں کو غیر قومیں نہیں جانتیں قرآن کی پیروی کرنے والے انسان کو خدا خود دکھا دیتا ہے اور عالم ملکوت کا اُس کو سیر کراتا ہے اور اپنے انا الموجود ہونے کی آواز سے آپ اپنی ہستی کی اُس کو خبر دیتا ہے مگر وید میں یہ ہُنر نہیں ہے ہرگز نہیں ہے اور وید اُس بوسیدہ گٹھڑی کی مانند ہے جس کا مالک مر جائے اور یا جس کی نسبت پتہ نہ لگے کہ یہ کس کی گٹھڑی ہے۔ جس پرمیشر کی طرف وید بلاتا ہے اُس کا زندہ ہونا ثابت نہیں ہوتا بلکہ وید اس بات پر کوئی دلیل قائم نہیں کرتا کہ اُس کا پرمیشر موجود بھی ہے اور وید کی گمراہ کنندہ تعلیم نے اس بات میں بھی رخنہ ڈال دیا ہے کہ مصنوعات سے صانع کا پتہ لگایا جائے کیونکہ اس کی تعلیم کی رُو سے ارواح اور پرمانو یعنی ذرات سب قدیم اور غیر مخلوق ہیں۔ پس غیر مخلوق کے ذریعہ سے صانع کا کیونکر پتہ لگے۔ ایسا ہی وید کلام الٰہی کا دروازہ بند کرتا ہے اور خدا کے تازہ نشانوں کا منکر ہے اور وید کی رُو سے پرمیشر اپنے خاص بندوں کی تائید کے لئے کوئی ایسا نشان ظاہر نہیں کر سکتا کہ جو معمولی انسانوں کے علم اور تجربہ سے بڑھ کر ہو پس اگر وید کی نسبت بہت ہی حُسن ظن کیا جائے تو اس قدر کہیں گے کہ وہ صرف معمولی سمجھ کے انسانوں کی طرح خُدا کے وجود کا اقرار کرتا ہے اور خدا کی ہستی پر کوئی یقینی دلیل پیش نہیں کرتا۔ غرض وید وہ معرفت عطا نہیں کر سکتا جو تازہ طور پر خدا کی طرف سے آتی ہے اور انسان کو زمین سے اٹھا کر آسمان تک پہنچا دیتی ہے مگر ہمارا مشاہدہ اور تجربہ اور اُن سب کا جو ہم سے پہلے گذر چکے ہیں اس بات کا گواہ ہے کہ قرآن شریف اپنی رُوحانی خاصیت اور اپنی ذاتی روشنی سے اپنے سچے پَیرو کو اپنی طرف کھینچتا ہے اور اُس کے دل کو منور کرتا ہے اور پھر بڑے بڑے نشان دکھلا کر خُدا سے ایسے تعلقات مستحکم بخش دیتا ہے کہ وہ ایسی تلوار سے بھی ٹوٹ نہیں سکتے جو ٹکڑہ ٹکڑہ کرنا چاہتی ہے وہ دل کی آنکھ کھولتا ہے اور گناہ کے گندے چشمہ کو بند کرتا ہے اور خدا کے لذیذ مکالمہ مخاطبہ سے شرف بخشتا ہے اور علوم غیب عطا فرماتا ہے اور دُعا قبول کرنے

صفحہ ۲۹۵

پر اپنے کلام سے اطلاع دیتا ہے اور ہر ایک جو اُس شخص سے مقابلہ کرے جو قرآن شریف کا سچا پیرو ہے خدا اپنے ہیبت ناک نشانوں کے ساتھ اس پر ظاہر کر دیتا ہے کہ وہ اُس بندہ کے ساتھ ہے جو اس کے کلام کی پیروی کرتا ہے جیسا کہ اُس نے لیکھرام پر ظاہر کیا اور اُس کی موت ایسی حالت میں ہوئی کہ وہ خوب سمجھتا تھا کہ خدا نے اُس کی موت سے اسلام کی سچائی پر مہر لگادی۔ غرض اس طرح پر خدا اپنے زندہ تصرفات سے قرآن شریف کی پیروی کرنے والے کو کھینچتا کھینچتا قرب کے بلند مینار تک پہنچا دیتا ہے جو لوگ ہمیں وید کی طرف بلاتے ہیں اُن کی ایسی مثال ہے کہ جیسا کہ اندھا سوجاکھے کو کہے کہ میرے پیچھے چل۔ وہ دائمی لذّات اور سرور جس کا فطرتاً انسان طالب ہے اور جس کے بغیر وہ جہنمی زندگی میں مبتلا ہے وہ کیونکر انسان کو حاصل ہو سکتا ہے جب تک اُس کو اپنے ذاتی مشاہدہ سے یہ بھی خبر نہیں کہ خدا موجود بھی ہے اور کیونکر ایسی کتابوں سے جو محض قصوں کے رنگ میں ہیں وہ شیریں پھل مل سکتا ہے جو حقیقی معرفت کے نام سے موسوم ہے۔

اور یہ بھی ایک یقینی اور واقعی بات ہے کہ خدا کی راہ میں کوشش کرنے کے لئے امید کا پایا جانا بھی ضروری ہے جو شخص ایک بند کوٹھے میں یہ خیال کرکے کہ اس میں اُس کا ایک عزیز ضرور مخفی ہے آواز دیتا ہے اور آواز پر آواز مارتا ہے کہ اے عزیز! میں حاضر ہوں تو باہر نکل اور مجھ سے ملاقات کر اور اُس کو کوئی جواب نہیں ملتا تب وہ خیال کرتا ہے کہ شاید وہ سوتا ہے اور اُس کے دروازہ پر صبر کرکے بیٹھتا ہے یہاں تک کہ جو سونے کا وقت اندازہ کیا جاتا ہے وہ بھی گذر جاتا ہے بلکہ اس کوٹھی میں اس بات کے کچھ بھی آثار ظاہر نہیں ہوتے کہ اس میں کوئی زندہ موجود ہے تب اُس شخص کی امید آہستہ آہستہ کم ہوتی جاتی ہے اور جب اندازہ اور تخمینہ سے وقت گذر جاتا ہے تب امید بکلّی منقطع ہو جاتی ہے اور پھر وہ شخص اس دروازہ پر بیٹھنا لاحاصل جانتا ہے۔ اسی طرح جب انسان خدا کی طرف قدم اٹھاتا ہے اور ایک عمر گذارنے کے بعد بھی اس طرف سے کوئی آواز نہیں آتی اور زندہ خدا کے کوئی آثار اُس پر

صفحہ ۲۹۶

ظاہر نہیں ہوتے تب اُس کی تمام امیدیں پاش پاش ہو جاتی ہیں اور بجائے اس کے کہ وہ ترقی کرے تنزل کی طرف جھکتا ہے یہاں تک کہ ایک دن دہریوں کے رنگ میں ہو جاتا ہے اس سے ثابت ہے کہ مبارک وہی کتاب ہے کہ جو اپنے تازہ نشانوں سے اُمید کو دن بدن بڑھاتی ہے اور خدا کے ملنے کے آثار ظاہر کرتی ہے۔ انسان کی تمام کوششیں امید پر مبنی ہیں۔ جس زمین کی نسبت یہ امید ہی نہیں کہ اس سے پانی نکلے گا اس کے کھودنے کے لئے انسان اپنا وقت ضائع نہیں کر سکتا۔ اگر تھوڑی کوشش کا نتیجہ انسان دیکھ لے تو بہت بھی کر سکتا ہے لیکن اگر کچھ بھی نتیجہ ظاہر نہ ہو تو رفتہ رفتہ ایمانی مدد منقطع ہو جاتی ہے آخر خدا کو چھوڑ کر دنیا کی طرف جھک جاتا ہے۔

دنیا کے علوم میں انسان خواہ کتنی ہی ترقی کرے اور خواہ کیسا ہی وہ طبعی اور ہیئت کا ماہر بن جائے اور خواہ دنیا کے تکمیل اسباب اور ایجادوں میں کتنی ہی فوقیت حاصل کرے مگر پھر بھی یہ سفلی کمالات اُس کو خدا تک نہیں پہنچا سکتے بلکہ اور بھی دل سخت کر دیتے ہیں اور ایک ناحق کی مشیخت اور تکبر کا موجب ہو جاتے ہیں۔ تمام راستبازوں کے تجربہ سے یہ فیصلہ شدہ بات ہے کہ خدا کو بجز خدا کی ہی تجلی اور توجہ کے پا نہیں سکتے۔ اور اگر کوئی ایسی الہامی کتاب ہے کہ اپنی زندہ طاقت سے ہمارے لئے کوئی دروازہ نہیں کھولتی اور صرف ہمارے ہی دماغی خیالات کے ہمیں حوالہ کرتی ہے تو اس کا ہم پر کیا احسان ہے اور کونسی نئی معرفت ہم کو عطا کرتی ہے کیا اس قدر معرفت ہم خود حاصل نہیں کر سکتے وہ کیسا پرمیشر ہے جو خود آریوں کے ہی دماغی خیالات کا ایک نتیجہ ہے اور اُس نے اپنے وجود کو اُن پر ظاہر نہیں کیا بلکہ وہ اس کو خود ظاہر کر رہے ہیں ایسا پرمیشر تو ایک چوہے کے وجود سے بھی گرا ہوا ہے۔ چوہا بھی رات کے وقت اپنے پھرنے چلنے اور اپنی تیز حرکت یا کسی چیز کو کاٹنے سے خبر دے دیتا ہے کہ میں موجود ہوں مگر دید کا پرمیشر تو اس قدر بھی خبر نہیں دے سکتا کچھ معلوم نہیں کہ اب وہ اس زمانہ میں زندہ بھی ہے یا نہیں۔ پس ایسے پرمیشر کو قبول کرنا جائے عار ہے

۲۹۷

جس سے اپنی ہستی کی خبر دینے میں ایک چوہا بھی سبقت لے جاتا ہے اور عقلِ سلیم ایسے خدا کی طرف رہنمائی نہیں کر سکتی جو اپنا وجود آپ ظاہر نہیں کر سکتا۔

اسلام میں معمولی مذاہب سے زیادہ کیا بات ہے؟

اگرچہ یہ زمانہ مذہبی جنگوں کا زمانہ ہے اور ہر ایک شخص خواہ تہذیب سے اور خواہ غیر تہذیب سے یہی کوشش کر رہا ہے کہ اپنے مذہب کی حقانیت دوسروں پر ظاہر کرے لیکن یہ عجیب خدا کی قدرت ہے کہ باوجودیکہ ہمارے اس زمانہ میں ہزارہا مذاہب پھیل رہے ہیں مگر بجز اسلام کے ہر ایک مذہب صرف اپنی خشک منطق سے خدا کو ثابت کرنا چاہتا ہے یہ نہیں کہ خُدا اس مذہب کے پیرووں پر اپنا چہرہ آپ ظاہر کرے۔ پس دُوسرے مذاہب گویا اپنے خدا پر احسان کر رہے ہیں کہ اُس کے گم گشتہ وجود کا محض اپنے زور بازو سے پتہ لگانا چاہتے ہیں مگر طالب حق ایسے پرمیشر یا خدا سے تسلی نہیں پا سکتا جس پر اس قدر کمزوری اور ناتوانی غالب ہے کہ ایک بے جان چیز کی طرح اپنے ظہور اور بروز میں دوسرے کے ہاتھ کا محتاج ہے۔ ظاہر ہے کہ جب تک خدا اپنے وجود کا آپ پتہ نہ دے اور اپنی انا الموجود کی آواز سے اپنی ہستی کو آپ ظاہر نہ کرے تب تک انسان کا صرف اپنا یکطرفہ خیال۔۔۔۔ کہ خدا موجود ہے کب کسی دل کو پورے یقین تک پہنچا سکتا ہے اور ظاہر ہے کہ تمام اعمال حسنہ کی بنیاد یقین ہے اور یقین ہی کے پاک چشمہ سے نیک اعمال نشوونما پاتے ہیں **خدا کا وجود** ایسا عمیق در عمیق اور نہاں در نہاں ہے کہ بجز خدا کے ہی ہاتھ کے جلوہ نما نہیں ہو سکتا اور خدا کی سچی اطاعت اور صدق اور خالص محبت اور وفاداری کا سبق وہی کتاب دے سکتی ہے جس کے آئینہ میں سے **خدا خود اپنا چہرہ نمودار** کرتا ہے یہ قدرتی

امر ہے کہ انسان خدا کی راہ میں پوری وفاداری دکھلا نہیں سکتا اور نہ گناہ سے باز آسکتا ہے جب تک کہ پورے یقین کے ساتھ خدا کی ہستی اور اس کی عظمت اور جلال اُس پر ظاہر نہ ہو اور بجز اُس کے کوئی کفارہ انسان کو گناہ سے روک نہیں سکتا۔ پس گناہ سے محفوظ رہنے اور صدق اور وفاداری اور محبت میں ترقی کرنے کے لئے جس امر کو تلاش کرنا چاہئے وہ محض اسلام میں **موجود ہے** نہ کسی اور **مذہب** میں۔ اور اس سے میری مراد وہ نشان ہیں جو تازہ بتازہ اسلام میں ہمیشہ ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ اور میں سچ سچ کہتا ہوں کہ خدا کا وجود جو اس زمانہ میں ایک **حل طلب معمّا** کی طرح ہو رہا ہے اور اُس کے چمکتے ہوئے جوہر پر **دہریت** کے خیالات نے ہزارہا گرد و غبار ڈال دیئے ہیں اُس **پاک جوہر** کی چمک ظاہر کرنے کے لئے اُسی کے فوق العادت **نشان** ذریعہ ہو سکتے ہیں اور نوع انسان کی **نجات** اسی چمک پر موقوف ہے نہ کسی ایسی بناوٹی منصوبہ پر جس صلیب پر **عیسائیوں** کا بھروسہ ہے وہ گناہ سے تو نہیں چھڑا سکی لیکن خدا کی راہ میں نیک کاموں کے بجالانے سے چھڑا دیا اور سست کر دیا ہے اور اس سے بڑھ کر اور کیا گناہ ہوگا کہ ایک **عاجز انسان** کو خدا کی جگہ دی گئی ہے اور دُنیا کے لئے سب کچھ کیا جاتا ہے لیکن خدا کے راہ میں ہاتھ پیر توڑ کر بیٹھ گئے ہیں اور ان کے نزدیک جو کچھ ہے یہی **کفارہ** ہے اور اس سے آگے خدا کی راہ کی تلاش کی ضرورت نہیں اور وہ اپنے خیال میں ایسی منزل پر پہنچ گئے ہیں جو آخری منزل ہے پس کوئی ڈاکو کسی کو ایسا نقصان نہیں پہنچا سکتا جیسا کہ اس کفارہ نے ان کو پہنچایا ہے۔ اس پوشیدہ طاقت سے وہ لوگ بالکل بے خبر ہیں جس کے قبضہ قدرت میں یہ بات داخل ہے کہ اگر چاہے تو ایک دم میں ہزار مسیح ابن مریم بلکہ اس سے بہتر پیدا کر دے چنانچہ اُس نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کر کے ایسا ہی کیا مگر یہ اندھی دُنیا اُس کو شناخت نہ کر سکی وہ ایک نُور تھا جو دنیا میں آیا اور تمام نوروں پر غالب آگیا اُس کے نور نے ہزاروں دلوں کو منور کیا اور اُسی کی برکت کا یہ راز ہے کہ رُوحانی مدد اسلام سے منقطع

۲۹۹

نہیں ہوئی بلکہ قدم بقدم اسلام کے ساتھ چلی آتی ہے۔ ہم ایسی تازہ بتازہ برکتیں اُس نبیؐ کے دائمی فیض سے پاتے ہیں کہ گویا اس زمانہ میں بھی وہ نبی ہم میں موجود ہے اور اس وقت بھی اس کے فیوض ہماری ایسی ہی رہنمائی کرتے ہیں کہ جیسا اس پہلے زمانہ میں کرتے تھے۔

اُس کے ذریعہ سے ہمیں وہ پانی ملا ہے جس کی ضرورت ہر ایک پاک فطرت محسوس کر رہی ہے وہ پانی بڑی سرعت سے ہمارے ایمانی درخت کو نشو و نما دے رہا ہے اور ان مشکلات سے ہم نے رہائی پائی ہے جن میں دوسرے لوگ گرفتار ہیں اور اگر کسی کو ہم میں سے ابتدائی مرحلہ میں .... مشکلات معلوم بھی ہوں مگر وہ ایسی نہیں ہیں جو آگے قدم بڑھانے سے مغلوب اور رفع نہ ہو سکیں۔ اسلام میں آگے قدم بڑھانے کا وسیع میدان ہے نہ یہ کہ آریوں کی طرح تمام دین اس پر ختم ہے کہ ایک بدی کا ارتکاب کر کے پھر اسی زندگی میں اس بدی کے تدارک کا راہ مسدود ہے* جب تک کہ بے شمار جُونیں نہ بھگتی جائیں اور نہ عیسائیوں کی طرح آخری دوڑ صرف مسیح کے کفارہ تک ہے وبس۔ ایسے تنگ خیالات ہرگز عزت اور قدر کے لائق نہیں کہ انسانی قوتے کو یا تو سراسر بیکار ٹھیراتے ہیں اور یا اُن کو معطل یعنے کی تعلیم دیتے ہیں اور پھر نتیجہ کچھ نہیں۔

میں نے اپنی کتاب حقیقۃ الوحی میں بہت سے ایسے نشان لکھے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ خدا جس کی شناخت اور محبت ہماری عین نجات ہے وہ اسلام کے ذریعہ سے ہی ملتا ہے اور اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو اپنے زندہ نشانوں کی

---

* جب کہ آریوں کے نزدیک دنیا سزا کا گھر ہے اور کسی قدر جزا کا بھی یعنی نیکی کے بدلہ کا گھر تو ایک آریہ مثلاً جو اپنے گناہ کی شامت سے کتا بنایا گیا ہے چاہیئے تھا کہ وہ سزا بھگت کر فی الفور اسی دنیا میں بجائے کتے کے آدمی بنایا جاتا تا جونوں کا تماشا لوگ بچشم خود دیکھ لیتے اور تناسخ کا قطعی ثبوت مل جاتا۔ کس قدر یہ فضول بات ہے کہ سزا تو اسی دنیا میں دی گئی تھی اور نیز ایک جون کے عوض دوسری جون بھی اسی دنیا میں ملتی تھی۔ پھر ناحق رُوح کو نکال کر کہیں کا کہیں لے گئے اس بے جا کارروائی سے فائدہ کیا ہوا۔ آخر سزا کے لئے رُوح کو پھر دنیا میں واپس آنا پڑا کیا یہی وید دیا ہے؟ منہ

چُھری سے دہریت کے بھوت کو ذبح کرتا ہے اور ناستک مت کی ہیکل کو توڑتا ہے۔

۳۰۰ میں جوان تھا اور اب بوڑھا ہو گیا مگر میں اپنے ابتدائی زمانہ سے ہی اس بات کا گواہ ہوں کہ وہ خدا جو ہمیشہ پوشیدہ چلا آیا ہے وہ اسلام کی پیروی سے اپنے تئیں ظاہر کرتا ہے اگر کوئی قرآن شریف کی سچی پیروی کرے اور کتاب اللہ کی منشاء کے موافق اپنی اصلاح کی طرف مشغول ہو اور اپنی زندگی نہ دنیاداروں کے رنگ میں بلکہ خادم دین کے طور بنا دے اور اپنے تئیں خدا کی راہ میں وقف کر دے اور اس کے رسول حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھے اور اپنی خود نمائی اور تکبر اور عجب سے پاک ہو اور خدا کے جلال اور عظمت کا ظہور چاہے نہ یہ کہ اپنا ظہور چاہے اور اس راہ میں خاک میں مل جائے تو آخری نتیجہ اس کا یہ ہوتا ہے کہ مکالمات الٰہیہ عربی فصیح بلیغ میں اس سے شروع ہو جاتے ہیں٭ اور وہ کلام لذیذ اور باشوکت ہوتا ہے جو خدا کی طرف سے نازل ہوتا ہے حدیث النفس نہیں ہوتا۔ حدیث النفس کا کلام آہستہ ہوتا ہے جیسا کہ ایک مخنّث یا بیمار بولتا ہے مگر خدا کا کلام پُرشوکت ہوتا ہے اور اکثر عربی زبان میں ہوتا ہے بلکہ اکثر آیاتِ قرآنی میں ہوتا ہے اور جو کچھ ہمارے تجربہ میں آیا ہے وہ یہ ہے کہ اول دل پر اس کی سخت ضرب محسوس ہوتی

٭اس راہ میں یعنی الہام کے بارے میں ہمارا تجربہ ہے کہ تھوڑی سی غنودگی ہو کر اور بعض اوقات بغیر غنودگی کے خدا کا کلام ٹکڑہ ٹکڑہ ہو کر زبان پر جاری ہوتا ہے جب ایک ٹکڑہ ختم ہو چکتا ہے تو حالت غنودگی جاتی رہتی ہے پھر ملہم کے کسی سوال سے یا خود بخود خدا تعالیٰ کی طرف سے دوسرا ٹکڑہ الہام ہوتا ہے اور وہ بھی اسی طرح کہ تھوڑی غنودگی وارد ہو کر زبان پر جاری ہو جاتا ہے اسی طرح بسا اوقات ایک ہی وقت میں تسبیح کے دانوں کی طرح نہایت بلیغ فصیح لذیذ فقرے غنودگی کی حالت میں زبان پر جاری ہوتے جاتے ہیں اور ہر ایک فقرہ کے بعد غنودگی دُور ہو جاتی ہے اور وہ فقرے یا تو قرآن شریف کی بعض آیات ہوتی ہیں یا اُنکے مشابہ ہوتے ہیں۔ اور اکثر علوم غیبیہ پر مشتمل ہوتے ہیں۔ ان میں ایک شوکت ہوتی ہے اور دل پر اثر کرتے ہیں اور ایک لذت محسوس ہوتی ہے اس وقت دل نور میں غرق ہوتا ہے گویا خدا اُس میں نازل ہے۔ اور دراصل اس کو الہام نہیں کہنا چاہئے۔ بلکہ یہ خدا کا کلام ہے۔ منہ

ہے اور اس ضرب کے ساتھ ایک گونج پیدا ہوتی ہے اور پھر پھول کی طرح وہ شگفتہ ہو جاتا ہے اور اس سے پاک اور لذیذ کلام نکلتا ہے اور وہ کلام اکثر امور غیبیہ پر مشتمل ہوتا ہے اور اپنے اندر ایک شوکت اور طاقت اور تاثیر رکھتا ہے اور ایک آہنی میخ کی طرح دل میں دھنس جاتا ہے اور خدا کی خوشبو اُس سے آتی ہے یہ تمام لوازم اس لئے اُس کے ساتھ لگائے گئے ہیں کہ بعض ناپاک طبع انسان شیطانی الہام بھی پاتے ہیں یا حدیث النفس کے فریب میں آجاتے ہیں۔ اس لئے خدا نے اپنے کلام کے ساتھ چمکتے ہوئے انوار رکھے ہیں تا دونوں میں فرق ظاہر ہو۔

اور صرف اسی پر بس نہیں بلکہ خدا کے کلام کی یہ بھی نشانی ہے کہ وہ زبردست معجزات پر مشتمل ہوتا ہے اور وہ معجزات کیا باعتبار کثرت اور کیا باعتبار کیفیت اپنے اندر ما بہ الامتیاز رکھتے ہیں یعنی کثرت مقدار اور صفائی کیفیت کی وجہ سے کوئی دوسرا اُن کا مقابلہ نہیں کر سکتا اور جس طرح خدا کے ساتھ کوئی شریک نہیں ہو سکتا اُسی طرح خدا کے کلام کے ساتھ کوئی دوسرا کلام شریک نہیں اور جس پر وہ کلام نازل ہوتا ہے اُس کو ایک خاص نصرت اور حمایت الٰہی ملتی ہے اور اس میں اور اس کے غیر میں ایک فرق رکھا جاتا ہے* جیسا کہ خدا میں اور اُس کے غیر میں فرق ہے۔

طاشیہ

* حاشیہ۔ جس شخص پر خدا کا کلام نازل ہوتا ہے اور سچ مچ وہ مکالمہ الٰہیہ سے شرف پاتا ہے اس کو اس مکالمہ کے ساتھ اور لوازم نصرت اور مدد بھی عطا کئے جاتے ہیں۔ منجملہ ان کے یہ کہ اس پر کوئی غالب نہیں آ سکتا بلکہ وہ ہر ایک پر خود غالب ہوتا ہے اور گو کتنی ہی دیر درمیان واقع ہو جائے مگر انجام کار فتح اسی کی ہوتی ہے اور اُس کے دشمن خائب و خاسر رہ جاتے ہیں وہ باوجود ہزارہا دشمنوں کے پھر بھی سب پر غالب ہو جاتا ہے اور دشمنوں کے سارے منصوبے اس کے مقابل پر کالعدم ہو جاتے ہیں اور اُن کی بددعائیں انہیں پر پڑ جاتی ہیں اور منجملہ ان لوازم خاصہ کے ایک یہ بھی ہے کہ اس کے زمانہ میں اس کا ظہور سب مدعیوں سے پہلے ہوتا ہے جیسا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب مبعوث ہوئے تب ابھی جھوٹے نبیوں کا نام و نشان نہ تھا اور جب اُن کا نور زمین پر خوب روشن ہو گیا تب مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی اور ابن صیاد وغیرہ جھوٹے نبی ظاہر ہوئے تا خدا دکھا دے کہ کس طرح وہ سچے کی حمایت کرتا ہے اصل بات یہ ہے کہ سچے نبی کے ظہور کے وقت بارش کے موسم کی کی طرح آسمان پر انتشار روحانیت ہوتا ہے اور اکثر لوگوں کو سچی خوابیں شروع ہو جاتی ہیں اور الہام بھی ہونے لگتے ہیں اسی دھوکہ سے بعض جھوٹے نبی اپنی حد سے بڑھ کر نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ منہ

یہ بات سچ ہے کہ بغیر امتیاز مذہب و مشرب اور نیک اور بد ہونے کے ہر ایک فرقہ کے لوگ خوابیں دیکھتے ہیں اور بعض خوابیں سچی بھی نکلتی ہیں بلکہ بعض فاسقوں اور فاجروں اور مشرکوں کی بھی خوابیں سچی نکلتی ہیں اور الہام بھی ہوتے ہیں مگر اس سے خدا کے مرسلوں اور نبیوں کا سلسلہ مشتبہ نہیں ہو سکتا بلکہ یہ عام لوگوں کی خوابیں بھی انہیں کی گواہی کے لئے ہیں تا ایک دانشمند سمجھ لے کہ خدا کے الہام کی تخم ریزی ہر ایک فطرت میں اس لئے کی گئی ہے کہ تا ہر ایک فطرت خدا کے نبیوں کے لئے بطور گواہ کے ہو جائے اور اسرار نبوت کو غیر ممکن نہ سمجھ لیں اور ظاہر ہے کہ جیسا ایک درہم سے کوئی بادشاہ نہیں کہلا سکتا اور یہ نہیں کہہ سکتا کہ جو کچھ بادشاہ کے خزانوں میں ہے وہ میرے پاس بھی ہے۔ ایسا ہی کسی خواب یا الہام کے سچا ہونے سے کوئی شخص نہیں کہہ سکتا کہ میں ان رُوحانی بادشاہوں کے برابر ہوں جو نبی اور رسول ہیں اور اگر ایسا کرے تو وہ ہلاک کیا جائے گا کیونکہ اُس نے گستاخی کی۔ خدا کے برگزیدوں کا ایک یہ بھی معجزہ ہوتا ہے کہ جو شخص گستاخی کر کے اُن کا مقابلہ کرے تو انجام کار یا تو وہ شخص ہلاک ہو جاتا ہے یا سخت ذلیل کیا جاتا ہے۔ یہ لوگ آسمانی سلطنت کے مقرب ہوتے ہیں اور خدا کی غیرت نہیں چاہتی کہ جو شخص اُن میں سے نہیں ہے وہ اُن کے ساتھ برابری کرے اور اُن کی کرسی پر بیٹھے اس لئے خدا ایسے گستاخوں کو سزا دیکر دنیا پر ظاہر کرتا ہے کہ اس کے برگزیدہ اُس کی جناب میں کس قدر عزت رکھتے ہیں۔ غرض وہ خدا کی طرف سے اُس کے دین کے لئے حجۃ اللہ ہوتے ہیں اور آسمانی نشان اُن کے ذریعہ سے ظاہر ہوتے ہیں یا بہ تبدیل الفاظ ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ وہ رُوحانی علوم کے سکھلانے کے لئے ایسے استاد ہیں جو ذاتی مشاہدات اور تجربہ سے معارف دینیہ پر اطلاع رکھتے ہیں۔ یہ کتنا سراسر غلطی ہے کہ دنیا کے فلاسفروں سے بڑھ کر کس استاد کی حاجت ہے کیونکہ دنیا کے فلاسفروں کی صرف اس حد تک رسائی ہے جو حواس ظاہری یا باطنی کے حدود ہیں مگر ان حواس سے بالاتر ایک اور عالم ہے جو رُوحانی حواس سے معلوم ہوتا ہے جو خدا کے برگزیدوں کو کامل طور پر دئے جاتے ہیں اور اس عالم کا انکشاف بجز ذریعہ اُن برگزیدوں کے غیر ممکن ہے جن کو یہ حواس

۳۰۲

کامل طور پر عطا کئے جاتے ہیں اور جب کہ خدا نے ظاہری چیزوں کے معلوم کرنے کے لئے ظاہری حواس عطا فرمائے ہیں اور علوم معقولہ کے دریافت کرنے کے لئے جو امور باطنیہ ہیں حواس خمسہ باطنی عطا کئے ہیں پس اس صورت میں صاف طور پر سمجھ آ سکتا ہے کہ ایسے امور جو عقل سے بالاتر ہیں اُن کے دریافت کے لئے بھی خدا نے کوئی ذریعہ رکھا ہوگا سو وہ ذریعہ وحی اور کشف ہے اور جیسا کہ انسانی فطرت کے لئے یہ دائمی عطیہ ہے کہ بجز ان لوگوں کے جو بہرے اور اندھے یا دیوانے ہوں ہر ایک انسان کو حواس خمسہ ظاہری اور باطنی اب بھی حسب تفاوت مراتب عطا ہوتے ہیں یہ نہیں کہ صرف پہلے عطا ہوتے تھے اور اب نہیں۔ ایسا ہی خدا کا قانون قدرت رُوحانی حواس کے لئے بھی اسی کے مطابق ہے کہ اب بھی وحی اور کشف کے حواس حسب مراتب ملتے ہیں اور جو اعلیٰ درجہ کی استعداد رکھتے ہیں وہ ان رُوحانی حواس میں سب سے بڑھ جاتے ہیں اور جو کتاب انسانوں کو یہ تعلیم دے کہ وہ رُوحانی حواس اب نہیں ملتے بلکہ پہلے کسی زمانہ میں مل چکے وہ کتاب خدا کی طرف سے نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ نہ صرف قانون قدرت کے برخلاف بلکہ مشاہدہ اور تجربہ کے بھی برخلاف ہے۔ اور روحانی معلّموں کی یہی نشانی ہے کہ وہ صرف ان اخبار غیبیہ کو نہیں بتلاتے ہیں کہ جو دنیا کی ابتدا میں ظاہر ہو چکے ہیں اور نہ محض ان اخبار غیبیہ کی خبر دیتے ہیں جو اس عالم کے انقطاع کے بعد ظاہر ہوں گے بلکہ اُن اخبار غیبیہ سے بھی مطلع فرماتے ہیں جو وقتاً فوقتاً اس دُنیا میں ظاہر ہوتے ہیں کیونکہ جو امور غیبیہ ہماری نظر کے سامنے نہیں اور جن کو ہم آزما کر اُن کا صدق و کذب ظاہر نہیں کر سکتے وہ کسی سچے نبی اور رسول کی علامت نہیں ہو سکتے کیونکہ دُنیا سے پہلے اور دُنیا کے بعد کی خبریں دینا ایک ایسی سہل اور آسان بات ہے جس کو ایک جھوٹا اور مفتری بھی بیان کر سکتا ہے کیونکہ ایسی خبریں آزمائش اور تجربہ کی حد سے باہر ہیں مثلاً فقط یہی غیب کی خبریں دینا کہ پہلے صرف مولی گاجر کی طرح بہت سے انسان زمین میں سے پیدا ہو گئے تھے اور نیز یہ خبر کہ پرمیشر ہمیشہ آریہ ورت میں ہی اپنی کتاب نازل کرتا رہا ہے اور وید کی سنسکرت ہی خدا کا کلام ہے اور نیز یہ کہ مرنے

ص۳۰۳

کے بعد ایک میعادی مکتی ہو گی اور انہیں کو ملے گی جو وید کی تعلیم کے موافق عمل کرتے ہیں۔ یہ اخبار غیبیہ نہیں کہلا سکتے بلکہ ہر ایک مفتری ایسی باتیں کہہ سکتا ہے اس لئے خدا کے سچے رسول مبدء و معاد کے اخبار کے ساتھ دنیا کے متعلق بہت سے اخبار غیبیہ بتلاتے ہیں تا اُن کے نبوت کے ذریعہ مبدء و معاد کی خبریں بھی ثابت ہوں۔ یہ کس قدر فریب ہے کہ صرف مبدء و معاد کی خبر دیں اور دنیا کے متعلق کوئی خبر غیب ظاہر نہ کریں اسی بناء پر وید پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اگر وہ اخبار غیبیہ کے بیان کرنے پر قادر تھا تو اپنی اس قدرت کا یہ نمونہ اُس نے دنیا کے اخبار کے متعلق کیوں نہ دکھلایا اگر وہ خدا کا کلام تھا تو چاہیئے تھا کہ دنیا کے متعلق بھی اخبار غیب بتلاتا تا اس کا صدق آزمایا جاتا صرف مبدء اور معاد کی نسبت غیب کی خبر دینا تو ایسا ہے جیسا کہ کوئی سمندر کے عمیق اور گرداب کی جگہ کی طرف اشارہ کر کے کہے کہ میں پیشگوئی کرتا ہوں کہ اس کے نیچے ایک خزانہ ہے تم اپنی کوشش سے نکال لو! سو یہ پیشگوئی تو ایک تمسخر ہے اور سچائی کا اس میں نشان نہیں۔ قرآن شریف صرف مبدء اور معاد کی نسبت خبریں نہیں دیتا بلکہ وہ غیب کی خبریں بھی اس میں ہیں جو ہر ایک زمانہ کے لوگ اُن کی سچائی کے گواہ ہیں۔ ہر ایک انسان سمجھ سکتا ہے کہ کتاب اللہ کے لئے مبدء اور معاد کی خبریں دینا اس لئے ضروری ہیں کہ تا انسان معلوم کرے کہ پہلے خدا کے فضل نے کیونکر اس کو خلعتِ وجود بخشا اور پھر بعد تکمیل نفس اس پر کیا کیا فضل ہوگا اور کتاب اللہ کے لئے دنیا کے امور غیبیہ سے اطلاع دینا اس لئے ضروری ہے کہ تا جو مبدء و معاد کی نسبت خبریں دی گئی ہیں اُن پر یقین آجائے اس لئے ہر ایک سچا رسول دنیا کے امور غیبیہ کی نسبت بھی خبریں دیتا آیا ہے مگر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قدم سب سے بڑھ کر ہے کیونکہ آنجناب کی اخبار غیبیہ صرف اُسی زمانہ تک ختم نہیں ہوئیں بلکہ ہمارے زمانہ تک بھی اُن کا سلسلہ جاری ہے۔ انسان کی طبیعت ایسی واقع ہوئی ہے کہ وہ بغیر تجربہ کے کسی امر کا قائل نہیں ہو سکتا اور نہ قائل ہونا چاہیئے تا کسی جھوٹے کی پیروی کر کے ہلاک ہونا نہ پڑے۔ پس اسی وجہ سے عادت اللہ قدیم سے اس طرح

۳۴۴

پر جاری ہے کہ جو خدا کی طرف سے رسول آتے ہیں اُن کو خدا ایسے امورِ غیبیہ پر اطلاع دیتا ہے جن کا علم انسانی طاقتوں سے برتر ہوتا ہے پس جب اُن کی وہ پیشگوئیاں بکثرت پوری ہو جاتی ہیں جو دُنیا کے حالات کے متعلق ہیں تو وہی پیشگوئیاں اُن خبروں کے لئے معیار ہو جاتی ہیں جو برگزیدہ لوگ مبدء اور معاد اور اپنی رسالت کی نسبت دیتے ہیں لیکن افسوس کہ موجودہ وید اس طریق سے بالکل تہی دست اور محروم ہے اور اس کے ساتھ کوئی تائید اور نصرتِ حق پائی نہیں جاتی اگر اُس نے مبدء اور معاد کی نسبت کچھ خبریں دی ہیں تو کیونکر سمجھا جائے کہ وہ سچی خبریں ہیں کیونکہ مبدء اور معاد کی نسبت کوئی قطعی فیصلہ تو عقل کر نہیں سکتی اور اس راہ میں اس قدر عقل حیران اور حواس باختہ ہے کہ آج تک محض عقل کے ذریعہ سے خدا کی شناخت بھی نہ ہو سکی اور ہزاروں انسان جو بڑے بڑے عقلمند کہلاتے تھے اور بڑے بڑے علوم عقلیہ کے موجد تھے آخر کار وہ دہریہ ہو کر مر گئے اور اُن کو یہ بھی پتہ نہ لگا کہ خدا موجود ہے تو پھر مبدء اور معاد کی نسبت کیونکر صرف عقل کوئی صحیح اور قطعی فیصلہ کر سکتی ہے پس بلاشبہ مبدء اور معاد کی خبریں خواہ وہ زید دے اور خواہ بکر بیان کرے کسی دوسرے کامل ذریعہ سے تصدیق کی محتاج ہیں سو وہ ذریعہ خدا کے پاک نبیوں کی وہ پیشگوئیاں ہیں جو دُنیا میں آفتاب کی طرح ظاہر ہو کر اپنا صدق دکھلا دیتی ہیں۔ مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مکہ معظمہ میں اُس گمنامی کے زمانہ میں اسلام کے عروج اور شوکت اور ترقی کی خبر دینا جب کہ آپ مکہ معظمہ کی گلیوں اور کوچوں میں محض تنہا پھرتے تھے اور کوئی آثار کامیابی کے نمایاں نہ تھے محض تنہا پھرتے تھے اور آپ کا ایسے زمانہ میں اپنے عالمگیر اقبال کی پیشگوئی کرنا جب کہ یہ رائے ظاہر کرنا بھی ہنسی کے لائق سمجھا جاتا تھا کہ ایسا بیکس اور گمنام شخص بھی بادشاہی کے درجہ تک پہنچے گا اور اُس کا آسمانی تاج و تخت زمین پر بھی اپنا زبردست اور فوق العادت کرشمہ دکھائے گا۔ بلاشبہ ایسی خبریں انسانی طاقت سے باہر ہیں اور پھر وہ خبریں ایسی صفائی سے پوری ہو گئیں کہ جیسے دن چڑھ جاتا ہے پس اُن کا پورا ہونا صاف طور پر یہ گواہی دیتا ہے کہ وہ بلاشبہ ایک صادق کے لئے خدا کی گواہی ہے ایسا

ص۵۰۵

ہی قرآن شریف بہت سی پیشگوئیوں سے بھرا پڑا ہے جیسا کہ روم اور ایران کی سلطنت کی نسبت ایک زبردست پیشگوئی قرآن شریف میں موجود ہے اور یہ اس وقت کی پیشگوئی ہے جب کہ مجوسی سلطنت نے ایک لڑائی میں رُومی سلطنت پر فتح پائی تھی اور کچھ زمین اُن کے مُلک کی اپنے قبضہ میں کرلی تھی تب مشرکین مکہ نے فارسیوں کی فتح اپنے لئے ایک نیک فال سمجھی تھی اور اس سے یہ سمجھا تھا کہ چونکہ فارسی سلطنت مخلوق پرستی میں ہمارے شریک ہے ایسا ہی ہم بھی اس نبی کا استیصال کریں گے جس کی شریعت اہل کتاب سے مشابہت رکھتی ہے تب خدا تعالےٰ نے قرآن شریف میں یہ پیشگوئی نازل فرمائی کہ آخر کار رُومی سلطنت کی فتح ہوگی اور چونکہ روم کی فتح کی نسبت یہ پیشگوئی ہے اس لئے اس سورت کا نام سورۃ الروم رکھا گیا ہے اور چونکہ عرب کے مشرکوں نے مجوسیوں کی سلطنت کی فتح کو اپنی فتح کے لئے ایک نشان سمجھ لیا تھا اس لئے خدا تعالیٰ نے اس پیشگوئی میں یہ بھی فرمادیا کہ جس روز پھر روم کی فتح ہوگی اس روز مسلمان بھی مشرکوں پر فتح یاب ہوں گے چنانچہ ایسا ہی ظہور میں آیا۔ اس بارہ میں قرآن شریف کی آیت یہ ہے۔ الٓمّٓ۔ غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ ۬ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ ۭ وَيَوْمَىِٕذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ۔[1] (ترجمہ) میں خدا ہوں جو سب سے بہتر جانتا ہوں۔ رُومی سلطنت بہت قریب زمین میں مغلوب ہوگئی ہے اور وہ لوگ پھر نو سال تک تین سال کے بعد مجوسی سلطنت پر غالب ہو جائیں گے اُس دن مومنوں کے لئے بھی ایک خوشی کا دن ہوگا چنانچہ ایسا ہی ہؤا۔ اور تین سال کے بعد نو سال کے اندر پھر رُومی سلطنت ایرانی سلطنت پر غالب آگئی اور اسی دن مسلمانوں نے بھی مشرکوں پر فتح پائی کیونکہ وہ دن بدر کی لڑائی کا دن تھا جس میں اہل اسلام کو فتح ہوئی تھی۔

ماسوا اس کے قرآن شریف میں آخری زمانہ کے بعض جدید حالات کی نسبت ایسی خبریں دی گئی ہیں جو ہمارے اس زمانہ میں بہت صفائی سے پوری ہوگئی ہیں جیسا کہ اس میں ایک یہ

[1] الروم : ۲ تا ۵

پیشگوئی ہے کہ آخری زمانہ میں اونٹ بے کار ہو جائیں گے یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اُن دنوں میں ایک نئی سواری پیدا ہو جائے گی چنانچہ قرآن شریف کی پیشگوئی کے الفاظ یہ ہیں۔ وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ[1]* یعنی وہ آخری زمانہ جب اونٹنیاں بے کار ہو جائیں گی۔ اور بے کار ہونا تبھی ہوتا ہے کہ جب اُن پر سوار ہونے کی حاجت نہ ہو اور اس سے صریح طور پر نکلتا ہے کہ اونٹنیوں کی جگہ کوئی اور سواری پیدا ہو جائے گی۔ اس آیت کی تشریح کتاب صحیح مسلم میں موجود ہے اس میں یہ حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لکھی ہے وَیُتْرَکُ الْقِلَاصُ فَلَا یُسْعٰی عَلَیْہَا یعنی مسیح موعود کے زمانہ میں اونٹنیاں ترک کی جائیں گی اور کسی منزل تک جلدی پہنچنے کے لئے اور دوڑ کر جانے کے لئے وہ کام نہیں آئیں گی یعنی کوئی ایسی سواری پیدا ہو جائے گی کہ بہ نسبت اونٹنیوں کے بہت جلد منزل مقصود تک پہنچائے گی۔ غرض یُسْعٰی کا لفظ جو حدیث میں ہے اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ دوڑنے کے کام میں اونٹ سے بہتر کوئی اور سواری نکل آوے گی۔ یہ عجیب بات ہے کہ صحیح مسلم میں جس جگہ مسیح موعود کے زمانہ کا ذکر ہے اُسی جگہ یہ حدیث اونٹنیوں کے ترک کرنے کے بارہ میں ہے اور یہ پیشگوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے تیرہ سو[۱۳۰۰] برس بعد پوری ہوئی چنانچہ ان دنوں میں یہ کوشش بھی ہو

---

*حاشیہ۔ قرآن شریف میں آخری زمانہ کی نسبت ایک یہ بھی پیشگوئی تھی کہ جب آخری زمانہ میں دوسرے آثار قیامت ظاہر ہوں گے اسی زمانہ میں ایک خاص وضع کا کسوف خسوف بھی ہوگا جیسا کہ اس آیت میں بھی اشارہ ہے وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ[2] یعنی سورج اور چاند جمع کئے جائیں گے۔ یہ آیت سورۃ قیامت کی ابتدائی سطروں میں ہے اور اسی وجہ سے اس سورۃ کا نام سورۃ قیامت رکھا گیا ہے اور یہ کسوف خسوف آثار قیامت میں سے ٹھہرایا گیا۔ جیسا کہ مسیح خاتم الخلفاء کو بھی آثار قیامت سے ٹھہرایا گیا اور اس آیت سے پہلے یہ آیت ہے فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ[3] یعنی جس وقت پتھرا جائیں گی آنکھیں یعنی وہ ایسے دن ہوں گے جو دنیا پر ہولناک عذاب نازل ہوں گے ایک عذاب ختم نہیں ہوگا جو دوسرا موجود ہو جائے گا پھر بعد کی آیت میں فرمایا یَقُوْلُ الْاِنْسَانُ یَوْمَئِذٍ اَیْنَ الْمَفَرُّ کَلَّا لَا وَزَرَ[4] یعنی اس دن انسان کہے گا کہ اب ہم ان متواتر عذابوں سے کہاں بھاگ جائیں اور بھاگنا غیر ممکن ہوگا یعنی وہ دن انسان کے لئے بڑی مصیبت کے دن ہوں گے اور ان کا ہولناک نظارہ بے حواس کر دینے کا منہ

---

[1] التکویر: ۵ [2] القیامۃ: ۱۰ [3] القیامۃ: ۸ [4] القیامۃ: ۱۱-۱۲

رہی ہے کہ ایک سال تک مکہ اور مدینہ میں ریل جاری کر دی جائے پس اُس وقت جب ریل جاری ہو جائے گی یہ نظارہ ہر ایک مومن کے لئے ایمان کو زیادہ کرنے والا ہوگا۔ اور جس وقت ہزارہا اونٹ بیکار ہو کر بجائے اُن کے ریل گاڑیاں مکہ سے مدینہ تک جائیں گی اور دمشق اور دوسری اطراف شام وغیرہ کے حج کرنے والے کئی لاکھ انسان ریل گاڑیوں میں سوار ہو کر مکہ معظمہ میں پہنچیں گے تب کوئی لعنتی آدمی ہوگا کہ اس نظارہ کو دیکھ کر اپنے سچے دل سے اس بات کی تصدیق نہیں کریگا کہ وہ پیشگوئی جو قرآن شریف اور حدیث صحیح مسلم میں موجود ہے آج پوری ہوگئی

ص۳۰۷

یاد رہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کیلئے یہ ایک عظیم الشان نشان ہے کہ آپ نے تیرہ سو برس پہلے ایک نئی سواری کی خبر دی ہے اور اس خبر کو قرآن شریف اور حدیث صحیح دونوں مل کر پیش کرتے ہیں اگر قرآن شریف خدا کا کلام نہ ہوتا تو انسانی طاقت میں یہ بات ہرگز داخل نہ تھی کہ ایسی پیشگوئی کی جاتی کہ جس چیز کا وجود ہی ابھی دنیا میں نہ تھا اُس کے ظہور کا حال بتایا جاتا جب کہ خدا کو منظور تھا کہ اس پیشگوئی کو ظہور میں لاوے تب اُس نے ایک انسان کے دل میں یہ خیال ڈال دیا کہ وہ ایسی سواری ایجاد کرے جو آگ کے ذریعہ سے ہزاروں کوسوں تک پہنچا دے۔

ایسا ہی قرآن شریف میں آخری زمانہ کی نسبت اور بھی پیشگوئیاں ہیں اُن میں سے ایک یہ پیشگوئی بھی ہے وَ اِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ[1] یعنی آخری زمانہ وہ ہوگا جب کہ کتابوں اور صحیفوں کی اشاعت بہت ہوگی گویا اس سے پہلے کبھی ایسی اشاعت نہیں ہوئی تھی۔ یہ اُن کلوں کی طرف اشارہ ہے جن کے ذریعہ سے آج کل کتابیں چھپتی ہیں اور پھر ریل گاڑی کے ذریعہ سے ہزاروں کوسوں تک پہنچائی جاتی ہیں۔

ایسا ہی قرآن شریف میں آخری زمانہ کی نسبت یہ پیشگوئی ہے کہ اِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ[2] یعنی آخری زمانہ میں ایک یہ واقعہ ہوگا کہ بعض نفوس بعض سے ملائے جائیں گے یعنی ملاقاتوں کے لئے آسانیاں نکل آئیں گی اور لوگ ہزاروں کوسوں سے آئیں گے اور ایک دوسرے سے

[1] التکویر آیت ۱۱ [2] التکویر آیت ۸

ملیں گے سو ہمارے زمانہ میں یہ پیشگوئی بھی پوری ہوگئی۔

ایک اور پیشگوئی قرآن شریف میں آخری زمانہ کی نسبت ہے اور وہ یہ ہے کہ وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ[1] یعنی آخری زمانہ میں دریاؤں میں سے بہت سی نہریں جاری کی جائیں گی چنانچہ یہ پیشگوئی بھی ہمارے زمانہ میں ظہور میں آگئی۔ اسی طرح قرآن شریف میں ایک یہ پیشگوئی ہے وَاِذَا الْجِبَالُ سُیِّرَتْ[2] یعنی وہ آخری زمانہ ہوگا جب کہ پہاڑ چلائے جائیں گے یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ پہاڑ اُڑائے جائیں گے جیسا کہ اس زمانہ میں توپوں کے ساتھ پہاڑوں کو اڑا کر اُن میں راستے بنائے گئے ہیں۔ سو یہ تمام پیشگوئیاں قرآن شریف میں موجود ہیں۔ مگر اس جگہ یہ نکتہ یاد رکھنا چاہیئے کہ عشار اُن اُونٹنیوں کو کہتے ہیں جو حمل دار ہوں اور اگرچہ حدیث میں قلاص کا لفظ ہے مگر قرآن شریف میں اس لئے عشار کا لفظ استعمال کیا گیا تا یہ پیشگوئی قیامت کی طرف منسوب نہ کی جائے اور حمل کے قرینہ سے یہ دُنیا کا واقعہ سمجھا جائے کیونکہ قیامت کو حمل نہیں ہوں گے۔

پھر جس قدر ہم نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے معجزات قرآن شریف سے لکھے ہیں انہیں پر حصر نہیں ہے بلکہ احادیث صحیحہ اور اخبار اسلامیہ کی رُو سے اس تواتر سے بارش کی طرح معجزات آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ثبوت ملتا ہے کہ جس سے بڑھ کر کسی نبی یا رسول کے معجزات مروی نہیں ہیں۔ بعض پیشگوئیاں ایسی ہیں کہ جن کتابوں میں وہ لکھی گئی تھیں وہ کتابیں اُن پیشگوئیوں کے پوری ہونے سے صدہا برس پہلے عموماً تمام اسلامی دُنیا میں شائع ہو چکی تھیں اگر ہم اس جگہ اُن معجزات کی تفصیل لکھیں تو وہ تمام معجزات بیس۲۰ جزو میں بھی سما نہیں سکتے اور تفصیل کی حاجت نہیں کیونکہ وہ کتابیں نہ صرف مسلمانوں کے قبضہ میں ہیں بلکہ اُسی پُرانے زمانہ میں بعض اتفاقات حسنہ سے وہ کتابیں عیسائیوں کو مل گئی تھیں جو اب تک یورپ کے پُرانے کتب خانوں میں موجود ہیں تا وہ بھی ان معجزات کے گواہ ہو جاویں۔

پھر ماسوا اس کے ہم اس جگہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اُن تاثیرات اور برکات کے

[1] انفطار آیت ۴ ؞ [2] تکویر آیت ۴ ؞

بیان کرنے سے رہ نہیں سکتے جن کے تجربہ اور آزمائش کرنے والے ہم خود ہیں بلکہ ہم یہ بات بڑے فخر سے کہتے ہیں کہ اب تمام دنیا میں صرف ایک اسلام ہی ہے جس کو خدا تعالےٰ کی طرف سے یہ فضیلت اور خصوصیت حاصل ہے کہ وہ تازہ نشانوں اور معجزات سے اس پوشیدہ خدا کا چہرہ دکھاتا ہے جس سے دُوسری قومیں بےخبر رہ کر مخلوق پرستی میں گرفتار ہوگئی ہیں اور یا یہ کہ اُس کے وجود سے ہی منکر ہو بیٹھے ہیں۔ پس بلاشبہ اس زمانہ میں خدائے غیب الغیب کا چہرہ دکھلانے والا صرف یہی دین ہے نہ اور کوئی دین۔ فَاعْتَبِرُوْا یَآ اُولِی الْاَبْصَار !!

چونکہ تربیت اور پرورش کے لئے یہ قاعدہ مقرر ہے کہ جس باغ کو مثلاً مالک اس کا ہمیشہ تازہ بتازہ رکھنا چاہتا ہے وہ اُس کی مناسب پرورش اور غور و پرداخت کے تعہد کو نہیں چھوڑتا اور ہمیشہ حاجت کے وقت اُس کی آبپاشی کرتا رہتا ہے اور اگر کوئی پھل دار بوٹا ضائع ہو جائے تو اس کی جگہ اور بوٹا لگا دیتا ہے پس یہی قاعدہ خدا تعالیٰ کے قانون قدرت میں ہے کہ وہ اسلام کے باغ کو جس کو ہمیشہ سرسبز اور پھلدار رکھنا اُس کا مقصود ہے اپنے خاص تعہد سے تازہ بتازہ اور سرسبز کرتا رہتا ہے اور جب وہ باغ آبپاشی کا محتاج ہو جاتا ہے تو اس کو پانی دیتا ہے اور جب پہلے بوٹے نکمے اور بوسیدہ ہو جاتے ہیں تو نئے بُوٹے لگاتا ہے یعنی ایک نئی قوم پیدا کرتا ہے جو پھل دیوے اور پانی دینے کا سرچشمہ ایک ایسے شخص کو بنا دیتا ہے جو خدا کی تجلیات کی بارش سے وحی الٰہی کا زندہ اور تازہ پانی پاتا ہے۔ اور تم ہر روز خود دیکھتے اور مشاہدہ کرتے ہو کہ کیا کوئی باغ بغیر تعہد اور آبپاشی کے رہ سکتا ہے اور کیا یہ سچ نہیں ہے کہ جب کچھ بوٹے خشک ہو جاتے ہیں تو اُن کی جگہ اور لگائے جاتے ہیں اور اگر باغبان مر جاتا ہے تو اس کی جگہ دُوسرا آتا ہے۔ سو اسلام کے باغ کیلئے بھی یہی قاعدہ ہے۔

صـ۳۱ اور چونکہ ہمارا زمانہ وہ زمانہ ہے جس میں اسلام کے باغ کو بڑے بڑے صدمات پہنچے ہیں اور کیا اندرونی طور پر اور کیا بیرونی طور پر اسلام انواع و اقسام کے حوادث سے آفت رسیدہ

ہو گیا ہے اور اندرونی طور پر تو کئی بوٹے خشک ہو کر جڑھ سے اُکھڑ گئے ہیں یعنی جو لوگ اسلام کے مدعی تھے محض اُن کی زبان پر اسلام رہ گیا ہے۔ اور حقیقت اسلام کی اُن کے دلوں میں سے مفقود ہو چکی ہے اور شکوک و شبہات سے اکثر سینے بھر گئے ہیں بعض لوگ تو مسلمان کہلا کر خدا کے وجود کے بھی قائل نہیں اور بعض نے نیچریت کا جامہ پہن لیا ہے یعنی طبعیوں اور فلسفیوں کا لباس پہن کر خدا تعالیٰ کی خارق عادت قدرتوں سے منکر ہو بیٹھے ہیں اور بے قیدی اور آزادی کے طور پر زندگی بسر کرتے ہیں اور نماز روزہ اور حج زکوٰۃ پر ٹھٹھا مارتے اور بہشت دوزخ پر بھی ہنسی کرتے ہیں اور ملائک اور جنّات کے قطعاً منکر ہیں اور بعض ایسے ہیں کہ وہ اس فکر میں پڑ گئے ہیں کہ کسی طرح اسلام میں کچھ تغیر تبدّل کر کے اپنی طرف سے ایک نیا اسلام بنایا جاوے جس میں تکالیف شرعیہ سے بکلی آزادی ہو۔ اور وضو اور غسل بھی نہ کرنا پڑے اور شراب وغیرہ محرمات کا بھی فتویٰ دیا جائے اور اسلام سے پردہ کی رسم بھی اٹھائی جائے۔ اور آہستہ آہستہ دین اسلام میں فسق و فجور کا دروازہ کھولا جائے اور نمازوں کا پڑھنا اور عبادت کرنا اور خدا تعالےٰ کے راہ میں مجاہدات بجالانا یہ تمام احکام منسوخ کر دئے جائیں چنانچہ میرے خیال میں اس ملک میں کئی لاکھ ایسے آدمی ہوں گے کہ جو اس قسم کے ہوں گے جن میں سے بعض تو سیّد احمد خان کے پَیرو اور بعض اس سے بھی کئی قدم آگے بڑھے ہوئے ہیں اور درحقیقت یہ لوگ اسلام کا چولہ اپنے بدن پر سے اُتار چکے ہیں اور آہستہ آہستہ اسلام سے علیحدہ ہونا چاہتے ہیں مگر چونکہ مسلمانوں کے گھر پیدا ہوئے اس لئے ابھی تک مسلمان ہی کہلاتے ہیں مگر کُھلے کُھلے طور پر تحریر اور تقریر سے اسلام کی مخالفت کرتے ہیں۔

اور ایک فرقہ ایسا بھی نکلا ہے کہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنن ماثورہ پر ٹھٹھا مارتا اور ہنسی کرتا ہے اور تمام احادیث کو ردّیات کا ذخیرہ سمجھتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنی عزت بھی نہیں دیتا کہ وہ فہم قرآن میں دوسروں سے بڑھ کر ہیں اور یہ فرقہ بھی پنجاب میں کسی قدر پھیل گیا ہے۔

ص۳۱۱

ماسوا اس کے عوام الناس میں جس قدر بدرسمیں پھیلی ہوئی ہیں جو مخلوق پرستی تک پہنچ گئی ہیں اُن کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ بعض پیر پرستی میں اس قدر حد سے بڑھ گئے ہیں جو اپنے پیروں کو معبود قرار دے لیا ہے۔ بعض قبروں کی نسبت اس قدر غلو رکھتے ہیں کہ قریب ہے کہ ان قبروں کو ہی اپنا خدا تصور کرلیں بلکہ کئی لوگ قبروں پر سجدہ کرتے دیکھے گئے ہیں۔

اور وہ لوگ جو پیر اور سجادہ نشین کہلاتے ہیں اکثر لوگوں میں ان میں سے بدعملی حد سے بڑھ گئی ہے اور وہ لوگ خدا تعالےٰ کی طرف نہیں بلکہ اپنی طرف بلاتے ہیں اور اکثر اُن میں بڑے چالاک اور دین فروش ہوتے ہیں اور طرح طرح کے مکر اور فریب کرکے دنیا کماتے ہیں اور ان فریبوں کو اپنی کرامات قرار دیتے ہیں اور جو کچھ اپنے مریدوں کو سکھاتے ہیں وہ ایسے امور ہیں جو کتاب اللہ اور سُنت نبویہ سے بالکل مخالف ہیں اور اکثر اُن کے ایسے جاہل ہیں جو کتاب اللہ کے معنے بھی نہیں سمجھ سکتے اور اُن کے درود وظائف عجیب قسم کے ہیں کہ نہ اُن کا کتاب اللہ سے پتہ ملتا ہے اور نہ سنت رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے۔ اور مال جمع کرنے اور اپنی دنیا کے فراہم کرنے میں دن رات مصروف رہتے ہیں۔ اور اگر اُن کی کوئی غلطی اُن پر ظاہر کی جائے تو سخت کینہ دل میں پیدا کرتے ہیں اگر ممکن ہو تو ایسے آدمی کو ہلاک کرنے تک بھی فرق نہیں کرتے۔ اور بعض فقرا صالح اور رشید بھی ہیں مگر وہ تھوڑے ہیں۔

اکثر علماء کے کلام ملونی سے خالی نہیں ہیں وہ علوم نبویہ کے وارث کہلاتے ہیں مگر اُن پاک علوم کے خلاف کام کرتے ہیں رُوحانیت اور اخلاص اور صدق و وفا سے کچھ بھی اُن کو خبر نہیں۔ اکثر علماء کو میں دیکھتا ہوں کہ وہ اسلام کے راہزن ہیں نہ راستبازی کے طریق پر آپ قدم مارتے ہیں اور نہ کسی اپنے پَیرو کو مارنے دیتے ہیں اور وہ خدا کے سلسلہ کے فرزندوں کی طرح دشمن ہیں تقویٰ طہارت سے ایسے الگ ہیں جیسے اندھیری رات روشنی سے الگ ہوتی ہے اُن کی مشیخت اور انانیت اُن کو اجازت نہیں دیتی کہ حق بات کو قبول کرلیں۔ اور

صد ۳۱۲

بعض اہل علم صالح اور رشید طبع بھی ہیں اور وہ تھوڑے ہیں۔

اس زمانہ میں اسلام کے اکثر امراء کا حال سب سے بدتر ہے وہ گویا یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ صرف کھانے پینے اور فسق و فجور کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ دین سے وہ بالکل بے خبر اور تقویٰ سے خالی اور تکبر اور غرور سے بھرے ہوتے ہیں اگر ایک غریب اُنکو السّلام علیکم کہے تو اُس کے جواب میں وعلیکم السلام کہنا اپنے لئے عار سمجھتے ہیں بلکہ غریب کے منہ سے اس کلمہ کو ایک گستاخی کا کلمہ اور بیباکی کی حرکت خیال کرتے ہیں حالانکہ پہلے زمانہ کے اسلام کے بڑے بڑے بادشاہ السّلام علیکم میں کوئی اپنی کسرِ شان نہیں سمجھتے تھے مگر یہ لوگ تو بادشاہ بھی نہیں ہیں۔ پھر بھی بے جا تکبر نے اُن کی نظر میں ایسا پیارا کلمہ جو السّلام علیکم ہے جو سلامت رہنے کے لئے ایک دُعا ہے حقیر کر کے دکھایا ہے۔ پس دیکھنا چاہئے کہ زمانہ کس قدر بدل گیا ہے کہ ہر ایک شعار اسلام کا تحقیر کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔

یہ تو اس زمانہ کے اکثر مسلمانوں کا اندرونی حال ہے اور جو بیرونی مفاسد پھیل گئے ہیں اُنکا تو شمار کرنا مشکل ہے۔ اسلام وہ مذہب تھا کہ اگر مسلمانوں میں سے ایک آدمی بھی مرتد ہو جاتا تھا تو گویا قیامت برپا ہو جاتی تھی مگر اب اس ملک میں مرتد مسلمان جو عیسائی ہو گئے یا جنہوں نے اور مذہب اختیار کر لیا ہے وہ دو لاکھ سے بھی زیادہ ہیں بلکہ مسلمانوں کی ادنیٰ اور اعلیٰ قوموں میں سے کوئی ایسی قوم نہیں جس میں سے ایک گروہ عیسائی نہ ہو گیا ہو اور وہی لوگ جو ہمارے سید و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کا نام بغیر درود پڑھنے کے نہیں لیتے تھے اب مرتد ہونے کے بعد جناب ممدوح کو گندی گالیاں دیتے اور گندی تصانیف شائع کرتے ہیں اور جو کتابیں اسلام کے ردّ میں لکھی گئیں اگر وہ ایک جگہ اکٹھی کی جائیں تو کئی پہاڑوں کے موافق اُن کی ضخامت ہوتی ہے۔ پس اس سے زیادہ کونسی ماتم کی جگہ ہے؟ کہ نہ اسلام کی اندرونی حالت دل کو خوش کر سکتی ہے اور نہ اُس کے بیرونی دشمن ایسے منصف مزاج نظر آتے ہیں کہ جو خدا سے ڈر کر اپنی شرارتوں سے باز آجائیں۔

اس زمانہ میں جس کا ذکر اُوپر ہو چکا ہے خدا نے مجھے اصلاح کرنے کے لئے مامور کر کے بھیجا اور میرے ہاتھ پر وہ **نشان** دکھلائے کہ اگر اُن پر ایسے لوگوں کو اطلاع ہو جن کی طبیعتیں تعصب سے پاک اور دلوں میں خدا کا خوف ہے اور عقل سلیم سے کام لینے والے ہیں تو وہ ان نشانوں سے **اسلام** کی **حقیقت** بخوبی شناخت کر لیں۔ وہ نشان ایک دو نہیں بلکہ ہزارہا نشان ہیں جن میں سے بعض ہم اپنی کتاب **حقیقۃ الوحی** میں لکھ چکے ہیں جب سن ہجری کی تیرھویں صدی ختم ہو چکی تو خدا نے چودھویں صدی کے سر پر مجھے اپنی طرف سے مامور کر کے بھیجا اور **آدم** سے لیکر اخیر تک جس قدر نبی گذر چکے ہیں سب کے نام میرے نام **رکھ دئیے** اور سب سے آخری نام میرا **عیسیٰ موعود** اور **احمد** اور **محمد** معہود رکھا۔ اور دونوں ناموں کے ساتھ بار بار مجھے مخاطب کیا ان دونوں ناموں کو دوسرے لفظوں میں **مسیح** اور **مہدی** کر کے بیان کیا گیا۔

اور جو معجزات مجھے دئیے گئے بعض اُن میں سے وہ پیشگوئیاں ہیں جو بڑے بڑے غیب کے امور پر مشتمل ہیں کہ بجز خدا کے کسی کے اختیار اور قدرت میں نہیں کہ ان کو بیان کر سکے اور بعض دعائیں ہیں جو قبول ہو کر اُن سے اطلاع دی گئی اور بعض بد دعائیں ہیں جن کے ساتھ شریر دشمن ہلاک کئے گئے اور بعض دعائیں از قسم شفاعت ہیں جن کا مرتبہ دُعا سے بڑھ کر ہے اور بعض مباہلات ہیں جن کا انجام یہ ہوا کہ خدا نے دشمنوں کو ہلاک اور ذلیل کیا اور بعض صلحائے زمانہ کی وہ شہادتیں ہیں جنہوں نے خدا سے الہام پا کر میری سچائی کی گواہی دی۔ اور بعض ایسے صلحائے اسلام کی شہادتیں ہیں جو میرے ظہور سے پہلے فوت ہو چکے تھے جنہوں نے میرا نام لے کر اور میرے گاؤں کا نام لے کر گواہی دی تھی کہ وہی مسیح موعود ہے جو جلد آنے والا ہے اور بعض نے ایسے وقت میں میرے ظہور کی خبر دی تھی جب کہ میں ابھی پیدا بھی نہیں ہوا تھا اور بعض نے میرے ظہور کے بارے میں ایسے وقت میں خبر دی تھی جب کہ میری عمر شاید دس یا بارہ[۱۲] برس کی ہوگی اور اپنے بعض مریدوں کو بتلا دیا تھا

صفحہ ۳۱۴

کہ تم اس قدر عمر پاؤ گے کہ اُن کو دیکھ لو گے اور جو نشانیاں زمانہ مہدی معہود کی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مقرر کی تھیں جیسا کہ اُس کے زمانہ میں کسوف خسوف رمضان میں ہونا اور طاعون کا ملک میں پھیلنا* یہ تمام شہادتیں میرے لئے ظہور میں آگئیں اور اس وقت تک چودھویں صدی کا بھی میں نے چہارم حصہ پالیا۔ یہ اس قدر دلائل اور شواہد ہیں کہ اگر وہ سب کے سب لکھے جائیں تو ہزار جزو میں بھی سما نہیں سکتے۔

صفحہ ۳۱۵

*حاشیہ۔ یہ دار قطنی کی حدیث ہے کہ مہدی موعود کی یہ بھی نشانی ہے کہ خدا اُس کے لئے اس کے زمانہ میں یہ نشان ظاہر کرے گا کہ چاند اپنی مقررہ راتوں میں سے (جو اس کے خسوف کے لئے خدا نے راتیں مقرر کر رکھی ہیں یعنی تیرھویں[13] چودھویں[14] پندرھویں[15]) پہلی رات میں گرہن پذیر ہوگا اور سورج اپنے مقررہ دنوں میں سے (جو اس کے کسوف کے لئے خدا نے دن مقرر کر رکھے ہیں یعنی ۲۷، ۲۸، ۲۹) درمیانی دن میں کسوف پذیر ہوگا اور یہ دونوں خسوف کسوف رمضان میں ہوں گے اور ایک حدیث میں ہے کہ مہدی کے وقت میں یہ دو مرتبہ واقع ہوں گے چنانچہ یہ دونوں دو دفعہ میرے زمانہ میں رمضان میں واقع ہو گئے۔ ایک مرتبہ ہمارے اس ملک میں دوسری مرتبہ امریکہ میں۔ اور ہمیں اس بات سے بحث نہیں کہ ان تاریخوں میں کسوف خسوف رمضان کے مہینہ میں ابتدائے دنیا سے آج تک کتنی مرتبہ واقع ہوا ہے۔ ہمارا مدعا صرف اس قدر ہے کہ جب سے نسل انسان دنیا میں آئی ہے نشان کے طور پر یہ خسوف کسوف صرف میرے زمانہ میں میرے لئے واقع ہوا ہے اور مجھ سے پہلے کسی کو یہ اتفاق نصیب نہیں ہوا کہ ایک طرف تو اُس نے مہدی موعود ہونے کا دعویٰ کیا ہو اور دوسری طرف اُس کے دعوے کے بعد رمضان کے مہینہ میں مقرر کردہ تاریخوں میں خسوف کسوف بھی واقع ہو گیا ہو اور اُس نے اُس کسوف خسوف کو اپنے لئے ایک نشان ٹھیرایا ہو۔ اور دار قطنی کی حدیث میں یہ تو کہیں نہیں ہے کہ پہلے کبھی کسوف خسوف نہیں ہوا ہاں یہ تصریح سے الفاظ موجود ہیں کہ نشان کے طور پر یہ پہلے کبھی کسوف خسوف نہیں ہوا کیونکہ لَمْ تَكُوْنَا کا لفظ مؤنث کے صیغہ کے ساتھ دار قطنی میں ہے جس کے یہ معنے ہیں کہ ایسا نشان کبھی ظہور میں نہیں آیا۔ اور اگر یہ مطلب ہوتا کہ کسوف خسوف پہلے کبھی ظہور میں نہیں آیا تو لفظ لَمْ يَكُوْنَا مذکر کے صیغہ سے چاہیئے تھا نہ کہ لَمْ تَكُوْنَا کہ جو مؤنث کا صیغہ ہے جس سے صریح معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد آیتین ہے یعنی دو نشان کیونکہ یہ مونث کا صیغہ ہے۔ پس جو شخص یہ خیال کرتا ہے

صفحہ ۳۱۴ ، صفحہ ۳۱۵

لیکن یہ سب کچھ جو ظہور میں آیا یہ اس لئے ظہور میں نہیں آیا کہ اصل مقصود میری عظمت ظاہر کرنا تھا بلکہ اس لئے ظہور میں آیا کہ تا خدا تعالیٰ دین اسلام کی حجت دنیا پر قائم کرے میں تو خود حیران ہوں کہ میں خود کچھ چیز نہ تھا لیکن میں خدا کے فضل اور نعمت کو کیونکر ردّ کروں۔ آخر جب کہ بڑے بڑے صدمات اسلام پر وارد ہو کر تیرھویں صدی پوری ہوئی اور اس منحوس صدی میں ہزارہا قسم کے اسلام کو زخم پہنچے اور چودھویں صدی کا آغاز شروع ہوا تو ضرور تھا کہ خدا تعالیٰ کی قدیم سنت کے موافق موجودہ مفاسد کی اصلاح اور دین کی تجدید کے لئے کوئی پیدا ہوتا۔ سو اگرچہ اس عاجز کو کیسا ہی تحقیر کی نظر سے دیکھا جائے مگر خدا نے اس امت کا **خاتم الخلفاء** اسی اپنے بندہ کو ٹھیرایا میرے بارے میں **شیخ محی الدین ابن العربی**ؒ نے ایک پیشگوئی کی تھی جو میرے پر پوری ہو گئی اور وہ یہ کہ خاتم الخلفاء جس کا دوسرا

ص۲۱۶

ص۲۱۵

کہ پہلے بھی کسی دفعہ خسوف کسوف ہو چکا ہے اس کے ذمہ یہ بار ثبوت ہے کہ وہ ایسے مدعی مہدویت کا پتہ دے جس نے اس کسوف خسوف کو اپنے لئے نشان ٹھہرایا ہو اور یہ ثبوت یقینی اور قطعی چاہیئے اور یہ صرف اس صورت میں ہوگا کہ ایسے مدعی کی کوئی کتاب پیش کی جائے جس نے مہدی معہود ہونے کا دعویٰ کیا ہو اور نیز یہ لکھا ہو کہ خسوف کسوف جو رمضان میں دار قطنی کی مقرر کردہ تاریخوں کے موافق ہوا ہے وہ میری سچائی کا نشان ہے۔ غرض صرف خسوف کسوف خواہ ہزار دفعہ مرتبہ ہوا ہو اس سے بحث نہیں۔ نشان کے طور پر ایک مدعی کے وقت صرف ایک دفعہ ہوا ہے اور حدیث نے ایک مدعی مہدویت کے وقت میں اپنے مضمون کا وقوع ظاہر کر کے اپنی صحت اور سچائی کو ثابت کر دیا۔ اسی طرح نواب صدیق حسن خان صاحب حجج الکرامہ میں اور حضرت مجدد الف ثانی صاحب نے اپنی کتب میں لکھا ہے کہ احادیث صحیحہ میں لکھا ہے کہ ستارہ دنبالہ دار یعنی ذوالسنین مہدی معہود کے ظہور کے وقت میں نمودار ہوگا چنانچہ وہ ستارہ ۱۸۸۲ء میں نکلا اور انگریزی اخباروں نے اس کی نسبت یہ بھی بیان کیا کہ یہی وہ ستارہ ہے کہ جو حضرت مسیح علیہ السلام کے وقت میں نکلا تھا۔

ایسا ہی اس زمانہ کے قریب جب کہ خدا نے مجھ کو مبعوث فرمایا ستارے اس کثرت سے ٹوٹے جن کی ان سے پہلے نظیر نہیں دیکھی گئی اور شاید یہ نومبر ۱۸۸۵ء تھا اسی طرح اور کئی آسمانی آثار ظاہر ہوئے۔ یہ خدا کے سب نشان ہیں۔ منہ

نام مسیح موعود ہے صینی الاصل ہوگا۔ یعنی اس کے خاندان کی اصل جڑھ چین ہوگی اور نیز وہ توام پیدا ہوگا ایک لڑکی اس کے ساتھ ہوگی اور یہ وضع حمل کے وقت پہلے پیدا ہوگی اور وہ بعد میں پیدا ہوگا پس اسی طرح میری پیدائش ہوئی اور میں توام کے طور پر جمعہ کے دن صبح کے وقت پیدا ہوا تھا۔ ممکن ہے کہ یہ پیشگوئی شیخ محی الدین ابن العربی کا اپنا کشف ہو یا کوئی حدیث اس کو پہنچی ہو۔ بہرحال وہ پیشگوئی میرے پیدا ہونے کے ساتھ پوری ہوگئی اور اب تک اسلام میں میرے سوا کوئی ایسا پیدا نہیں ہوا کہ وہ صینی الاصل بھی ہوا اور توام بھی پیدا ہوا ہو اور پھر اُس نے خاتم الخلفاء ہونے کا دعویٰ بھی کیا ہو۔ ☆

☆ حاشیہ۔ شیخ محی الدین ابن العربی صاحب کی اس پیشگوئی سے خدا کا وہ کلام جو میرے پر نازل ہوا اور میری کتاب براہین احمدیہ میں شائع کیا گیا بظاہر ایک تناقض رکھتا ہے کیونکہ اس کلام میں مجھے فارسی الاصل ٹھہرایا گیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ براہین احمدیہ میں فرماتا ہے خُذُوا التَّوْحِيْدَ التَّوْحِيْدَ يَا اَبْنَاءَ الْفَارِسِ[1] (ترجمہ) توحید کو پکڑو توحید کو پکڑو اے فارس کے بیٹو۔ اور پھر اسی براہین احمدیہ میں دوسری جگہ فرماتا ہے اِنَّ الَّذِيْنَ صَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ رَدَّ عَلَيْهِمْ رَجُلٌ مِّنْ فَارِسَ شَكَرَ اللّٰهُ سَعْيَهٗ۔ یعنی جو لوگ اسلام کے مخالف ہیں اور خدا کی راہ سے روکتے ہیں ایک فارسی نے (یعنی اس عاجز نے) اُن کا رد لکھا ہے خدا اس کی سعی کا شکرگذار ہے۔ اور پھر تیسری جگہ اسی براہین احمدیہ میں فرمایا ہے لَوْ كَانَ الْاِيْمَانُ مُعَلَّقًا بِالثُّرَيَّا لَنَالَهٗ رَجُلٌ مِّنْ فَارِسَ یعنی اگر ایمان زمین پر سے اٹھ جاتا اور ثریا پر چلا جاتا تب بھی ایک انسان فارس میں سے (یعنی یہ عاجز) اُس کو وہاں پہنچ کر لے لیتا۔ اس تناقض کا جواب یہ ہے کہ اسلام کے شائع ہونے کے بعد بہت سے مسلمان چین میں جا آباد ہوئے تھے اور ان کی تاثیر وعظ سے کئی کروڑ چینی مسلمان ہوگیا تھا اسی وجہ سے اب بھی چین میں چھ کروڑ سے زیادہ مسلمان ہیں سو ممکن ہے کہ بعض فارسی بھی وہاں جا کر آباد ہوگئے ہوں اور پھر اس وجہ سے چینی کہلانا ایک لازمی امر تھا جیسا کہ بہت سے عرب جو ابتدا میں ہندوستان میں آئے تھے اب ہندی کہلاتے ہیں چنانچہ تمام سادات اور قریش اسی قسم کے ہیں اور اس میں کچھ شک نہیں کہ جیسا کہ بظاہر سمجھا جاتا ہے ہمارا خاندان مغلیہ خاندان مشہور ہے جو بلاشبہ چینی الاصل ہے لیکن جو کچھ خدا نے ظاہر فرمایا وہ بلاشبہ صحیح ہے۔ منہ

[1] فارس کے لفظ پر خدا تعالیٰ نے الف لام لگا دیا ہے جو موجودہ نحو کے قاعدہ کی رُو سے صرف فارس چاہیئے تھا خدا کا کلام انسانی نحو سے ہر ایک جگہ موافق نہیں ہوتا ایسے الفاظ اور فقرات اور ضمائر جو انسانی نحو سے مخالف ہیں قرآن شریف میں بھی پائے جاتے ہیں منہ

۳۱۷ اور خدا تعالیٰ نے اس بات کے ثابت کرنے کے لئے کہ میں اُس کی طرف سے ہوں اس قدر نشان دکھلائے ہیں کہ اگر وہ ہزار نبی پر بھی تقسیم کئے جائیں تو اُن کی بھی اُن سے نبوت ثابت ہو سکتی ہے لیکن چونکہ یہ آخری زمانہ تھا اور شیطان کا مع اپنی تمام ذریّت کے آخری حملہ تھا اس لئے خدا نے شیطان کو شکست دینے کے لئے ہزارہا نشان ایک جگہ جمع کر دئے لیکن پھر بھی جو لوگ انسانوں میں سے شیطان ہیں وہ نہیں مانتے اور محض افترا کے طور پر ناحق کے اعتراض پیش کر دیتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ کسی طرح خدا کا قائم کردہ سلسلہ نابود ہو جائے مگر خدا چاہتا ہے کہ اپنے سلسلہ کو اپنے ہاتھ سے مضبوط کرے جب تک کہ وہ کمال تک پہنچ جاوے۔

میں ابھی لکھ چکا ہوں اور پھر لکھتا ہوں کہ خدا نے میری تائید اور تصدیق کے لئے ہر ایک قسم کے نشان ظاہر کئے ہیں۔ بعض اُن میں سے تو پیشگوئیاں ہیں یعنی غیب کی خبریں جن پر انسان قادر نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ تمام دنیا اتفاق کر کے اس کی نظیر پیش کرنا چاہے اور بعض ایسی دعائیں ہیں کہ وہ بدرجہ قبول پہنچ کر بذریعہ خدا کی وحی کے میں اُن کی قبولیت سے مطلع کیا گیا۔

اور وہ دعائیں جن کا اُوپر ذکر ہوا معمولی امور کے متعلق نہیں ہیں بلکہ ایک حصہ اُن میں سے ان بیماروں کی شفا کے بارے میں ہے جن کی بیماری درحقیقت شدّتِ عوارض کی وجہ سے موت کے مشابہ تھی مگر خدا نے میری دُعا سے اُن کو اچھا کیا اور بعض دعائیں اُن لوگوں کے متعلق ہیں جو اولاد ہونے سے نومید ہو گئے تھے مگر خدا نے میری دُعا سے اُن کو اولاد دی۔ اور بعض دُعائیں اُن مصیبت زدوں کے متعلق تھیں جو بعض مقدمات میں مبتلا ہو کر جان کے خطرہ میں پڑ گئے تھے یا اُن کی عزت معرضِ خطر میں تھی یا مال کی تباہی اُن کو برباد کرنے والی تھی ایسا ہی اور انواع و اقسام کی دعائیں قبول ہوئیں۔

۳۱۸ اور خدا نے میرے لئے یہ نشان بھی دکھلائے کہ اس نے ہر ایک مباہلہ میں میرے

دشمنوں کو ہلاک کیا یا اُن کے مقابل پر مجھے ہر ایک قسم کے انعام سے مشرف کیا۔ اور اُن کو ذلت کی زندگی میں ڈالا یا ذلت کے ساتھ دنیا سے اٹھا لیا۔

اور خدا نے میری تائید میں اس قسم کے نشان بھی ظاہر کئے کہ میرے وجود سے بھی پہلے بعض صلحاء نے میرا نام لیکر میرے ظہور کی خبر دی تھی اور بعض نے میرے ظہور سے تیس[۳۰] برس پہلے میرا نام لیکر اور میرے گاؤں کا نام لیکر میرے ظہور کی خبر دی۔

اور خدا نے میرے لئے ایک یہ بھی نشان ٹھہرایا کہ پہلے تمام نبیوں نے مسیح موعود کے ظہور کے لئے جس زمانہ کی خبر دی تھی اور جو تاریخی طور پر مسیح موعود کے ظہور کے لئے مدت مقرر کی تھی خدا نے ٹھیک مجھے اسی زمانہ میں پیدا کیا۔ ✽

ایسا ہی اسلام کے تمام اولیاء کا اس پر اتفاق تھا کہ اس مسیح موعود کا زمانہ چودھویں[۱۴] صدی سے تجاوز نہیں کرے گا اور حدیث اَلْاٰیَاتُ بَعْدَ الْمِائَتَیْنِ بھی اس پر دلالت کرتی تھی سو خدا نے چودھویں[۱۴] صدی کے سر پر مجھے مامور اور مخاطب فرمایا

خدا نے قرآن شریف میں ایک جگہ یہ بھی فرمایا تھا کہ آخری زمانہ میں مذاہب کے جنگ ہوں گے اور دریا کی لہروں کی طرح ایک مذہب دوسرے مذہب پر گرے گا تا اُس کو نابود

✽ حاشیہ۔ بعض ناواقف یہ اعتراض کیا کرتے ہیں کہ مسیح موعود کا قرآن شریف میں کہاں ذکر ہے؟ اس کا یہ جواب ہے کہ خدا کی کتابوں میں مسیح موعود کے کئی نام ہیں منجملہ اُن کے ایک نام خاتم الخلفاء ہے یعنی ایسا خلیفہ جو سب سے آخر آنے والا ہے سو اس نام کے ساتھ قرآن شریف میں مسیح موعود کے بارے میں پیشگوئی موجود ہے چنانچہ سورۃ نور میں خدا تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ مسلمانوں میں سے آخری دنوں تک اُن کے دین کی تقویت کے لئے خلیفے پیدا کرتا رہے گا اور اُن کے ذریعہ سے خوف کے بعد امن کی صورت پیدا کر دے گا۔ آخری دنوں تک خلیفوں کا پیدا ہونا اس قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بموجب نص صریح قرآن شریف کے اسلام کا دور دُنیا کے آخری دنوں تک ہے پس ماننا پڑا کہ اسلام میں بھی ایک خاتم الخلفاء ہے جیسا کہ حضرت موسیٰ کے سلسلہ میں حضرت عیسیٰ خاتم الخلفاء تھے۔ اور یہ عجیب راز ہے کہ جیسا کہ حضرت عیسیٰؑ حضرت موسیٰؑ سے بموجب قول یہود کے چودھویں[۱۴] صدی میں پیدا ہوئے اسی طرح اسلام کا خاتم الخلفاء اسی مدت کے بعد مبعوث ہوا۔ منہ

کر دے اور لوگ اسی جنگ و جدال میں مشغول ہوں گے کہ اس فیصلہ کے کرنے کے لئے خدا آسمان سے قرنا میں اپنی آواز پھونکے گا وہ قرنا کیا ہے؟ وہ اُس کا نبی ہوگا جو اُس کی آواز کو پا کر اسلام اور توحید کی طرف لوگوں کو دعوت کرے گا پس اس آواز کے ساتھ خدا تمام سعیدوں کو ایک جگہ جمع کر دے گا تب کوئی اسلام سے محروم نہیں رہے گا مگر وہی جس کو شقاوت ازلی نے روک رکھا ہوگا۔ پس یقیناً سمجھو کہ یہ وہی دن ہیں جو خدا کے دن کہلاتے ہیں۔ اگر مجھ سے ٹھٹھا کیا گیا تو یہ نئی بات نہیں۔ دنیا میں کوئی رسول نہیں آیا جس سے ٹھٹھا نہیں کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یَا حَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ[۱]۔ یعنی بندوں پر افسوس! کہ کوئی رسول ان کے پاس ایسا نہیں آیا جس سے انہوں نے ٹھٹھا نہیں کیا۔

ص۳۲۹

میرے مقابل پر جو میرے مخالف مسلمان مجھے گالیاں دیتے ہیں اور مجھے کافر کہتے ہیں یہ بھی میرے لئے ایک نشان ہے کیونکہ انہیں کی کتابوں میں یہ اب تک موجود ہے کہ مہدی معہود جب ظاہر ہوگا تو اُس کو لوگ کافر کہیں گے اور اُس کو ترک کر دیں گے اور قریب ہوگا کہ علمائے اسلام اُس کو قتل کر دیں۔ چنانچہ ایک جگہ مجدد الف ثانی صاحب بھی یہی لکھتے ہیں اور شیخ محی الدین ابن العربی صاحب نے بھی ایک مقام میں یہی لکھا ہے۔ سو اس میں کچھ شک نہیں کہ باوجود ہزارہا نشانوں کے جو خدا نے میرے لئے دکھلائے پھر بھی میں سخت تکذیب کا نشانہ بنایا گیا ہوں اور میری کتابوں کے یہودیوں کی طرح معنے محرف مبدل کر کے اور بہت کچھ اپنی طرف سے ملا کر میرے پر صدہا اعتراض کئے گئے ہیں کہ گویا میں ایک مستقل نبوت کا دعویٰ کرتا ہوں اور قرآن کو چھوڑتا ہوں اور گویا میں خدا کے نبیوں کو گالیاں نکالتا ہوں اور توہین کرتا ہوں اور گویا میں معجزات کا منکر ہوں۔ سو میری یہ تمام شکایت خدا تعالیٰ کے جناب میں ہے اور میں یقیناً جانتا ہوں کہ وہ اپنے فضل سے میرے حق میں فیصلہ کرے گا کیونکہ میں مظلوم ہوں۔

[۱] یٰسٓ آیت ۳۱

درحقیقت دین وہی دین ہے جس کے ساتھ سلسلہ معجزات اور نشانوں کا ہمیشہ رہے تا اس دین کے پیرو کو بہت آسانی اور سہولت سے سمجھ آجائے کہ خدا موجود ہے لیکن جس دین میں خدا کے نشانوں کے ذکر کرنے کے وقت صرف قصوں کا حوالہ دیا جاتا ہے اُس کے ذریعہ سے خدا کی معرفت کیونکر حاصل ہو؟ **دوستو!** خدا کے تازہ بتازہ نشانوں میں عجیب لذت ہے۔ اُس لذت کی کیفیت ہم کیونکر بیان کر سکتے ہیں وہ کس قدر ایمان کی ترقی کا وقت ہوتا ہے جب کہ خدا کوئی غیب کی خبر ہمیں بتلا کر ثابت کرتا ہے کہ میں موجود ہوں اور ساتھ کسی مشکل کو حل کر کے ظاہر کرتا ہے کہ میں قادر ہوں اور ہمارے دشمن کو ہلاک کر کے اپنی وحی سے ہمیں مطلع کرتا ہے کہ میں تمہارا مویّد اور مددگار ہوں اور ہمارے دوستوں کی نسبت ہماری دعائیں قبول کر کے ہمیں اطلاع دیتا ہے کہ میں تمہارے دوستوں کا دوست ہوں۔

صفحہ ۱۲۰

دشمنوں میں سے نمونہ کے طور پر میں بیان کرتا ہوں کہ آریوں میں سے لیکھرام نام ایک شخص اٹھا اور توہین اور تکذیب میں حد سے زیادہ گذر گیا آخر میرے خدا نے اُس کی ہلاکت کی مجھے خبر دی۔ تب وہ ایک ایسے شخص کے ہاتھ سے مارا گیا جس کا آج تک پتہ نہ ملا کہ وہ کون تھا۔

پھر امریکہ میں عیسائیوں میں سے ایک شخص اٹھا جس کا نام ڈوئی تھا۔ اور اُس نے گمان کیا کہ میں بھی کچھ ہوں اور رسالت کا دعویٰ کیا اور اس بات پر اصرار کیا کہ حضرت عیسیٰ خدا ہیں اور یہ ظاہر کیا کہ گویا خدا کی طرف سے اُس کو یہی الہام ہوا ہے۔ میں نے اس کو لکھا کہ تو خدا پر افترا کرتا ہے اس لئے تو سخت تباہی کے ساتھ ہلاک ہوگا سو اُسی دن سے اُس کی تباہی شروع ہوئی یہاں تک کہ فالج کے عذاب میں مبتلا ہو کر مر گیا اور اپنی موت سے ثابت کر گیا کہ مفتری کا یہ انجام ہوتا ہے۔

ایسا ہی مسلمانوں میں سے ایک شخص جو قصور ضلع لاہور کا رہنے والا تھا اٹھا اور نام اُس کا

غلام دستگیر تھا اور مولوی کہلاتا تھا اُس نے مجھے کاذب ٹھیرا کر دُعا کے ذریعہ سے میری ہلاکت چاہی اور جھوٹے پر خدا کا عذاب مانگا اور اس بارہ میں ایک رسالہ بھی لکھا مگر اس رسالہ کو ابھی شائع کرنا نہ پایا تھا کہ وہ اپنی اُسی بد دُعا کے اثر سے ہلاک ہو گیا اور اُس کا تمام کارخانہ بگڑ گیا۔

ایسا ہی مسلمانوں میں سے ایک اور شخص اٹھا جس کا نام چراغ دین تھا اور جموں کا رہنے والا تھا اور اُس نے مجھے دجّال ٹھہرایا اور میری ہلاکت کی خبر دی۔ تب خدا نے اپنی وحی سے مجھے مطلع کیا کہ وہ طاعون سے ہلاک کیا جائے گا اور ایسا ہوا کہ ابھی اُس نے اپنے مباہلہ کا مضمون لکھنے کے لئے کاتب کو دیا تھا کہ اُسی رات طاعون میں مبتلا ہو کر اس جہان سے گذر گیا۔

۳۲۱

ایسا ہی ایک شخص فقیر مرزا نام جو اپنے تئیں اولیاء اللہ میں سے سمجھتا تھا اور اُس کے بہت مرید تھے میرے مقابل پر کھڑا ہوا اور دعوٰے کیا کہ خدا نے مجھے عرش سے خبر دی ہے کہ آئندہ رمضان تک یہ شخص یعنی یہ عاجز طاعون سے ہلاک ہو جائے گا۔ پس جب رمضان کا مہینہ آیا تو خود طاعون سے ہلاک ہو گیا۔

اسی طرح ایک نہایت کینہ ور اور گندہ زبان شخص سعد اللہ نام لدھیانہ کا رہنے والا میری ایذا کے لئے کمر بستہ ہوا اور کئی کتابیں نثر اور نظم میں گالیوں سے بھری ہوئی تالیف کر کے اور چھپوا کر میری توہین اور تکذیب کی غرض سے شائع کیں اور پھر اسی پر اکتفا نہ کر کے آخر کار مباہلہ کیا اور ہم دونوں فریق کو یعنی مجھے اور اپنے تئیں خدا کے سامنے پیش کر کے جھوٹے کی موت خدا سے چاہی آخر تھوڑے سے دن بعد ہی طاعون سے ہلاک ہوا۔

ایسا ہی کئی اور دشمن مسلمانوں میں سے میرے مقابل پر کھڑے ہو کر ہلاک ہوئے اور اُن کا نام و نشان نہ رہا۔ ہاں آخری دشمن اب ایک اور پیدا ہوا ہے جس کا نام عبد الحکیم خان ہے اور وہ ڈاکٹر ہے اور ریاست پٹیالہ کا رہنے والا ہے جس کا دعوٰی ہے کہ میں

اُس کی زندگی ہی میں ہم۔اگست ۱۹۰۸ء تک ہلاک ہو جاؤں گا۔اور یہ اُس کی سچائی کے لئے ایک نشان ہوگا۔یہ شخص الہام کا دعویٰ کرتا ہے اور مجھے دجّال اور کافر اور کذّاب قرار دیتا ہے۔ پہلے اُس نے بیعت کی اور برابر بیس[20] برس تک میرے مریدوں اور میری جماعت میں داخل رہا پھر ایک نصیحت کی وجہ سے جو میں نے محض للہ اُس کو کی تھی مرتد ہو گیا۔نصیحت یہ تھی کہ اُس نے یہ مذہب اختیار کیا تھا کہ بغیر قبول اسلام اور پیروی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے نجات ہو سکتی ہے۔گو کوئی شخص آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے وجود کی خبر بھی رکھتا ہو۔چونکہ یہ دعویٰ باطل تھا اور عقیدہ جمہور کے بھی برخلاف اِس لئے میں نے منع کیا مگر وہ باز نہ آیا آخر میں نے اُسے اپنی جماعت سے خارج کر دیا۔تب اُس نے یہ پیشگوئی کی کہ میں اُس کی زندگی میں ہی ہم۔اگست ۱۹۰۸ء تک اُس کے سامنے ہلاک ہو جاؤں گا۔مگر خدا نے اُس کی پیشگوئی کے مقابل پر مجھے خبر دی کہ وہ خود عذاب میں مبتلا کیا جائے گا اور خدا اُس کو ہلاک کرے گا اور میں اُس کے شر سے محفوظ رہوں گا۔سو یہ وہ مقدمہ ہے جس کا فیصلہ خدا کے ہاتھ میں ہے بلاشبہ یہ سچ بات ہے کہ جو شخص خدا تعالیٰ کی نظر میں صادق ہے خدا اُس کی مدد کرے گا۔

یہ تو بطور نمونہ وہ نشان لکھے گئے ہیں جو دشمنوں کے متعلق تھے لیکن میں مناسب دیکھتا ہوں کہ کچھ نمونہ کے طور پر وہ نشان بھی لکھے جائیں کہ جو دوستوں کے متعلق ہیں اور وہ یہ ہیں ☜

ایک دفعہ ایسا اتفاق ہوا کہ میرے ایک مخلص دوست ہیں جن کا نام ہے حافظ مولوی حکیم نور الدین اُن کا ایک بیٹا تھا وہ فوت ہو گیا۔تب ایک شریر دشمن نے اپنے ایک اشتہار کے ذریعہ سے اس لڑکے کی موت پر بڑی خوشی ظاہر کی اور مولوی صاحب ممدوح کا نام ابتر رکھا۔میرا دل اس ایذا سے سخت بیقرار ہو گیا میں نے بہت تضرع سے جناب الٰہی میں مولوی صاحب موصوف کے لئے دُعا کی تب مجھے الہام ہوا کہ ایک لڑکا پیدا ہوگا اور

۳۲۲

دُعا کی قبولیت کی یہ نشانی قرار دی گئی کہ پیدا ہوتے ہی اُس کے بدن پر پھوڑے نکل آئیں گے تب تھوڑے دنوں کے بعد لڑکا پیدا ہو گیا جس کا نام عبد الحیّ ہے اور پیدا ہوتے ہی اُس کے بدن پر پھوڑے نکل آئے جن کے داغ اب تک موجود ہیں اور بعد اس کے اور اولاد ہوئی اور اب مولوی صاحب کے گھر میں تین لڑکے ہیں اور درحقیقت یہ اُسی دُعا کا اثر ہے کہ دشمن تو ایک کی موت پر خوش ہوا تھا مگر خدا نے تین لڑکے دئے یہ عجیب بات ہے کہ اس دُعا کے قبول ہونے کے ساتھ خدا نے ایک نشانی بھی بیان کر دی یعنی ساتھ ہی پھوڑوں کا ذکر کر دیا۔

۳۲۳ اور ایک نمونہ اُن نشانوں کا جو دوستوں کے متعلق ظاہر ہوئے۔ نواب محمد علی خان صاحب کا لڑکا عبد الرحیم خان ہے وہ سخت بیمار ہو گیا تھا یہاں تک کہ امید منقطع ہو چکی تھی ایسے نازک وقت میں اُس کے لئے دُعا کی گئی۔ دُعا کے جواب میں ایسا معلوم ہوا کہ حیات کا رشتہ منقطع ہے تب میرے مُنہ سے نکل گیا کہ اے میرے خدا اگر دُعا منظور نہیں ہوتی تو اس لڑکے کے لئے میری شفاعت منظور کر تب جواب میں خدا تعالیٰ نے فرمایا۔ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗٓ اِلَّا بِاِذْنِہٖ[1]۔ یعنی کون ہے جو بغیر اذن خدا تعالیٰ کے شفاعت کر سکتا ہے۔ تب میں چُپ ہو گیا اور اس بات پر صرف چند منٹ ہی گذرے تھے کہ پھر تھوڑی سی غنودگی ہو کر یہ الہام ہُوا۔ اِنَّکَ اَنْتَ الْمُجَازُ یعنی تجھے شفاعت کی اجازت دی گئی۔ تب میں نے بطور شفیع کے اس لڑکے کے حق میں دُعا کی۔ پس تھوڑے دنوں کے بعد خُدا نے اُس کو دوبارہ زندگی بخشی اور وہ تندرست ہو گیا۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

اسی طرح کئی دوستوں کے حق میں اُن کی مشکلات کے وقت میں بہت نمونے نشانوں کے ہیں اور کچھ اُن میں سے میں نے اپنی کتاب حقیقۃ الوحی میں درج بھی کئے ہیں اور اس جگہ ایک تازہ قبولیت دُعا کا نمونہ جو پہلے اس سے کسی کتاب میں نہیں لکھا گیا ناظرین کے فائدہ کے لئے لکھتا ہوں۔

[1] بقرہ آیت ۲۵۶

وہ یہ ہے کہ نواب محمد علی خاں صاحب رئیس مالیرکوٹلہ مع اپنے بھائیوں کے سخت مشکلات میں پھنس گئے تھے منجملہ اُن کے یہ کہ وہ ولیعہد کے ماتحت رعایا کی طرح قرار دئے گئے تھے اور انہوں نے بہت کچھ کوشش کی مگر ناکام رہے اور صرف آخری کوشش یہ باقی رہی تھی کہ وہ نواب گورنر جنرل بہادر بالقابہ سے اپنی دادرسی چاہیں اور اس میں بھی کچھ امید نہ تھی کیونکہ اُن کے برخلاف قطعی طور پر حکام ماتحت نے فیصلہ کر دیا تھا۔ اس طوفان غم و ہم میں جیسا کہ انسان کی فطرت میں داخل ہے انہوں نے صرف مجھ سے دعا کی ہی درخواست نہ کی بلکہ یہ بھی وعدہ کیا کہ اگر خدا تعالیٰ اُن پر رحم کرے اور اس عذاب سے نجات دے تو وہ تین ہزار نقد روپیہ بعد کامیابی کے بلاتوقف لنگرخانہ کی مدد کے لئے ادا کریں گے۔ چنانچہ بہت سی دعاؤں کے بعد مجھے یہ الہام ہوا کہ **اے سیف اپنا رُخ اِس طرف پھیر لے**۔ تب میں نے نواب محمد علی خاں صاحب کو اس وحی الٰہی سے اطلاع دی۔ بعد اس کے خدا تعالیٰ نے اُن پر رحم کیا اور صاحب بہادر وائسرائے کی عدالت سے اُن کے مطلب اور مقصود اور مراد کے موافق حکم نافذ ہو گیا۔ تب انہوں نے بلاتوقف تین ہزار روپیہ کے نوٹ جو نذر مقرر ہو چکی تھی مجھے دیدئے اور یہ ایک بڑا نشان تھا جو ظہور میں آیا۔

صـ۳۲۴

میں پہلے بھی لکھ چکا ہوں کہ یہ خدا کے نشان ہیں جو بارش کی طرح برس رہے ہیں اور ایسا کوئی مہینہ کم گذرتا ہے جس میں کوئی آسمانی نشان ظاہر نہ ہو لیکن یہ اس لئے نہیں کہ میری رُوح میں تمام رُوحوں سے زیادہ نیکی اور پاکیزگی ہے بلکہ اس لئے ہے کہ خدا نے اس زمانہ میں ارادہ کیا ہے کہ اسلام جس نے دشمنوں کے ہاتھ سے بہت صدمات اٹھائے ہیں وہ اب سرِ نو تازہ کیا جائے اور خدا کے نزدیک جو اُس کی عزت ہے وہ آسمانی نشانوں کے ذریعہ سے ظاہر کی جائے۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اسلام ایسے بدیہی طور پر سچا ہے کہ اگر تمام کفارِ رُوئے زمین دعا کرنے کے لئے ایک طرف کھڑے ہوں اور ایک طرف صرف

میں اکیلا اپنے خدا کی جناب میں کسی امر کے لئے رجوع کروں تو خدا میری ہی تائید کرے گا مگر نہ اس لئے کہ سب سے میں ہی بہتر ہوں بلکہ اس لئے کہ میں اُس کے رسُول پر دلی صدق سے ایمان لایا ہوں اور جانتا ہوں کہ **تمام نبوتیں** اُس پر ختم ہیں اور اُس کی شریعت **خاتم الشرائع** ہے مگر ایک قسم کی نبوت ختم نہیں یعنی وہ نبوت جو اُس کی کامل پیروی سے ملتی ہے اور جو اُس کے چراغ میں سے نُور لیتی ہے وہ ختم نہیں کیونکہ وہ محمدی نبوت ہے یعنی اُس کا ظلّ ہے اور اُسی کے ذریعہ سے ہے اور اُسی کا مظہر ہے* اور اُسی سے فیضیاب ہے۔ خدا اُس شخص کا دشمن ہے جو قرآن شریف کو منسوخ کی طرح قرار دیتا ہے اور محمدی شریعت کے برخلاف چلتا ہے اور اپنی شریعت چلانا چاہتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی نہیں کرتا (ص۳۲۵) بلکہ آپ کچھ بننا چاہتا ہے۔ مگر خدا اُس شخص سے پیار کرتا ہے جو اس کی کتاب قرآن شریف کو اپنا دستور العمل قرار دیتا ہے اور اُس کے رسُول حضرت **محمد** صلی اللہ علیہ وسلم کو درحقیقت خاتم الانبیاء سمجھتا ہے اور اس کے فیض کا اپنے تئیں محتاج جانتا ہے پس ایسا شخص خدا تعالیٰ کی جناب میں پیارا ہو جاتا ہے اور خدا کا پیار یہ ہے کہ اُس کو اپنی طرف کھینچتا ہے اور اُس کو اپنے مکالمہ مخاطبہ سے مشرف کرتا ہے اور اُس کی حمایت میں اپنے نشان ظاہر کرتا ہے اور جب اُس کی پیروی کمال کو پہنچتی ہے تو ایک **ظلّی نبوّت** اُس کو عطا کرتا ہے جو **نبوّت محمدیّہ** کا ظلّ ہے یہ اس لئے کہ تا اسلام ایسے لوگوں کے وجود سے تازہ رہے

* ہم بارہا لکھ چکے ہیں کہ حقیقی اور واقعی طور پر تو یہ امر ہے کہ ہمارے سیّد و مولیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اور آنجناب کے بعد مستقل طور پر کوئی نبوت نہیں اور نہ کوئی شریعت ہے اور اگر کوئی ایسا دعویٰ کرے تو بلاشبہ وہ بے دین اور مردود ہے لیکن خدا تعالیٰ نے ابتداء سے ارادہ کیا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات متعدیہ کے اظہار و اثبات کے لئے کسی شخص کو آنجناب کی پیروی اور متابعت کی وجہ سے وہ مرتبہ کثرت مکالمات اور مخاطبات الٰہیہ بخشے کہ جو اس کے وجود میں عکسی طور پر نبوت کا رنگ پیدا کر دے سو اس طور سے خدا نے میرا نام نبی رکھا یعنی نبوّتِ محمدیہ میرے آئینۂ نفس میں منعکس ہو گئی اور ظلّی طور پر نہ اصلی طور پر مجھے یہ نام دیا گیا تا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیوض کا کامل نمونہ ٹھہروں۔ منہ

اور تا اسلام ہمیشہ مخالفوں پر غالب رہے۔ نادان آدمی جو در اصل دشمن دین ہے اس بات کو نہیں چاہتا کہ اسلام میں سلسلہ مکالمات مخاطبات الٰہیہ کا جاری رہے بلکہ وہ چاہتا ہے کہ اسلام بھی اور مردہ مذہبوں کی طرح ایک مردہ مذہب ہو جائے۔ مگر خدا نہیں چاہتا۔ نبوّت اور رسالت کا لفظ خدا تعالیٰ نے اپنی وحی میں میری نسبت صدہا مرتبہ استعمال کیا ہے مگر اس لفظ سے صرف وہ مکالمات مخاطبات الٰہیہ مراد ہیں جو بکثرت ہیں اور غیب پر مشتمل ہیں اس سے بڑھ کر کچھ نہیں۔ ہر ایک شخص اپنی گفتگو میں ایک اصطلاح اختیار کر سکتا ہے لِکُلٍّ اَنْ یَّصْطَلِحَ سو خدا کی یہ اصطلاح ہے جو کثرت مکالمات و مخاطبات کا نام اُس نے نبوت رکھا ہے یعنی ایسے مکالمات جن میں اکثر غیب کی خبریں دی گئی ہیں۔ اور **لعنت** ہے اُس شخص پر جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے فیض سے علیحدہ ہو کر **نبوت کا دعویٰ کرے**

مگر یہ نبوت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت ہے نہ کوئی نئی نبوّت

اور اس کا مقصد بھی یہی ہے

کہ اسلام کی حقانیت دنیا پر ظاہر کی جائے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی سچائی دکھلائی جائے۔

۴۲۶

میں بار بار تمام دنیا پر یہ بات ظاہر کرتا ہوں کہ دنیا میں اسلام ہی صرف ایسا مذہب ہے جس کو زندہ مذہب کہنا چاہیئے باقی تمام مذاہب قصوں کی پرستش میں گرفتار ہیں اور آریہ مذہب والے یوں تو ہر بات میں قانون قدرت کا حوالہ دیتے ہیں مگر اُن کے یہ دکھانے کے دانت ہیں کھانے کے دانت نہیں ہیں۔ اور صرف یہی نہیں کہ اُن کا مذہب آسمانی نشانوں سے بے نصیب ہے بلکہ اُن کا مذہب ہر ایک بات میں خُدا کے قانون قدرت کے مخالف بھی ہے۔

مثلاً خدا کے قانون قدرت سے جانداروں کی پیدائش کی نسبت صریح یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہرگز اس طرح پیدا نہیں ہوتے جیسا کہ آریوں کا خیال ہے یعنی یہ کہ اُن کی رُوحیں شبنم

کی طرح کسی گھاس پات پر پڑتی ہیں بلکہ مختلف قسم کے مادوں سے خواہ وہ نباتی ہیں خواہ جمادی یا حیوانی باذن باری تعالیٰ روحیں پیدا ہو جاتی ہیں شبنم کا اُن میں کچھ دخل نہیں جیسا کہ ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں۔ پس یہ کس قسم کا فلسفہ ہے کہ رُوحوں کی پیدائش کا صرف شبنم پر مدار رکھا گیا ہے یعنی یہ کہ رُوح شبنم کی طرح آسمان سے کسی گھاس پات پر گرتی ہے۔

اگر کارخانہ قدرت پر نظر ڈالی جائے تو جانداروں کی پیدائش کے بارے میں انسانی عقل ہر ایک قدم میں اپنے عجز کا اقرار کرتی ہے۔ ایک قسم کے وہ جاندار ہیں جو دریاؤں اور سمندروں میں عجیب طور پر پیدا ہوتے اور پرورش پاتے ہیں اور ایک قسم کے وہ جاندار ہیں جو زمین کے نیچے پیدا ہوتے ہیں۔ اور بعض جاندار یعنے کیڑے پھلوں میں پیدا ہو جاتے ہیں۔ ہماری اِس کتاب کے تحریر کے وقت جو آم کے پھل لانے کا وقت ہے اور موسم بہار ہے آم کے پھول میں ایک کیڑا پیدا ہو گیا ہے جس کو اس مُلک میں تیلا کہتے ہیں اور یہ آم کے پھول سے ہی پیدا ہوا ہے اور یقین تھا کہ آم کی فصل کو تباہ کر دیتا۔ مگر اب بارش کے ہونے سے کسی قدر کم ہو گیا ہے۔ ایسا ہی کپاس کے درختوں کو ایک قسم کے کیڑے نے نقصان پہنچایا ہے کہتے ہیں کہ کپاس کا کیڑا خارجی تاثیر سے پیدا نہیں ہوتا بلکہ ایک انگریز محقق نے یہ ثابت کیا ہے کہ وہ پودے کی جڑھ میں مٹی میں سے پیدا ہوتا ہے۔

ایسا ہی اس موسم بہار میں میوہ بیدانہ پر ہمیشہ ایک کیڑا دیکھا گیا ہے جو بہت خوبصورت اور بادامی رنگ ہوتا ہے۔

اور موتی کا کیڑا بھی ایک عجیب قسم کا ہوتا ہے اور بہت نرم ہوتا ہے اور لوگ اس کو کھاتے بھی ہیں۔ خود پانی میں بھی کیڑے ہوتے ہیں اور ایک قسم کے درخت ہیں کہ ایک صفت اُن میں نباتی اور ایک حیوانی ہے جیسا کہ پہلے حکماء نے بھی بانس کے درخت میں یہ صفت ثابت کی ہے کہ اگر وہ کسی ایسی جگہ پر لگایا جائے جس کے اُوپر چھت ہو تو ہنوز وہ درخت چھت تک نہیں پہنچتا اور ایک دو ہاتھ باقی رہتے ہیں کہ ایسی طرف اپنا رُخ کر لیتا ہے جس طرف سے وہ

ص۳۲۷

بآسانی باہر کی طرف نکل آتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں بھی ایک حیوانی شعور ہے
ایسا ہی لاجونتی کی بُوٹی میں بھی حیوانی شعور پایا جاتا ہے کہ وہ ہاتھ لگانے سے فی الفور پژمردہ ہو جاتی
ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کا وجود بھی حیوان اور نبات میں مشترک ہے اور بعض
درختوں کے پھل جب پختہ ہوتے اور کھانے کے قابل ہو جاتے ہیں تو وہ سب کے سب
پرندے بن جاتے ہیں اور دُوسرے پرندوں کی طرح پرواز کرتے ہیں جیسا کہ گولر کا پھل بھی
اسی طرح کا ہے اور بعض سیّاح صاحبِ تجربہ بیان کرتے ہیں کہ افریقہ کے بعض جنگلوں میں
بہت سے ایسے درخت پائے گئے ہیں کہ اُن کے پھلے بھی گولر کی پھل کی طرح آخر کار چھوٹے
چھوٹے پرندے ہوکر پرواز کرنے لگتے ہیں۔ بعض پتے اس قسم کے ہیں کہ عین سبز ہونے کی
حالت میں اُن میں کیڑے پیدا ہو جاتے ہیں۔ پس ظاہر ہے کہ کارخانہ قدرتِ الٰہی کی کون
حد بست کر سکتا ہے یہ تمام جہالتیں ہیں کہ اس کے قدرت کے کاموں کو محدود کیا جاوے
اس وسیع کارخانہ قدرت پر ایک عمیق نظر ڈالنے سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ تمام مدار
حیوانی پیدائش کا یہ قرار دینا کہ رُوحیں شبنم کی طرح آسمان سے گرتی ہیں ایسا خیال صرف جہالت
ہی نہیں بلکہ جنون اور دیوانگی ہے۔

ص۲۲۸

پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ ان تمام کیڑوں کی پیدائش موسموں اور وقتوں سے وابستہ ہے
مثلاً برسات میں اس قدر کیڑے پیدا ہو جاتے ہیں کہ تمام سال میں اس قدر پیدا نہیں ہوتے
پس کیا ہم گمان کر سکتے ہیں کہ برسات میں لوگ بڑے بڑے گناہ کرتے ہیں اس لئے اس موسم
میں کیڑوں کی ادنیٰ جُونیں اُنہیں نصیب ہوتی ہیں؟ شرم۔

ماسوا اِس کے آریہ مذہب کا یہ عقیدہ قانونِ قدرت سے کس قدر برخلاف ہے کہ
خدا تعالیٰ اس زمانہ میں لوگوں کی دُعائیں سُنتا تو ہے مگر بولنے پر قادر نہیں اس لئے جواب
نہیں دے سکتا۔ اور صرف اُس زمانہ تک وہ بولتا تھا جب کہ وید کا زمانہ تھا پھر جب کہ وہ
بولتا نہیں تو کیونکر معلوم ہو کہ وہ سُنتا بھی ہے بلکہ کیونکر معلوم ہو کہ وہ زندہ ہے پس یہ کس

قسم کا قانون قدرت ہے جو ہمارے زمانہ میں آکر معطل ہو گیا۔

پھر یہ بھی دیکھنا چاہیئے کہ خدا صرف آریہ ورت کا ہی خدا نہیں بلکہ تمام دنیا کا خدا ہے پھر یہ کس قسم کا قانون قدرت ہے کہ وہ بے شمار مدتوں سے آریہ ورت سے ہی تعلق رکھتا ہے کہ انہیں کے ملک میں اپنی کتاب نازل کرتا ہے کیا کوئی ثابت کر سکتا ہے کہ آریہ ورت کو خدا سے کونسی خصوصیت ہے کہ ہمیشہ کے لئے خدا تعالےٰ کو انہیں کا ملک پسند آگیا۔ اور پھر کیا وجہ ہے کہ اس کام کے لئے ہمیشہ آریہ ورت کے چار رشی ہی منتخب کئے جاتے ہیں اور کیا وجہ ہے کہ پرمیشر اپنے عاجز بندوں کو اُنکی زبان میں ہی اپنے احکام نہیں سمجھاتا اور ایک اجنبی زبان جس کو بندے نہ سمجھ سکیں نہ بول سکیں اُن کے سامنے پیش کرتا ہے کہ اُس کی ہدایتوں پر چلو؟ اگر یہی بات ہے کہ پرمیشر اُن کی زبان سے نفرت کرتا ہے تو پھر وہ دُعائیں جو اپنی اپنی زبان میں لوگ کرتے ہیں وہ کیونکر سُن لیتا ہے؟

غرض آریہ مذہب خدا کے قانون قُدرت کے بالکل مخالف ہے اور ہم بار بار بیان کر چکے ہیں کہ وید کی رُو سے پرمیشر کا وجود ہی ثابت نہیں ہوتا کیونکہ نہ پرمیشر وید کی رُو سے کامل طور پر خالق ہے اور نہ کوئی تازہ نشان دکھا سکتا ہے تا اُس کی ہستی کا اُس سے پتہ لگے اور نہ اُس کی طرف توجہ کرنے والا یہ امر محسوس کرتا ہے کہ پرمیشر نے اپنی کلام سے اُس کو اپنے وجود کی خبر دی ہے کہ میں موجود ہوں۔ عجیب بات یہ ہے کہ وید کی رُو سے مجرموں کو سزا دینے کے لئے اور نیز ایسی نیک جزا دینے کیلئے جس سے ایک بیل اپنی مشقت بھگت کر انسان بن سکتا ہے یہی دنیا جزا و سزا کا گھر ہے مگر پھر بھی ہر ایک رُوح مرنے کے بعد دُنیا سے اٹھائی جاتی ہے اور کسی جزا سزا کا ثمرہ اسی دُنیا میں دست بدست دکھایا نہیں جاتا اور چاہیئے تھا کہ جس وقت ایک بیل اپنی بد اعمالی کی سزا بھگت لے تو فی الفور اس بیل کو انسان بنایا جائے تا لوگوں کو بھی معلوم ہو کہ تناسخ برحق ہے جب کہ یہی دُنیا..... سزا جزا دینے کا گھر ہے تو ناحق رُوح کو دُنیا سے اٹھا لینا اور پھر واپس لانا کس قدر فضول حرکت ہے۔

حق کے طالبوں کیلئے ایک ضروری نصیحت

چونکہ دُنیا ایک ایسی دھوکہ دینے والی جگہ ہے کہ اس میں ہر ایک اچھی چیز کے مقابل پر بُری چیز بھی موجود ہے بلکہ بعض اوقات نادانوں کی نظر میں بُری چیز ایسی اچھی دکھائی دیتی ہے کہ گویا وہی عمدہ اور قابل تعریف ہے۔ مثلاً ہیرا جس کو خدا اپنی قدرت اور حکمت سے زمین میں سے پیدا کر دیتا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ کوئلہ سے پیدا ہوتا ہے بہرحال کچھ ہو لیکن وہ ایسی قیمتی چیز ہے کہ اگر وہ اپنے پُورے وزن اور پُورے لوازم کے ساتھ پیدا ہو جائے تو کئی لاکھ روپیہ بلکہ اس سے بڑھ کر اُس کی قیمت ہوتی ہے اور بجز خزائن ملوک کے کسی کو میسر نہیں آتا پھر عجیب تر بات یہ ہے کہ بعض دوسرے پتھر بھی ایسے ہیں کہ بڑے دانا جوہری بھی دھوکہ کھا کر اُن کو اعلیٰ درجہ کا ہیرا ہی خیال کرنے لگتے ہیں بلکہ اپنی بے وقوفی سے خرید کر ہزارہا روپیہ کا خسارہ اٹھاتے ہیں۔ میرے یہ دیکھنے کی بات ہے کہ قادیان میں ایک کابلی شخص دو پتھر چمکنے والے مدوّر شکل کے لایا جو بہت خوبصورت اور چمکدار تھے اور بیان کیا کہ یہ دو ہیرے ہیں اور اُن میں سے شعلہ کی طرح چمک نکلتی تھی۔ میرے ایک دوست نے جو مدراس کے رہنے والے تھے ایک ٹکڑہ اس ہیرے کا خریدنا چاہا اور پانسو روپیہ قیمت ٹھہری۔ میں نے اُن کو منع کیا کہ اوّل یہ ٹکڑہ کسی جوہری کو دکھلا لینا چاہیئے۔ پھر جوہری کے پاس مدراس میں وہ ٹکڑہ بھیجا گیا آخر شاید ایک ہفتہ یا دس دن کے بعد جواب آیا کہ اس ٹکڑہ کی قیمت دو یا تین پیسے ہیں اور معلوم ہوا کہ یہ اور ہی پتھر ہے جو ہیرے سے مشابہ ہوتا ہے۔

پس اسی طرح سمجھنا چاہیئے کہ بعض نااہل آدمی اپنی جھوٹی چمک دکھلا کر ایسا ظاہر کرتے ہیں کہ گویا وہ اولیاء الرحمٰن میں سے ہیں اور درحقیقت وہ اولیاء الشیطان میں سے ہوتے ہیں

صفحہ ۳۰

ہر ایک شخص کا کام نہیں ہے کہ وہ عباد الرحمٰن اور عباد الشیطان میں فرق کر سکے ہاں اگر ولایت حقہ کے جمیع لوازم مدنظر رکھ کر اور اس معیار کو ہاتھ میں لے کر جو قرآن شریف نے عباد الرحمٰن کے لئے مقرر کیا ہے دیکھا جائے تو انسان دھوکہ کھانے سے بچ جائے گا اور کسی ابلیس کے ہاتھ میں ہاتھ نہیں دے گا۔ مگر مشکل تو یہی ہے کہ اس زمانہ میں اکثر لوگ خدا کے پاک کلام قرآن شریف میں تدبّر نہیں کرتے اور نہیں دیکھتے کہ قرآن شریف نے عباد الرحمٰن کے کیا کیا علامات لکھے ہیں۔

یہ علامات قرآن شریف میں دو قسم کے پائے جاتے ہیں بعض وہ علامات ہیں جو بندہ کے کمال تقویٰ اور کمال اخلاص اور حُسن اعتقاد اور حُسن اقتدا اور حُسن عمل کے متعلق ہیں اور بعض وہ علامات ہیں جو خدا تعالےٰ کے فضل اور اکرام اور انعام کے متعلق ہیں یہ دونوں قسم کے علامات جس بندہ میں صحیح اور واقعی طور پر پائے جائیں گے وہ بلاشبہ عباد الرحمٰن میں سے ہوگا اور سب سے زیادہ جو خدا نے علامت رکھی ہے وہ یہ ہے جو مومن اور غیر مومن میں خدا نے ایک فرقان رکھا ہے اور مومن کامل مقابلہ کے وقت اپنے دشمن پر فتح پاتا ہے اور اُس کی نصرت اور مدد کی جاتی ہے اور نیز یہ کہ مومنِ کامل کو بصیرت کامل بخشی جاتی ہے اور سب سے زیادہ معرفت کا حصہ بخشا جاتا ہے اور نیز یہ کہ اس کا تقویٰ معمولی انسانوں کے تقویٰ کی طرح نہیں ہوتا بلکہ اُس کے تقویٰ سے مراد یہ ہے کہ وہ خدا کے مقابل پر اپنے وجود کو بھی گناہ میں داخل سمجھتا ہے اور نیستی کے انتہائی درجہ پر پہنچ جاتا ہے اور اُس کا کچھ بھی نہیں رہتا بلکہ سب خدا کا ہو جاتا ہے اور اُس کی راہ میں فدا ہونے کو ہر وقت تیار رہتا ہے۔

اور چونکہ خدا کی غیرت عام طور پر اپنے بندوں کو انگشت نما نہیں کرنا چاہتی اس لئے جب سے کہ دُنیا پیدا ہوئی ہے خدا اپنے خاص اور پیارے بندوں کو بیگانہ آدمیوں کی نظر سے کسی نہ کسی ظاہری اعتراض کے نیچے لاکر محجوب اور مستور کر دیتا ہے تا اجنبی لوگوں کی

۳۳۱

اُن پر نظر نہ پڑ سکے اور تا وہ خدا کی غیرت کی چادر کے نیچے پوشیدہ رہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سیّدنا ومولٰنا حضرت محمد مصطفٰی صلے اللہ علیہ وسلم جیسے کامل انسان پر جو سراسر نُور مجسم ہیں اندھے پادریوں اور نادان فلسفیوں اور جاہل آریوں نے اس قدر اعتراض کئے ہیں کہ اگر وہ سب اکٹھے کئے جائیں تو تین ہزار سے بھی کچھ زیادہ ہیں پھر کسی دوسرے کو کب امید ہے کہ مخالفوں کے اعتراض سے بچ سکے اگر خُدا چاہتا تو ایسا ظہور میں نہ آتا مگر خدا نے یہی چاہا کہ اُس کے خاص بندے دنیا کے فرزندوں کے ہاتھ سے دُکھ دئے جائیں اور ستائے جائیں اور اُن کے حق میں طرح طرح کی باتیں کہی جائیں۔ اسی طرح انجیل سے ثابت ہے کہ بدقسمت یہودیوں نے حضرت عیسیٰؑ کو بھی کافر اور مکار اور گمراہ اور گمراہ کرنے والا اور فریبی ٹھہرایا یہاں تک کہ ایک چور کو اُن پر ترجیح دی۔ ایسا ہی فرعون نے بھی حضرت موسیٰؑ کو کافر کرکے پکارا جیسا کہ قرآن شریف میں فرعون کا یہ کلمہ درج ہے وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِيْ فَعَلْتَ وَاَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ[1]۔ یعنی اے موسیٰؑ جو کام تو نے کیا وہ کیا اور تُو تو کافروں میں سے ہے۔

پس یہ کفر عجیب کفر ہے کہ ابتدا سے تمام رسُول اور نبی وراثت کے طور پر نادانوں کی زبان سے اس کو لیتے آئے یہاں تک کہ آخری حصہ اُس کا ہمیں بھی مل گیا۔ پس ہمارے لئے یہ فخر کی جگہ ہے کہ ہم اس حصہ سے کہ جو نبیوں اور رسُولوں اور صدیقوں کو قدیم سے ملتا آیا ہے محروم نہ رہے بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ کئی گذشتہ نبیوں کی نسبت یہ حصہ ہمیں زیادہ ملا ہے۔

اور یہ بات بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ اولیاء اللہ کے بھی کئی درجات ہوتے ہیں اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ[2]۔ بعض بعض پر فضیلت رکھتے ہیں بلکہ بعض اس مقام تک پہنچ جاتے ہیں کہ ادنیٰ درجہ کے صلحاء اُن کو شناخت نہیں کر سکتے اور اُن کے مقام عالی سے منکر رہتے ہیں اور یہ اُن کے لئے ابتلا اور ٹھوکر کا باعث ہو جاتا ہے اصل بات یہ ہے کہ ربوبیت کی تجلیات الگ الگ ہوتی ہیں جو اخص العباد ہوتے ہیں

[1] الشعراء: ۲۰ [2] البقرۃ: ۲۵۴

۳۳۲

وہ اعلیٰ درجہ کی تجلّی سے مخصوص کئے جاتے ہیں دوسروں کو اس تجلّی سے کوئی حصہ نہیں ملتا۔ اگرچہ خدا ایک ہے اور واحد لاشریک ہے مگر پھر بھی مختلف تجلّیات کے اعتبار سے ہر ایک کا جُدا جُدا رب ہے۔ یہ نہیں کہ رب بہت ہیں رب ایک ہی ہے جو سب کا رب ہے اور کثرت کا قائل کافر ہے۔ مگر تعلقات کے مختلف مراتب کے لحاظ سے اور صفاتِ الٰہیّہ کے ظہور کی کمی بیشی کے لحاظ سے ہر ایک کا جدا جدا رب کہنا پڑتا ہے جیسا کہ بہت سے آئینے اگر ایک چہرہ کے مقابل پر رکھے جائیں جن میں سے بعض آئینے اس قدر چھوٹے ہوں کہ جیسے آرسی کا شیشہ ہوتا ہے اور بعض اس سے بھی چھوٹے اور بعض اس قدر چھوٹے کہ گویا آرسی کے آئینہ سے پچاسواں حصہ ہیں اور بعض آرسی کے آئینہ سے کسی قدر بڑے ہیں اور بعض اس قدر بڑے ہیں کہ اُن میں پُورا چہرہ نظر آ سکتا ہے پس اس میں شک نہیں کہ اگرچہ چہرہ ایک ہی ہے لیکن جس قدر آئینہ چھوٹا ہوگا چہرہ بھی اس میں چھوٹا دکھائی دے گا۔ یہاں تک کہ بعض نہایت چھوٹے آئینوں میں ایک نقطہ کی طرح چہرہ نظر آئے گا اور ہرگز پورا چہرہ نظر نہیں آئے گا جب تک پورا آئینہ نہ ہو پس اس میں کچھ شک نہیں کہ چہرہ تو ایک ہے اور یہ بات واقعی صحیح ہے لیکن جو بظاہر مختلف آئینوں میں نظر آتا ہے اُس کی نسبت یہ کہنا بھی صحیح ہے کہ وہ باعتبار اس نمائش کے ایک چہرہ نہیں ہے بلکہ کئی چہرے ہیں اسی طرح ربوبیت الٰہیہ ہر ایک کے لئے ایک درجہ پر ظاہر نہیں ہوتی۔ انسانی نفس تزکیہ کے بعد ایک آئینہ کا حکم رکھتا ہے جس میں ربوبیت الٰہیہ کا چہرہ منعکس ہوتا ہے مگر گو کسی کے لئے تزکیہ نفس حاصل ہوگیا ہو مگر فطرت کے لحاظ سے تمام نفوس انسانیہ برابر نہیں ہیں کسی کا دائرہ استعداد بڑا ہے اور کسی کا چھوٹا جس طرح اجرام سماویہ چھوٹے بڑے ہیں۔ پس جو چھوٹی استعداد کا نفس ہے گو اس کا تزکیہ بھی ہوگیا مگر چونکہ استعداد کی رُو سے اس نفس کا ظرف چھوٹا ہے اس لئے ربوبیت الٰہیہ اور تجلّیات ربّانیہ کا عکس بھی اس میں چھوٹا ہوگا۔ پس اس لحاظ سے اگرچہ رب ایک ہے لیکن ظروف نفسانیہ میں منعکس ہونے کے وقت بہت سے

ص۴۳۳

رب نظر آئیں گے۔ یہی بھید ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نماز میں یہی کہتے تھے کہ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰے۔ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم یعنی میرا رب سب سے بڑا اور بزرگ ہے۔ پس اگرچہ رب تو ایک ہے مگر تجلیات عظیمہ اور ربوبیت عالیہ کی وجہ سے حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا رب سب سے اعلیٰ ہے۔

پھر اس جگہ ایک اور نکتہ ہے کہ چونکہ مدارج قرب اور تعلق حضرت احدیت کے مختلف ہیں اس لئے ایک شخص باوجود خدا کا مقرب ہونے کے جب ایسے شخص سے مقابلہ کرتا ہے جو قرب اور محبت کے مقام میں اس سے بہت بڑھ کر ہے تو آخر نتیجہ اس کا یہ ہوتا ہے کہ یہ شخص جو ادنیٰ درجہ کا قرب الٰہی رکھتا ہے نہ صرف ہلاک ہوتا ہے بلکہ بے ایمان ہو کر مرتا ہے جیسا کہ موسیٰ کے مقابل پر بلعم باعور کا حال ہوا۔ پہلے تو وہ مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ سے مشرف تھا اور اُس کی دُعائیں قبول ہوتی تھیں اور تمام ملک میں ولی کہلاتا تھا اور صاحب کرامات تھا لیکن جب خواہ نخواہ موسیٰ کے ساتھ مقابلہ کر بیٹھا اور اپنی قدر کو شناخت نہ کیا تب ولایت اور قرب کے مقام سے گرایا گیا اور خُدا نے کتے کے ساتھ اُس کو مثال دی۔ پس سوچنا چاہئے کہ تکبر اور مشیخت کس قدر خوف کا مقام ہے اور اس درگاہ میں بجز عاجزی کے اور کچھ منظور نہیں۔ چاہئے کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو دیکھے کہ وہ خدا سے تعلق محبت رکھتا ہے اور خدا اس کی مدد اور نُصرت کرتا ہے تو گو یہ کیسا ہی اپنے تئیں پارسا یا ملہم سمجھتا ہے جلدی سے اُس کی توہین اور تکذیب کے لئے طیار نہ ہو۔ تا بلعم باعور کی طرح اُس کا انجام بد نہ ہو۔

ص۳۴۴

خاتمہ کتاب

جس میں باوا نانک صاحب کی گواہی اسلام کی نسبت لکھی گئی ہے

چونکہ یہ کتاب ہندوؤں کے مقابل پر تالیف ہوئی ہے یعنی آریوں کے مقابل پر جو آج کل بدزبانی اور توہین میں ہر ایک قوم سے بڑھ گئے ہیں اس لئے ہم اس کتاب کو ایک ایسے بزرگ کی شہادت پر ختم کرتے ہیں جو ہندوؤں کی قوم میں سے ہے مگر اپنی رُوح کی پاکیزگی اور خوف الٰہی میں ہندوؤں کے اکثر بزرگوں سے بڑھ کر ہے۔

اس بزرگ سے ہماری مراد باوا نانک صاحب ہیں جو سکھوں کے پیشوا اور رہبر ہیں ہمیں بڑے شکر سے اس بات کا اقرار کرنا پڑا ہے کہ جیسا کہ خدا تعالیٰ نے یہودیوں اور عیسائیوں کی مقدس کتابوں میں ہمارے سیّد و مولیٰ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ظہور کی نسبت پیشگوئی کی ہے اور بیان فرمایا ہے کہ وہ ایک سچا اور صادق رسُول ہے جو آنے والا ہے ایسا ہی خدا تعالےٰ نے چاہا کہ ہندوؤں کی قوم کو بھی اس شہادت سے محروم نہ رکھے سو خدا تعالےٰ نے اس مُلک پنجاب میں اس گواہی کے ادا کرنے کیلئے ایک ایسا شخص پیدا کیا جو آج بیس لاکھ سکھ اُس کے چیلے اور اُس کی راہ میں جان فدا کرنے کو طیار ہیں یعنی باوا نانک صاحب۔

ص۳۲۵

جس شخص کو باوا نانک صاحب کے سوانح سے اطلاع ہوگی اس کو معلوم ہوگا کہ یہ وہی مرد خدا ہے جس نے دنیاداری کے ہزاروں پردوں کو پھاڑ کر اور بے جا رسموں کی بندشوں کو توڑ کر خدا کو اختیار کیا تھا۔ اُس کے کلام اور اُس کے ہر ایک فقرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بلاشبہ وہ اُن لوگوں میں سے ہے جن کو خدا اپنے ہاتھ سے صاف کرتا ہے اور جن کے دلوں کو دُنیا

سے بیزار کر کے اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اور جن کے سینوں میں وہ اپنی محبت کی آگ رکھ دیتا ہے۔ اس کا کلام جابجا ثابت کرتا ہے کہ اُس نے ہندوؤں کے ویدوں میں بہت غور کی مگر اُن سے کچھ تسلی نہیں پائی آخر ویدوں سے اُس کا دل بیزار ہو گیا اور اُس وقت کے خدا رسیدہ مسلمانوں سے اُس نے تعلق پیدا کیا اور ایک زمانہ دراز تک اُن کی صحبت میں رہا آخر اُن کے رنگ سے رنگین ہو گیا۔ اب تک اُس کی یادگار میں وہ چلّہ کشی کے مقام پائے جاتے ہیں جس جس جگہ اُس نے اولیاء اللہ کے قرب وجوار میں خدا کی راہ میں مجاہدات کئے چنانچہ اس نیت سے مَیں ایک مرتبہ مُلتان پہنچکر ایک بزرگ کی خانقاہ پر گیا تو ایک دیوار پہ باوا نانک صاحب کے ہاتھ سے **یا اللہ** لکھا ہوا دیکھا اور مجاوروں نے مجھے چلّہ کشی کا مقام دکھایا اور وہ مسجد بھی دکھائی جس میں وہ **نماز پڑھتے تھے**۔ اصل بات یہ ہے کہ وہ زندہ خدا کا طالب تھا اور زندہ مذہب کو ڈھونڈتا تھا آخر خدا اُس پر ظاہر ہوا اور راہِ راست اس کو دکھلا دیا۔ باوا صاحب کے **تبرکات** بھی جو اب تک اُن کی اولاد یا جانشینوں کی اولاد کے ہاتھ میں موجود ہیں وہ تبرکات بھی بزبانِ حال بیان کر رہے ہیں کہ باوا نانک صاحب اور جانشین اُن کے درحقیقت مسلمان تھے اور حکمتِ الٰہیہ سے وہ مخفی رہے وہ تمام تبرکات باوا صاحب کے اسلام پر ایک عجیب **شہادت** ہے اور مَیں نے ان شہادتوں کے فراہم کرنے میں بہت محنت کی آخر خدا کے فضل سے کافی شہادتیں مجھے مل گئیں۔ چنانچہ ذیل میں باوا صاحب کے تبرکات میں سے ایک عجیب شہادت پیش کرتا ہوں۔

بمقام گرو ہر سہائے واقع ضلع فیروزپور سکھوں کے ایک نہایت معزز خاندان کے قبضہ میں باوا نانک صاحب اور اُن کے بعد کے گدی نشین گروؤں کے چند تبرکات چلے آتے ہیں جن میں ایک تسبیح (جس کو ہندو مالا کہتے ہیں) باوا صاحب موصوف کی اور ایک **پوتھی** اور ایک **قرآن شریف** اور چند دیگر اشیاء ہیں۔ یہ قرآن شریف اور دیگر تبرکات

نہایت ادب کے ساتھ بہت سے ریشمی غلافوں کے درمیان بند ہیں اور اُن کو کھولا نہیں جاتا جب تک کہ اُن کے درشن کرنے کا خواہشمند اُس گُرو کو جس کے قبضہ میں وہ ہیں مبلغ ایک سوایک روپیہ نہ دے۔ اور اُس کو کھولنے سے پہلے وہ گُرو ایک سو ایک دفعہ اشنان یعنی غسل کرتا ہے تب وہ اپنے آپ کو اس قابل خیال کرتا ہے کہ اُس کو کھولے اور ہاتھ لگائے ان تبرکات کے درشن کرنے کے واسطے اور اُن کے آگے سر جھکانے کے واسطے سکھ اور ہندو لوگ سیالکوٹ۔ راولپنڈی۔ ڈیرہ اسمٰعیل خان۔ ڈیرہ غازیخان کوہاٹ اور دیگر سرحدی علاقجات بلکہ کابل تک سے آتے ہیں۔ آج کل جس سکھ بزرگ کے قبضہ میں یہ تبرکات ہیں اس کا نام گُرو لشن سنگھ ہے۔ یہ صاحب گُرو رام داس کی اولاد میں سے ہیں جو کہ باوا نانک کے بعد چوتھے گُرو سکھوں کے گذرے ہیں۔

فیروزپور گزٹیر مطبوعہ ۱۸۸۹ء میں جو حالات سرکار انگریزی کے کارپردازان نے اس خاندان کے متعلق لکھے ہیں اُن میں مندرج ہے کہ اس خاندان کے مُورث اعلیٰ وہی گُرو رامداس صاحب تھے جن کے نام نامی پر امرتسر کا مشہور سنہری مندر نامزد ہے پہلے یہ تبرکات ضلع لاہور تحصیل چونیاں کے ایک گانوں محمدی پور نام میں تھے جہاں سے اس خاندان کا بزرگ گُرو جیون مل نقل مکان کرکے موجودہ مقام میں آگیا اور یہاں اُس نے ایک گانوں آباد کیا جس کا نام اپنے بیٹے کے نام پر گرو ہرسہائے رکھا چنانچہ آج تک یہ گانوں اسی نام سے مشہور ہے۔ گُرو جیون مل کے بعد اُس کا بیٹا گُرو ہر سہائے گدی نشین ہوا اور اس کے بعد گُرو اجیت سنگھ اور پھر گُرو امیر سنگھ اور پھر گُرو گلاب سنگھ اور پھر گُرو فتح سنگھ (موجودہ گُرو کا باپ) یکے بعد دیگرے جانشین ہوتے چلے آئے۔ ان تبرکات قرآن شریف وغیرہ کے سبب اس خاندان کا اثر ہمیشہ سکھ قوم پر زور آور رہا ہے انہیں تبرکات کے سبب سے یہ خاندان ہمیشہ بڑی بڑی جاگیروں کا مالک رہا ہے۔ چنانچہ اب تک ۲۶ گانوں اُنکے قبضہ میں ہیں جو ضلع فیروزپور میں ہیں اور ان کے علاوہ ریاستہائے نابھہ و پٹیالہ میں بھی

ص ۳۳۷

اُن کی جاگیریں ہیں۔ ان تبرکات کو دیکھنے کے واسطے اور ان سے ..... فیض حاصل کرنے کے واسطے بعض بڑے بڑے آدمی وہاں جایا کرتے ہیں چنانچہ ایک دفعہ گذشتہ مہاراجہ صاحب والئ ریاست فریدکوٹ بھی خود وہاں گئے تھے اور مشہور ہے کہ انہوں نے ایک ہاتھی اور ایک ہزار روپیہ نقد ان تبرکات کے سبب گرو صاحب کی نذر کیا تھا۔ قرآن شریف اور دیگر تبرکات مفصلہ ذیل صاحبان کو ۴۔ اپریل ۱۹۰۸ء شنبہ کے دن گوردبشن سنگھ صاحب نے دکھلائے چنانچہ قرآن شریف کو کھول کر پڑھا گیا۔ وہ ایک نہایت خوشخط لکھی ہوئی حمائل شریف ہے جس کا سائز تخمیناً ۲ انچ چوڑا اور ۲½ انچ لمبا ہے۔ ہر صفحہ پر اردگرد سنہری لکیریں پڑی ہیں اور بعض مقامات پر سنہری بیل ہے۔ موجودہ گرو صاحب کا بیان ہے کہ پرانے گرو صاحبان سے یہ قرآن شریف بطور تبرک کے چلا آتا ہے۔

ہماری جماعت کے معزز ارکان میں سے جس جس صاحب نے موقعہ پر پہنچ کر اس قرآن شریف کی زیارت کی ہے اُن صاحبان کے نام یہ ہیں۔

(۱) مفتی محمد صادق صاحب اڈیٹر اخبار بدر قادیان۔

(۲) مولوی محمد علی صاحب ایم اے اڈیٹر رسالہ ریویو آف ریلیجنز قادیان۔

(۳) میرزا محمود احمد (میرا بڑا لڑکا) اڈیٹر رسالہ تشحیذ الاذہان۔

(۴) سیّد امیر علی شاہ صاحب سب انسپکٹر جلال آباد۔

(۵) حکیم ڈاکٹر نور محمد صاحب لاہوری مالک کارخانہ ہمدم صحت لاہور۔

(۶) شیخ عبدالرحیم صاحب نومسلم (سابق جگت سنگھ)

(۷) چودھری فتح محمد صاحب طالب علم گورنمنٹ کالج لاہور۔

اب ہم اس جگہ اس بات کے بیان کرنے سے خاموش نہیں رہ سکتے کہ یہ قرآن شریف کہ جو باوا نانک صاحب کے گدی نشین گروؤں کے تبرکات میں نہایت عزت اور ادب کے ساتھ اب تک اس خاندان میں چلا آیا ہے جس کی زیارت کے لئے صدہا

۳۴۸

کوس سے سکھ لوگ آتے ہیں اور ہزار ہا روپیہ بطور نذر چڑھاتے ہیں۔ یہ اس بات پر صاف دلیل ہے کہ باوا نانک صاحب اور نیز اُن کے گدی نشین اور پیرو صدق دل سے قرآن شریف پر ایمان لاتے تھے اور اس کو درحقیقت خدا کا کلام سمجھ کر اُس کا ادب کرتے تھے اگر کوئی شخص تجاہل کی رُو سے اس کا انکار کرے تو اس سے ہمیں کچھ غرض نہیں لیکن بلاشبہ باوا صاحب اور اُن کے گدی نشینوں کے اسلام پر یہ ایسا کھلا کھلا ثبوت ہے کہ اس سے بڑھ کر متصوّر نہیں۔

پھر جب ہم اس کے ساتھ اس ثبوت کو دیکھتے ہیں جو اُس تبرک سے ہمیں ملتا ہے جو **ڈیرہ نانک** ضلع گورداسپور میں موجود ہے جس کا ہم نے اپنی کتاب **ست بچن** میں مفصل ذکر کیا ہے یعنی **چولہ صاحب** جس پر بہت سی قرآن شریف کی آیتوں کے ساتھ یہ کلمہ شہادت بھی لکھا ہوا ہے اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ واشھد انّ محمدًا عبدہ ورسولہ تو بلاشبہ ہمیں راستی کی پابندی سے یہ کہنا پڑتا ہے کہ باوا نانک صاحب نہ صرف عام مسلمانوں کی طرح مسلمان تھے بلکہ اُن کو اسلام کے اُن اولیاء اور بزرگوں میں سے شمار کرنا چاہیے جو اس مُلک میں گذر چکے ہیں اب بعد اس کے ہم ذیل میں چند ملفوظات باوا نانک صاحب جو گرنتھ اور جنم ساکھیوں میں لکھے ہوئے ہیں ذیل میں درج کرتے ہیں اور اس بات کا انصاف ناظرین پر چھوڑتے ہیں کہ ان تمام امور کو یکجائی نظر سے دیکھا جائے تو کیا اس سے ثابت نہیں ہوتا کہ باوا نانک صاحب کو مذہب کی رُو سے ہندوؤں سے کچھ بھی تعلق نہ تھا بلکہ وہ مردِ خدا کامل مسلمانوں میں سے ایک مسلمان تھا وہ آریہ قوم میں اس غرض سے پیدا ہوا کہ تا خدا سے الہام پاکر **اسلام کی سچائی کا اقرار کرے اور پھر اپنی اس گواہی** سے تمام ہندوؤں کو ملزم کر کے خدا کے سامنے قیامت کے دن اُن پر نالش کرے۔ پس باوا نانک صاحب کا وجود تمام ہندوؤں پر خدا تعالیٰ کی ایک **حجّت** ہے خاص کر سکھوں پر جو اُن کے پَیرو کہلاتے ہیں۔ خدا نے

۳۴۹

آریوں میں سے ایک ایسا مقدس شخص پیدا کیا کہ وہ گواہی دیتا ہے کہ اسلام سچا ہے اور جو تکذیب کرتے ہیں وہ اُن کے مُنہ پر تھوکتے ہیں پس اے وہ تمام لوگو! جو **اس مقدس گورُو کے سکھ ہو۔ خدا سے ڈرو**۔ صرف میں ہی تم کو ملزم نہیں کرتا بلکہ وہ مقدس بزرگ بھی تم کو ملزم کر رہا ہے جس کی پیروی کا تم کو دعوٰی ہے اگر تم اُس مقدس گورو کے سچے سکھ ہو تو ہندوؤں کا تعلق چھوڑ دو جیسا کہ اُس نے چھوڑ دیا تھا اور اس پاک مذہب کی روشنی سے تم بھی **نُور حاصل کرو** جس کے نُور سے وہ **بزرگ سر تا پا روشن** ہو گیا تھا اگر میں جھوٹ کہتا ہوں تو میرے قول کی پیروی مت کرو اور اگر میں سچ کہتا ہوں تو دھرم یہی ہے کہ **سچ کو قبول کر لو**

باوا نانک صاحب مسلمانوں کے گھر میں پیدا نہیں ہوئے تھے وہ آریہ قوم میں سے تھے مگر خدا کا الہام اُن کو اسلام کی طرف کھینچ لایا۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ انہوں نے یہ مذہب اسلام اختیار کر کے بعض ہندوؤں سے بڑے دُکھ اٹھائے مگر اپنی ثابت قدمی سے ہر ایک دُکھ پر صبر کیا انہوں نے بصیرت کی راہ سے اسلام کو قبول کیا نہ صرف تقلید کے طور پر۔ آجکل کے آریہ پنڈت ایسے ہیں کہ جیسے ایک اندھا اندھے کی رہبری کرتا ہے مگر خدا نے باوا نانک صاحب کو آسمانی نور عطا کیا تھا اُسی نُور سے اُنہوں نے دیکھ لیا کہ اسلام سچا ہے۔ تب بصیرت کی راہ سے نہ تقلید کے طور پر ہر ایک کو انہوں نے اسلام کی طرف بلانا شروع کیا اور کئی اسلامی بزرگوں کی خانقاہوں پر مجاہدات کئے اور تکالیف سفر اٹھا کر پیادہ پا **مکّہ معظمہ** کا حج بھی کیا اور **مدینہ منوّرہ** میں پہنچکر **روضۂ رسُول** صلے اللہ علیہ وسلم کی زیارت بھی کی اور اس میں کچھ شک نہیں کہ اسلام قبول کرنے کے بعد اُن کے خوارق اور کرامات بھی ظہور میں آئے اور اُن کی رُوحانی کشش نے ہزار ہا آدمیوں کو اپنی طرف کھینچا۔ یہ عجیب بات ہے کہ باوجود ظاہر ہونے کے پھر بھی عوام کی نظر میں پوشیدہ رہے اور غالباً اس میں حکمت یہ تھی کہ اگر وہ اُسی زمانہ میں مسلمان ہو کر ہندوؤں

ص۲۴۷

سے الگ ہو جاتے تو پھر اُن کے تعلقات ہندوؤں سے منقطع ہو جاتے اور اُن کی رُوحانی تاثیر صرف انہیں کی ذات تک بحد دو رہتی مگر اب اُن کی رُوحانی تاثیر نے وہ کام کیا ہے کہ بیس لاکھ ہندو بنام نہاد سکھ اُن کے تابع ہیں اور وہ زمانہ قریب ہے کہ جب تعلیم کے ذریعہ سے اُن کی عقل اور فکر میں ترقی ہوگی تو وہ اپنے ایسے مرشد کامل کے مذہب سے علیحدگی پسند نہیں کریں گے۔

اور باوا نانک صاحب کی معرفت سے بھری ہوئی ہدایتیں یہ ہیں۔

شلوک گرنتھ صاحب سے

دوزخ پوندے کیوں رہیں ؟ جاں چیت نہ آوے رسول

ترجمہ۔ وہ لوگ ضرور دوزخی ہیں جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیم پر عمل نہیں کرتے۔

شلوک گرنتھ صاحب سے

ہوئے مسلم دین مہانے مرن جیون کا بھرم چکانے

ترجمہ۔ اے غافل صدق دل سے مسلمان ہو جا پھر تجھے نجات ابدی حاصل ہوگی۔

شلوک جنم ساکھی[1] بھائی بالا والی صفحہ ۱۷۲

کلمہ اک پکاریا دُوجا ناہیں کوئی

ترجمہ۔ میں نے ایک ہی کلمہ لا اله الا الله محمد رسول الله کا ورد کیا ہے دوسرا کوئی ذریعہ نجات نہیں۔

جنم ساکھی بھائی بالا والی صفحہ ۲۷۱

ہندو کہن ناپاک ہے دوزخ جاوِن سوئی کہدوا اللہ اور رسول کو اور نہ پوجھو کوئی

ترجمہ۔ ہندو اللہ اور اس کے رسول کی شان میں ناپاک لفظ کہتے ہیں تحقیق وہی دوزخی ہیں۔ سچے دل سے اقرار کر لو کہ اللہ اور رسول برحق ہیں اور اُس کے سوا اور کچھ نہ پوجھو۔

---

[1] یہ جنم ساکھی گیکسٹن پریس انارکلی لاہور کی طبع شدہ ہے جو تیسری بار چھپی ہے۔

۳۴۱

بھائی بالا والی جنم ساکھی صفحہ ۱۲۴

اللہ تعالٰے نے حضرت محمد مصطفٰے کو دنیا کے اودھار لئے بھیجا اللہ تعالٰے نے بابا نانک جی کو کہا کہ تیس ۳۰ سپارے قرآن شریف کے ہن اور چار کوٹ فرمایئے اور ایک ہی نام کی مہما کرو اور دوسرا میرا کوئی شریک نہیں سو یہ حکم نانک درویش کو آیا ہے کہ تو جگت میں جاکر اس دا ڈھنڈورا پھیر جو کوئی حق راستی پر کھلو دیگا سوئی پاک ہو دیگا۔

ترجمہ۔ اللہ تعالٰی نے حضرت محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم کو دنیا کے لئے رسول بناکر بھیجا اللہ تعالٰے نے باوا نانک جی کو فرمایا کہ قرآن شریف کے تیس ۳۰ سپارے ہیں اسے نانک تو چاروں طرف پھر کر اس کا وعظ کر کہ وہ وحدہٗ لاشریک ہے جو کوئی حق اور راستی سے اللہ تعالٰی کا کلام سنے گا وہی پاک ہوگا۔

جنم ساکھی بھائی بالا والی صفحہ ۱۲۴

بابا نانک جی نے عرض کیتی کہ بولی ہو رہے اس بولی کولوں ہندو ڈردے ہن سمجھدے نہیں

(ترجمہ) نانک جی نے عرض کی کہ اسے خدا قرآن شریف عربی میں ہے ہندو اس زبان سے ڈرتے ہیں اور جو اللہ تعالٰے نے فرمایا ہے سمجھتے نہیں۔

ص ۲۴۲

جنم ساکھی بھائی بالا والی صفحہ ۱۳۵

خدا نے نانک نوں آکھیا کہ وڈیائی تساں نوں شیخ دی ملی ہے دیول دیوتے اور پراچین تیرتھ جو ہندو واں دے ہین اوہناں نوں منسوخ کرو۔

ترجمہ۔ اللہ تعالٰے نے نانک کو فرمایا کہ تم کو شیخ کا رتبہ عطا کیا گیا ہے دیوی اور دیوتے اور پرانے تیرتھ ہندوؤں کے جو شرک کی جڑھ ہیں انہیں منسوخ کرو۔

جنم ساکھی ایضاً صفحہ ۱۳۶

اسے نانک مکہ مدینے جاکر حج کر

ایضاً صفحہ ۱۳۷

جد رکن دین قاضی مکہ دا نماز پڑھانے دے واسطے آیا تو قاضی رکن دین دبابے دی السلام علیکم ہوئی۔

ترجمہ۔جب رکن دین قاضی مکہ کا نماز پڑھانے آیا تو باوا جی سے السلام علیکم ہوئی۔

جنم ساکھی ایضاً صفحہ ۱۳۹

چھٹ سن سوئی نانکا مرشد جنہاں پناہ

ترجمہ۔ نانک صاحب فرماتے ہیں کہ وہ لوگ نجات پائیں گے جن کے حامی و مددگار آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہوں گے۔

وہی جنم ساکھی صفحہ ۱۳۹

مسلمان کہاون مشکل۔ (ترجمہ)مسلمان بننا مشکل ہے۔

جنم ساکھی ایضاً صفحہ ۱۳۹

مسلمان کہاوے آپ ۔ صدق صبوری کلمے پاک

(ترجمہ) صدق دل سے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھ کر اپنے آپ کو مسلمان کہاؤ۔

۲۴۳

وہی جنم ساکھی صفحہ ۱۳۹

وہ پیغمبر ہویا اس دنیا کے ماہین نام محمد مصطفےٰ رب ڈاہڈا لیے پرولہے
ڈٹھی ہیں چار کتاب اکس باجہ نہ کوئی وحدہٗ لاشریک ہے دُوجا ہُوانا ہوئی

(ترجمہ) اللہ تعالےٰ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو رسول بنا کر دنیا میں بھیجا۔چار کتابوں کا مشاہدہ کیا مگر قرآن شریف کے بغیر دوسری کوئی کتاب نہیں وہ وحدہٗ لاشریک ہے دُوسرا اُس کا ثانی کوئی نہیں۔

جنم ساکھی ایضاً صفحہ ۱۴۱

پاک پڑھیو کلمہ رب دا محمد نال ملائے ہوا معشوق خدائیدا ہوا ٹل الیے

(ترجمہ) پاک کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھ کر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اُمت سے ملجاؤ۔

وہ اللہ تعالیٰ کا پیارا ہے جس نے اپنے آپ کو اللہ پر نثار کر دیا۔

وہی جنم ساکھی بھائی بالا والی صفحہ ۱۴۱

ڈٹھا نور محمدی ڈٹھا نبی رسول
نانک قدرت دیکھ کر خودی گئی سب بھول

ترجمہ۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی پاک تعلیم کا نور دیکھ کر ایسا لطف آیا کہ اے نانک میں خدا کی قدرت دیکھ کر اپنے آپ کو بھول گیا۔

جنم ساکھی بھائی بالا والی صفحہ ۱۴۳

نانک آکھے رکن دین سچے سنو جواب — صاحب دا فرمائیا لکھیا وچ کتاب
دنیا دوزخ اوہ چڑھے جو کہے نا کلمہ پاک — مکروہ تریپے روجڑے پنج نماز طلاق
لقمہ کھائے حرام دا سر تے چڑھے عذاب — آتش دوزخ ہاویہ پائیا تنہاں نصیب

(ترجمہ) باوا نانک رحمۃ اللہ نے کہا کہ اے رکن دین سچے جواب سنو جو اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمایا ہے۔ تحقیق وہ لوگ دوزخی ہیں جو کلمہ نہیں پڑھتے اور روزے نہیں رکھتے اُن کا کھانا پینا حرام ہے اور اُن کے سر پر عذاب پر عذاب چڑھ رہا ہے جن لوگوں کو شیطان نے گمراہ کر دیا بھلا وہ کیوں نماز پڑھنے لگے۔ تحقیق ایسے لوگ دوزخی ہیں جسے ہاویہ کہتے ہیں اُس کی آگ میں ڈالے جاویں گے۔ ص ۱۴۴

جنم ساکھی صفحہ ۱۴۳

نانک آکھے رکن دین کلمہ سچ پچھان
اکو روح ایمان دی جو ثابت رکھے ایمان

(ترجمہ) باوا نانک نے رکن دین کو کہا کلمہ طیبہ کی معرفت حاصل کر تحقیق کلمہ ہی روح ایمان ہے اور اسی سے ایمان ثابت رہتا ہے۔

جنم ساکھی ایضاً صفحہ ۱۴۷

توریت انجیل زبور ترے پڑھ سن ڈٹھے وید
رہیا قرآن شریف کل جگ میں پروار

(ترجمہ) باوا نانک فرماتے ہیں کہ توریت۔ انجیل۔ زبور اور وید پڑھ سن کر دیکھ لئے ہیں تمام جہان میں صرف قرآن شریف ہی نجات کا ذریعہ ہے۔

جنم ساکھی ایضاً صفحہ ۱۴۷

تا سو کرم ترپنے روزہ تا نماز
عملاں باجھوں مومنوں دوزخ دنی عذاب

(ترجمہ) جو روزہ اور نماز کے تارک ہیں بغیر اعمال صالح کے بُرے لوگوں کو دوزخ کے عذاب میں ڈالا جائے گا۔

شلوک صفحہ ۱۴۷ جنم ساکھی بھائی بالا والی

دُوجی دنیا کفر ہے اندر رکھے چھپائے سچا اسلام خدائیکا گوکن بانگ الٰہے

ترجمہ۔ تحقیق دُنیا اندر ہی اندر کفر کی طرف لے جاتی ہے۔ بے شک اللہ کے نزدیک ایک اسلام ہی سچا مذہب ہے۔ اللہ اکبر کے نعرے اس دین میں گونجتے ہیں۔

۲۴۵

صفحہ ۱۴۸ جنم ساکھی بھائی بالا والی

رہی کتاب ایمان دی سچ کتاب قرآن

ترجمہ۔ تحقیق ایمان والی اور صداقت سے بھری ہوئی کتاب صرف قرآن شریف ہی ہے۔

جنم ساکھی ایضاً شلوک صفحہ ۱۴۹

نانک آکھے رکن دین سچا سُنو جواب
چاروں کُوٹ اسلام ہو تاں پائیے ثواب

ترجمہ۔ باوا نانک نے فرمایا اے رکن دین سچا جواب سُنو۔ دنیا کی چاروں اطراف میں اسلام کی تبلیغ کی جاوے تبھی ثواب حاصل ہوگا۔

جنم ساکھی ایضاً صفحہ ۱۴۹

کھاون قسم قرآن دی کارن دنی حرام
آتش اندر سڑسن آکھے نبی کلام

ترجمہ۔ باوا نانک صاحب فرماتے ہیں کہ وہ آدمی جو دنیا کے لالچ میں ہوکر قرآن شریف کی قسم کھاتے ہیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بلاریب وہ آگ میں ڈالے جائیں گے۔

جنم ساکھی ایضاً صفحہ ۲۲۰ و ۲۲۲

سوال قاضی رکن الدین

آکھے قاضی رکن دین سنئیے نانک شاہ — تریہے حرف قرآن دے ساجے آپ اللہ
معنے اِک اِک حرف دے کئے کر تدبیر — جس مراتب کو پہنچے کیا سادھو کیا فقیر
الف بے فرمایہہ معنے کرکے بیان — تسیں بھی آکھو شاہ جی سچی رب کلام

جواب باوا نانک صاحب

سُنو قاضی رکن دین آکھے نانک پند
ہے ای سیانی گل ہے تس وچ بہتے بند
تیہے حرف قرآن دے تیہے سپارے کین
تس وچہ بہت نصیحتاں سُن کر کرو یقین

ترجمہ۔ نانک رحمۃ اللہ علیہ نے قاضی رکن الدین کو کہا اے قاضی رکن الدین ان نصیحتوں کو بغور سنو۔ تحقیق یہ عقلمندی کی بات اور اس میں بہت سے نکات ہیں بلاریب قرآن شریف کے تیس حروف ہیں اور تیس ہی سپارے کئے گئے ہیں اور اس میں بہت سی نصیحتیں ہیں انہیں سُن کر یقین کرو۔

صفحہ ۲۲۱ جنم ساکھی بھائی بالا والی

بدعت کو دور کر قدم شریعت راکھ
نیوں چل اگے سبس دے منداکسے نہ آکھ

صـ۳۴۶

ترجمہ۔ خودی کو دل سے نکال دے اور شریعت کا پابند ہو خاکساری اختیار کر اور کسی کو برا منہ سے نہ کہو۔

صفحہ ۲۲۱ جنم ساکھی بھائی بالا والی

راحت ایمان کی اوہو دیکھے جائے

پنجو درجہ رکن دین سائیں سوجھت لائے

ترجمہ۔ ایمان کی راحت کو وہی محسوس کر سکتا ہے جو پانچوں نمازوں کا پابند ہو۔

جنم ساکھی ایضاً صفحہ ۲۲۱

صلوات گذشت کو آکھو مکھ تے نت

خاصے بندے رب دے سر متراں دے مت

ترجمہ۔ گذرے ہوؤں پر روزمرّہ درود پڑھو تحقیق وہ اللہ تعالیٰ سے پیار کرنیوالوں کا سردار تھا۔

صفحہ ۲۲۲ جنم ساکھی بھائی بالا والی

کلمہ اک یاد کر اور نہ بھاکھو بات

نفس ہوائی رکن دین تس سے ہوویں مات

ترجمہ۔ صرف ایک لاالہ الاّ اللہ محمد رسول اللہ کا ہی ورد کرو اسی سے شیطانی خیالات دور ہوتے ہیں۔

صفحہ ۲۲۲ جنم ساکھی بھائی بالا والی

لعنت بر سر تنہاں جو ترک نماز کرین

تھوڑا بہت اکھٹیا ہتھوں ہتھ گوین!

ترجمہ۔ اُن لوگوں پر اللہ تعالےٰ کی لعنت ہے جو نماز کو ترک کرتے ہیں جو کچھ تھوڑا بہت کمایا ہے اس کو بھی دست بدست ضائع کر رہے ہیں۔

صفحہ ایضاً جنم ساکھی ایضاً

مرشد نوں من توں من کتیبیاں چار

من توں اک خدائے نوں خاصا جس دربار

۳۴۷

ترجمہ۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو مان اور چار کتابوں کو مان یعنی قرآن شریف توریت زبور انجیل اور ایک خدا کو مان جس کا دربار خاص ہے۔

شلوک گرنتھ صاحب سے

کرنی کعبہ سچ پیر کلمہ کرم نواج

ترجمہ۔ نیک کام کعبہ کے اختیار میں ہیں۔ سچ بولنا مرشد کے اختیار میں اور کلمہ یعنی لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے کہنے سے قسمت کھلتی ہے۔

شلوک گرنتھ صاحب سے

پیر۔ پیغمبر۔ سالک۔ شہدے اور شہید
شیخ۔ مشائخ قاضی ملاں در درویش رسید
برکت تنکی اگلے جو پڑھتے رہن درود

ترجمہ۔ پیر۔ پیغمبر۔ سالک۔ شہدے و شہید۔ شیخ و مشائخ۔ قاضی اور ملاں درویش۔ ان میں سے اُن کو ہی برکت ملے گی جو جناب محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں۔

صفحہ ۲۲۲ جنم ساکھی بھائی بالا والی

نانک آکھے رُکن دین لکھیا وچہ کتاب
درگاہ اندر ماریں جو پیندے بھنگ شراب

ترجمہ۔ بابا نانک نے رُکن دین کو کہا کہ وہ لوگ جو بھنگ اور شراب پیتے ہیں انہیں سخت سزا ملے گی۔

جنم ساکھی بھائی بالا والی صفحہ ۲۲۲

دیانت کر دل میں اٹھے پہر نا سوئے
ایک پہر گھر جاگتا سائیں سچ بگوئے

ترجمہ۔ اے باورے دل میں سوچ آٹھ پہر مت سو۔ رات کو کم از کم ایک پہر جاگ کر اللہ کی عبادت کر۔ یہ خدا کا حکم ہے۔

صـ ۳۴۸

جنم ساکھی ایضاً صفحہ ۱۷۲

سُتّے پئے نابھاگ وہ سُنی نہ بانگ الٰہ

جو جاگے سو سُنتے سائیں بُندی سوئے

(ترجمہ) وہ لوگ بدبخت ہیں جو نماز کے وقت سوتے ہیں جو جاگے گا وہی اللہ تعالیٰ کی پیاری آواز سنے گا۔

شلوک جنم ساکھی ایضاً

کلمہ اک پکاریا دُوجا ناہیں کوئی

(ترجمہ) میں نے اک لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا ہی ورد کیا ہے۔

صفحہ ۰، اجنم ساکھی ایضاً

روزہ نماز بندگی اور ریاضت سار

کر کے عمل سدہار توں راہ طریقت دھار

ص ۲۴۹

ترجمہ۔ روزہ نماز بندگی و ریاضت کرو اور نیک عملوں کے ساتھ اللہ تعالےٰ کے حضور میں جاؤ کیونکہ سیدھا راستہ یہی ہے۔

شلوک جنم ساکھی ایضاً

کلمہ گو نہ سڑسن ہو کے بے ایمان

ترجمہ۔ یعنی لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہنے والے بے ایمان ہو کر دوزخ میں نہیں جائیں گے۔

شلوک جنم ساکھی ایضاً

کلمہ پاک رسول پڑھ جھاڑے دے گناہ

ترجمہ۔ صدق دل سے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہو جس کے کہنے سے تمام گناہ دُور ہو جاتے ہیں۔

شلوک جنم ساکھی ایضاً

کلمہ پڑھیاں عذاب دین دنیا دا جائے

ترجمہ۔ صدق دل سے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہنے سے دین اور دُنیا کا عذاب دُور ہو جاتا ہے۔

شلوک جنم ساکھی ایضاً

کلمہ جس نے آکھیا پھر تاں کیوں ملے سزائے

ترجمہ۔ جس نے صدق دل سے کلمہ کہا بھلا اُسے عذاب کیوں ملے گا؟

جنم ساکھی ایضاً

کلمہ آکھیاں ایہہ گُن ہوئے گناہ توں پاک

جنم ساکھی ایضاً

جُگ جُگ ایہہ قبول ہو پنج تن پاک رسول

ترجمہ۔ ہمیشہ پنج تن پاک رسول کو ہی قبول کرو۔

صفحہ ۱۹۸ جنم ساکھی ایضاً

باباجی اک برس تک مکہ وِچ روزے رکھدے رہے۔

صـ ۲۵۰

جنم ساکھی بھائی بالے والی صفحہ ۱۹۵

پنج نمازاں پنج وقت روزے ترِیہہ پچھان

ترجمہ۔ پانچ نمازیں ہیں اور پانچ ہی وقت کئے گئے ہیں اور تیس روزے ہیں۔

جنم ساکھی صفحہ ۱۹۵

جِت راہ شیطان دی جنہاں کی قبول
سو درگہ ڈھوئی نہ ملے شفاعت نہ رسول

(ترجمہ) وہ لوگ جنہوں نے شیطان کی راہ اختیار کی وہ اللہ تعالٰے سے بہت دور پھینکے گئے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اُن کی شفاعت نہیں کریں گے۔

جنم ساکھی صفحہ ۱۹۶

ہے پیغمبر مصطفٰے تس دے چارے یار
عمر خطاب۔ ابوبکر۔ عثمان۔ علی وی چار

چاروں یار مسلّمی چار مصلّے کین
پنجواں نبی رسول ہے جن کیتا ثابت دین
اینہاں پچھے امام چار اعظم شافعی جان
مالک احمد آکھ دسے ثابت چار امام
چاروں یار مسلّمی کدی نہ آوسے جا
جو اینہاں فرمایا اوہ چلائیے راہ

(ترجمہ) پیغمبر مصطفےٰ برحق ہے اور اس کے چار دوست ہیں۔ عمر خطاب۔ ابوبکر۔ عثمان۔ علی۔ تحقیق یہ چار دوست ہیں اور چار ہی مصلّے کیے گئے ہیں اُن کے بعد چار امام اور ہیں۔ اعظم۔ شافعی۔ مالک۔ احمد اور پانچویں جناب محمد مصطفےٰ ہیں جنہوں نے اسلام کی صداقت کو ثابت کیا اور وہ چار امام مسلّم ہیں جو ان کا راستہ ہے وہ اختیار کرنا چاہیے۔

صفحہ ۲۰۱ جنم ساکھی بھائی بالا والی

۳۵۱

عملاں اوتے نبڑے درگہ ہووے قبول
حجت حاجت نا کسے کم۔ آکھے نبی رسول

(ترجمہ) عملوں پر ہی فیصلہ ہوگا وہ قبولیت حاصل کریں گے بہانہ سازی کام نہیں آئے گی پاک رسول نے یہ فرمایا ہے۔

صفحہ ۲۰۳ جنم ساکھی بھائی بالا والی

کن وچ انگلیاں پا کے بابے بانگ دتی

صفحہ ۲۰۴ جنم ساکھی ایضاً

پڑھیا خطبہ نبی دا ہویا سگل انند

(ترجمہ) جناب محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کا خطبہ پڑھا اور دل کو تسلی ہوئی۔

شلوک صفحہ ۲۰۵ جنم ساکھی بھائی بالا والی

اک کرن دے کارنے آیا نبی رسُول
لالچ دے وچ لگ کے دنیا گئی ہے بھُول

(ترجمہ) وحدہٗ لاشریک کی پرستش کروانے کے لئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے مگر افسوس دنیا لالچ میں پھنس کر بھول گئی۔

صفحہ ۲۰۷ جنم ساکھی بھائی بالا والی

پھر نیلا جبہ پہن کر بیٹھا مکے آن
اکو اک خدائے ہے آکھے موہوں کلام
نیلا بانا پہن کر دھریا مصلے سیس
عصا کوزہ پاس رکھ پوری کی حدیث

(ترجمہ) پھر باوا جی نیلا جبہ پہن کر مکے بیٹھے۔ خداوند وحدہٗ لاشریک ہے یہ کلام منہ سے پکارتے اور نیلی پوشاک پہن کر نماز کے لئے مصلے پر سجدہ کیا عصا اور کوزہ پاس رکھا کیونکہ یہ نمازیوں کی نشانیاں ہیں۔ اس لئے یہ حدیث بھی پوری کی۔

صہ۱۵۲

(خالصہ تواریخ مؤلفہ بھائی گیان سنگھ جی گیانی صفحہ ۵۵)

جمع کر نام دی پنج نماز گذار
باہجوں نام خدائے دے ہوسیں بہت خوار

(ترجمہ) پانچ وقت نماز پڑھنے سے خدا کے نام کو جمع کرو۔ کیونکہ بغیر خدا کے نام کے اور کوئی چیز مددگار نہیں۔

(خالصہ تواریخ حصہ اول مؤلفہ بھائی گیان سنگھ جی گیانی صفحہ ۲۶۲)

باباجی جدّے جا اُترے ایتھے مائی حوّا دی قبر توں پورب دے رُخ دریا طرف دے کنارے بابے دا مکان ہے اِسے نانک قلندر دا دائرہ آکھدے ہن۔ عرب وچ باوا جی عصا۔ استاوہ (کوزہ) مصلے۔ کتاب قرآن شریف۔ نیلے رنگ

دے بستر۔ دلق (پشمینے کا لباس جو اکثر صوفی لوگ پہنتے ہیں) دی ٹوپی رکھدے
سن تے ساتھیاں کولوں بھی رکھاوندے سن۔

(خالصہ تواریخ مؤلفہ بھائی گیان سنگھ جی گیانی حصہ اول صفحہ ۲۶۴)

بابے جی نے اپنیاں ساتھیاں نوں آکھیا تسیں سچے حاجی نہیں اس راستے
وچ مہر اور محبت اور خیرات کر دے جائیے تا فیض پائیدا ہے جے حجت
بازی مسخری کر دے جائیے تاں حاجی نہیں ہوندا۔

(ترجمہ) باوا جی (یعنی نانک رحمۃ اللہ علیہ) نے اپنے ساتھیوں کو کہا کہ تم سچے حاجی نہیں ہو اس
راستے میں مہر و محبت و خیرات کرتے جائیں تو ثواب ہوتا ہے اگر حجت بازی اور ہنسی اور ٹھٹھا
مسخری راستے میں کرتے جائیں تو حاجی کا درجہ نہیں ملتا۔

تمّت

۳۵۳

قابلِ توجّہ ناظرین

اے پیارے ناظرین خدا آپ صاحبوں کے دلوں میں سچائی کا الہام کرے اور میری کوشش کو جو میں نے سراسر ہمدردی اور نیک نیتی سے کی ہے آپ لوگوں کے لئے مفید بنا دے آمین۔ اس کتاب کا پہلا حصّہ جو میری طرف سے آریہ سماج کے جلسہ میں سُنایا گیا تھا۔ میں نے وہ حصہ اس کتاب کے آخر میں شامل کر دیا ہے۔ اور مَیں نے یہی مناسب سمجھا کہ اول اُن تمام اعتراضات کا جواب لکھوں جو نہایت بُرے پیرایہ اور بدتہذیبی سے آریہ صاحبوں کی طرف سے ایک عام مجمع میں حاضرین کا دل دُکھلانے کے لئے پڑھے گئے تھے۔ اور بعد میں کتاب کے آخر میں اپنا وہ مضمون شامل کر دوں جو میری طرف سے اِس جلسہ میں پڑھا گیا تھا۔ اور اسی غرض سے میں نے اُس پہلے حصّہ کی اشاعت اس وقت تک روک رکھی تھی جب تک کہ مَیں آریہ صاحبوں کے اعتراضات کا جواب لکھ لوں۔ سو الحمد للہ والمنّۃ کہ وہ جواب پُورے طور پر لکھا گیا۔ اس لئے میں نے وہ مضمون جو جلسہ

۲۵۴

میں پڑھا گیا تھا اس رسالہ کے آخر میں لگا دیا ہے۔ ہمیں آریہ صاحبوں پر یہ افسوس نہیں کہ انہوں نے اسلام اور ہمارے **نبی صلے اللہ علیہ وسلم** پر کیوں اعتراض کئے۔ کیونکہ منکر کو تہذیب اور شرافت کے ساتھ اعتراض کرنے کا حق حاصل ہے۔ بلکہ ہمارا تمام افسوس اس بات پر ہے کہ انہوں نے شرافت اور تہذیب سے کام نہیں لیا بلکہ اپنے مضمون میں نہایت درندگی اور ناپاکی سے کام لیا۔ اور اپنے مضمون کو ایک گالیوں کا مجموعہ بنا دیا اور کھلے کھلے طور پر ارادہ کیا کہ اُن معزز مسلمانوں کا دل دکھایا جائے جن کو آپ ہی دھوکہ دے کر بُلایا اور آپ ہی شرط لگا دی تھی کہ مہذّبانہ طور پر مضمون سُنائے جائیں گے اس بات کو کون نہیں سمجھ سکتا کہ اگر بدنیّتی نہ ہو تو ایک شخص اپنے اعتراض کو نیک اور پاک پیرایہ میں بیان کر سکتا ہے۔ ورنہ ایک مفسد آدمی ایک سیدھی بات کو بھی جو نرمی اور شرافت سے ادا کر سکتا تھا گالی اور ہنسی ٹھٹھے کے پیرایہ میں بیان کر سکتا ہے۔ سو ہم نے ان لوگوں کے جواب میں جس قدر تلخی اور مرارت بعض مقامات میں استعمال کی ہے وہ کسی نفسانی جوش کی وجہ سے نہیں بلکہ ہم نے اُن کی شورہ پشتی کا تدارک اسی میں دیکھا کہ جواب تُرکی بتُرکی دیا جائے۔ ہمیں اس طریق سے سخت نفرت ہے کہ کوئی تلخ اور ناگوار لفظ استعمال کیا

ص۳۵۵

جائے۔ مگر افسوس! کہ ہمارے مخالف انکار کے جوش میں آکر انجام کار گالیوں پر اُتر آتے ہیں۔ اور آریہ صاحبان اگر ذرہ اپنے گریبان میں مُنہ ڈال کر دیکھیں تو انہیں معلوم ہو گا کہ اسلام پر اعتراض کرنے کا اُن پر بالکل راہ بند ہے۔ ہم دعوے سے کہتے ہیں کہ اسلام میں کوئی ایسا عقیدہ نہیں ہے جو ہندوؤں کے کسی فرقہ سے مطابقت اور توارد نہ رکھتا ہو۔ یہ تو ظاہر ہے کہ وید کی پیروی کا دعوےٰ کرنے والے صرف آریہ سماج والے ہی نہیں ہیں۔ بلکہ یہ تو ایک نیا فرقہ سمجھا جاتا ہے۔ اور پورانے فرقے جو وید پر چلنے کے مدعی ہیں جو اس ملک پنجاب اور ہندوستان میں کروڑ ہا پائے جاتے ہیں اُن کی طرف دیکھنا چاہئے کہ وہ کیا کیا عقائد رکھتے ہیں۔ انہیں میں آتش پرست بھی پائے جاتے ہیں۔ اور انہیں میں آفتاب پرست بھی اور انہیں میں سے بُت پرست بھی ہیں۔ اور وہ لوگ بھی جو ہر سال کئی لاکھ ہردوار کے میلہ پر جمع ہوتے اور گنگا مائی سے مُرادیں مانگتے ہیں۔ اور وہ بھی جو جگن ناتھ جی کا درشن کرنا اور پہیّہ کے نیچے کچلے جانا اپنا فخر سمجھتے ہیں اور وہ بھی ہیں جو اب تک کانگڑہ کے مندر پر جانوروں کی قربانیاں چڑھاتے ہیں۔ اور وہ بھی جو انسانی قربانی کو بھی روا رکھتے ہیں اور جل پروا کی رسم کے بھی حامی ہیں آخر یہ سب لوگ یہی دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ وید

۳۵۶

کے پیرو ہیں۔ بلکہ شاکت مت والے بھی تو اسی قوم میں سے ہیں جو فسق و فجور میں اس قدر بڑھ گئے ہیں کہ بدکاریوں کا میدان اس قدر انہوں نے فراخ کر دیا ہے جو حقیقی ماں یا بہن یا لڑکی سے بھی حرامکاری کرنا کچھ مضائقہ نہیں سمجھتے کیا وہ آریہ نہیں ہیں۔ پھر جب کہ وید کی پیروی کرنے والے فسق و فجور اور شرک اور مخلوق پرستی میں اس حد تک پہنچے ہوئے ہیں کہ دنیا میں اُن کی نظیر نہیں مل سکتی تو کیا لازم تھا کہ **اسلام جیسے پاک مذہب** پر اعتراض کیا جاتا؟ کیا یہ سچ نہیں کہ اسلام میں کوئی بھی ایسا امر نہیں کہ جو ہندو مذہب کی کسی نہ کسی شاخ میں نہ پایا جاتا ہو؟ اور اسلام اپنی کامل توحید کے ساتھ ایسا مخصوص ہے کہ وید میں اس کا نمونہ تلاش کرنا لاحاصل ہے تاہم ہمارا یہی اعتقاد ہے کہ گو موجودہ تعلیم وید کی ایک گمراہ کرنے والی تعلیم ہے لیکن کسی زمانہ میں وہ ان بیہودہ تعلیموں سے پاک ہوگا اور ہم ایمان رکھتے ہیں کہ اس ملک میں خدا کے نبی ہوئے ہیں کیونکہ جس جگہ بیمار ہے اُس جگہ طبیب کا ہونا بھی ضروری ہے۔ ہمیں افسوس ہے کہ آریہ صاحبوں نے مسلمانوں کو اپنے گھر پر بُلا کر وہ گندہ نمونہ اپنے اخلاق کا دکھلایا جس کو ہم کبھی نہیں بُھولیں گے آخر شرافت بھی کچھ چیز ہے۔

راقم **مرزا غلام احمد قادیانی**　۱۰ مئی ۱۹۰۸ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلّی علٰی رسولہ الکریم

سب سے پہلے اُس خدا کا شکر ہے جس نے ہمیں پیدا کیا اور نہ صرف ہمیں پیدا کیا بلکہ ہر ایک ذرہ ہمارے وجود کا اور اُن کی تمام قوتیں اور ایسا ہی ہماری تمام رُوحیں اور اُن کی تمام قوتیں اُس نے پیدا کیں کیونکہ وہ کامل خدا ہے نہ ناقص اور اُس کا فیض ہمارے تمام وجود پر محیط ہے نہ صرف بعض حصوں پر۔ اور جیسا کہ وہ ہمارا پیدا کرنے والا ہے ایسا ہی وہ اپنی طاقت کے ساتھ ہمیں زندہ رکھنے والا ہے۔ ہم اُس کے سہارے کے بغیر جی ہی نہیں سکتے کیونکہ ہم اُسی کے ہاتھ سے نکلے ہیں۔ ہاں اگر ہماری رُوحیں خود بخود ہوتیں تو بطور خود جی بھی سکتی تھیں۔ کیونکہ اس صورت میں مستقل رُوحوں کو اُس کے سہارے کی ضرورت نہ تھی پس اُس خدا کا کہاں شکر ہو سکتا ہے جس کے فیض سے کوئی حصہ ہمارے وجود کا باہر نہیں ایسا ہی اس وقت ہمیں گورنمنٹ برطانیہ کا شکر کرنا بھی لازم ہے جس کی آزاد اور منصفانہ حکومت کی وجہ سے ہم بغیر کسی خوف کے اپنے مذہب کی خوبیاں بیان کرنے کے لئے کھڑے ہوئے ہیں۔ بعد اس کے اے آریہ صاحبان! اب آپ کی خواہش اور تحریک کے موافق یہ مضمون آپ کے سوال تجویز کردہ کے متعلق اس جلسہ میں سُنایا جاتا ہے اور جہاں تک مجھ سے ہو سکا میں نے برعایت تہذیب اختصار سے کام لیا ہے مگر یہ بھی مناسب نہیں سمجھا کہ ناتمام لکھا جائے اب میں ذیل میں اصل مطلب بیان کرتا ہوں وباللّٰہ التوفیق۔ یہ سوال کہ جو آپ صاحبوں کی مجلس نے پیش کیا ہے کہ

ص۲

دُنیا میں کوئی الہامی کتاب ہے یا نہیں

اور اگر ہے تو کون؟

یہ سوال ایسا ہے کہ دنیا کے تمام مذاہب مختلفہ کے پابندوں کو یہ جوش دلاتا ہے کہ وہ اپنے اپنے خیالات اور معتقدات کے موافق اس کا جواب دیں اس لئے میں نے بھی مناسب سمجھا کہ اس بارے میں کچھ لکھوں۔ اب واضح ہو کہ قبل اس کے جو میں اصل مطلب کی طرف توجہ کروں اس بحث کو مفید عام اور با ترتیب بنانے کے لئے یہ بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ وہ لوگ جو اپنے اپنے رنگ میں اس سوال کا جواب دے سکتے ہیں وہ کئی قسم کی رائیں رکھتے ہیں۔

(۱) ایک تو وہ ہیں جو قطعاً صانع عالم کے وجود سے ہی منکر ہیں پس جب کہ اُنکے نزدیک خدا تعالیٰ کا وجود ہی ثابت نہیں تو پھر الہامی کتاب جس کا وجود صانع عالم کے وجود سے وابستہ ہے اُن کے نزدیک کوئی بھی نہیں۔

(۲) دوسرے وہ لوگ ہیں کہ جو پورے طور پر صانع عالم کے منکر تو نہیں مگر کسی حد تک منکر ضرور ہیں جیسے وہ صاحبان کہ اس بات کو نہیں مانتے کہ ذرّات عالم اور اُن کی اتصالی اور انفصالی قوتیں پرمیشر نے بنائی ہیں یا رُوح اور اُن کی نہایت لطیف طاقتیں پرمیشر کی طرف سے ہیں بلکہ اُن کے نزدیک وہ سب خود بخود اور انادی ہیں لہٰذا اُن کے نزدیک بھی الہام ناممکن ٹھیرتا ہے کیونکہ بموجب اُن کے اصول کے رُوح میں اور پرمیشر میں کوئی رشتہ نہیں اور الہام کی فلاسفی یہی ہے کہ بوجہ ربط خالقیت اور مخلوقیت خدا اپنے بندہ کے اندر سے بولتا ہے پس اگر یہ فرض کیا جائے کہ خدا اور بندہ کی رُوح میں یہ ربط نہیں تو ماننا پڑے گا کہ وہ بندہ سے دُور اور الگ ہے۔ اس صورت میں جیسا کہ ہم کسی کے دل کے اندر ہو کر اُس سے بول نہیں سکتے ایسا ہی پرمیشر کا حال ہوگا۔

(۳) اور بعض لوگ ایسے ہیں کہ وہ الہام کو تو مانتے ہیں مگر اُن کے نزدیک خدا کا کلام کسی پر نازل نہیں ہوتا بلکہ انسان کے دل میں جو باتیں آتی ہیں وہ سب الہام ہیں۔

(۴) اور بعض لوگ ایسے گذرے ہیں اور اب بھی ہیں کہ وہ الہام کی ضرورت نہیں سمجھتے

اور کہتے ہیں کہ اگر انسانی قوٰے کو عمدہ اور کامل طور پر استعمال کیا جائے تو رہبری کے لئے وہی کافی ہیں اور بعض ایسے فرقے ہیں کہ وہ مانتے ہیں کہ خدا کا کلام دنیا میں آیا ہے مگر اُن کا خیال ہے کہ اس زمانہ میں خدا نے اپنی عادت کو بدل لیا ہے اور کلام الٰہی کا نزول آگے نہیں بلکہ پیچھے رہ گیا ہے۔ اور کہتے ہیں کہ گو خدا تعالیٰ کسی زمانہ میں بولتا بھی تھا اور سُنتا بھی۔ مگر اس زمانہ میں سُنتا تو ہے مگر بولتا نہیں گویا ایک قدیمی صفت اُس کی معطّل ہوگئی ہے اور گویا اُن کے نزدیک اُس کی صفات اس زمانہ میں ناقص ہیں نہ کامل۔ اور بعض لوگ ایسے ہیں کہ کسی الہامی کتاب کو مانتے ہیں مگر ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ قدیم سے خدا کا الہام ایک ہی زبان اور ایک ہی مُلک اور ایک ہی قوم تک محدود رہا ہے اور الہام الٰہی کا دائرہ اس قدر تنگ ہے کہ بجز دو چار انسانوں کے جو کسی پہلے اور دُور دراز زمانہ میں کسی خاص ملک میں گذر چکے ہیں اور کسی حصہ زمین میں کوئی ملہم کبھی پیدا نہیں ہوا اور نہ صرف اس حد تک بلکہ آئندہ کے لئے بھی تمام قوموں پر قطعاً یہ دروازہ بند ہے بجز ایک خاص قوم اور خاص مُلک کے۔

یہ ہیں متفرق مذاہب جو الہام کی نسبت مذکورہ بالا خیالات رکھتے ہیں مگر ہم نے اس جگہ یہ بیان کرنا ہے کہ ہمارا کیا مذہب ہے۔

پس واضح ہو کہ خدا نے ہمیں جس بات پر قائم کیا ہے اور جس بات کو اپنی پاک کتاب کے ذریعہ سے ہم پر کھول دیا ہے وہ یہ ہے کہ خدا سچ ہے اور اس کا الہام سچ ہے اور چونکہ وہ خدا تمام دنیا کا خدا ہے نہ یہ کہ کسی ایک خاص فرقہ یا کسی خاص قوم کا خدا اس لئے اُس نے اپنے اس ضروری فیض سے یعنی الہام سے جو ہدایت کا سرچشمہ ہے دنیا کے تمام حصوں کو منوّر اور مستفیض کیا ہے اور کسی قوم سے بخل نہیں کیا اور ایسا ہی ہونا چاہیئے تھا۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ جن امور پر جسمانی حیات کا مدار ہے جیسے زمین پانی۔ آگ۔ ہوا۔ سُورج۔ چاند۔ اناج وغیرہ یہ تمام چیزیں تمام ملکوں اور قوموں میں پائی

صفحہ

جاتی ہیں حالانکہ وہ چیزیں محض اُس زندگی کے لئے ہیں جو صرف چند روزہ ہے۔ پھر کس طرح یہ خیال کیا جائے کہ وہ امور اور وہ ہدایتیں اور وہ آسمانی برکتیں جو رُوحانی حیات کا مدار ہیں جو جاودانی حیات ہے وہ کسی خاص قوم اور خاص مُلک کو عطا ہوں اور دُوسرے اُس سے بے خبر رہ کر ہلاکت کے گڑھے میں گریں ہر ایک عقل جو تعصب اور پکش پات سے پاک ہے ہرگز اس کو قبول نہیں کرے گی اور خدائے پاک کو جو رب العالمین ہے اس تہمت سے بَری سمجھیں گے جو وہ کسی خاص قوم کا رب ہو اور دوسروں سے کنارہ کشی کرے یہ پاک ہدایت ہمیں اس پاک کتاب سے ملی ہے جس کا نام **قرآن شریف** اور فرقان حمید ہے جیساکہ وہ فرماتا ہے وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ[1] یعنی کوئی قوم اور بستی نہیں جس میں کوئی نبی نہیں گذرا۔ اور پھر دوسری جگہ فرماتا ہے قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ۔ فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ۔ الجزو اول سورۃ البقرۃ[2]

یعنی اے مسلمانو! تم اس طرح پر ایمان لاؤ اور یہ کہو کہ ہم اُس خدا پر ایمان لائے جس کا نام اللہ ہے یعنی جیساکہ قرآن شریف میں اُس کی صفات بیان کی گئی ہیں وہ جامع تمام صفاتِ کاملہ کا ہے اور تمام عیبوں سے پاک ہے اور ہم خدا کے اُس کلام پر ایمان لائے جو ہم پر نازل ہوا یعنی قرآن شریف پر۔ اور ہم خدا کے اس کلام پر بھی ایمان لائے جو ابراہیم نبی پر نازل ہوا تھا اور ہم خدا کے اس کلام پر ایمان لائے جو اسمٰعیل نبی پر نازل ہوا تھا اور اُس کلامِ خدا پر ایمان لائے جو اسحاق نبی پر نازل ہوا تھا اور اُس کلام خدا پر ایمان لائے جو یعقوب نبی پر نازل ہوا تھا اور اُس کلام خدا پر ایمان لائے جو یعقوب نبی کی اولاد پر نازل

[1] فاطر: ۲۵ [2] البقرۃ: ۱۳۷ تا ۱۳۹

ہوا تھا اور اُس کلامِ خُدا پر ہم ایمان لائے جو موسیٰ نبی کو دیا گیا تھا اور اُس کلامِ خُدا پر ہم ایمان لائے جو عیسیٰ نبی کو دیا گیا تھا اور ہم اُن تمام کتابوں پر ایمان لائے جو دُنیا کے کل نبیوں کو اُن کے رب کی طرف سے دی گئی تھیں یعنی اس کی طرف سے جس نے کھلے کھلے طور پر اُن کی ربوبیت کی اور دنیا پر ثابت کیا کہ وہ اُن کا ناصر اور حامی اور مُربّی ہے خواہ وہ کسی قوم یا کسی ملک میں پیدا ہوئے تھے۔ ہم خدا کے نبیوں میں تفرقہ نہیں ڈالتے جو بعض کو قبول کریں اور بعض کو رد کریں بلکہ ہم سب کو قبول کرتے ہیں جو خُدا کی طرف سے دُنیا میں آئے اور ہم اس طرح پر جو خدا نے سکھایا ہے اسلام میں داخل ہوتے ہیں اور خدا کے آگے اپنی گردن ڈالتے ہیں پس اگر دوسرے لوگ بھی جو اسلام کے مخالف ہیں اسی طرح ایمان لاویں اور کسی نبی کو جو خدا کی طرف سے آیا رد نہ کریں تو بلاشبہ وہ بھی ہدایت پاچکے اور اگر وہ رُو گردانی کریں اور بعض نبیوں کو مانیں اور بعض کو رد کر دیں تو انہوں نے سچائی کی مخالفت کی اور خُدا کی راہ میں پھوٹ ڈالنی چاہی پس تُو یقین رکھ کہ وہ غالب نہیں ہو سکتے اور اُن کو سزا دینے کے لئے خدا کافی ہے اور جو کچھ وہ کہتے ہیں خدا سُن رہا ہے اور اُن کی باتیں خُدا کے علم سے باہر نہیں۔ یہ طریق اصطباغ خدا نے تمہیں سکھایا ہے اور یہ خُدا کا بپتسمہ ہے اور خدا کے بپتسمہ سے کونسا بپتسمہ بہتر ہو سکتا ہے اور تم اس بات کا اقرار کرو کہ ہم اُسی خُدا کے پرستار ہیں اور اُسی کی پرستش کرتے ہیں۔

یہ میں نے اُن قرآنی آیات کا ترجمہ کیا ہے جو اُوپر گذر چکی ہیں۔ اسی طرح سورۃ البقرہ کے اخیر میں ایک آیت ہے اور وہ یہ ہے:۔ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ[1] یعنی رسول اور اُس کے ساتھ کے مومن اس کتاب پر ایمان لائے ہیں جو اُن پر نازل کی گئی اور ہر ایک خدا پر ایمان لایا اور اس کے فرشتوں پر اور اُس کی کتابوں پر اور اُس کے رسولوں پر اور اُن کا

صـ۶

[1] البقرۃ : ۲۸۶

یہ اقرار ہے کہ ہم خدا کے رسولوں میں تفرقہ نہیں ڈالتے اس طرح پر کہ بعض کو قبول کریں اور بعض کو رد کر دیں بلکہ ہم سب کو قبول کرتے ہیں ہم نے سُنا اور ایمان لائے اے خدا ہم تیری بخشش مانگتے ہیں اور تیری طرف ہی ہماری بازگشت ہے۔ ان تمام آیات سے ظاہر ہے کہ قرآن شریف ان تمام نبیوں کا ماننا جن کی قبولیت دنیا میں پھیل چکی ہے مسلمانوں کا فرض ٹھیراتا ہے اور قرآن شریف کی رُو سے اُن نبیوں کی سچائی کے لئے یہ دلیل کافی ہے کہ دنیا کے ایک بڑے حصہ نے اُن کو قبول کیا اور ہر ایک قدم میں خُدا کی مدد اور نصرت اُن کے شامل حال ہوگئی خُدا کی شان اس سے بلند تر ہے کہ وہ کروڑہا انسانوں کو اُس شخص کا سچا تابع اور جان نثار کرے جس کو وہ جانتا ہے کہ خدا پر افترا کرتا ہے اور دنیا کو دھوکا دیتا ہے اور دروغگو ہے اور اگر کاذب کو ایسی ہی عزت دی جائے جیسا کہ صادق کو۔ تو امان اُٹھ جاتا ہے اور امر نبوت صادقہ مشتبہ ہو جاتا ہے پس یہ اصول نہایت صحیح اور سچا ہے کہ جن نبیوں کو قبولیت دی جاتی ہے اور ہر ایک قدم میں حمایت اور نصرت الٰہی اُن کے شامل حال ہو جاتی ہے وہ ہرگز جھوٹے ہُوا نہیں کرتے۔ ہاں ممکن ہے کہ پیچھے آنے والے اُن کے نوشتوں میں تحریف تبدیل کر دیں اور اپنی نفسانی تفسیروں سے اُن کے مطالب کو اُلٹا دیں بلکہ پُرانی کتابوں کے لئے یہ بھی ایک لازمی امر ہے کہ مختلف خیالات کے آدمی اپنے خیال کے طور پر اُن کے معنی کرتے ہیں اور پھر رفتہ رفتہ وہی معنے جزو کتاب کی سمجھے جاتے ہیں اور پھر انہیں مختلف خیالات کی کشش کی وجہ سے کئی فرقے ہو جاتے ہیں اور ہر ایک فرقہ دوسرے فرقہ کے مخالف معنی کرتا ہے

خلاصہ کلام یہ کہ یہ عقیدہ جس کو قرآن شریف نے ہمیں سکھایا ہے نہایت سچا اور مستحکم عقیدہ ہے کیونکہ انسانی فطرت شہادت دیتی ہے کہ جن نبیوں کی عام طور پر کروڑہا لوگوں میں قبولیت پھیل جاتی ہے اور دلوں میں اُن کی نہایت درجہ محبت اور عظمت بیٹھ جاتی ہے اور نصرت الٰہی بارش کی طرح اُن پر برستی ہے وہ ہرگز جھوٹے نہیں ہوتے

کیونکہ بدذات مفتری کو جو خدا پر افترا کرتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھے خدا کی طرف سے وحی ہوئی اور خدا نے مجھ سے کلام کیا حالانکہ نہ کوئی وحی اُس پر نازل ہوئی اور نہ خدا نے کوئی اُس سے کلام کیا اس قدر عزت ہرگز نہیں دی جاتی۔ جو شخص جائز رکھتا ہے جو ایسی عزت مفتری کو بھی دی جاتی ہے اور ایسی مدد اور نصرت اور ایسے آسمانی نشان اُس کذاب دجال کو بھی ملتے ہیں جو خدا پر افترا کرتا ہے ایسا شخص دراصل خدا پر ایمان نہیں رکھتا اور درپردہ وہ دہریہ ہے۔ یہی سچائی کی ایک زبردست دلیل ہے جو دنیا کے تمام نبیوں سے زیادہ ہمارے سیّد و مولیٰ اور ہمارے محترم آقا حضرت **محمد مصطفیٰ** صلی اللہ علیہ وسلم میں پائی جاتی ہے کیونکہ وہ اقبال اور عزت اور خدا کی مدد اور نصرت جو انکو ملی وہ کسی اور نبی کو حاصل نہیں ہوئی۔ آپ ایسے وقت میں آئے جو دُنیا شرک اور بُت پرستی سے بھری ہوئی تھی۔ کوئی پتھر کی پُوجا کرتا تھا اور کوئی آگ کی پرستش میں مشغول تھا اور کوئی سُورج کے آگے ہاتھ جوڑتا تھا۔ کوئی پانی کو اپنا پرمیشر خیال کرتا تھا اور کوئی انسان کو خدا بنائے بیٹھا تھا۔ علاوہ اس کے زمین ہر ایک قسم کے گندہ اور ظلم اور فساد سے بھری ہوئی تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اُس زمانہ کی موجودہ حالت کے بارہ میں قرآن شریف میں خود گواہی دی ہے اور فرماتا ہے **ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ**[1] یعنی دریا بھی بگڑ گئے اور خشک زمین بھی بگڑ گئی مطلب یہ کہ جس قوم کے ہاتھ میں کتاب آسمانی تھی وہ بھی بگڑ گئی اور جن کے ہاتھ میں کتاب آسمانی نہیں تھی اور خشک جنگل کی طرح تھے وہ بھی بگڑ گئے۔ اور یہ امر ایک ایسا سچا واقعہ ہے کہ ہر ایک ملک کی تاریخ اس پر گواہ ناطق ہے۔ کیا آریہ ورت کے دانا مورّخ اس سے انکار کر سکتے ہیں کہ آنجناب کے ظہور کا زمانہ درحقیقت ایسا ہی تھا اور بُت خانوں کو اِس قدر عزت دی گئی تھی کہ گویا وید کا **اصل مذہب**

صفحہ ۸

[1] الروم آیت ۴۲

یہی ہے۔

اور کیا عیسائی صاحبان اس اقرار سے کہیں بھاگ سکتے ہیں کہ اُس زمانہ میں نہ صرف حضرت عیسٰی کو خدائے واحد لاشریک کی جگہ بٹھایا گیا تھا بلکہ اُن کی تصویر بھی ایک قسم کا خدا ہی سمجھی گئی تھی اور اُن کی والدہ بھی اس خدائی میں شریک ٹھیرائی گئی تھی۔ پھر جب ہمارے بزرگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں ظاہر ہوئے تو ایک انقلاب عظیم دُنیا میں آیا اور تھوڑے ہی دنوں میں وُہ جزیرۂ عرب جو بجز بُت پرستی کے اور کچھ بھی نہیں جانتا تھا ایک سمندر کی طرح خدا کی توحید سے بھر گیا۔ علاوہ اس کے یہ عجیب بات ہے کہ ہمارے سیّد و مولیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جس قدر خدا تعالےٰ کی طرف سے نشان اور معجزات ملے۔ وہ صرف اُس زمانہ تک محدود نہ تھے بلکہ قیامت تک اُن کا سلسلہ جاری ہے۔ اور پہلے زمانوں میں جو کوئی نبی ہوتا تھا۔ وہ کسی گذشتہ نبی کی اُمّت نہیں کہلاتا تھا۔ گو اُس کے دین کی نصرت کرتا تھا اور اُس کو سچا جانتا تھا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ایک خاص فخر دیا گیا ہے کہ وُہ اِن معنوں سے خاتم الانبیاء ہیں کہ ایک تو تمام کمالات نبوت اُن پر ختم ہیں۔ اور دوسرے یہ کہ اُن کے بعد کوئی نئی شریعت لانے والا رسول نہیں اور نہ کوئی ایسا نبی ہے جو اُن کی اُمّت سے باہر ہو۔ بلکہ ہر ایک کو جو شرف مکالمہ الٰہیّہ ملتا ہے وُہ انہیں کے فیض اور اُنہیں کی وساطت سے ملتا ہے اور وُہ اُمّتی کہلاتا ہے نہ کوئی مستقل نبی۔ اور رجوع خلائق اور قبولیت کا یہ عالم ہے کہ آج کم سے کم بیس[2] کروڑ ہر طبقہ کے مسلمان آپ کی غلامی میں کمربستہ کھڑے ہیں اور جب سے خدا نے آپ کو پیدا کیا ہے بڑے بڑے زبردست بادشاہ جو ایک دُنیا کو فتح کرنے والے تھے۔ آپ کے قدموں پر ادنےٰ غلاموں کی طرح گرے رہے ہیں۔ اور اِس وقت کے اسلامی بادشاہ بھی ذلیل

ص۹

چاکروں کی طرح آنجناب کی خدمت میں اپنے تئیں سمجھتے ہیں اور نام لینے سے تخت سے نیچے اُتر آتے ہیں۔

اَب سوچنا چاہیئے کہ کیا یہ عزّت، کیا یہ شوکت، کیا یہ اقبال، کیا یہ جلال، کیا یہ ہزاروں نشانِ آسمانی، کیا یہ ہزاروں برکات ربّانی جھوٹے کو بھی مل سکتی ہیں۔ ہمیں بڑا فخر ہے کہ جس نبی علیہ السّلام کا ہم نے دامن پکڑا ہے خدا کا اُس پر بڑا ہی فضل ہے۔ وہ خدا تو نہیں مگر اُسکے ذریعہ سے ہم نے خدا کو دیکھ لیا ہے۔ اُس کا مذہب جو ہمیں ملا ہے خدا کی طاقتوں کا آئینہ ہے۔ اگر اسلام نہ ہوتا تو اس زمانہ میں اِس بات کا سمجھنا محال تھا کہ نبوّت کیا چیز ہے اور کیا معجزات بھی ممکنات میں سے ہیں اور کیا وُہ قانون قدرت میں داخل ہیں۔ اِس عقدے کو اُسی نبی کے دائمی فیض نے حل کیا اور اُسی کے طفیل سے اب ہم دوسری قوموں کیطرح صرف قصّہ گو نہیں ہیں بلکہ خدا کا نور اور خدا کی آسمانی نصرت ہمارے شامل حال ہے۔ ہم کیا چیز ہیں جو اِس شکر کو ادا کر سکیں کہ وُہ خدا جو دُوسروں پر مخفی ہے اور وُہ پوشیدہ طاقت جو دُوسروں سے نہاں در نہاں ہے۔ وُہ ذوالجلال خدا محض اس نبی کریمؐ کے ذریعہ سے ہم پر ظاہر ہوگیا۔

پھر یہ عجیب بات ہے کہ اُسی کامل نبی سے مخالف قوموں کا سب سے بڑھکر بُغض ہے اُسی کی توہین کے لئے اور اُسی کی تکذیب کی غرض سے جس قدر دُنیا میں کتابیں شائع ہوئی ہیں ابتدائے دُنیا سے آج تک کسی اور نبی کی توہین کے لئے اس کثیر مقدار کی کتابیں شائع نہیں ہوئیں۔ اِس سے ثابت ہے کہ جس سے خدا زیادہ پیار کرتا ہے اور جس کو زیادہ اپنے جلال اور بزرگی سے حصّہ بخشتا ہے اُسی سے یہ اندھی دُنیا زیادہ دشمنی کرتی ہے۔ مگر اُسی عظیم الشان نبی نے ہمیں سکھایا ہے کہ جن جن نبیوں اور رسولوں کو دُنیا کی قومیں مانتی چلی آئی ہیں اور خدا

صفحہ

نے عظمت اور قبولیت اُنکی دنیا کے بعض حصوں میں پھیلادی ہے وُہ درحقیقت خدا کی طرف سے ہیں اور اُن کی آسمانی کتابوں میں گو دُور دراز زمانہ کی وجہ سے کچھ تبدیل تغیر ہوگئی ہو۔ یا اُن کے معنی خلاف حقیقت سمجھے گئے ہوں۔ مگر دراصل وُہ کتابیں منجانب اللہ اور عزت اور تعظیم کے لائق ہیں۔

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دوسرے ملکوں کے انبیاء کی نسبت سوال کیا گیا تو آپ نے یہی فرمایا کہ ہر ایک ملک میں خدا تعالیٰ کے نبی گذرے ہیں اور فرمایا کہ کَانَ فِی الْھِنْدِ نَبِیًّا اَسْوَدَ اللَّوْنِ اِسْمُہٗ کَاھِنًا یعنی ہند میں ایک نبی گذرا ہے جو سیاہ رنگ تھا اور نام اُس کا کاہن تھا یعنی کنھیّا جس کو کرشن کہتے ہیں۔ اور آپ سے پُوچھا گیا کہ کیا زبان پارسی میں بھی کبھی خدا نے کلام کیا ہے۔ تو فرمایا کہ ہاں خدا کا کلام زبان پارسی میں بھی اُترا ہے۔ جیسا کہ وُہ اُس زبان میں فرماتا ہے" ایں مُشتِ خاک را گر نہ بخشم چہ کنم"۔ اور خدا نے قرآن شریف میں یہ بھی فرمایا ہے مِنْھُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَیْکَ وَمِنْھُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَیْکَ[1] یعنی جس قدر دُنیا میں نبی گذرے ہیں بعض کا اُن میں سے ہم نے قرآن شریف میں ذکر کیا ہے اور بعض کا ذکر نہیں کیا۔ اس قول سے مطلب یہ ہے کہ تا مسلمان حسن ظن سے کام لیں اور دُنیا کے ہر ایک حصّہ کے نبی کو جو گذر چکے ہیں عزّت اور تعظیم سے دیکھیں اور بار بار قرآن شریف میں بھی ذکر کیا گیا ہے اس سے مقصود مسلمانوں کو یہ سبق دینا ہے کہ وہ دُنیا کے کسی حصّہ کے ایسے نبی کی کسرِ شان نہ کریں جو ایک کثیر قوم نے اُس کو قبول کر لیا تھا۔ یہ اصول نہایت ہی پیارا اور دِلکش اصول ہے اور مسلمان اسکے ساتھ جس قدر فخر کریں وہ بجا ہے کیونکہ دوسری قومیں بوجہ اس کے کہ اِس اصول کی پابند نہیں دُنیا کے اَور انبیاء کی نسبت جو گذر چکے ہیں جن کی قبولیت کروڑہا لوگوں میں پھیل چکی ہے ادنیٰ ادنیٰ اختلاف کی وجہ سے زبان درازی کے لئے

صفحہ ۱۱

[1] المومن ۷۹۔

طیار ہو جاتی ہیں۔ خاص کر ہمارے مقدس نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو تو گندی گالیاں دیتے ہیں وہ صرف زبان سے تو صلح صلح کرتے ہیں مگر اسی زبان کو تلوار کی طرح کھینچکر ہمارے اُس پیارے نبی پر چلاتے ہیں جس کے قدموں کے نیچے ہماری جانیں ہیں۔ ہم لوگ عجیب مظلوم ہیں کہ ہم تو قرآن شریف کی تعلیم کے موافق دنیا کے ہر ایک نبی کو جو مقبول الانام گذرے ہیں عزّت اور تعظیم کی راہ سے دیکھتے ہیں اور اُن پر ایمان لاتے ہیں مگر ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت جو کچھ ہمارے مخالف کہتے ہیں اور لکھتے ہیں۔ اُس کو تمام زمانہ جانتا ہے۔ ہم اِس بات کا اعلان کرنا اور اپنے اِس اقرار کو تمام دنیا میں شائع کرنا اپنی ایک سعادت سمجھتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السّلام اور دوسرے نبی سب کے سب پاک اور بزرگ اور خدا کے برگزیدہ تھے۔ ایسا ہی خدا نے جن بزرگوں کے ذریعہ سے پاک ہدائتیں آریہ ورت میں نازل کیں اور نیز بعد میں آنے والے جو آریوں کے مقدس بزرگ تھے جیساکہ راجہ رامچندر اور کرشن یہ سب کے سب مقدس لوگ تھے اور ان میں سے تھے جن پر خدا کا فضل ہوتا ہے۔ مگر ہم اِس شکایت کے لئے کس کے آگے روویں اور کس سے ہم اِس بات کا انصاف طلب کریں کہ دُوسری قومیں ہم سے یہ معاملہ نہیں کرتیں۔

صـ۱۲

دیکھو یہ کیسی پیاری تعلیم ہے جو دُنیا میں صلح کی بنیاد ڈالتی ہے اور تمام قوموں کو ایک قوم کی طرح بنانا چاہتی ہے یعنی یہ کہ دُوسری قوموں کے بزرگوں کو عزّت سے یاد کرو۔ اور اِس بات کو کون نہیں جانتا کہ سخت دشمنی کی جڑھ اُن نبیوں اور رسولوں کی تحقیر ہے جن کو ہر ایک قوم کے کروڑہا انسانوں نے قبول کرلیا ہے جو شخص کسی نبی کی تحقیر کرتا ہے یا تحقیر کرنے والے کا دوست اور حامی ہے اور پھر وہ اس قوم سے صلح چاہتا ہے جو اُس نبی پر دل وجان سے قربان ہے وُہ ایسا

مُورکھ اور ناداں ہے کہ جہالت اور نادانی میں دُنیا میں کوئی اس کی نظیر نہیں۔ ایک شخص جو کسی کے باپ کو گندی گالیاں دیتا ہے اور پھر چاہتا ہے کہ اُس کا بیٹا اس سے خوش ہو۔ یہ کیونکر ہو سکتا ہے جو لوگ محض زبان سے کسی قوم کے ساتھ صلح کرنے کے لئے زور دیتے ہیں۔ اُن کو چاہیئے کہ صلحکاری کے کام بھی دکھلائیں اے ہموطن پیارو! میری اس بات پر غور کرو اور یُوں ہی نہ پھینک دو جبکہ ہم ایک ہی ملک میں رہتے ہیں چاہیئے کہ باہم ایسی محبت کریں کہ ایک دُوسرے کے اعضاء ہو جائیں مگر یہ بھی یاد رکھو کہ اگر منافقانہ طور پر محبّت ہو تو وُہ محبّت نہیں ہے بلکہ وہ ایک زہریلا تخم ہے جو بعد میں اپنا مہلک پھل دکھلائیگا۔ صلحکاری بہت عمدہ چیز ہے مگر بد زبانی اور صلحکاری دونوں ہرگز جمع نہیں ہو سکتے۔ پس اے صاحبان! کیا آپ لوگ اِس بات کیلئے طیار ہیں یا نہیں کہ صلح کی بنیاد ڈالنے کے لئے اِس پاک اصول کو قبول کرلیں کہ جیسے ہم سچے دل سے آپ کے بزرگ رشیوں اور اوتاروں کو صادق جانتے ہیں جن پر آپ کی قوم کے کروڑہا لوگ ایمان لاچکے ہیں اور اُن کے نام عزّت سے زبانوں پر جاری ہیں۔

ایسا ہی آپ لوگ بھی صدق دل سے اِس کلمہ پر ایمان لے آئیں کہ

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

تا جس اتحاد اور صلح کیلئے ہم نے قدم اُٹھایا ہے اُس میں آپ بھی شریک ہو کر اُس تفرقہ کو دُور کر دیں جو ملک کو کھاتا جاتا ہے۔ ہم آپ سے کوئی ایسا مطالبہ نہیں کرتے جس سے ہم نے پہلے خود حصہ نہیں لیا۔ اور نہ ہم آپ سے کوئی ایسا کام کرانا نہیں چاہتے جو ہم نے آپ نہیں کیا۔ سچی صلح اور کینوں کے دُور کرنے کیلئے صرف اِس قدر کافی ہے کہ جیسا کہ ہم آپ کے بزرگ اوتاروں اور رشیوں کو صادق مانتے ہیں اسی طرح آپ بھی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو صادق مان لیں اور اس اقرار کا آپ ہماری

ص۱۳

طرح اعلان بھی کردیں۔ ہاں ہم آپ کے عقائد مروّجہ پر عملدرآمد کرنے سے تو مجبور ہیں۔
کیونکہ خدا نے ہمیں بتلا دیا ہے کہ پہلی کتابیں اپنی صحت پر قائم نہیں رہیں نیز آپکا
مذہبی تفرقہ اس سے مانع ہے کیونکہ آریہ ورت کے صدہا مختلف رائے فرقے وید
ہی کی طرف اپنے تئیں منسوب کرتے ہیں۔ پس ہم کس کس عقیدے کی تصدیق کریں۔
آپ جانتے ہیں کہ ایک شخص سے عقائد متناقضہ کی پابندی محال ہے۔ ہر ایک فرقہ
اپنی طرف ہی کھینچے گا۔ اور اس جھگڑے میں پڑنا ہی فضول ہے۔ کیونکہ خدا کے
آخری حکم نے جو قرآن شریف ہے دوسرے احکام کی پیروی سے ہمیں مستغنی
کر دیا ہے۔ پس بالفعل ہم آپ سے صلحکاری کے لئے صرف یہی چاہتے ہیں کہ
آپ اجمالی طور پر قرآن شریف کے مصدّق ہوں جیسا کہ ہم اجمالی طور پر مصدق ہیں۔
اور اگر بعد میں کوئی سعید آدمی ترقی کرے تو یہ خدا کا فضل ہے۔

ملا

غرض ہم اس اصول کو ہاتھ میں لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں کہ
آپ گواہ رہیں جو ہم نے مذکورہ بالا طریق کے ساتھ آپ کے بزرگوں کو مان لیا
ہے کہ وہ خدا کی طرف سے تھے اور آپ کی صلح پسند طبیعت سے ہم
امیدوار ہیں کہ آپ بھی ایسا ہی مان لیں یعنی صرف یہ اقرار کرلیں کہ
آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم خدا تعالےٰ کے سچے رسول اور صادق ہیں۔
جس دلیل کو ہم نے آپ کی خدمت میں پیش کیا ہے وہ نہایت روشن اور
کھلی کھلی دلیل ہے۔ اور اگر اس طریق سے صلح نہ ہو تو آپ یاد رکھیں کہ کبھی
صلح نہ ہوگی بلکہ روز بروز کینے بڑھتے جائیں گے۔

مسلمان وہ قوم ہے جو اپنے نبی کریم کی عزت کے لئے جان دیتے ہیں۔
اور وہ اس بے عزتی سے مرنا بہتر سمجھتے ہیں کہ ایسے شخصوں سے دلی صفائی کریں
اور اُن کے دوست بن جائیں جن کا کام دن رات یہ ہے کہ وہ اُن کے

رسُولِ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتے ہیں اور اپنے رسالوں اور کتابوں اور اشتہاروں میں نہایت توہین سے اُن کا نام لیتے ہیں اور نہایت گندے الفاظ سے اُن کو یاد کرتے ہیں۔ آپ یاد رکھیں کہ ایسے لوگ اپنی قوم کے بھی خیر خواہ نہیں ہیں کیونکہ وہ اُن کی راہ میں کانٹے بوتے ہیں۔ اور میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اگر ہم جنگل کے سانپوں اور بیابانوں کے درندوں سے صلح کرلیں۔ تو یہ ممکن ہے مگر ہم ایسے لوگوں سے صلح نہیں کرسکتے جو خدا کے پاک نبیوں کی شان میں بدگوئی سے باز نہیں آتے وُہ سمجھتے ہیں کہ گالی اور بدزبانی میں ہی فتح ہے مگر ہر ایک فتح آسمان سے آتی ہے۔ پاک زبان لوگ اپنی پاک کلام کی برکت سے انجام کار دِلوں کو فتح کرلیتے ہیں مگر گندی طبیعت کے لوگ اِس سے زیادہ کوئی ہُنر نہیں رکھتے کہ ملک میں مفسدانہ رنگ میں تفرقہ اور پھوٹ پیدا کرتے ہیں۔ کاش اگر دُنیا کے لوگ ایسے اصول کے پابند ہوتے جو قرآن شریف نے پیش کیا ہے تو یہ ملک برکتوں سے بھر جاتا۔ مگر یہ ملک کی بدقسمتی ہے کہ اِس اصول کو پسند نہیں کیا جاتا۔ آج آسمان کے نیچے صرف ایک ہی کتاب ہے جو اس اصول پر زور ڈالتی ہے کہ جن جن نبیوں اور رسولوں کو دُنیا کی قومیں صادق مانتی چلی آئی ہیں اور خدا نے عظمت اور قبولیت اُن کی دنیا کے بڑے بڑے حصوں میں پھیلادی ہے وہ درحقیقت خدا کی طرف سے ہیں۔ زبان خلق نقارہ خدا ایک مشہور مثل ہے۔ پس جبکہ خدا نے کروڑوں انسانوں کے دلوں میں یہی الہام کیا کہ وہ لوگ سچے ہیں اور نہ صرف اس قدر بلکہ خارق عادت کے طور پر اُن کی نصرت اور مدد بھی کی تو یہ ایک قوی دلیل اِس بات پر ہے کہ درحقیقت وُہ خدا کے دوست ہیں اور اُن کی توہین خدا کی توہین ہے۔ اور تجربہ بھی شہادت دیتا ہے کہ ایسے بدزبان لوگوں کا انجام اچھا نہیں ہوتا

ص ۱۵

خدا کی غیرت اُس کے اُن پیاروں کے لئے آخر کوئی کام دکھلا دیتی ہے۔ پس اپنی زبان کی چھری سے کوئی اور بدتر چھری نہیں اور قرآن شریف میں صرف اسی قدر نہیں لکھا کہ دُنیا کے تمام بزرگوں کا نام عزت سے لو بلکہ یہ بھی لکھا ہے کہ ہر ایک قوم سے ہمدردی کرو جیسا کہ اپنی قوم سے۔ اِسی بنا پر مذہب اسلام میں جیسا کہ اپنی قوم سے سود لینا حرام ہے ایسا ہی دُوسری قوموں سے بھی سُود لینا حرام ہے بلکہ خدا نے یہ بھی فرمایا ہے کہ نہ صرف سُود حرام ہے بلکہ اگر تمہارا قرضدار مفلس ہو تو اسکو قرض بخش دو۔ یا کم سے کم یہ کہ اسوقت تک انتظار کرو کہ وُہ قرض ادا کرنے کے لائق ہو جائے۔ اور جیسا کہ قرآن شریف میں اپنی قوم کے لئے گناہ معاف کرنے کا حکم ہے ایسا ہی دُوسری قوموں کیلئے بھی یہی حکم ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمایا ہے۔

وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۗ أَلَا تُحِبُّونَ أَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ[1] یعنی لوگوں کے گناہ بخشو اور اُن کی زیادتیوں اور قصوروں کو معاف کرو۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ خُدا بھی تمہیں معاف کرے اور تمہارے گناہ بخشے اور وُہ تو غفور و رحیم ہے۔

اور انجیل نے بھی صبر اور عفو کی تعلیم دی ہے مگر اکثر لوگوں کو شاید یہ بات یاد نہیں ہو گی کہ حضرت عیسٰی انجیل میں فرماتے ہیں کہ مجھے دُوسری قوموں سے سروکار نہیں۔ میں صرف بنی اسرائیل کی بھیڑوں کے لئے آیا ہوں یعنی میری ہمدردی صرف یہودیوں تک محدود ہے۔ مگر قرآن شریف میں صاف لکھا ہے کہ دُوسری قوموں سے بھی ہمدردی کرو جیسا کہ اپنی قوم کے لئے۔ اور دُوسری قوموں کو بھی معاف کرو جیسا کہ اپنی قوم کو۔ کیونکہ قرآن شریف میں یہ نہیں لکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف قریش کے لئے بھیجے گئے ہیں بلکہ لکھا ہے کہ وُہ تمام دنیا کے لئے بھیجے گئے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔

ص۱۶

[1] النور: ۲۳

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا [1]

یعنی لوگوں کو کہدے کہ میں تمام دُنیا کے لئے بھیجا گیا ہوں نہ صرف ایک قوم کے لئے۔ اور پھر دوسری جگہ فرمایا وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ [2] یعنی ہم نے کسی خاص قوم پر رحمت کرنے کیلئے تجھے نہیں بھیجا بلکہ اس لئے بھیجا ہے کہ تمام جہان پر رحمت کی جائے۔ پس جیسا کہ خدا تمام جہان کا خدا ہے۔ ایسا ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام دُنیا کے لئے رسول ہیں اور تمام دنیا کے لئے رحمت ہیں اور آپ کی ہمدردی تمام دُنیا سے ہے نہ کسی خاص قوم سے۔ اور خدا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کو بھی وُہ کامل اور عام ہمدردی کی تعلیم دی ہے کہ کسی دُوسرے رسول کو ہرگز نہیں دی جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَ اِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى [3] یعنی خدا حکم فرماتا ہے کہ تمام دُنیا کے ساتھ تم عدل کرو یعنی جس قدر حق ہے اُسی قدر لو اور انصاف سے بنی نوع کے ساتھ پیش آؤ۔ اور اس سے بڑھ کر یہ حکم ہے کہ تم بنی نوع سے احسان کرو یعنی وُہ سلوک کرو جس سلوک کا کرنا تم پر فرض نہیں محض مروت سے ہے۔ مگر چونکہ احسان میں بھی ایک عیب مخفی ہے کہ صاحبِ احسان کبھی ناراض ہوکر اپنے احسان کو یاد بھی دلا دیتا ہے۔ اِس لئے اِس آیت کے آخر میں فرمایا کہ کامل نیکی یہ ہے کہ تم اپنے بنی نوع سے اِس طور سے نیکی کرو کہ جیسے ماں اپنے بچہ سے نیکی کرتی ہے کیونکہ وُہ نیکی محض طبعی جوش سے ہوتی ہے نہ کسی پاداش کی غرض سے۔ یہ دل میں ارادہ ہی نہیں ہوتا کہ یہ بچہ اس نیکی کے مقابل مجھے بھی کچھ عنایت کرے۔ پس وہ نیکی جو بنی نوع سے کی جاتی ہے کامل درجہ اُس کا یہ تیسرا درجہ ہے جس کو ایتاءِ ذی القربیٰ کے لفظ سے بیان فرمایا گیا ہے۔

یاد رہے کہ یہ تعلیم انجیل میں نہیں ہے بلکہ نیکی اَور احسان اور معافی کی تعلیم

[1] الاعراف: ۱۵۹ [2] الانبیاء: ۱۰۸ [3] النحل: ۹۱

مـ۱۷

جس قدر انجیل میں ہے وہ سب صرف بنی اسرائیل تک محدود ہے دُوسروں سے کچھ غرض نہیں۔ ایسا ہی بجز قرآن شریف کے ہر ایک قوم کی الہامی کتاب جو کچھ احسان اور مروّت اور درگذر کی تعلیم دیتی ہے وہ اُسی قوم تک محدود ہے اور ہر ایک پہلی قوموں کی الہامی کتابیں بجز اپنی قوم کے دُوسرے لوگوں کی ہمدردی سے واسطہ نہیں رکھتیں جیساکہ انجیل شریف کی بھی ساری ہمدردی ساری درگذر سارے احسان کی تعلیم محض بنی اسرائیل کے لئے ہے دوسروں سے کچھ بھی غرض نہیں اور ہمارے پیارے ہموطن آریہ صاحبان اس کلمۂ حق سے ناراض نہ ہوں کہ وید مقدّس کی تعلیم سے یہ بات موزوں ہی نہیں کہ اس میں یہ حکم دیا جاتا کہ لوگ اپنے اپنے قصور واروں کے گناہ بخشا کریں کیونکہ جس حالت میں خود پرمیشر ایک گنہ پر کروڑہا جونوں میں ڈالتا رہتا ہے تو پھر کس منہ سے وہ لوگوں کو یہ نصیحت دے سکتا ہے کہ تم اپنے قصورواروں کے گنہ بخش دیا کرو۔ اور وید کے رُو سے دوسرے نبیوں کی توہین بھی کرنا شاید ثواب میں داخل ہے۔ شاید کسی صاحب کے دل میں یہ بھی خیال آوے کہ مسلمان بھی مباحثہ کے وقت نامناسب الفاظ دوسری قوموں کے بزرگوں کی نسبت استعمال کرتے ہیں پس یاد رہے کہ وہ قرآنی تعلیم سے باہر چلے جاتے ہیں اور بسا اوقات اُن کی اس بدتہذیبی کا موجب وہی لوگ ہو جاتے ہیں جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو گالیاں نکالتے ہیں مثلاً ظاہر ہے کہ مسلمان لوگ کس قدر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عزت اور تعظیم کی نظر سے دیکھتے ہیں اور اُن کو خُدا کا پیارا رسُول اور برگزیدہ یقین رکھتے ہیں لیکن جب ایک متعصب پادری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بے ادبی سے باز نہیں آتا اور زبان درازی میں حد سے بڑھ جاتا ہے تو الزامی طور پر ایک مسلمان جس کو اس پادری کے کلمات سے کچھ درد پہنچا ہے ایسا جواب دیتا ہے کہ اس پادری کو بُرا معلوم ہو مگر پھر بھی وہ طریق ادب سے باہر نہیں جاتا

ص ۱۸

کچھ نہ کچھ صحت نیت دل میں رکھ لیتا ہے کیونکہ اسلام میں کسی نبی کی تحقیر کفر ہے اور سب پر ایمان لانا فرض ہے۔ پس مسلمانوں کو بڑی ہی مشکلات پیش آتی ہیں کہ دونوں طرف اُن کے پیارے ہوتے ہیں۔ بہرحال جاہلوں کے مقابل پر صبر کرنا بہتر ہے کیونکہ کسی نبی کی اشارہ سے بھی تحقیر کرنا سخت معصیت ہے اور موجب نزول غضب الٰہی۔

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ اسلام میں کافروں کے ساتھ جہاد کرنے کا حکم ہے تو پھر کیونکر اسلام صلح کاری کا مذہب ٹھیر سکتا ہے پس واضح ہو کہ قرآن شریف اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر یہ تہمت ہے اور یہ بات سراسر جھوٹ ہے کہ دین اسلام میں جبراً دین پھیلانے کے لئے حکم دیا گیا تھا۔ کسی پر یہ بات پوشیدہ نہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ میں تیرہ[13] برس تک سخت دل کافروں کے ہاتھ سے وہ مصیبتیں اٹھائیں اور وہ دُکھ دیکھے کہ بجز اُن برگزیدہ لوگوں کے جن کا خدا پر نہایت درجہ بھروسہ ہوتا ہے کوئی شخص ان دکھوں کی برداشت نہیں کر سکتا اور اس مدت میں کئی عزیز صحابہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے نہایت بے رحمی سے قتل کئے گئے اور بعض کو بار بار زدو کوب کر کے موت کے قریب کر دیا اور بعض دفعہ ظالموں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر اس قدر پتھر چلائے کہ آپ سر سے پیر تک خون آلودہ ہو گئے اور آخر کار کافروں نے یہ منصوبہ سوچا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو قتل کر کے اس مذہب کا فیصلہ ہی کر دیں۔ تب اس نیت سے اُنہوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے گھر کا **محاصرہ** کیا اور خدا نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ اب وقت آگیا ہے کہ تم اس شہر سے نکل جاؤ۔ تب آپ اپنے ایک رفیق کے ساتھ جس کا نام **ابوبکر**ؓ تھا نکل آئے اور خدا کا یہ معجزہ تھا کہ باوجودیکہ صدہا لوگوں نے محاصرہ کیا تھا مگر ایک شخص نے بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو نہ دیکھا اور آپ شہر سے باہر آگئے اور ایک پتھر پر کھڑے ہو کر مکہ کو مخاطب کر کے کہا کہ "اے مکہ تو میرا پیارا شہر اور پیارا وطن

ص ۱۹

تھا اگر میری قوم مجھ کو تجھ سے نہ نکالتی تو میں ہرگز نہ نکلتا"۔ تب اس وقت بعض پہلے نوشتوں کی یہ پیشگوئی پوری ہوئی کہ :۔

"وہ نبی اپنے وطن سے نکالا جائے گا"

مگر پھر بھی کفار نے اسی قدر پر صبر نہ کیا اور تعاقب کرکے چاہا کہ بہرحال قتل کر دیں لیکن خدا نے اپنے نبی کو اُن کے شر سے محفوظ رکھا اور آنجناب پوشیدہ طور پر مکّہ سے ہجرت کرکے مدینہ کی طرف چلے آئے اور پھر بھی کفار اس تدبیر میں لگے رہے کہ مسلمانوں کو بکلّی نیست و نابود کر دیں اور اگر خدا تعالےٰ کی حمایت اور نصرت نہ ہوتی تو اُن دنوں میں اسلام کا قلع قمع کرنا نہایت سہل تھا کیونکہ دشمن تو کئی لاکھ آدمی تھا مگر مکّہ سے ہجرت کرنے کے وقت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے رفیق ستر سے زیادہ نہ تھے اور وہ بھی متفرق ملکوں کی طرف ہجرت کر گئے تھے۔ پس اس حالت میں ہر ایک سمجھ سکتا ہے کہ جبر کرنے کی کونسی صورت تھی غرض جب کافروں کا ظلم نہایت درجہ تک پہنچ گیا اور وہ کسی طرح آزار دہی سے باز نہ آئے اور انہوں نے اِس بات پر مصمم ارادہ کر لیا کہ تلوار کے ساتھ مسلمانوں کا خاتمہ کر دیں تب اللہ تعالےٰ نے اپنے نبیؐ کو دفاعی جنگ کے لئے اجازت فرمائی یعنی اس طرح کی جنگ جس کا مقصد صرف حفاظتِ خود اختیاری اور کفار کا حملہ دفع کرنا تھا جیسا کہ قرآن شریف میں تصریح سے اس بات کا ذکر کیا گیا ہے اور وہ آیت یہ ہے :۔

اِنَّ اللّٰهَ يُدَافِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ۔ اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرٌ[1] (ترجمہ) خدا کا ارادہ ہے کہ کفار کی بدی اور ظلم کو مومنوں سے دفع کرے یعنی مومنوں کو دفاعی جنگ کی اجازت دے تحقیقاً خدا خیانت پیشہ ناشکر لوگوں کو دوست نہیں رکھتا خدا اُن مومنوں کو لڑنے کی اجازت دیتا ہے جن پر کافر قتل کرنے کے لئے چڑھ چڑھ کے

[1] الحج : ۳۹ - ۴۰

صت۲۰

آتے ہیں اور خدا حکم دیتا ہے کہ مومن بھی کافروں کا مقابلہ کریں کیونکہ وہ مظلوم ہیں اور خدا اُن کی مدد پر قدرت رکھتا ہے یعنی اگرچہ تھوڑے ہیں مگر خدا اُن کی مدد پر قادر ہے۔ یہ قرآن شریف میں وہ پہلی آیت ہے جس میں مسلمانوں کو کفار کے مقابلہ کی اجازت دی گئی۔ آپ خود سوچ لو کہ اس آیت سے کیا نکلتا ہے۔ کیا لڑنے کے لئے خود سبقت کرنا یا مظلوم ہونے کی حالت میں اپنے بچاؤ کے لئے بمجبوری مقابلہ کرنا ہمارے مخالف بھی اس بات کو جانتے ہیں کہ آج ہمارے ہاتھ میں وہی قرآن ہے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے شائع کیا تھا پس اُس کے اِس بیان کے مقابل پر جو کچھ برخلاف اس کے بیان کیا جاتے وہ سب جھوٹ اور افترا ہے۔ مسلمانوں کی قطعی اور یقینی تاریخ جس کتاب سے نکلتی ہے وہ قرآن شریف ہے۔

صـ۲۱

اب ظاہر ہے کہ قرآن شریف یہی بیان کرتا ہے کہ مسلمانوں کو لڑائی کا اُس وقت حکم دیا گیا تھا جب وہ ناحق قتل کئے جاتے تھے اور خدا تعالےٰ کی نظر میں مظلوم ٹھیر چکے تھے اور ایسی حالت میں دو صورتیں تھیں یا تو خدا کافروں کی تلوار سے اُن کو فنا کر دیتا اور یا مقابلہ کی اجازت دیتا اور وہ بھی اس شرط سے کہ آپ اُن کی مدد کرتا کیونکہ اُن میں جنگ کی طاقت ہی نہیں تھی اور پھر ایک اور آیت ہے جس میں خدا نے اس اجازت کے ساتھ ایک اور قید بھی لگا دی ہے اور وہ آیت سیپارہ دوم سورۃ البقرۃ میں ہے اور اس آیت کا ماحصل یہ ہے کہ جو لوگ تمہیں قتل کرنے کے لئے آتے ہیں اُن کا دفع شر کے لئے مقابلہ کرو مگر کچھ زیادتی نہ کرو اور وہ آیت یہ ہے:۔ [۱]

وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا ان اللہ لا یحب المعتدین

یعنی خدا کی راہ میں اُن لوگوں کے ساتھ لڑو جو لڑنے میں سبقت کرتے ہیں اور تم پر چڑھ چڑھ کے آتے ہیں مگر اُن پر زیادتی نہ کرو اور تحقیقاً یاد رکھو کہ خدا زیادتی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ اور پھر خدا تعالےٰ نے قرآن شریف پارہ اٹھائیس سورۃ الممتحنہ

[۱] البقرۃ: ۱۹۱

میں فرمایا ہے لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ[1] ص ۲۲

ترجمہ۔ یعنی جن لوگوں نے تمہارے دین کو نابود کرنے کی غرض سے تمہارے قتل کرنے کے لئے چڑھائی نہیں کی اور تمہیں اپنے وطن سے نہیں نکالا خدا تمہیں اس بات سے منع نہیں کرتا کہ تم ان سے احسان کرو اور اپنے مال کا کوئی حصہ ان کو دے دو اور معاملات میں ان سے انصاف کا برتاؤ کرو اور خدا ان لوگوں سے پیار کرتا ہے جو اپنے دشمنوں سے بھی احسان اور مروّت اور انصاف سے پیش آتے ہیں خاص کر ایسے دشمن جو بہت بہت دکھ دے چکے ہوں۔

اور پھر ایک جگہ فرماتا ہے یعنی پارۂ دہم سورۂ توبہ میں۔ وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ[2]۔ یعنی اگر لڑائی کے ایام میں کوئی شخص مشرکوں میں سے خدا کے کلام کو سننا چاہے تو اس کو پناہ دیدو جب تک کہ وہ خدا کے کلام کو سن لے اور پھر اس کو اپنے امن کی جگہ میں پہنچا دو کیونکہ وہ ایک جاہل قوم ہے اور نہیں جانتے کہ وہ کس سے لڑائی کر رہے ہیں۔ اور پھر سورہ حج پارہ سترہ میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا[3] (ترجمہ) یعنی اگر خدا تعالیٰ کی یہ عادت نہ ہوتی کہ بعض کو بعض کے ساتھ دفع کرتا تو ظلم کی نوبت یہاں تک پہنچتی کہ گوشہ گزینوں کے خلوت خانے ڈھائے جاتے اور عیسائیوں کے گرجے مسمار کئے جاتے اور یہودیوں کے معبد نابود کئے جاتے اور مسلمانوں کی مسجدیں جہاں کثرت سے ذکر خدا ہوتا ہے منہدم کی جاتیں۔ اس جگہ خدا تعالیٰ یہ ظاہر فرماتا ہے کہ ان تمام عبادت خانوں کا میں ہی حامی ہوں اور اسلام کا فرض ہے کہ اگر مثلاً کسی عیسائی ملک پر قبضہ کرے تو ان کے عبادت خانوں سے کچھ تعرض

[1] الممتحنۃ: ۹ [2] التوبۃ: ۶ [3] الحج: ۴۱

صـ۲۳ نہ کرے اور منع کر دے کہ اُن کے گرجے مسمار نہ کئے جائیں اور یہی ہدایت احادیث نبویہ سے مفہوم ہوتی ہے کیونکہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب کہ کوئی اسلامی سپہ سالار کسی قوم کے مقابلہ کے لئے مامور ہوتا تھا تو اُس کو یہ حکم دیا جاتا تھا کہ وہ عیسائیوں اور یہودیوں کے عبادت خانوں اور فقراء کے خلوتخانوں سے تعرض نہ کرے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اسلام کس قدر تعصب کے طریقوں سے دُور ہے کہ وہ عیسائیوں کے گرجاؤں اور یہودیوں کے معبدوں کا ایسا ہی حامی ہے جیساکہ مساجد کا حامی ہے ہاں البتہ اُس خُدا نے جو اسلام کا بانی ہے یہ نہیں چاہا کہ اسلام دشمنوں کے حملوں سے فنا ہو جائے بلکہ اس نے دفاعی جنگ کی اجازت دی ہے اور حفاظت خود اختیاری کے طور پر مقابلہ کرنے کا اذن دیدیا ہے۔ جیساکہ وہ قرآن شریف میں فرماتا ہے:۔

اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ[1] (سورة التوبة) وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا[2]۔ (سورة الانفال الجزو ۱۰)

(ترجمہ) کیا تم ایسی قوم سے نہیں لڑو گے جنہوں نے اپنی قسمیں توڑ ڈالیں اور چاہا کہ رسول خدا کو جلاوطن کر دیں اور انہوں نے ہی پہلے تمہیں قتل کرنا شروع کیا۔ اور اگر وہ صُلح کی طرف جھکیں تو تم بھی جھک جاؤ۔ یعنی تم اس خیال سے کیوں ڈرتے ہو کہ ہم بہت ہی تھوڑے ہیں اور کفار شمار میں بہت ہیں ہم کیونکر اُن سے لڑ سکتے ہیں۔ اور پھر ایک جگہ فرماتا ہے۔

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا[3]۔

یعنی جس شخص نے ایسے شخص کو قتل کیا کہ اُس نے کوئی ناحق کا خُون نہیں کیا تھا یا کسی ایسے شخص کو قتل کیا جو نہ بغاوت کے طور پر امن عامہ میں خلل ڈالتا تھا اور نہ زمین میں فساد پھیلاتا تھا تو اُس نے تمام انسانوں کو قتل کر دیا۔ یعنی بے وجہ ایک انسان کو قتل کر دینا خدا کے نزدیک ایسا ہے کہ گویا تمام بنی آدم کو ہلاک کر دیا۔ ان آیات سے ظاہر ہے صـ۲۴ کہ بے وجہ کسی انسان کا خُون کرنا کس قدر اسلام میں جُرم کبیرہ ہے۔

[1] التوبة: ۱۳ [2] الانفال: ۶۲ [3] المائدہ: ۳۳

اور نیز ان تمام آیات سے ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں پیش دستی کر کے لڑائی کرنا ایک سخت مجرمانہ فعل قرار دیتا ہے بلکہ مومنوں کو جا بجا صبر کا حکم دیا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ وَبَیْنَہٗ عَدَاوَۃٌ کَاَنَّہٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ [۱] یعنی تیرا دشمن جو تجھ سے بدی کرتا ہے اس کا مقابلہ نیکی کے ساتھ کر اگر تو نے ایسا کیا تو وہ تیرا ایسا دوست ہو جائے گا کہ گویا رشتہ دار بھی ہے اور پھر ایک جگہ فرماتا ہے وَالْکَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ [۲] یعنی مومن وہ ہیں جو غصہ کھا جاتے ہیں اور لوگوں کے ساتھ عفو اور درگذر سے پیش آتے ہیں اور اگرچہ انجیل میں بھی عفو اور درگذر کی تعلیم ہے جیسا کہ میں ابھی بیان کر چکا ہوں مگر وہ یہودیوں تک محدود ہے دوسروں سے حضرت عیسیٰؑ نے اپنی ہمدردی کا کچھ واسطہ نہیں رکھا اور صاف طور پر فرمادیا کہ مجھے بجز بنی اسرائیل کے دوسروں سے کچھ غرض نہیں خواہ وہ غرق ہوں خواہ نجات پاویں۔ مگر قرآن شریف نے یہ فرمایا۔ قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا [۳] یعنی اے تمام انسانو! جو زمین پر رہتے ہو میں سب کی طرف رسول ہو کر آیا ہوں نہ کسی خاص قوم کی طرف اور سب کی ہمدردی میرا مقصد ہے۔

ایسا ہی احادیث نبویہ میں آخری زمانہ کی نسبت یہ خبر دی ہے کہ جب آخری زمانہ میں **مسیح موعود** آئے گا تو وہ دنیا میں صلح کاری کا پیغام دیگا اور جنگ موقوف کرے گا یعنی ملّا لوگوں کی غلط کاریوں سے جو دینی جنگ کئے جائیں گے اُنکی رسم دُور کر دے گا۔ یہ حدیث صحیح بخاری میں ہے جو حدیث کی کتابوں میں سے اول درجہ کی سمجھی جاتی ہے۔ حدیث کے لفظ یہ ہیں۔ یَضَعُ الْحَرْبَ۔ اس حدیث میں یہ پیشگوئی ہے کہ اسلام میں آخری زمانہ میں غلطی کے طور پر بنام نہاد دین کی لڑائیاں شروع ہو جائیں گی یا جاہل سرحدی جو درندوں کی طرح ہیں کسی عیسائی وغیرہ کا خون کرنا

ص۲۵

[۱] حٰم السجدۃ: ۳۵ [۲] اٰل عمران: ۱۳۵ [۳] الاعراف: ۱۵۹

داخل ثواب سمجھیں گے اور غازی کہلائیں گے مگر مسیح موعود جب آئے گا تو صاف طور پر لوگوں کو سنا دے گا کہ "دین کے معاملہ میں لڑائی کرنا جائز نہیں" اور یہ حدیث نہایت درجہ پر صحیح ہے کیونکہ جب کہ ہمارے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے دین کو جبراً پھیلانے کے لئے کوئی لڑائی نہیں کی بلکہ وہ صرف دفاعی جنگ تھی اس لئے کہ جنہوں نے مسلمانوں اور اُن کے بچوں اور عورتوں کو قتل کیا تھا اور قتل سے باز نہیں آتے تھے اور حد سے بڑھ گئے تھے اُن کو قتل کرنے کا حکم تھا ہاں پھر بھی اس قدر رعایت رکھی گئی تھی کہ جس کو دین اسلام کی سچائی سمجھ آجائے اور وہ برغبت خود اسلام میں داخل ہونا چاہے اُس کو اس قصاص سے معافی دی جاتی تھی کیونکہ اس زمانہ میں بباعث سخت مصائب کے اسلام لانا مرنے کے برابر تھا۔ پس جو شخص اسلام قبول کرتا تھا وہ گویا ایک قسم کی موت اپنے لئے پسند کرتا تھا اور اس طرح پر اسلام لانا بسزائے موت کے قائم مقام ہو جاتا تھا۔

غرض یہ خیالات بھی کہ گویا کسی زمانہ میں کوئی **مسیح** اور **مہدی** اس غرض سے آئے گا کہ تا کافروں سے جنگ کر کے دین اسلام کو پھیلا دے یہ خیالات اس قدر بیہودہ اور لغو ہیں کہ خود قرآن شریف اُن کے ردّ کرنے کے لئے کافی ہے۔ جس دین کے ہاتھ میں ہمیشہ اور ہر زمانہ میں آسمانی معجزات اور نشانات موجود ہیں اور حکمت اور حق سے بھرا ہوا ہے اُس کو دین پھیلانے کے لئے زمینی ہتھیاروں کی کیا ضرورت ہے اس کا جنگ خدا کی چمکدار تائیدوں کے ساتھ ہے نہ لوہے کی تلوار کے ساتھ۔ کاش دیوانہ طبع مکہ کے کافر اسلام کو تلوار سے نابود کرنا نہ چاہتے تا خدا یہ طریق پسند نہ کرتا کہ وہ تلوار سے ہی مارے جائیں۔ ص ۲۶

پس جب کہ یقینی اور قطعی طور پر ثابت ہوا کہ ہمارے سید و مولیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جبراً دین اسلام پھیلانے کے لئے کوئی جنگ نہیں کیا بلکہ کافروں کے بہت سے

حملوں پر ایک زمانہ دراز تک صبر کر کے آخر نہایت مجبوری سے محض دفاعی طور پر جنگ شروع کیا گیا تھا تو پھر یہ خیالات کہ کوئی **خونی مہدی یا مسیح** آئے گا اور جبراً دین پھیلانے کے لئے لڑائیاں کرے گا۔ ان خیالات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ مہدی اور مسیح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے طریق کی مخالفت کرے گا اور اپنی رُوحانی کمزوری کے سبب تلوار کا محتاج ہوگا۔ پس ان خیالات سے بڑھ کر اور کونسا خیال لغو ہو سکتا ہے۔ جس امر کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کرنا نہیں چاہا اور صدہا مصیبتیں دیکھیں اور پھر صبر کیا وہ امر مہدی اور مسیح کے لئے کیونکر جائز ہو جائے گا۔

ایسا ہی ایک اور حدیث صحیح مسلم میں ہے جو مسیح موعود کے بارے میں ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مسیح موعود جنگ نہیں کرے گا۔ اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔
اَخْرَجْتُ عِبَادًا لِّی لَا یَدَانِ لِقِتَالِهِمْ لِاَحَدٍ فَاَحْرِزْ عِبَادِیْ اِلَی الطُّوْرِ۔
یعنی اے آخری مسیح میں نے اپنے ایک بندے ایسی طاقتور زمین پر ظاہر کئے ہیں (یعنی یورپ کی قومیں) کہ کسی کو اُن کے ساتھ جنگ کرنے کی طاقت نہیں ہوگی۔ پس تو اُن سے جنگ نہ کر بلکہ میرے بندوں کو طور کی پناہ میں لے آ یعنی تجلیات آسمانی اور رُوحانی نشانوں کے ذریعہ سے اُن بندوں کو ہدایت دے۔ سو میں دیکھتا ہوں کہ یہی حکم مجھے ہوا ہے۔

اب واضح ہو کہ اُن بندوں سے مراد یورپ کی طاقتیں ہیں جو تمام دنیا میں پھیلتی جاتی ہیں اور طور سے مراد تجلیات حقہ کا مقام ہے جس میں انوار و برکات اور عظیم الشان معجزات اور ہیبت ناک آیات صادر ہوتی ہیں اور خلاصہ اس پیشگوئی کا یہ ہے کہ **مسیح موعود** جب آئے گا تو وہ اُن زبردست طاقتوں سے جنگ نہیں کرے گا بلکہ دین اسلام کو زمین پر پھیلانے کے لئے وہی چمکتے ہوئے نور اس پر ظاہر ہوں گے جو موسیٰ نبی پر کوہ طور میں ظاہر ہوئے تھے پس طور سے مراد چمکدار **تجلیات** ص۲۷

الٰہیّہ ہیں جو معجزات اور کرامات اور خرقِ عادت کے طور پر ظہور میں آ رہے ہیں اور آئیں گے اور دنیا دیکھے گی کہ وہ چمک کس طرح سطحِ دنیا پر محیط ہو جائے گی غرض ابھی تک پوشیدہ اور مخفی در مخفی ہے مگر جس طرح موسیٰ کے زمانہ میں ایک خوفناک تجلی اُس نے ظاہر کی تھی یہاں تک کہ اُس تجلی کی موسیٰ بھی برداشت نہ کر سکا اور غش کھا کر گر گیا اس زمانہ میں بھی وہ فوق العادت الٰہی چمک اپنا چہرہ دکھلائے گی جس سے طالب حق تسلی پائیں گے جیسا کہ خدا تعالیٰ نے آج سے پچیس برس پہلے مجھے مخاطب کر کے ایک عظیم الشان پیشگوئی کی ہے جو میری کتاب **براہین احمدیّہ** میں درج ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔ میں اپنی چمکار دکھلاؤں گا اور اپنی قدرت نمائی سے تجھ کو اٹھاؤں گا۔ **"دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اُس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کرے گا اور بڑے زور آور حملوں سے اُس کی سچائی ظاہر کر دے گا۔"**

پس اس الہامی عبارت میں خدا نے جو یہ فرمایا کہ میں اپنی چمکار دکھلاؤں گا یہ وہی چمکار ہے جو کوہ طور کی چمکار سے مشابہت رکھتی ہے اور اس سے مراد جلالی معجزات ہیں جیسا کہ کوہ طور پر بنی اسرائیل کو جلالی معجزات دکھلائے گئے تھے اور پھر اسی براہین احمدیہ میں جس کی تالیف پر پچیس[۲۵] برس گذر گئے یہ وعدہ مجھے دیا گیا ہے کہ اگر لوگوں نے میری راہ اختیار نہ کی تو میں طاعون بھیجوں گا اور سخت مری پڑے گی اور زلزلے آئیں گے اور خوفناک آفتیں ظاہر ہوں گی چنانچہ اس پیشگوئی کے مطابق طاعون اس ملک میں پھیل گئی ہے اور زلزلے بھی آئے۔ اور خدا کا وعدہ ہے کہ ایک نئی وبا بھی جس سے اس ملک کے لوگ ناواقف ہیں اس ملک میں پھیل جائے گی اور انسان حیرت میں پڑیں گے کہ کیا ہونا چاہتا ہے۔ سو خدا فرماتا ہے کہ میں قوموں کو جو ہنسی ٹھٹھے اور توہین و تکذیب میں مشغول ہیں اور سخت دل ہیں ایسا ہی دکھاؤں گا اور اپنے بندوں کو جن کی قسمت میں ایمان مقدر ہے ان جلالی

ص ۲۸۵

معجزات کے ساتھ ہدایت دوں گا اور ان کو اس قسم کے جلالی معجزات کی پناہ میں لے آؤں گا جو کوہ طور پر دکھلائے گئے تھے۔ سو جلالی معجزات وہی ہیں جن کا ظہور اس زمانہ میں شروع ہو گیا ہے جن کی اس بندہ کے ذریعہ سے خدا نے پہلے سے خبر دی تھی جیسا کہ ابھی ذکر ہو چکا۔ ایسا ہی اُس نے اور بہت سے نشان میرے ہاتھ پر دکھلائے کہ اگر وہ سب کے سب لکھے جائیں تو ایک ضخیم کتاب میں بھی سما نہیں سکتے غرض خدا کے وہ جلالی معجزات اور وہ ہیبت ناک آیات اور وہ ڈرانے والی چمک جو کوہ طور پر ظاہر ہوئی تھی پھر اب دوبارہ وہی قہری نشان دنیا میں ظاہر ہو رہے ہیں۔ چنانچہ طاعون تمام قوموں کو تباہ کر رہی ہے۔ زلزلے آ رہے ہیں اور ستارے ہیبت ناک آوازوں کے ساتھ ٹوٹتے ہیں اور وہ خدا جو غافلوں کی آنکھوں سے مخفی تھا اب وہ چاہتا ہے کہ کھلے طور پر اپنے تئیں دنیا پر ظاہر کرے۔

صـــ ۲۹

اب میں اصل مطلب کی طرف رجوع کر کے یہ بیان کرنا چاہتا ہوں کہ ہم نے کس طرح شناخت کیا کہ قرآن شریف **خدا کا کلام ہے۔ اے دوستو!** اس جگہ اول یہ بات بیان کرنے کے لائق ہے کہ خدا کے کلام میں یہ ضروری امر ہے کہ وہ انسانی کلام سے صریح مابہ الامتیاز رکھتا ہو کیونکہ جس حد تک عقل سلیم خدا تعالیٰ کے وجود اور اس کی صفات کی طرف رہبری کرتی ہے اگر خدا تعالیٰ کا کلام بھی فقط اسی حد تک رہبری کرے اور کوئی زیادہ مرتبہ یقین اور معرفت کا عطا نہ کر سکے تو اُس کو انسانی عقل پر ترجیح کیا ہوئی؟ اور اس صُورت میں وہ کیونکر **خدا کا کلام سمجھا جائے**۔ مثلاً عقل سلیم باری تعالیٰ کی ہستی پر صرف یہ دلائل پیش کرتی ہے کہ اس عالم کی ترتیب محکم اور نظام ابلغ پر نظر ڈال کر ماننا پڑتا ہے کہ **ضرور اس عالم کا کوئی صانع** ہوگا۔ مگر عقل یہ نہیں دکھلا سکتی کہ درحقیقت **وہ صانع موجود** بھی ہے۔ پس اگر کوئی کتاب جس کو خدا کا کلام سمجھا جاتا ہے صرف اسی حد تک رہبری کرتی ہے جس حد تک عقل سلیم رہبری کرتی ہے تو وہ

اپنی کارگذاری صرف اس قدر پیش کرتی ہے جس قدر عقل سلیم پہلے سے پیش کر چکی ہے
حالانکہ اس کتاب کا یہ فرض تھا کہ وہ انسانی کلام سے اپنا برتر اور ممیز ہونا ثابت کرتی
تا وہ یقینی معرفت کا ذریعہ ہو سکتی۔

انسان الہامی کتاب کا محض اس لئے محتاج ہے کہ نظام عالم پر غور کر کے اور
یہ دیکھ کر کہ بڑے بڑے اجرام کیسے باہمی تعلقات سے اس دنیا کی گاڑی
کھینچ رہے ہیں کوئی ستارہ دوسرے سے روشنی حاصل کرتا ہے اور کوئی
دوسرے کے گرد گھومتا ہے اور باوجود بے شمار مدتوں کے اُن میں کوئی خلل اور بگاڑ
واقع نہیں ہوتا۔ انسانی عقل اس بات کے ماننے کے لئے مجبور ہو جاتی ہے
کہ در پردہ کوئی ایسی بڑی طاقت ہو گی جس کے ارادہ اور حکم سے یہ
سب کچھ ہو رہا ہے پھر بھی اُس عقل نے کچھ دیکھا تو نہیں لہذا اُس کا زیادہ سے
زیادہ تو یہ حق ہے کہ ان تصرّفات پر غور کر کے یہ کہے کہ اُن کا کوئی صانع ہونا چاہیئے
نہ یہ کہ درحقیقت وہ صانع موجود بھی ہے اور ہونا چاہیئے اور ہے میں وہ فرق ہے
جو ظن اور یقین میں فرق ہوتا ہے اور الہامی کتاب کا یہ کام ہے کہ ہونا چاہیئے
کے مرتبہ سے ہے کے یقینی اور قطعی مقام تک پہنچا دے۔ اور اگر وہی باتیں کرے کہ
جس حد تک ایک عقلمند انسان کر سکتا ہے تو ایسی کتاب کے الہامی ہونے پر کوئی
یقینی اور قطعی دلیل قائم نہیں ہو سکتی۔ اور اگر اُس کو الہامی مان بھی لیں
تب بھی اُس کی تعلیم محض بے سود ہے کیونکہ وہ یقین کے اعلیٰ مرتبہ تک نہیں پہنچا سکتی۔

یہ بات یاد رہے کہ الہامی کتاب میں الٰہی طاقت کا پایا جانا ضروری ہے
اور اگر کسی کتاب میں حقائق معارف موجود ہوں اور عمدہ عمدہ گیان اور معرفت یا حکمت
اور فلسفہ کی باتیں اُس میں پائی جائیں تو محض اس قدر بیانات سے وہ الہامی کتاب
نہیں ٹھیر سکتی کیونکہ یہ سب باتیں انسانی قوٰی کے حلقہ کے اندر ہیں۔ انسان کی تیزی ذہن

ص ۲۰

نے جو کچھ آج کے دن تک معلوم کیا ہے یہاں تک کہ سائنس کے پوشیدہ اسرار اور خواص کو عملی رنگ میں لاکر دکھلا دیا ہے اور ایسی کلیں اور صنعتیں ایجاد کی ہیں جو حیرت میں ڈالتی ہیں اور جو کچھ ارسطو اور افلاطون اور سقراط وغیرہ نے اپنے طور پر باریک در باریک حقائق اور معارف لکھے ہیں اور نفس کی بحث کو اپنے خیال میں انتہا تک پہنچایا ہے کیا ہم ان وجوہ سے اُن لوگوں کو نبی یا رسول کا خطاب دے سکتے یا اُن کی کتابوں کی نسبت کہہ سکتے ہیں کہ وہ الہامی اور خدا کا کلام ہے؟ ہرگز نہیں۔

ص۳۱

اور یہ بات بھی کوئی صحیح حجت نہیں کہ فلاں کتاب پُورانی اور قدیم زمانہ سے ہے اس لئے وہ خدا کی کتاب ہے کیونکہ اوّل تو اس دعوے کو منجانب اللہ ہونے کے ساتھ کچھ بھی تعلق نہیں ماسوا اس کے یہ دعوے کئی قوموں نے پیش کیا ہے جیسا کہ پارسی نبیوں کی کتابوں نے یہی دعوے پیش کیا ہے اور جس نے کتاب دساتیر کو دیکھا ہوگا اُسے خوب معلوم ہوگا کہ پارسیوں کی کتاب قدامت کے دعوے میں وید سے آگے بڑھ گئی ہے۔ اُن کی مدت قرار دادہ کے مقابل پر ہزارم حصہ تک بھی وید نہیں پہنچتا۔ پس کس جج کو یہ فرصت ہے کہ دونوں کتابوں کا مقابلہ کرکے یہ فیصلہ کرے کہ قدامت کے

دعوے میں صادق کون اور کاذب کون ہے

اور فرض کے طور پر اگر کسی کتاب کا قدیم ہونا قبول بھی کرلیں تو کیا اس سے ثابت ہو جائے گا کہ وہ خدا کا کلام ہے۔

یاد رکھو اور خوب یاد رکھو کہ اس مقدمہ میں آخر کار اُسی کتاب کے حق میں ڈگری ہوگی کہ جو انسانی کلام کے مقابل پر کھلے کھلے طور پر کوئی مابہ الامتیاز پیش کرتی ہو کیونکہ جب کہ خدا کا فعل کہ جو اس کے عملی تصرفات ہیں انسان کے فعل سے امتیاز کلّی رکھتا ہے یہاں تک کہ ایک مکھی کی مانند بھی بنانا انسان کی قدرت سے باہر ہے تو پھر

کیونکر ہو سکتا ہے کہ خدا کا قول انسان کے قول سے برابر ہو اور کوئی الٰہی طاقت اس میں موجود نہ ہو۔

ص۲۲۳

اب اے صاحبو! میں یہ بیان کرتا ہوں کہ وہ امتیازی نشان کہ جو الہامی کتاب کی شناخت کے لئے عقل سلیم نے قرار دیا ہے وہ صرف خدا تعالےٰ کی مقدّس کتاب قرآن شریف میں پایا جاتا ہے اور اس زمانہ میں وہ تمام خُوبیاں جو خدا کی کتاب میں امتیازی نشان کے طور پر ہونی چاہئیں دوسری کتابوں میں قطعاً مفقود ہیں۔ ممکن ہے کہ اُن میں وہ خوبیاں پہلے زمانہ میں ہوں گی مگر اب نہیں ہیں اور گو ہم ایک دلیل سے جو ہم پہلے لکھ چکے ہیں اُن کو الہامی کتابیں سمجھتے ہیں مگر وہ گو الہامی ہوں لیکن اپنی موجودہ حالت کے لحاظ سے بالکل بیسود ہیں اور اُس شاہی قلعہ کی طرح ہیں جو خالی اور ویران پڑا ہے اور دولت اور فوجی طاقت سب اس میں سے کوچ کر گئی ہے۔ اب میں قرآن شریف کی امتیازی خُوبیاں جو انسانوں کی طاقت سے برتر ہیں ذیل میں بیان کرتا ہوں:۔

اوّل یہ کہ اس میں ایک زبردست طاقت ہے جو اپنے پیروی کرنے والوں کو ظنّی معرفت سے یقینی معرفت تک پہنچا دیتی ہے اور وہ یہ کہ جب ایک انسان کامل طور پر اُس کی پیروی کرتا ہے تو خدائی طاقت کے نمونے معجزہ کے رنگ میں اُس کو دکھائے جاتے ہیں اور خُدا اُس سے

ص۲۳

کلام کرتا ہے اور اپنے کلام کے ذریعہ سے غیبی امور پر اُس کو اطلاع دیتا ہے۔ اور میں اِن قرآنی برکات کو قصہ کے طور پر بیان نہیں کرتا بلکہ میں وہ معجزات پیش کرتا ہوں کہ جو مجھ کو خود دکھائے گئے ہیں۔ وہ تمام معجزات ایک لاکھ کے قریب ہیں بلکہ غالباً وہ ایک لاکھ سے بھی زیادہ ہیں۔ خدا نے قرآن شریف میں فرمایا تھا کہ جو شخص میرے اس کلام کی پیروی کرے وہ نہ صرف اس کتاب کے معجزات پر ایمان لائے گا بلکہ اُس کو بھی معجزات دیئے جائیں گے سو میں نے بذاتِ خود وہ معجزات خدا کے کلام کی تاثیر سے پائے جو انسانوں کی طاقت سے بلند اور محض خدا کا فعل ہیں۔ وہ زلزلے جو زمین پر آئے اور وہ طاعون جو دُنیا کو کھا رہی ہے وہ انہیں معجزات میں سے ہیں جو مجھ کو دئے گئے۔ میں نے ان آفات کے نام و نشان سے پچیس[۲۵] برس پہلے اپنی کتاب براہین احمدیہ میں ان حوادث کی خبروں کو بطور پیشگوئی شائع کر دیا تھا کہ یہ آفتیں آنیوالی ہیں سو وہ تمام آفات آگئیں اور ابھی بس نہیں بلکہ آنیوالی آفات اُن آفات سے بہت زیادہ ہیں۔ اور بعض نئی وبائیں بھی ہیں جو پہلے اس سے کبھی اس ملک میں ظاہر نہیں ہوئیں اور وہ ڈرانے والی اور دہشت ناک ہیں اور ایک سخت اور خوفناک قسم کی طاعون بھی ظاہر ہونے والی ہے جو اس مُلک اور دوسرے ملکوں میں ظاہر ہوگی اور نہایت پریشان کرے گی شاید اب کے سال یا دوسرے سال میں اور ایک زلزلہ بھی آنے والا ہے جو ناگہانی طور پر آئے گا اور سخت آئے گا معلوم نہیں کہ کسی حصہ ملک میں یا عام ہوگا اگر دُنیا کے لوگ خدا سے ڈریں تو یہ آفات ٹل بھی سکتی ہیں۔ کیونکہ خُدا زمین و آسمان کا بادشاہ ہے وہ اپنے حکموں کو جاری بھی کر سکتا ہے اور ٹال بھی سکتا ہے مگر بظاہر کچھ امید نہیں کہ لوگ خدا سے ڈریں کیونکہ دل حد سے زیادہ سخت ہو گئے ہیں۔ اور مجھے اُن پیشگوئیوں کے پیش از وقت سنانے کی وجہ سے اُن کے متنبہ ہونے کی کچھ توقع نہیں اور بجز اس کے کوئی امید نہیں کہ ٹھٹھا کیا جائے گا اور یا گالیاں دی جائیں گی اور یا ہم اس بات سے متہم کئے جائیں گے کہ لوگوں میں تشویش پھیلاتے ہیں۔

ص۲۴

یہ نکتہ یاد رہے کہ بلاؤں کے ٹلنے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ لوگ مسلمان ہو جائیں۔ کیونکہ مذہبی غلطیوں کے مواخذہ کے لئے قیامت کا دن مقرر ہے ہاں یہ ضروری ہے کہ لوگ ہر ایک قسم کی بدچلنی سے باز آویں اور خدا کے پاک نبیوں کی نسبت بد زبانی سے پیش نہ آویں اور غریبوں پر ظلم نہ کریں اور صدقہ خیرات بہت کریں اور خدا کے ساتھ کسی کو برابر نہ کریں نہ پتھر کو نہ آگ کو نہ انسان کو نہ پانی کو نہ سُورج کو نہ چاند کو اور تکبر اور شرارت کی راہوں کو چھوڑ دیں اور گورنمنٹ برطانیہ جس کے ماتحت وہ امن اور آسائش پا رہے ہیں اس کی ایذا کے لئے بھی پوشیدہ منصوبے نہ سوچیں اور اطاعت کریں کیونکہ بلاشبہ اس گورنمنٹ کا دونوں قوموں ہندوؤں اور مسلمانوں پر احسان ہے اور اس گورنمنٹ کے ایام سلطنت میں ایسی پُرامن راتیں ہیں کہ سکھوں کے زمانہ میں ایسے دن بھی نہیں تھے سو اگر لوگ ایسا کریں کہ سب کینے اپنے دلوں میں سے نکال دیں اور خدا سے بہت ڈریں تو یہ ایک رُوحانی ٹیکہ ہے کہ جس میں بلاشبہ شفا ہے۔ خدا نے کئی مرتبہ مجھے مخاطب کرکے فرمایا کہ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوۡمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوۡا مَا بِاَنۡفُسِہِمۡ[1] یعنی یہ وبا جو دُنیا پر نازل ہو رہی ہے خدا کبھی اس میں تغیر و تبدل نہ کرے گا جب تک کہ لوگ اپنے دلوں کی تغیر و تبدیل نہ کرلیں۔ اور خدا نے مجھے مخاطب کرکے فرمایا۔ اِنِّیۡ اُحَافِظُ کُلَّ مَنۡ فِی الدَّارِ۔ لَوۡ لَا الۡاِکۡرَامُ لَھَلَکَ الۡمَقَامُ۔ اِنِّیۡ مَعَ الرَّسُوۡلِ اَقُوۡمُ وَاَلُوۡمُ مَنۡ یَّلُوۡمُ وَاُفۡطِرُ وَ اَصُوۡمُ۔ وَلَنۡ اَبۡرَحَ الۡاَرۡضَ اِلَی الۡوَقۡتِ الۡمَعۡلُوۡمِ۔ یعنی میں ان سب لوگوں کو جو تیرے گھر کی چار دیوار کے اندر ہیں طاعون سے بچاؤں گا اور اگر میں تیری عزت کا پاس نہ کرتا تو کل قادیان کو ہلاک کر دیتا کیونکہ انہوں نے ہمسایہ ہو کر پھر بھی بدی کی۔ اور میں اس رسُول کے ساتھ کھڑا ہوں گا اور ملامت کرنے والے کو ملامت کروں اور میں افطار بھی کروں گا اور روزہ بھی رکھوں گا اور میرا عذاب اس ملک سے کبھی علیحدہ نہ ہوگا جب تک وہ وقت نہ آجائے جو میں نے مقدر کیا ہے۔ اور روزہ اور افطار سے یہ مراد ہے کہ کبھی طاعون سخت

صفحہ ۳۵

[1] الرعد : ۱۲

رہے گی گویا خدا روزہ دار کی طرح لوگوں کی ہلاکت کے ساتھ روزہ کھولے گا اور بعض دفعہ ایک وقت تک طاعون کو دور کر دے گا گویا وہ روزہ دار رہے۔

ایسا ہی ایک عظیم الشان خدا کا نشان یہ ہے کہ آج سے ستائیس[۲۷] برس پہلے یا کچھ زیادہ میری یہ حالت تھی کہ میں ایک اَحَدٌ مِّنَ النَّاسِ تھا اور ایسا گمنام تھا کہ صرف چند آدمی ہوں گے جو میرے صورت آشنا ہوں گے اور کسی عزت اور وجاہت کا میں مالک نہیں تھا اُن دنوں میں اسی شہر لاہور میں کئی دفعہ آیا مگر کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اُس نے میری وجاہت کے لحاظ سے خود آکر میری ملاقات کی۔ غرض اُس زمانہ میں میں ایسا تھا کہ گویا کچھ بھی نہ تھا اس بات کے گواہ قادیان میں نہ صرف مسلمان ہیں بلکہ آریہ بھی ہیں۔ اُسی زمانہ میں خدا نے میرے آئندہ عروج اور شوکت اور جلال کی خبر دی جو دو سال بعد میری کتاب براہین احمدیہ میں چھپ کر شائع ہو گئی جس کو آج پچیس[۲۵] برس گذر گئے اور وہ پیشگوئی یہ ہے اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا۔ یَاْتُوْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ۔ یَاْتِیْکَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ۔ یَنْصُرُکَ رِجَالٌ نُّوْحِیْ اِلَیْھِمْ مِّنَ السَّمَآءِ۔ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ وَانْتَھٰی اَمْرُ الزَّمَانِ اِلَیْنَا اَلَیْسَ ھٰذَا بِالْحَقِّ۔ وَلَا تُصَعِّرْ لِخَلْقِ اللّٰہِ وَلَا تَسْئَمْ مِّنَ النَّاسِ اَلْقَیْتُ عَلَیْکَ مَحَبَّۃً مِّنِّیْ وَلِتُصْنَعَ عَلٰی عَیْنِیْ۔ ترجمہ۔ میں تجھے لوگوں کے لئے **ایک امام بناؤں گا**۔ یعنی وہ تیرے پیرو ہوں گے اور تو اُن کا پیشوا ہوگا۔ وہ ہر ایک دُور دراز راہ سے تیرے پاس آئیں گے اور انواع و اقسام کی نقد اور جنس تیرے لئے لائیں گے میں ایک جماعت کے دلوں میں الہام کروں گا تا وہ مالی مدد کریں پس وہ تیری مدد کرینگے جب خدا کی مدد اور فتح آئے گی اور ایک دنیا ہماری طرف رجوع لے آئے گی تب یہ کہا جائے گا کہ کیا یہ حق نہ تھا جو آج پورا ہوا اور تجھے چاہیئے کہ جب خدا کی مخلوق تیری طرف رجوع کرے تو تم نے اُن سے بدخلقی نہ کرنا اور نہ اُن کی کثرت کو دیکھ کر تھکنا۔ میں اپنی طرف سے دلوں میں تیری محبت ڈالوں گا تا تو میری آنکھوں کے سامنے پرورش پاوے اور اپنے

ص۲۴۶

مقصود کے لئے طیار کیا جائے سو ایسا ہی ہوا اور ایک مدت دراز کے بعد خدا نے دلوں میں میری محبت اس قدر ڈال دی کہ علاوہ مالی مدد کے بعض نے میری راہ میں مرنا بھی قبول کیا اور وہ سنگسار کئے گئے مگر دم نہ مارا اپنی جان میرے لئے چھوڑ دی مگر مجھے نہ چھوڑا۔ اور بعض نے میرے لئے دکھ اُٹھائے اور صدہا کوس سے ہجرت کر کے قادیان میں آگئے۔ اور بعض نے ہزارہا روپے میرے آگے پیش کئے اور جس قدر لوگ بیعت کے لئے آج تک قادیان میں آئے وہ ایک لاکھ سے بھی زیادہ ہوں گے۔ اور سب بیعت کرنے والے چار لاکھ کے قریب ہوں گے۔ اور جیسا کہ منی آرڈروں سے ثابت ہو سکتا ہے ایک لاکھ سے بھی زیادہ روپیہ آچکا ہے۔ اور اب فقط لنگر خانہ کے خرچ کے لئے قریباً پندرہ سو روپیہ ماہوار آتا ہے اور جیسا کہ خرچ بڑھتا جاتا ہے ایسا ہی آمدن بھی بڑھتی جاتی ہے۔ اور یہ عجیب بات ہے کہ اس پیشگوئی کے الفاظ سب کے سب قرآن شریف کی عبارت ہے یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ معجزہ دراصل آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے اور اس پیشگوئی کے دو پہلو ہیں جو تنقیح طلب ہیں اول یہ کہ آیا یہ صحیح ہے کہ اُس زمانہ میں جس پر پچیس[۲۵] برس سے بھی زیادہ مدت گذر چکی ہے میں ایسا ہی گمنام اور کس نپرسد میں داخل تھا جیسا کہ میں نے ذکر کیا ہے اور دوسرا امر یہ تنقیح طلب ہے کہ کیا یہ سچ ہے کہ کئی لاکھ آدمی نے اب تک بیعت کی ہے اور اکثر اُن کے قادیان میں آئے ہیں۔ اور کیا یہ سچ ہے کہ ایک لاکھ یا کچھ زیادہ اب تک روپیہ آچکا ہے؟ سو پہلا امر تنقیح طلب بہت صاف ہے کیونکہ اس ضلع اور امرتسر اور لاہور کے اضلاع میں کوئی شخص دعویٰ نہیں کر سکتا کہ وہ اطلاع رکھتا ہے کہ اس ابتدائی زمانہ میں یہ عروج اور شہرت اور مالی فتوحات حاصل تھیں اور خوش نصیبی سے اس بات کے گواہ قادیان کے آریہ بھی ہیں جن میں سے ایک کا نام لالہ شرمپت اور دوسرے کا نام لالہ ملاوامل ہے کیونکہ وہ میرے پاس آتے جاتے تھے اور اُن کو میری تنہائی اور گمنامی کا حال خوب معلوم تھا اور جب امرتسر میں میری کتاب

ص۲۷

براہین احمدیہ چھپتی تھی تو اتفاقاً بعض دفعہ وہ میرے ساتھ امرت سر گئے تھے ایسا ہی قادیان کے تمام باشندے گواہ ہیں۔ اور دوسرا امر تنقیح طلب بھی ایسا ہی بدیہی اور صاف ہے جس سے گورنمنٹ بھی بے خبر نہیں اور وہ یہ کہ تمام پنجاب اور ہندوستان میں ہماری جماعتیں پھیلی ہوئی ہیں اور ریاست کابل میں بھی ایک کثیر جماعت ہماری ہے اور جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے فتوحات کے لئے سرکاری ڈاک خانے کافی گواہ ہیں اور یاد رہے کہ یہ پیشگوئی دراصل ستائیس[۲۷] برس کی ہے نہ پچیس[۲۵] برس کی۔ اور پچیس[۲۵] برس صرف براہین احمدیہ کے چھپنے پر گذرے ہیں اور مدت تک یہ مسودہ التوا میں رہا ہے اُس شخص کو اس پیشگوئی کا مزہ آئے گا جو ان دونوں تنقیح طلب امور کی اول تحقیق کرے گا۔ اب میں پوچھتا ہوں کہ کیا اس قدر عظیم الشان غیب انسانی قدرت میں داخل ہے؟ اگر داخل ہے تو دنیا میں اس کی نظیر کہاں ہے؟

منجملہ اُن نشانوں کے جو خدا نے میرے ہاتھ پر ظاہر کئے وہ نشان بھی ہیں جو بعض قادیان کے آریہ صاحبوں نے مشاہدہ کئے۔ میں مناسب سمجھتا ہوں کہ کسی قدر وہ بھی بیان کردوں کیونکہ جو نشان خود آریہ صاحبوں کی ذات کے متعلق ہیں اور وہ اُن کے گواہ چشم دید ہیں اُن سے زیادہ اس مجمع میں کونسا نشان یقینی اور قطعی سمجھا جاسکتا ہے سو اُن میں سے ایک نشان لالہ شرمپت آریہ ساکن قادیان کے متعلق ہے اور وہ یہ ہے کہ لالہ صاحب موصوف کو ایک مرتبہ جس کو قریباً پینتیس[۳۵] برس کا عرصہ گذرا ہے یہ مصیبت پیش آئی کہ انکا بھائی لالہ بسمبر داس ایک فوجداری مقدمہ میں قید ہوگیا اور ساتھ اس کے ایک اور شخص بھی قید ہوا جس کا نام خوشحال تھا۔ تب لالہ شرمپت نے ایک دفعہ مجھے آکر کہا کہ آپ دعا کریں ہم لوگ بہت بے قرار ہیں۔ میں نے رات کو دعا کی تو مجھے دکھلایا گیا کہ میں اس دفتر میں پہنچا ہوں جہاں قیدیوں کی میعاد کے رجسٹر ہیں تب میں نے وہ رجسٹر کھولا جو لالہ بسمبر داس کی میعاد کا رجسٹر تھا اور میں نے اُس میں سے نصف قید کاٹ دی اور لالہ شرمپت کو یہ حال

صـ۲۸

بتلا دیا اور پھر ایسا اتفاق ہوا کہ لالہ شرمپت اور اس کے دوسرے بھائیوں نے اپنے قیدی بھائی کی طرف سے چیفکورٹ میں اپیل کیا اور پھر لالہ شرمپت نے مجھے کہا کہ آپ اپنے خدا سے دریافت کریں کہ اس اپیل کا انجام کیا ہوگا تب میں نے محض ہمدردی کے لحاظ سے پھر دعا کی کہ تا خدا تعالےٰ میرے پر انجام کھولدے۔ تب عالم کشف میں میرے پر ظاہر کیا گیا کہ انجام یہ ہوگا کہ چیف کورٹ سے وہ مثل ضلع میں واپس آئے گی اور لالہ بسمبر داس لالہ شرمپت کے بھائی کی نصف قید تخفیف کی جائے گی مگر وہ بری نہیں ہوگا لیکن اُس کا دُوسرا رفیق خوشحال نام پُوری قید بھگتے گا اور ایک دن بھی اُس کا تخفیف نہیں ہوگا اور وہ بھی بری نہیں ہوگا۔ میں نے یہ سب حالات انجام اپیل سے پہلے لالہ شرمپت کو سُنا دئے اور آخر کار ایسا ہی ظہور میں آیا ایک ذرہ کا بھی فرق نہ پڑا۔ تب لالہ شرمپت نے میری طرف ایک رقعہ لکھا کہ آپ کی نیک بختی کی وجہ سے خدا نے یہ سب باتیں آپ پر کھول دیں یہ خدا کا فضل ہے کہ لالہ شرمپت اب تک قادیان میں زندہ موجود ہے اور قسم دینے سے تمام حالات سچ سچ بیان کرنے کے لئے مجبور ہوگا۔ اور میں نے اپنی کتاب براہین احمدیہ میں بھی جس کو شائع کئے پچیس[۲۵] برس گذر گئے ہیں یہ تمام قصہ شائع کر دیا ہے اب ہر ایک عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ اگر یہ قصہ خلاف واقعہ ہوتا تو ممکن نہ تھا کہ لالہ شرمپت اس قدر مدت تک خاموش رہتا اور اس قصہ کی تکذیب شائع نہ کرتا اور مجھے جھوٹا نہ ٹھہراتا۔ اور خود ظاہر ہے کہ ایسا کھلا کھلا جھوٹ بنانا ایک بڑے بدذات اور لعنتی کا کام ہے اور نیز سچ سے بھی وہی انکار کرے گا جس کو اپنے پرمیشر کا ایک ذرہ بھی خوف نہیں اور نہ لعنت کا ڈر۔ ص۴۹

اسی طرح ایک اور صاحب قادیان میں ہیں جن کا نام ملاوامل ہے اور لالہ شرمپت اور لالہ ملاوامل بڑے پُرجوش آریہ ہیں اور یہی قادیان کی سماج کے بانی بھی ہوئے تھے اور شاید عرصہ تیس[۳۰] برس کا گذرا ہوگا کہ لالہ ملاوامل مرض دق میں مبتلا ہوگیا اور ایک نرم اور دائمی تپ ایسا اُس کے پیچھے پڑا کہ دن رات چڑھا رہتا تھا تب وہ اپنی زندگی سے مایوس ہوگیا اور

میرے پاس آیا اور بات کرتا کرتا رو پڑا اور دعا کی خواہش کی۔ مجھ کو اُس کی حالت پر رحم آیا اور میں نے اُس کے لئے دُعا کی۔ تب خدا تعالےٰ کی طرف سے مجھ کو ان الفاظ کے ساتھ الہام ہوا کہ قُلْنَا یَا نَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلَامًا یعنی ہم نے تپ کی آگ کو کہا کہ ٹھنڈی اور سلامتی ہو جا۔ تب ایک ہفتہ بھی نہیں گذرا تھا کہ لالہ ملاوامل اس خوفناک مرض سے نجات پا گیا۔ یہ تمام واقعہ بھی میں نے اپنی کتاب براہین احمدیہ میں شائع کر دیا۔ اسکے شائع کرنے پر بھی پچیس[۲۵] برس گذر گئے مگر لالہ ملاوامل نے کبھی اس واقعہ کی تکذیب شائع نہیں کی ما آخر ایمان اور دھرم بھی تو ایک چیز ہے اور سچ بولنا سچے مذہب کا اصول ہوتا ہے اس لئے یقین ہے کہ اگر اس کو بھی قسم سے پوچھا جائے تو اُس کو اس بات سے چارہ نہ ہوگا کہ سچ بیان کرے مگر بہتر ہوگا کہ ایسے مجمع میں یہ فیصلہ ہو جس میں مجھے بھی بلایا جائے اور ان دونوں صاحبوں کو میرے رُو برو قسمیں دی جائیں کیونکہ بغیر قسم کے قوم کے لحاظ سے وہ جھوٹ بول سکتے ہیں مگر قسم بھی اولاد کی ہو۔

ایسا ہی اور بھی کئی آریہ صاحبوں کی نسبت میری الہامی پیشگوئیاں ہیں اور وہ پانچ پیشگوئیاں ہیں جو ظہور میں آگئیں مگر میں اس مجمع میں مناسب نہیں دیکھتا کہ اُن کا ذکر کروں اور ذکر کی کچھ حاجت بھی نہیں کیونکہ وہ پیشگوئیاں میری کتابوں میں شائع ہو چکی ہیں۔ اب ہم اس سے بڑھ کر اپنے نشانوں کا آریہ صاحبوں کو کیا ثبوت دیں کہ خود آریہ صاحبوں کو بطور گواہ کے پیش کرتے ہیں اور یہ معجزات میرے نہیں بلکہ قرآن شریف کے ہیں کیونکہ ہم اُسی کی طاقت اور اسی کی عطا کردہ رُوح سے یہ کام کر رہے ہیں۔

غرض قرآن شریف کی زبردست طاقتوں میں سے ایک یہ طاقت ہے کہ اُس کی پیروی کرنے والے کو معجزات اور خوارق دئیے جاتے ہیں اور وہ اس کثرت سے ہوتے ہیں کہ دنیا اُن کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ چنانچہ میں یہی دعویٰ رکھتا ہوں اور بلند آواز سے کہتا ہوں کہ اگر دنیا کے تمام مخالف کیا مشرق کے اور کیا مغرب کے ایک میدان میں جمع ہو جائیں اور

صفحہ ۴۲

نشانوں اور خوارق میں مجھ سے مقابلہ کرنا چاہیں تو میں خدا تعالیٰ کے فضل سے اور توفیق سے
سب پر غالب رہوں گا اور یہ غلبہ اس وجہ سے نہیں ہوگا کہ میری رُوح میں کچھ زیادہ طاقت ہے
بلکہ اس وجہ سے ہوگا کہ خدا نے چاہا ہے کہ اس کے کلام قرآن شریف کی زبردست طاقت
اور اس کے رسول حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی رُوحانی قوت اور اعلیٰ مرتبت کا
میں ثبوت دوں اور اُس نے محض اپنے فضل سے نہ میرے کسی ہنر سے مجھے یہ توفیق دی
ہے کہ میں اُس کے عظیم الشان نبی اور اس کے قوی الطاقت کلام کی پیروی کرتا ہوں اور اس
سے محبت رکھتا ہوں اور وہ خدا کا کلام جس کا نام قرآن شریف ہے جو ربّانی طاقتوں کا مظہر
ہے میں اس پر ایمان لاتا ہوں اور قرآن شریف کا یہ وعدہ ہے کہ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا[1] اور یہ وعدہ ہے کہ اَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ[2] اور یہ وعدہ ہے کہ
يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا[3] اس وعدہ کے موافق خدا نے یہ سب مجھے عنایت کیا ہے اور ترجمہ ان
آیات کا یہ ہے کہ جو لوگ قرآن شریف پر ایمان لائیں گے اُن کو مبشر خوابیں اور الہام دئے
جائیں گے یعنی بکثرت دئے جائیں گے ورنہ شاذ و نادر کے طور پر کسی دوسرے کو بھی کوئی
سچی خواب آسکتی ہے مگر ایک قطرہ کو ایک دریا کے ساتھ کچھ نسبت نہیں اور ایک پیسہ کو
ایک خزانہ سے کچھ مشابہت نہیں اور پھر فرمایا کہ کامل پیروی کرنے والے کی رُوح القدس سے
تائید کی جائے گی یعنی اُن کے فہم اور عقل کو غیب سے ایک روشنی ملے گی اور اُن کی کشفی
حالت نہایت صفا کی جائے گی اور اُن کے کلام اور کام میں تاثیر رکھی جائے گی اور اُن کے ایمان
نہایت مضبوط کئے جائیں گے اور پھر فرمایا کہ خدا اُن میں اور اُن کے غیر میں ایک فرق بیّن رکھ
دے گا یعنی بمقابل اُن کے باریک معارف کے جو اُن کو دئے جائیں گے اور بمقابل اُنکے
کرامات اور خوارق کے جو اُن کو عطا ہوں گی دوسری تمام قومیں عاجز رہیں گی چنانچہ ہم دیکھتے
ہیں کہ قدیم سے خدا تعالیٰ کا یہ وعدہ پورا ہوتا چلا آتا ہے اور اس زمانہ میں ہم خود اس کے
شاہد رویت ہیں۔

ص۱۱

[1] یونس: ۶۵ [2] المجادلہ: ۲۳ [3] الانفال: ۳۰

یہ تو ہم نے قرآن شریف کی اُس زبردست طاقت کا بیان کیا ہے جو اپنے پیروی کرنے والوں پر اثر ڈالتی ہے لیکن وہ دُوسرے معجزات سے بھی بھرا ہوا ہے۔ اُس نے اسلام کی ترقی اور شوکت اور فتح کی اُس وقت خبر دی تھی جب کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مکہ کے جنگلوں میں اکیلے پھرا کرتے تھے اور اُن کے ساتھ بجز چند غریب اور ضعیف مسلمانوں کے اور کوئی نہ تھا اور جب قیصر روم ایرانیوں کی لڑائی سے مغلوب ہو گیا اور ایران کے کسریٰ نے اُس کے ملک کا ایک بڑا حصہ دبا لیا تب بھی قرآن شریف نے بطور پیشگوئی کے یہ خبر دی کہ نو برس کے اندر پھر قیصر روم فتحیاب ہو جائے گا اور ایران کو شکست دے گا چنانچہ ایسا ہی ظہور میں آیا۔ ایسا ہی شق القمر کا عالیشان معجزہ جو خدائی ہاتھ کو دکھلا رہا ہے قرآن شریف میں مذکور ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی انگلی کے اشارہ سے چاند دو ٹکڑے ہو گیا اور کفار نے اِس معجزہ کو دیکھا۔ اُس کے جواب میں یہ کہنا کہ ایسا وقوع میں آنا خلاف علم ہیئت ہے یہ سراسر فضول باتیں ہیں کیونکہ قرآن شریف تو فرماتا ہے کہ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ۔ وَ اِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ[1] یعنی قیامت نزدیک آگئی اور چاند پھٹ گیا اور کافروں نے یہ معجزہ دیکھا اور کہا کہ یہ پکا جادو ہے جس کا آسمان تک اثر چلا گیا۔ اب ظاہر ہے کہ یہ نرا دعویٰ نہیں بلکہ قرآن شریف تو اس کے ساتھ ان کافروں کو گواہ قرار دیتا ہے جو سخت دشمن تھے اور کفر پر ہی مرے تھے۔ اب ظاہر ہے کہ اگر شق القمر وقوع میں نہ آیا ہوتا تو مکہ کے مخالف لوگ اور جانی دشمن کیونکر خاموش بیٹھ سکتے تھے وہ بلاشبہ شور مچاتے کہ ہم پر یہ تہمت لگائی ہے ہم نے تو چاند کو دو ٹکڑے ہوتے نہیں دیکھا اور عقل تجویز نہیں کر سکتی کہ وہ لوگ اس معجزہ کو سراسر جھوٹ اور افترا خیال کر کے پھر بھی چُپ رہتے۔ بالخصوص جب کہ اُن کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس واقعہ کا گواہ قرار دیا تھا تو اس حالت میں اُن کا فرض تھا کہ اگر یہ واقعہ صحیح نہیں تھا تو اس کا رد کرتے نہ یہ کہ خاموش رہ کر اس واقعہ کی صحت پر مُہر لگا دیتے پس یقینی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ضرور ظہور میں آیا تھا اور اس کے مقابل پر یہ کہنا کہ یہ قواعد

ص۴۲۱

[1] القمر: ۲-۳

ہیئت کے مطابق نہیں یہ عذرات بالکل فضول ہیں۔ معجزات ہمیشہ خارق عادت ہی ہوا کرتے ہیں ورنہ وہ معجزے کیوں کہلائیں اگر وہ صرف ایک معمولی بات ہو۔ اور علاوہ اس کے علم ہیئت کی کس نے اب تک حد بست کرلی ہے۔ ہمیشہ نئے نئے عجائبات آسمانی ظاہر ہوتے ہیں کہ جن کے بھید کچھ بھی سمجھ نہیں آتے اور ایسے خارق عادت طور پر ظاہر ہوتے ہیں کہ عقل اُن میں حیران رہ جاتی ہے۔ تھوڑے دن ہوئے ہیں کہ خدا نے میرے پر ظاہر کیا تھا کہ انگریزی مہینہ کی اخیر تاریخ میں ایک نشان آسمانی ظاہر ہوگا اور میں نے فی الفور اخباروں میں یہ پیش گوئی شائع کردی تھی۔ چنانچہ جب اکتیسویں[۳۱] تاریخ مہینہ کی ہوئی تو ایک روشن ستارہ آسمان سے گرتا ہوا ہزاروں لوگوں کو دکھائی دیا اور ہر ایک نے یہی سمجھا کہ اسی کے گاؤں میں گرا ہے۔ اسکے ساتھ ایک گرج اور تند آواز بھی تھی بعض جگہ بعض لوگ اس کی روشنی اور آواز سے غش کھا کر گر گئے۔ اور ہمیں خبر پہنچی ہے کہ سات سو کوس تک اس ہیبت ناک ستارہ کا گرنا دیکھا گیا۔ بلکہ تبت تک کی ہمیں خبر آئی ہے کہ اُن لوگوں نے بھی اس روشن اور تند آواز ستارہ کو گرتے دیکھا جس کے ساتھ ہیبت ناک آواز تھی۔ اب کوئی ہیئت دان بتلا وے کہ یہ کیا ماجرا تھا۔

۴۳۴

غرض قرآن شریف بڑے بڑے نشانوں سے پُر ہے جن کے ذکر کرنے کے لئے یہ مضمون کافی نہیں۔ اور ایک عجیب طریق قرآن شریف کا یہ ہے جو کسی اور کتاب میں نہیں دیکھا گیا اور وہ یہ کہ وہ خدا تعالیٰ کی قدرت اور علم اور رحمت اور بخشش وغیرہ صفات کے بیان کرنے میں عاجز انسان کی طرح ان صفات کو محض معمولی طور پر بیان نہیں کرتا بلکہ خود زندہ اور تازہ ثبوت اس بات کا دیتا ہے کہ خدا عالم ہے خدا قادر ہے خدا رحیم ہے خدا نجات دہندہ ہے یعنی معجزہ اور پیشگوئی کے طور پر تازہ نمونہ ان صفات کا مشاہدہ کرا دیتا ہے تا انسان کو یقین آجائے کہ جو کچھ دنیا میں اس کی صفات مشہور ہیں وہ درحقیقت اُس میں پائی جاتی ہیں اور تا پڑھنے والے اس کے خدا تعالیٰ کی صفات کی نسبت حق الیقین تک

پہنچ جائیں۔

اور قرآن شریف کی اعلیٰ درجہ کی خوبیوں میں سے اس کی تعلیم بھی ہے کیونکہ وہ انسانی فطرت اور انسانی مصالح کے سراسر مطابق ہے۔ مثلاً توریت کی یہ تعلیم ہے کہ دانت کے بدلے دانت اور آنکھ کے بدلے آنکھ۔ اور انجیل کہتی ہے کہ بدی کا ہرگز مقابلہ نہ کر۔ بلکہ اگر کوئی تیری دائیں گال پر طمانچہ مارے تو دوسری بھی پھیر دے مگر قرآن شریف کہتا ہے کہ جزاؤا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللهِ[1] یعنی بدی کا بدلہ تو اُسی قدر بدی ہے لیکن جو شخص اپنے قصوروار کا گناہ بخشے اور اس گناہ کے بخشنے میں وہ شخص جس نے گناہ کیا ہے اصلاح پذیر ہو سکے اور آئندہ اپنی بدی سے باز آ سکے تو معاف کرنا بدلہ لینے سے بہتر ہوگا ورنہ سزا دینا بہتر ہوگا کیونکہ طبائع مختلف ہیں بعض ایسی ہی ہیں کہ گناہ معاف کرنے سے پھر اس گناہ کا نام نہیں لیتے اور باز آ جاتے ہیں ہاں بعض ایسے بھی ہیں کہ قید سے بھی رہائی پاکر پھر وہی گناہ کرتے ہیں۔ سو چونکہ انسانوں کی طبیعتیں مختلف ہیں اس لئے یہی تعلیم ان کے مناسب حال ہے جو قرآن شریف نے پیش کی ہے اور انجیل اور توریت کی تعلیم ہرگز کامل نہیں ہے بلکہ وہ تعلیم انسانی درخت کی شاخوں میں سے صرف ایک شاخ سے تعلق رکھتی ہے اور وہ دونوں تعلیمیں اس قانون کے مشابہ ہیں جو مختص القوم یا مختص المقام ہو۔ مگر قرآنی تعلیم تمام طبائع انسانیہ کا لحاظ رکھتی ہے۔ انجیل کا حکم ہے کہ تو غیر عورت کو شہوت کی نظر سے مت دیکھ۔ مگر قرآن شریف کہتا ہے کہ تو ہرگز نہ دیکھ نہ شہوت کی نظر سے نہ بے شہوت۔ کہ یہ کبھی تیرے لئے ٹھوکر کا باعث ہوگا۔ بلکہ ضرورت کے وقت خوابیدہ چشم سے (نہ نظر پھاڑ کر) رفع ضرورت کرنا چاہیئے۔ اور انجیل کہتی ہے کہ اپنی بیوی کو بجز زنا کے ہرگز طلاق نہ دے۔ مگر قرآن شریف اس بات کی مصلحت دیکھتا ہے کہ طلاق صرف زنا سے مخصوص نہیں۔ بلکہ اگر مرد اور عورت میں باہم دشمنی پیدا ہو جائے اور موافقت نہ رہے یا مثلاً اندیشہ جان ہو یا اگرچہ عورت زانیہ نہیں مگر زنا کے مقدمات اُس

[1] الشوریٰ: ۴۱

سے صادر ہوتے ہیں اور غیر مردوں کو ملتی ہے تو ان تمام صورتوں میں خاوند کی رائے پر حصر رکھا گیا ہے کہ اگر وہ مناسب دیکھے تو چھوڑ دے۔ مگر پھر بھی تاکید ہے اور نہایت سخت تاکید ہے کہ طلاق دینے میں جلدی نہ کرے۔ اب ظاہر ہے کہ قرآن شریف کی تعلیم انسانی حاجات کے مطابق ہے۔ اور اُن کے ترک کرنے سے کبھی نہ کبھی کوئی خرابی ضرور پیش آئیگی۔ اسی وجہ سے بعض یورپ کی گورنمنٹوں کو جواز طلاق کا قانون پاس کرنا پڑا۔

اب باقی رہا وہ مسئلہ جو انجیل میں نجات کے بارہ میں بیان کیا گیا ہے یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مصلوب ہونا اور کفّارہ۔ اس تعلیم کو قرآن شریف نے قبول نہیں کیا اور اگرچہ حضرت عیسیٰؑ کو قرآن شریف ایک برگزیدہ نبی مانتا ہے اور خدا کا پیارا اور مقرب اور وجیہ قرار دیتا ہے لیکن اس کو محض انسان بیان فرماتا ہے اور نجات کے لئے اس امر کو ضروری نہیں جانتا کہ ایک گناہ گار کا بوجھ کسی بے گناہ پر ڈال دیا جائے اور عقل بھی تسلیم نہیں کرتی کہ گناہ تو زید کرے اور بکر پکڑا جائے۔ اس مسئلہ پر تو انسانی گورنمنٹوں نے بھی عمل نہیں کیا۔ افسوس کہ نجات کے بارہ میں جیسا کہ عیسائی صاحبوں نے غلطی کی ہے ایسا ہی آریہ صاحبوں نے بھی اس غلطی سے حصہ لیا ہے اور اصل حقیقت کو بھول گئے ہیں کیونکہ آریہ صاحبان کے عقیدہ کی رُو سے توبہ اور استغفار کچھ بھی چیز نہیں اور جب تک انسان ایک گناہ کے عوض وہ تمام جونیں نہ بھگت لے جو اس گناہ کی سزا مقررہ ہے تب تک نجات غیر ممکن ہے اور پھر بھی محدود۔ اور پرمیشر اس بات پر قادر ہی نہیں کہ گناہ بخش دے اور سچی توبہ جو درحقیقت ایک رُوحانی موت ہے اور ایک آگ ہے جس میں انسان پرمیشر کو خوش کرنے کے لئے جلنا قبول کرتا ہے وہ کچھ چیز ہی نہیں اس سے نعوذ باللہ پرمیشر کی تنگ ظرفی ثابت ہوتی ہے اور جب کہ وہ اپنے بندوں کو ہدایت دیتا ہے کہ تم اپنے قصورواروں کو بخشو اور اپنے نافرمانوں کو معافی دو۔ اور آپ اس بات کا پابند نہیں ہے تو گویا وہ اپنے بندوں کو وہ خُلق سکھلانا چاہتا ہے جو خود اُس میں موجود نہیں اس صُورت میں ایسے مذہب کے پابند

۴۵

جو لوگ ہیں ضرور اُن کے دل میں یہ خیال آئے گا کہ جب کہ پرمیشر کسی اپنے قصوروار کے گناہ نہیں بخشتا تو ہم کیونکر وہ کام کر سکتے ہیں جو پرمیشر کے اخلاق کے برخلاف ہے اور اگر رعایا ایسے راجوں اور بادشاہوں کے ماتحت ہو جو پرمیشر کی طرح اپنے قصورواروں کی نسبت معافی کا نام نہیں لیتے تو اس بدقسمت رعیت کا کیا حال ہوگا اور پھر تناسخ ثابت کہاں ہے جس طرح ہم کسی شخص کی جان نکلتی دیکھتے ہیں کب ہمارے مشاہدہ میں یہ بات آتی ہے کہ وہی جان دوبارہ کسی اور جسم میں پڑ گئی ہے اور اس طرح پر یہ سزا بھی بے کار ہے کیونکہ اگر دوبارہ آنے والی رُوح اس بات سے متنبہ نہیں اور اس کو علم نہیں دیا گیا کہ وہ فلاں گناہ کی پاداش میں کسی ناکارہ جون میں ڈالی گئی تو پھر وہ کیونکر اس گناہ سے دستکش رہے گی۔ یاد رہے کہ انسان کی فطرت میں اور بہت سی خوبیوں کے ساتھ یہ عیب بھی ہے کہ اس سے بوجہ اپنی کمزوری کے گناہ اور قصور صادر ہو جاتا ہے اور وہ قادر مطلق جس نے انسانی فطرت کو بنایا ہے اُس نے اس غرض سے گناہ کا مادّہ اس میں نہیں رکھا کہ تا ہمیشہ کے عذاب میں اُس کو ڈال دے بلکہ اس لئے رکھا ہے کہ جو گناہ بخشنے کا خُلق اُس میں موجود ہے اُس کے ظاہر کرنے کے لئے ایک موقع نکالا جائے۔ گناہ بے شک ایک زہر ہے مگر توبہ اور استغفار کی آگ اُس کو تریاق بنا دیتی ہے۔ پس یہی گناہ توبہ اور پشیمانی کے بعد ترقیات کا موجب ہو جاتا ہے اور اس جڑھ کو انسان کے اندر سے کھو دیتا ہے کہ وہ کچھ چیز ہے اور عُجب اور تکبّر اور خود نمائی کی عادتوں کا استیصال کرتا ہے۔

صفحہ ۴۶

اے دوستو! یاد رکھو!! کہ صرف اپنے اعمال سے کوئی نجات نہیں پا سکتا محض فضل سے نجات ملتی ہے اور وہ خدا جس پر ہم ایمان لاتے ہیں وہ نہایت رحیم و کریم خدا ہے وہ قادر مطلق اور سرب شکتی مان ہے جس میں کسی طرح کی کمزوری اور نقص نہیں۔ وہ مبدء ہے تمام ظہورات کا اور سرچشمہ ہے تمام فیضوں کا اور خالق ہے تمام مخلوقات کا اور مالک ہے تمام جود و فضل کا اور جامع ہے تمام اخلاق حمیدہ اور اوصاف کاملہ کا اور منبع ہے تمام

نوردں کا اور جان ہے تمام جانوں کی اور قیوم ہے ہر ایک چیز کا۔ سب چیزوں سے نزدیک ہے مگر نہیں کہہ سکتے کہ وہ عین اشیاء ہے اور سب سے بلند تر ہے مگر نہیں کہہ سکتے کہ اس میں اور ہم میں کوئی اور چیز بھی حائل ہے اس کی ذات دقیق در دقیق اور نہاں در نہاں ہے مگر پھر بھی سب چیزوں سے زیادہ ظاہر ہے سچی لذت اور سچی راحت اُسی میں ہے اور یہی نجات کی حقیقی فلاسفی ہے۔

صـ۴۱۷

اسی نجات کے بارہ میں قرآن شریف نے ہمیں یہ تعلیم دی ہے کہ نجات ایک ایسا امر ہے جو اسی دنیا میں ظاہر ہو جاتا ہے جیسا کہ اُس نے فرمایا مَنْ كَانَ فِي هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى[1] یعنی جو شخص اس دنیا میں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہی ہوگا یعنی خدا کے دیکھنے کے حواس اور نجات ابدی کا سامان اسی دُنیا سے انسان ساتھ لے جاتا ہے اور بار بار اُس نے ظاہر فرمایا ہے کہ جس ذریعہ سے انسان نجات پا سکتا ہے وہ ذریعہ بھی جیسا کہ خدا قدیم ہے قدیم سے چلا آتا ہے یہ نہیں کہ ایک مدت کے بعد اُس کو یاد آیا کہ اگر اور کسی طرح بنی آدم نجات نہیں پا سکتے تو میں خود ہی ہلاک ہو کر اُن کو نجات دُوں۔ انسان کو حقیقی طور پر اس وقت نجات یافتہ کہہ سکتے ہیں کہ جب اس کے تمام نفسانی جذبات جل جائیں اور اُس کی رضا خدا کی رضا ہو جائے اور وُہ خدا کی محبّت میں ایسا محو ہو جائے کہ اس کا کچھ بھی نہ رہے سب خدا کا ہو جائے اور تمام قول اور فعل اور حرکات اور سکنات اور ارادات اُس کے خدا کیلئے ہو جائیں اور وہ دل میں محسوس کرے کہ اب تمام لذات اُس کی خدا میں ہیں اور خدا سے ایک لمحہ علیحدہ ہونا اُس کے لئے موت ہے۔ اور ایک نشہ اور سُکر محبت الٰہی کا ایسے طور سے اُس میں پیدا ہو جائے کہ جس قدر چیزیں اُس کے ماسوا ہیں سب اُس کی نظر میں معدوم نظر آویں اور اگر تمام دنیا تلوار پکڑ کر اُس پر حملہ کرے اور اُس کو ڈرا کر حق سے علیحدہ کرنا چاہے تو وہ ایک مستحکم پہاڑ کی طرح اسی استقامت پر قائم رہے اور کامل محبت کی ایک آگ اُس میں بھڑک اٹھے اور گناہ سے نفرت پیدا ہو جائے اور جس طرح وہ لوگ اپنے بچوں اور اپنی بیویوں

[1] بنی اسرائیل: ۷۳

صہ ۴۸

اور اپنے عزیز دوستوں سے محبت رکھتے ہیں اور وہ محبت اُن کے دلوں میں دھنس جاتی ہے کہ اُن کے مرنے کے ساتھ ایسے بیقرار ہو جاتے ہیں کہ گویا آپ ہی مرجاتے ہیں یہی محبت بلکہ اس سے بہت بڑھ کر اپنے خدا سے پیدا ہو جائے یہاں تک کہ اس محبت کے غلبہ میں دیوانہ کی طرح ہو جائے اور کامل محبت کی سخت تحریک سے ہر ایک دُکھ اور ہر ایک زخم اپنے لئے گوارا کرے تا کسی طرح خدا تعالیٰ راضی ہو جائے۔ جب انسان پر اس مرتبہ تک محبت الٰہی غلبہ کرتی ہے تب تمام نفسانی آلائشیں اس آتش محبت سے خس و خاشاک کی طرح جل جاتی ہیں اور انسان کی فطرت میں ایک انقلاب عظیم پیدا ہو جاتا ہے اور اُس کو وہ دل عطا ہوتا ہے جو پہلے نہیں تھا اور وہ آنکھیں عطا ہوتی ہیں جو پہلے نہیں تھیں اور اس قدر یقین اس پر غالب آجاتا ہے کہ اسی دُنیا میں وہ خدا کو دیکھنے لگتا ہے اور وہ جلن اور سوزش جو دنیاداروں کی فطرت کو دنیا کے لئے جہنم کی طرح لگی ہوئی ہوتی ہے وہ سب دور ہو کر ایک آرام اور راحت اور لذّت کی زندگی اس کو مل جاتی ہے تب اس کیفیت کا نام جو اُس کو ملتی ہے نجات رکھا جاتا ہے کیونکہ اُس کی رُوح خدا کے آستانہ پر نہایت محبت اور عاشقانہ تپش کے ساتھ گر کر لازوال آرام پالیتی ہے اور اس کی محبت کے ساتھ خدا کی محبت تعلق پکڑ کر اُس کو اس مقام محویّت پر پہنچا دیتی ہے کہ جو بیان کرنے سے بلند اور برتر ہے۔ انسان کی ایک ایسی فطرت ہے کہ وہ خدا کی محبت اپنے اندر مخفی رکھتی ہے۔ پس جب وہ محبت تزکیۂ نفس سے بہت صاف ہو جاتی ہے اور مجاہدات کا صیقل اس کی کدورت کو دُور کر دیتا ہے تو وہ محبت خدا کے نور کا پرتوہ حاصل کرنے کے لئے ایک مصفّا آئینہ کا حکم رکھتی ہے جیسا کہ تم دیکھتے ہو کہ جب مصفّا آئینہ آفتاب کے سامنے رکھا جائے تو آفتاب کی روشنی اُس میں بھر جاتی ہے اس صُورت میں نظر کی غلطی سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہی آفتاب ہے مگر دراصل وہ آفتاب نہیں ہے۔ بلکہ بباعث نہایت صفائی کے آفتاب کی روشنی اُس نے حاصل کی ہے۔ پھر ایک اور بات ہے جو خدا کا کلام ہم پر ظاہر

صہ ۴۹

کرتا ہے کہ ایسی فطرت جو بباعث اپنی نہایت صفائی کے آفتاب حقیقی کی روشنی قبول کرتی ہے وہ بھی کئی قسم پر ہے۔ بعض فطرتوں کا دائرہ تنگ ہوتا ہے وہ روشنی تو قبول کرتے ہیں مگر اپنے دائرہ کے قدر کے موافق۔ مثلاً چھوٹا سا شیشہ جو آرسی کا شیشہ کہلاتا ہے اگرچہ اس میں بھی کوئی صورت منعکس ہو سکتی ہے بلکہ تمام نقوش اصل صُورت کے اُس میں منعکس ہو جاتے ہیں مگر وہ نقوش بہت ہی چھوٹے ہو کر اُس میں نمودار ہوتے ہیں اور بڑے شیشہ میں پورے پورے نقوش صورت کے منعکس ہو سکتے ہیں۔ ایسا ہی ایک صافی شیشہ جس قدر روشنی کو آفتاب کے مقابل ہونے کی حالت میں اپنے اندر لیتا ہے دُوسرا شیشہ کہ کسی قدر کثافت اپنے اندر رکھتا ہے اس قدر روشنی حاصل نہیں کر سکتا۔

پھر اس جگہ ایک اور امر بیان کرنے کے لائق ہے کہ وہ حقیقت جس کا نام ہم لوگ شفاعت رکھتے ہیں۔ دراصل اُس کی فلاسفی بھی یہی ہے کیونکہ قاعدہ ہے کہ جب ایک تاریکی ایک روشن جوہر کے مقابل پر آتی ہے تو وہ تاریکی روشنی کے ساتھ بدل جاتی ہے۔ پس اسی طرح جب ایک مصفا فطرت جو نہایت صافی آئینہ کی طرح ہو جاتی ہے آفتاب حقیقی کے مقابل پر آکر اُس سے روشنی حاصل کر لیتی ہے تو کبھی ایسا اتفاق ہو جاتا ہے کہ ایک تاریک فطرت اُس روشن فطرت کے مقابل پر آجاتی ہے تو بوجہ اُس محاذات کے اُس پر بھی روشنی کا عکس پڑ جاتا ہے تب وہ فطرت بھی روشن ہو جاتی ہے جیسا کہ تم دیکھتے ہو کہ جب ایک آئینہ صافی پر آفتاب کی شعاع پڑتی ہے تو وہ آئینہ اپنے مقابل کی در و دیوار کو اُس روشنی سے منور کر دیتا ہے یہی شفاعت کی حقیقت ہے۔

شفع عربی زبان میں جفت کو کہتے ہیں کہ جو طاق کے مقابل پر ہے۔ پس جو شخص ایک پاک فطرت اور کامل انسان سے ایسا تعلق حاصل کرتا ہے کہ گویا اُس کی جزو ہے تو قانون قدرت اسی طرح واقع ہے کہ وہ اُس کے انوار میں سے حصہ لیتا ہے غرض نجات کی فلاسفی یہی ہے کہ خدا سے پاک اور کامل تعلق پیدا کرنے والے اس لازوال نور کا مظہر ہو جاتے ہیں۔

منہ ۵۰

اور اُس کی محبت کی آگ میں پڑکر ایسے اپنی ہستی سے دُور ہو جاتے ہیں کہ جیسا کہ لوہا آگ میں پڑکر آگ کی صورت ہی اختیار کر لیتا ہے مگر درحقیقت وہ آگ نہیں ہے لوہا ہے اور جیسا کہ خدا کی تجلیات سے اُس کے عاشقوں میں ایک حیرت نما تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے۔ ایسا ہی خدا بھی اُن کے لئے ایک تبدیلی پیدا کرتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ خدا غیر متبدل اور ہر ایک تبدیلی سے پاک ہے مگر اُن کے لئے وہ ایسے عجائب کام دکھلاتا ہے کہ گویا وہ ایک نیا خدا ہے وہ خدا نہیں ہے جو عام لوگوں کا خدا ہے۔ کیونکہ جس قدر خدا کے راستباز بندے اپنے پاک اعمال اور صدق اور وفا کے ساتھ اُس کی طرف **حرکت** کرتے ہیں یہاں تک کہ اپنی پہلی ہستی سے مر جاتے ہیں۔ خدا بھی اُن کی طرف **اکرام** اور **نصرت** کے ساتھ حرکت کرتا ہے یہاں تک اپنی نصرت اور حمایت اور غیرت کو اُن کے لئے ایسے طور سے دکھلاتا ہے کہ وہ معمولی طور پر نہیں بلکہ وہ نصرت خارق عادت طور پر ظاہر ہوتی ہے۔

یہ بالکل غیر ممکن اور خدا کی کریمانہ عادت کے برخلاف ہے کہ خدا تعالیٰ ایسے بندہ کو جہنم میں ڈالے کہ جو اپنے سارے دل اور ساری جان اور کامل اخلاص سے اُس کی **محبت میں محو** ہے اور ایسا محو ہے کہ جیسا کہ سچی محبت کا تقاضا ہونا چاہیئے کسی کو اُس کے برابر نہیں جانتا بلکہ ہر ایک کو اُس کے مقابل پر کالعدم سمجھتا ہے اور اپنے وجود کو اُس کی راہ میں فنا کرنے کو طیار ہے پھر ایسا شخص کیونکر مورد عذاب ہو سکتا ہے۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ **کامل محبت ہی نجات** ہے۔ بھلا تم سچ کہو کہ کیا تم اپنے ایک بچے کو جس سے تم بہت ہی محبت رکھتے ہو دانستہ آگ میں ڈال سکتے ہو؟ پھر خدا جو سراسر **محبت** ہے اُن لوگوں کو جو اُس سے **پیار کرتے ہیں** اور ذرہ ذرہ اُن کا اُس کی محبت میں مستغرق ہے کیونکر آگ میں ڈالے گا۔ پس کوئی قربانی اس سے بہتر قربانی نہیں ہے کہ انسان اُس **محبوب حقیقی** سے اس قدر محبت کرے کہ خود وہ اس بات کو محسوس کرے کہ درحقیقت اُس کے سوا کوئی اُس کا **محبوب** اور **پیارا** نہیں اور نہ صرف اس قدر بلکہ اس کے لئے خود اپنے نفس کی محبت بھی

صفحہ ۵۱

چھوڑدے اور اُس کے لئے تلخ زندگی اختیار کرے۔ جب اس نکتہ کمال تک پہنچ جائے گا تو
بلاشبہ وہ **نجات یافتہ** ہے۔ اور اس مرتبہ محبت پر نہ کسی تناسخ کے چکر کی اُس کو حاجت
ہے اور نہ اُس کو اپنے لئے کسی کو **صلیب** دینے کی ضرورت ہے اور اس مرتبۂ محبت
پر انسان صرف خیالی طور پر اپنے تئیں نجات یافتہ قرار نہیں دیتا بلکہ اندر ہی اندر وہ محبت
اُس کو تعلیم دیتی ہے کہ خدا کی محبت تیرے ساتھ ہے اور پھر خدا کی محبت اُس کے شامل
حال ہو کر ایک سکینت اور شانتی اُس کے دل پر **نازل** کرتی ہے اور خدا وہ معاملات اُس
سے شروع کر دیتا ہے جو خاص اپنے پیاروں اور **مقبولوں** سے کرتا آیا ہے یعنی اُس کی
اکثر دعائیں قبول کر لیتا ہے اور معرفت کی باریک باتیں اُس کو سکھلاتا ہے اور بہت سی غیب
کی باتوں پر اُس کو اطلاع دیتا ہے اور اس کے منشاء کے مطابق دنیا میں تصرفات کرتا ہے
اور **عزت** اور **قبولیت** کے ساتھ دنیا میں اُس کو شہرت دیتا ہے اور جو شخص اُس کی
دشمنی سے باز نہ آوے اور اُس کے ذلیل کرنے کے درپے رہے آخر اُس کو ذلیل
کر دیتا ہے اور اُس کی خارق عادت طور پر تائید کرتا ہے اور لاکھوں **انسانوں** کے دلوں میں
اُس کی **الفت** ڈال دیتا ہے اور عجیب و غریب کرامتیں اُس سے ظہور میں لاتا ہے۔ اور
محض خدا کے الہام سے لوگوں کے دلوں کو اُس کی طرف کشش ہو جاتی ہے تب وہ انواع و
اقسام کے **تحائف** اور نقد اور جنس کے ساتھ اُس کی خدمت کے لئے دوڑتے ہیں اور
خدا اُس سے نہایت لذیذ اور پُر شوکت کلام کے ساتھ مکالمہ مخاطبہ کرتا ہے جیسا کہ ایک
دوست ایک دوست سے کرتا ہے **وہ خدا جو دُنیا کی آنکھ سے مخفی ہے**
وہ اس پر ظاہر ہو جاتا ہے اور ہر ایک غم کے وقت اپنی کلام سے اُس کو تسلی دیتا ہے۔ وہ
اُس سے سوال و جواب کے طور پر اپنے فصیح اور لذیذ اور پُر شوکت کلام کے ساتھ باتیں کرتا
ہے اور **سوال کا جواب** دیتا ہے اور جو باتیں انسان کے علم اور طاقت سے باہر ہیں
وہ اُس کو بتلا دیتا ہے مگر نہ نجومیوں کی طرح بلکہ اُن مقتدر بادشاہوں کی طرح جن کی ہر

صہ ۵۲

ایک بات میں شاہانہ قدرت بھری ہوئی ہوتی ہے۔ وہ ایسی پیشگوئیاں اُس پر ظاہر کرتا ہے جن میں اُس کی عزت اور اُس کے دشمن کی ذلت ہو اور اُس کی فتح اور دشمن کی شکست ہو۔ غرض اسی طرح وہ اپنے کلام اور کام کے ساتھ اپنا وجود اس پر ظاہر کر دیتا ہے۔ تب وہ ہر ایک گناہ سے پاک ہو کر اُس کمال تک پہنچ جاتا ہے جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے اور بغیر اس کے ممکن نہیں کہ کوئی کسی گناہ سے پاک ہو سکے۔ سب سے زیادہ انسان کے لئے مشکل یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی ہستی پر اُس کو یقین آ جاوے اور اس کے دل میں یہ ایمان پیدا ہو کہ اُس کی اطاعت سے دونوں جہانوں میں راحت اور آرام ملتا ہے اور اُس کی نافرمانی تمام دکھوں کی جڑ ہے پس اگر یہ معرفت پیدا ہو جائے تو پھر خود بخود انسان گناہ سے کنارہ کش ہو جاتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے اور یقین کرتا ہے کہ خدا دیکھ رہا ہے اور وہ قادر ہے کہ اسی دنیا کو اُس کے لئے جہنم بنا دے اور یہ بات تو ہر ایک کو معلوم ہے کہ جس کسی موذی چیز کا انسان کو علم ہو جاتا ہے اُس سے ہمیشہ بھاگتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اُس کے چھونے میں میری ہلاکت ہے۔ مثلاً انسان کسی سانپ کے سوراخ میں ہاتھ نہیں ڈالتا کیونکہ یقین کرتا ہے کہ اُس سوراخ میں سانپ ہے۔ ایسا ہی انسان کسی زہر کو نہیں کھاتا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ درحقیقت وہ زہر ہے اور ان موذی چیزوں سے بچنے کے لئے اپنے تئیں کسی کفارہ کا محتاج نہیں دیکھتا اور نہ اس بات کی حاجت دیکھتا ہے کہ کوئی شخص صلیب پر چڑھے تا وہ اِن موذی چیزوں سے نجات پاوے۔ بلکہ فقط اُس کو اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ اُس کو یقینی علم ہو جائے کہ یہ موذی چیز ہے جس کو چھونے سے میری ہلاکت ہے۔ مثلاً جب اس کو معلوم ہو جاوے کہ اس سوراخ میں سانپ رہتا ہے اور یا یہ چیز زہر قاتل ہے تب اس علم کے بعد خود بخود اُس کی فطرت میں اس موذی چیز سے ایک خوف پیدا ہو جاتا ہے اور وہ اس کے نزدیک نہیں جاتا بلکہ اُس سے بھاگتا ہے۔ مثلاً جب بیمار دیکھتا ہے کہ فلاں چیز کا کھانا اس کو نقصان کرتا ہے اور اُس کی جان کو سخت خطرہ میں ڈالتا ہے تو وہ ایسی

صـ ۵۳

چیز سے پرہیز کرتا ہے بلکہ اگر اس کو وہ چیز مفت بھی دی جائے تب بھی اُس کو دُور پھینک دیتا ہے۔

اب جب کہ انسانی فطرت میں یہ خاصیت ہر جگہ اور ہر موقع پر پائی جاتی ہے تو طبعاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ انسان خدا کے گناہ سے کیوں پرہیز نہیں کرتا اور کیوں اس موذی چیز سے دُور نہیں بھاگتا جیسا کہ دُوسری موذی چیزوں سے بھاگتا ہے۔

اس سوال کا صاف جواب یہ ہے کہ انسان گناہ کے ضرر پر ایسا یقین نہیں رکھتا جیسا کہ سانپ وغیرہ کے ضرر پر اُس کو یقین ہے۔ اب جب یہ امر تشخیص ہو چکا تو صاف طور پر معلوم ہو گیا کہ انسان کو گناہ سے بچنے کے لئے کسی کفارہ وغیرہ کی ضرورت نہیں بلکہ یہ ضرورت ہے کہ اُس کو خُدا کی ہستی پر کامل یقین پیدا ہو جائے اور اس بات کا یقین ہو جائے کہ خُدا کا گناہ زہر قاتل ہے تب وہ خود بخود گناہ سے ایسا ہی پرہیز کرے گا جیسا کہ وہ سانپ وغیرہ سے پرہیز کرتا ہے۔ صـ۹۵

اے دوستو! گناہ سے بے خوف ہونے کی یہی وجہ ہے کہ غافل انسان کو نہ خدا پر یقینی ایمان ہے نہ اُس کی سزا پر۔ ورنہ انسان اپنی ذات میں بُزدل ہے۔ اگر ایک گھر میں کسی چھت کے نیچے چند آدمی بیٹھے ہوں اور یک دفعہ سخت زلزلہ آوے تو وہ سب کے سب باہر کی طرف دوڑتے ہیں۔ اسی کا یہی سبب ہوتا ہے کہ وہ یقین رکھتے ہیں کہ اگر چند منٹ اور چھت کے نیچے بیٹھے رہے تو موت کا شکار ہو جائیں گے۔ مگر چونکہ گناہ کرنے والوں کو خدا پر یقین نہیں نہ اُس کی سزا پر یقین ہے اس لئے وہ لوگ دلیری سے گناہ کرتے ہیں جو لوگ جھوٹے اور بناوٹی ذریعے نجات کے لئے ڈھونڈھتے ہیں وہ اور بھی گناہ پر دلیر ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ جھوٹا ذریعہ کوئی یقین نہیں بخشتا۔ مگر جس شخص کو یہ علم یقینی حاصل ہو جاتا ہے کہ درحقیقت خدا ہے اور درحقیقت گناہ گار بے سزا نہیں رہے گا بشرطیکہ یقینی علم ہو نہ محض رسمی۔ وہ بلاشبہ اپنے تئیں گناہ کی راہوں سے بچائے گا۔ سچی فلاسفی نجات کی یہی ہے جو

جو قرآن شریف نے ہم پر ظاہر کی اگر چاہو تو قبول کر و۔

لیکن اگر اس جگہ کوئی یہ سوال پیش کرے کہ اگرچہ یہ بات سچ ہے کہ انسان کی فطرت کچھ ایسی ہی واقع ہوئی ہے کہ جس چیز کو درحقیقت وہ اپنے لئے موذی جانتا ہے وہ اس کے نزدیک نہیں جاتا اور اُس سے دُور بھاگتا ہے مگر انسان کے لئے یہ مرتبہ کیونکر حاصل ہو کہ خدا پر اور اُس کی سزا پر اُس کو اس قدر یقین حاصل ہو جائے کہ وہ خدا کی نافرمانی اور ہر ایک گناہ کے ارتکاب سے ایسا ہی ڈرے جیسا کہ وہ سانپ یا اور کسی موذی چیز سے ڈرتا ہے ؟

ص۵۵

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ ہمارا اور اُن راستبازوں کا جو ہم سے پہلے گذر چکے ہیں یہ چشم دید واقعہ اور ذاتی تجربہ ہے کہ قرآن شریف اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی سچی پیروی میں جو اخلاص اور صدق قدم سے ہو یہ خاصیت ہے کہ آہستہ آہستہ خدائے واحد لاشریک کی محبت دل میں بیٹھتی جاتی ہے اور کلام الٰہی کی رُوحانی طاقت انسانی رُوح کو ایک نور بخشتی ہے جس سے اُس کی آنکھ کھلتی ہے اور انجام کار عالم ثانی کے عجائبات اُس کو دکھائی دیتے ہیں۔ پس اس دن سے اُس کو علم الیقین کے طور پر پتہ لگتا ہے کہ خدا ہے اور پھر وہ یقین ترقی کرتا جاتا ہے یہاں تک کہ **علم الیقین** سے **عین الیقین** تک پہنچتا ہے اور پھر عین الیقین سے **حق الیقین** تک پہنچ جاتا ہے۔ جو شخص قرآن شریف اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتا ہے پہلے اس کو کوئی تزکیہ نفس حاصل نہیں ہوتا اور کئی قسم کے گناہوں میں مبتلا ہوتا ہے پھر خدا کی رحمت اس کی دستگیری کرتی ہے اور خارق عادت طریقوں سے اُس کے ایمان کو قوت دی جاتی ہے اور جیسا کہ قرآن شریف میں وعدہ ہے کہ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا[1] یعنی ایمانداروں کو خدا کی طرف سے بشارتیں ملتی رہتی ہیں۔ ایسا ہی وہ بھی اپنی ذات کے متعلق کئی قسم کی بشارتیں پاتا رہتا ہے اور جیسے جیسے بذریعہ اُن بشارتوں کے اُس کا ایمان قوی ہوتا جاتا ہے ویسے ویسے وہ گناہ سے پرہیز

[1] یونس : ۶۵

کرتا اور نیکیوں کی طرف حرکت کرتا ہے اسی کی طرف خدا تعالےٰ نے قرآن شریف میں اشارت فرمائی ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ وَمِنْهُم مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ [۱] یعنی ایماندار تین قسم کے ہیں۔ (۱) اول وہ جو ظالم ہیں یعنی انواع و اقسام کے گناہوں کا ارتکاب کرتے ہیں اور گناہ کا پلہ اُن کا بھاری ہوتا ہے (۲) دوسرے وہ جو میانہ رَو ہیں یعنی کچھ تو گناہ کرتے ہیں اور کچھ نیک اعمال۔ اور دونوں حالتوں میں مساوی ہوتے ہیں۔ (۳) اور تیسرے درجہ کے وہ لوگ ہیں جو عمدہ اخلاق اور عمدہ اعمال میں سبقت لے جاتے ہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا زمانہ جو صدر اسلام کا وقت تھا اس زمانہ پر ایک وسیع نظر ڈال کر ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیم نے کیونکر ایمان لانے والوں کو مذکورہ بالا ادنیٰ درجہ سے اعلیٰ درجہ تک پہنچا دیا کیونکہ ایمان لانے والے اپنی ابتدائی حالت میں اکثر ایسے تھے کہ جس حالت کو وہ ساتھ لے کر آئے تھے وہ حالت جنگلی وحشیوں سے بدتر تھی اور درندوں کی طرح اُن کی زندگی تھی اور اس قدر بد اعمال اور بد اخلاق میں وہ مبتلا تھے کہ انسانیت سے باہر ہو چکے تھے اور ایسے بے شعور ہو چکے تھے کہ نہیں سمجھتے تھے کہ ہم بد اعمال ہیں یعنی نیکی اور بدی کی شناخت کی حس بھی جاتی رہی تھی پس قرآنی تعلیم اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی صحبت نے جو پہلا اثر اُن پر کیا تو وہ یہ تھا کہ اُن کو محسوس ہو گیا کہ ہم پاکیزگی کے جامہ سے بالکل برہنہ اور بد اعمالی کے گند میں گرفتار ہیں جیسا کہ اللہ تعالےٰ اُن کی پہلی حالت کی نسبت فرماتا ہے۔

أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ [۲]

یعنی یہ لوگ چارپایوں کی طرح ہیں بلکہ اُن سے بھی بدتر۔ پھر جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی پاک صحبت اور فرقان حمید کی دلکش تاثیر سے اُن کو محسوس ہو گیا کہ جس حالت میں ہم نے زندگی بسر کی ہے وہ ایک وحشیانہ زندگی ہے اور سراسر بد اعمالیوں سے ملوّث ہے تو انہوں نے رُوح القدس سے قوت پاکر نیک اعمال کی طرف حرکت کی جیسا کہ اللہ تعالےٰ

[۱] فاطر: ۳۳ ؛ [۲] الاعراف: ۱۸۰ ؛

صـ۵۷

اُن کے حق میں فرماتا ہے وَاَیَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ[1] یعنی خدا نے ایک پاک رُوح کے ساتھ اُن کی تائید کی۔ وہ وہی غیبی طاقت تھی جو ایمان لانے کے بعد اور کسی قدر صبر کرنے کے بعد انسان کو ملتی ہے۔ پھر وہ لوگ اس طاقت کے حاصل ہونے کے بعد نہ صرف اس درجہ پر رہے کہ اپنے عیبوں اور گناہوں کو محسوس کرتے ہوں اور اُن کی بدبُو سے بیزار ہوں بلکہ اب وہ نیکی کی طرف اس قدر قدم اٹھانے لگے کہ صلاحیت کے کمال کو نصف تک طے کر لیا اور کمزوریوں کے مقابل پر نیک اعمال کی بجاآوری میں طاقت بھی پیدا ہوگئی اور اس طرح پر درمیانی حالت اُن کو حاصل ہوگئی اور پھر وہ لوگ رُوح القدس کی طاقت سے بہرہ ور ہو کر اُن مجاہدات میں لگے کہ اپنے پاک اعمال کے ساتھ شیطان پر غالب آجائیں تب انہوں نے خدا کے راضی کرنے کے لئے اُن مجاہدات کو اختیار کیا کہ جن سے بڑھ کر انسان کے لئے متصور نہیں۔ انہوں نے خُدا کی راہ میں اپنی جانوں کا خس و خاشاک کی طرح بھی قدر نہ کیا آخر وہ قبول کئے گئے اور خدا نے اُن کے دلوں کو گناہ سے بکلّی بیزار کر دیا اور نیکی کی محبت ڈال دی جیسا کہ وہ فرماتا ہے۔ وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا[2]۔ یعنی جو لوگ ہماری راہ میں مجاہدہ کرتے ہیں ہم اِن کو اپنی راہ دکھا دیا کرتے ہیں۔ غرض ایمان لانے والوں کے تین درجے ہیں۔ ظالم۔ مقتصد۔ سابقٌ بالخیرات۔ ظالم ہونے کی حالت میں انسان اپنی بداعمالی کی حالت کو محسوس کر لیتا ہے۔ اور مقتصد ہونے کی حالت میں نیکی کے بجالانے کی توفیق پاتا ہے مگر پُورے طور پر بجا نہیں لا سکتا۔ اور سابق بالخیرات ہونے کی حالت میں جہاں تک اس کی فطرت کی طاقت ہے پُورے طور پر نیکی بجالاتا ہے اور نیک اعمال کے بجالانے میں آگے سے آگے دوڑتا ہے۔ اور اس درجہ پر انسان کو خُدا تعالیٰ کی عظمت اور جلال اور قدرت کا اس قدر علم ہو جاتا ہے کہ گویا وہ اس کو دیکھتا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ خود اُس کو اپنے خارق عادت تصرفات کے ساتھ راہ دکھا دیتا ہے رُوح القدس کی تائید جو مومن کے شامل ہوتی ہے وہ محض خدا تعالیٰ کا انعام ہوتا ہے

[1] المجادلۃ: ۲۳ ❊ [2] العنکبوت: ۷۰ ❊

جو اُن کو ملتا ہے جو سچے دل سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور قرآن شریف پر ایمان لاتے ہیں وہ کسی مجاہدہ سے نہیں ملتا محض ایمان سے ملتا ہے اور مفت ملتا ہے صرف یہ شرط ہے کہ ایسا شخص ایمان میں صادق ہو اور قدم میں استوار اور امتحان کے وقت صابر ہو لیکن خدائے عزّ وجلّ کی لدنّی ہدایت جو اس آیت میں مذکور ہے۔ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا[1] وہ بجز مجاہدہ کے نہیں ملتی۔ مجاہدہ کرنے والا ابھی مثل اندھے کے ہوتا ہے اور اس میں اور بینا ہونے میں ابھی بہت فاصلہ ہوتا ہے۔ مگر رُوح القدس کی تائید اُس کو نیک ظن کر دیتی ہے اور اُس کو قوت دیتی ہے جو وہ مجاہدہ کی طرف راغب ہو اور مجاہدہ کے بعد انسان کو ایک اور رُوح ملتی ہے جو پہلی رُوح سے بہت قوی اور زبردست ہوتی ہے مگر یہ نہیں کہ دو رُوحیں ہیں۔ رُوح القدس ایک ہی ہے صرف فرق مراتبِ قوت کا ہے جیسا کہ دو خدا نہیں ہیں صرف ایک خدا ہے مگر وہی خدا جن خاص تجلیات کے ساتھ اُن لوگوں کا ناصر اور مربّی ہوتا اور اُن کے لئے خارق عادت عجائبات دکھاتا ہے وہ دُوسروں کو ایسے عجائبات قدرت ہرگز نہیں دکھلاتا۔ بظاہر ایک نادان سمجھے گا کہ گویا دو خدا ہیں۔ کیونکہ جس خدا کے ساتھ اس کا معاملہ ہے وہ اُس کی نظر میں کچھ کمزور سا ہے اور جس خدا کے ساتھ ایک مقبول کا معاملہ ہے وہ بڑی بڑی طاقتیں اس کے لئے ظاہر فرماتا ہے مگر درحقیقت خدا ایک ہی ہے صرف یہ فرق ہے کہ جو شخص بڑا صدق لے کر اُس کی طرف دوڑتا ہے وہ بھی اُس کے لئے بڑے بڑے کام دکھاتا ہے یہاں تک کہ اپنے زمین و آسمان کو اُس کے لئے غلاموں کی طرح کر دیتا ہے مگر جو شخص اپنے صدق اور وفا اور استقامت اور اپنے ایمان میں کمزور ہے خدا بھی اُس کے لئے کمزور کی طرح ظاہر ہوتا ہے اور اُس کو طرح طرح کی ذلت اور ناکامی میں چھوڑ دیتا ہے اور وہ مصیبت کے ساتھ رزق حاصل کرتا ہے اور اسباب کے شکنجوں میں پھنسا رہتا ہے۔

اب ہم اصل مضمون کی طرف رجوع کر کے پھر لکھتے ہیں کہ جس خدا پر ایمان لانے کیلئے

صفحہ ۵۹

[1] العنکبوت: ۷۰

قرآن شریف ہمیں حکم کرتا ہے۔ ہم اس بات کے گواہ ہیں کہ وہ نہایت زبردست اور قادر مطلق اور کامل طاقتوں والا خدا ہے جو شخص اس خدا کی طرف سچے دل سے رجوع کرتا ہے اور وفاداری اور صدق قدم سے اُس کی طرف آتا ہے اُس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ جیسا کہ خُدا بے مثل ہے وہ بھی بے مثل ہو جاتا ہے اور آسمانی برکتوں کے دروازے اُس پر کھولے جاتے ہیں اور جیسا کہ خدا نے آسمان اور زمین میں کئی قسم کی قدرتیں دکھلائی ہیں ایسا ہی اُس کے ہاتھ پر بھی کئی قدرتیں ظاہر ہوتی ہیں اور خوارق ظہور میں آتے ہیں جو دُوسرے انسان اُن پر قادر نہیں ہو سکتے اور آسمانی برکتوں کے دروازے اُس پر کھولے جاتے ہیں اور مقابلہ کے وقت کوئی اس پر غالب نہیں آسکتا۔* کیونکہ خدا اُس کی زبان ہو جاتا ہے جس سے وہ بولتا ہے اور خدا اُس کے ہاتھ ہو جاتا ہے جن سے طرح طرح کے تصرفات زمین پر ظاہر کر سکتا ہے نہیں کہہ سکتے کہ وہ خدا ہے یا خدا کا بیٹا ہے۔ مگر جو شخص قرآن شریف کا پیرو ہو کر محبت اور صدق کو انتہا تک پہنچا دیتا ہے وہ ظلی طور پر خدا تعالیٰ کی صفات کا مظہر ہو جاتا ہے۔ یہ سب نتیجہ اس زبردست طاقت اور خاصیت کا ہوتا ہے جو خدا کے کلام قرآن شریف میں ہم مشاہدہ کرتے ہیں وہ زبردست طاقت اور خاصیت کسی اور کتاب میں نہیں جو کسی قوم کے نزدیک کتاب الہامی سمجھی جاتی ہے شاید اس کا یہ سبب ہو کہ وہ کتابیں بوجہ دُور دراز زمانوں کے محرف و مبدّل ہو چکی ہیں یا شاید یہ سبب ہو کہ اگرچہ لفظ اُن کے محرّف و مبدّل نہیں ہوئے مگر معنے بگاڑ دئے گئے ہیں یا شاید یہ سبب ہو کہ خُدا نے اس آخری زمانہ میں تفرقہ دُور کرنے کے لئے اور دنیا کے تمام لوگوں کو صرف ایک کتاب پر جمع کرنے کے لئے اُن تمام پہلی کتابوں کی برکتیں مسلوب کر لی ہیں

ص۹۰

* ابھی مجھے تھوڑی سی غنودگی کے ساتھ یہ الہام ہوا۔ اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ النَّجْمِ الثَّاقِبِ یعنی تو مجھ سے بمنزلہ اس ستارہ کے ہے جو قوت اور روشنی کے ساتھ شیطان پر حملہ کرتا ہے۔ اور یہ ساڑھے پانچ بجے صبح کا وقت ہے روز دوشنبہ ۲ دسمبر ۱۹۰۷ء۔ منہ

ورنہ اس کا سبب کیا ہے؟ کہ جس طرح قرآن شریف اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی سچی پیروی سے انسان جماعت اولیاء اللہ میں داخل ہو سکتا ہے۔ اُن کتابوں میں یہ خاصیت پائی نہیں جاتی اور یہی وجہ ہے کہ ان کتابوں کے پیرو ان کمالات سے منکر ہیں جو انسان کو قرب کے مکان میں حاصل ہو سکتے ہیں بلکہ وہ کرامات اور خرق عادات پر ہنسی ٹھٹھا کرتے ہیں مگر ہم اُن پر کوئی ہنسی ٹھٹھا نہیں کرتے ہاں اُن کی محرومی کو دیکھ کر رونا ضرور آتا ہے میں اس جگہ کچھ گذشتہ قصوں کو بیان نہیں کرتا بلکہ میں وہی باتیں کرتا ہوں جن کا مجھے ذاتی علم ہے میں نے قرآن شریف میں ایک زبردست طاقت پائی ہے۔ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں ایک عجیب خاصیت دیکھی ہے جو کسی مذہب میں وہ خاصیت اور طاقت نہیں اور وہ یہ کہ سچا پیرو اس کا مقامات ولایت تک پہنچ جاتا ہے۔ خُدا اُس کو نہ صرف اپنے قول سے مشرف کرتا ہے بلکہ اپنے فعل سے اُس کو دکھلاتا ہے کہ میں وہی خُدا ہوں جس نے زمین و آسمان پیدا کیا تب اس کا ایمان بلندی میں دُور دُور کے ستاروں سے بھی آگے گذر جاتا ہے۔ چنانچہ میں اس امر میں صاحب مشاہدہ ہوں خُدا مجھ سے ہمکلام ہوتا ہے اور ایک لاکھ سے بھی زیادہ میرے ہاتھ پر اُس نے نشان دکھلائے ہیں۔ سو اگرچہ میں دُنیا کے تمام نبیوں کا ادب کرتا ہوں اور اُن کی کتابوں کا بھی ادب کرتا ہوں مگر زندہ دین صرف اسلام کو ہی مانتا ہوں کیونکہ اس کے ذریعہ سے میرے پر خدا ظاہر ہوا۔ جس شخص کو میرے اس بیان میں شک ہو اُس کو چاہئے کہ ان باتوں کی تحقیق کے لئے کم سے کم دو ماہ کے لئے میرے پاس آجائے میں اُس کے تمام اخراجات کا جو اس کے لئے کافی ہو سکتے ہیں اس مدت تک متکفل رہوں گا۔ میرے نزدیک مذہب وہی ہے جو زندہ مذہب ہو اور زندہ اور تازہ قدرتوں کے نظارہ سے خدا کو دکھلا دے ورنہ صرف دعوئے صحت مذہب ہیچ اور بلا دلیل ہے۔

صد ۱۱

خُلاصہ مضمون

جیساکہ ہم مفصل طور پر اس مضمون میں لکھ چکے ہیں یہ بات یقینی اور قطعی ہے کہ پُوری پوری ہدایت اور کامل یقین حاصل کرنے کے لئے الہامی کتاب کی ضرورت ہے کیونکہ جس معرفت تامہ کے ذریعہ سے مرتبہ عالیہ تک اپنی نجات کے لئے ہر ایک انسان کو پہنچنا ضروری ہے وہ معرفت تامہ محض عقل کے ذریعہ سے ہرگز حاصل نہیں ہو سکتی۔ اور ہم اس مضمون میں مفصل بیان کر چکے ہیں کہ نجات محبت تامہ پر موقوف ہے کیونکہ محبت ہی ایک ایسی چیز ہے کہ جو تمام مجازی تعلقات کو کالعدم کر کے سب کے قائم مقام خدا کو کر دیتی ہے۔ انسان کسی کے لئے اپنی جان نہیں دیتا۔ کسی کے لئے دُکھ نہیں اٹھاتا۔ کسی کے لئے تلخ زندگی اختیار نہیں کرتا مگر جس سے محبت ہے اس کے لئے مرنا بھی اپنے لئے ایک زندگی دیکھتا ہے۔ پس جب کہ خدا تعالیٰ سے انسان کا تعلق اس قدر بڑھ جاتا ہے کہ کمال محبت کی وجہ سے اُس کی راہ میں موت کو بھی اپنی راحت سمجھتا ہے اور اُس کی طرف دل ایسا کھینچا جاتا ہے کہ ان اغراض سے اُس کو یاد نہیں کرتا کہ وہ بہشت میں اُس کو داخل کرے گا یا دوزخ سے اُس کو نجات دے گا بلکہ ایک نامعلوم کشش اُس کے اندر پیدا ہو جاتی ہے اور وہ خود سمجھ نہیں سکتا کہ وہ کشش کیوں ہے؟ اور کیا چیز ہے؟ اور اس محبت کیلئے محبوب کی معرفت اس قدر ضروری ہے کہ اُس کے وہ محاسن اور وہ خوبیاں جو موجب عشق اور محبت ہوتے ہیں معلوم ہو جائیں جیساکہ ایک عاشق جو ایک معشوق کی محبت میں گرفتار ہے وہ جوش محبت پیدا ہونے کے لئے صرف اس بات کا محتاج ہے کہ معشوق کی خوبصورتی پر اُس کو اطلاع ہو جائے اور اُس کے دلکش نقش و نگار پر اُس کی نظر پڑ جائے۔

صـ ۶۲

اور اس بات کا محتاج نہیں کہ اُس کو یہ بھی معلوم ہو جائے کہ اُس کے سر میں مغز کس قدر ہے اور اُس کا جگر کس قدر بڑا ہے اور اُس کے تمام بدن میں ہڈیاں کس قدر ہیں اور رگیں کس قدر اور پٹھے کس قدر ہیں۔ بلکہ محبت کی راہ میں ان تشریحات کی ضرورت نہیں۔ ایسا ہی جو لوگ محبت الٰہی میں مست و مدہوش ہو جاتے ہیں اُن کو اِن تحقیقاتوں کی ضرورت نہیں ہوتی کہ خدا کیونکر رُوحوں کو پیدا کر لیتا ہے اور کس دلیل سے سمجھا جائے کہ ذرّات یعنی پرمانو اُس کے پیدا کردہ ہیں۔ کیونکہ محبت کی راہ میں ان تحقیقاتوں کی ضرورت نہیں۔ تم خود سوچ لو کہ تم مثلاً اپنے بچوں اور بیویوں سے محبت رکھتے ہو یہاں تک کہ اگر بچہ یا بیوی ایک خطرناک بیماری میں مبتلا ہو جائے تو تمہارے حواس اُڑ جاتے ہیں آنکھوں کے آگے اندھیرا آجاتا ہے اور اس محبت کی تکمیل کے لئے کبھی تمہیں خیال نہیں آتا کہ اُن کی اندرونی بناوٹ کی تمہیں اطلاع حاصل ہو۔ صرف بچہ یا بیوی ہونے کی وجہ سے جو تمہیں یقین ہے کہ وہ ہمارا بچہ اور یہ ہماری بیوی ہے اس لئے اس قدر اُن کی بیماری سے بے چینی اور بے قراری تم میں پیدا ہو جاتی ہے اسی طرح خدا تعالےٰ کی راہ میں اور اُسکے عشق اور محبت کے لئے اس کے بے انتہا اندرونی اسرار کا معلوم کرنا ضروری نہیں اور نہ انسان کی طاقت ہے کہ معلوم کرے جیسا کہ اُس نے خود قرآن شریف میں فرمایا لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ[1] یعنی عقلیں اُس کی حقیقت تک پہنچ نہیں سکتیں اور وہ تمام عقلوں پر محیط ہے۔ پس خدا تعالےٰ کی معرفت کے بارہ میں صرف یہ معلوم کرنا کافی ہے کہ وہ موجود ہے اور قدرت اور رحم اور علم اور حکمت وغیرہ تمام صفات اس میں پائے جاتے ہیں جو کامل ربوبیت اور جزا کے لئے ضروری ہیں اور نیز یہ کہ وہ ہمارا خالق ہے یا یہ کہ اُس کا ہم پر یہ فضل و احسان ہے۔ کیونکہ محبت پیدا ہونے کے لئے اس قدر معرفت کا پیدا ہونا ضروری ہے اگر کسی کا باپ یا ماں ہو اور وہ کسی جگہ راستہ کے وقت اپنے باپ یا ماں کو شناخت نہ کرے تو وہ اُس کی وہ عزت نہیں

ص ۹۳

[1] الانعام: ۱۰۴

کرے گا جو کرنی چاہیئے پس محبت اور ادب پیدا ہونے کے لئے معرفت ضروری ہے
مگر اُسی قدر جس کو محبت چاہتی ہے جیسا کہ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں معرفت محبت پر مقدم
ہے اور محبت معرفت سے ہی پیدا ہوتی ہے۔ اسی طرح خدا تعالیٰ کی محبت سے پہلے
اس کی معرفت ضروری ہے مگر اُسی قدر معرفت جو محبت کے لئے ضروری ہے لیکن اُس
معرفت کو اس جگہ کچھ تعلق نہیں جو ایک ڈاکٹر پیٹ چیر کر یا سر پھوڑ کر حاصل کرتا ہے بلکہ صرف
اس قدر معرفت چاہیئے جو بیٹے کے لئے اپنے باپ کی شناخت کے لئے ضروری ہے
اگر قرآن شریف کو اول سے آخر تک پڑھو تو تمہیں معلوم ہوگا کہ وہ اسی معرفت کو سکھاتا ہے
جس سے محبت پیدا ہو اور عشق الٰہی دل میں جوش مارے۔ تم سمجھ سکتے ہو کہ ایک شخص کو کسی
پر عاشق بنانے کے لئے صرف اس قدر ضروری ہے کہ یہ بیان کیا جائے کہ وہ حُسن میں
یکتا ہے۔ وہ خوبصورتی میں بے نظیر ہے اُس کی صورت میں ملاحت ہے اُسکی آنکھیں
دلوں کو اپنی طرف کھینچتی ہیں۔ اُس کے لب شیریں ہیں اور اُس کی آواز دلکش ہے اور چہرہ
اُس کا چاند کی طرح چمکتا ہے اور وہ اپنے حُسن اور خوبی اور ملاحت میں بے نظیر اور
وحدہٗ لاشریک ہے یہ تو ضروری نہ ہوگا کہ آپ اُس کی اندرونی بناوٹ اور معدہ اور
تلی اور پھیپھڑہ اور گردوں وغیرہ کا کچھ ذکر کریں کہ یہ امور حُسن سے بے تعلق ہیں۔ اسی طرح
خدا تعالیٰ نے جو کچھ اپنی خوبیوں کا قرآن شریف میں ذکر کیا ہے وہ تمام حُسن اور
محبوبانہ اخلاق کے بیان میں ہے اور اُس کے پڑھنے سے صریح معلوم ہوتا ہے کہ وہ
پڑھنے والے کو خدا کا عاشق بنانا چاہتا ہے۔ چنانچہ اُس نے ہزارہا عاشق بنائے اور میں
بھی اُن میں سے ایک ناچیز بندہ ہوں۔ کون ہے جو خدا کے اندرونی حالات کی تشریح
کرے۔ خدا کے رگ پٹھے پہچاننے والا کونسا ڈاکٹر ہے اور جب کہ انسانی بناوٹ کی اب
تک تشریح ختم نہیں ہوئی اور ایسی خوردبین اب تک میسر نہیں آئی کہ وہ کیڑے دکھائی دے
جائیں جو انسان کو ایک دم میں ہلاک کر دیتے ہیں تو پھر خدا کے صفات کی تشریح کیونکر ہو سکتی

ص ۶۴

ہے؟ پس یہ جرأت اور بے باکی ہے کہ یہ دعوے کیا جاتا ہے کہ رُوح اور ذرات خُدا کی مخلوق نہیں کیونکہ وہ نیستی سے ہست نہیں کرسکتا اسی وجہ سے وہ دائمی نجات بھی نہیں دے سکتا گویا خدا کی تمام حد لبست کر لی گئی ہے اور تمام طاقتیں اُس کی انسان نے جانچ لی ہیں اور وہ محدود ہو گیا ہے۔ اے ہم وطن پیارو! یہ باتیں صحیح نہیں ہیں اور میں کبھی تسلیم نہیں کروں گا کہ اگر ایسی عبارت کوئی وید میں ہے تو وید کا یہی منشاء ہے جو آپ نے سمجھ لیا ہے۔ ہم خدا کی عمیق در عمیق قدرتوں تک کہاں پہنچ سکتے ہیں ہر ایک امر اُس کا ہمارے علم سے بلند تر ہے۔ کیا جس نے سُورج اور چاند اور ستارے بنائے اور زمین کو ہمارے رہنے کے لئے بچھایا ہم کوئی اندازہ کرسکتے ہیں کہ ان چیزوں کے بنانے کے لئے وہ مدت اُس کو درکار تھی جو انسان کو کسی چیز کے بنانے میں درکار ہوتی ہے؟ کیا کوئی بیان کرسکتا ہے کہ ان چیزوں کے لئے کن کن چھکڑوں پر مصالح آیا تھا یعنی اینٹیں وغیرہ۔ اور کن معماروں نے بنایا تھا؟ بلکہ اُس کے حکم سے سب چیزیں بن گئیں۔ تو کیا ہم انسان کے کاموں پر اُس کے کاموں کا قیاس کرسکتے ہیں؟ جو شخص اس کی قدرتوں پر محیط ہونا چاہتا ہے وہ دراصل اُس کا منکر ہے خدا نے ہمیں صرف اتنا علم دیا ہے کہ یہ تمام رُوحیں اور سب چیزیں خُدا کے کلمے ہیں یعنی کلمہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ یہ ایک ربوبیت کا بھید ہے اور اُس کے کارخانۂ قدرت میں ہزاروں اسرار ہیں کون اُن کو حل کرسکتا ہے۔ مجھے یاد آیا کہ ایک دفعہ میں نے عالمِ کشف میں اپنے خدائے ذوالجلال کو تمثلی طور پر دیکھا اور میں نے کئی پیش گوئیاں لکھ کر چاہا کہ اس پر دستخط کرالوں اور عالمِ مثالی میں خدا تعالےٰ کی تمثلی صورت مجھے نظر آئی اور جب میں نے وہ کاغذ پیش کیا تو خدائے عزّوجلّ نے سُرخی کی سیاہی سے اُس پر دستخط کر دئے اور دستخط کرنے سے پہلے قلم کو چھڑکا تو وہ سُرخ رنگ کا پانی میرے کپڑوں پر پڑا۔ اور ایک مخلص عبد اللہ نام سنور کا رہنے والا جو ریاست پٹیالہ میں ملازم ہے وہ میرے پاس بیٹھا تھا اس پر بھی وہ پانی سُرخ رنگ کا

ص ۶۵

پڑا اور میرا کرتہ اس پانی سے تر ہو گیا۔ حالانکہ ہم چھت کے نیچے بیٹھے تھے اور محال تھا کہ وہ پانی کسی جگہ سے گرتا۔ اور وہ کرتہ میاں عبداللہ سنوری نے تبرک کے طور پر مجھ سے لے لیا اور اب تک موجود ہے۔ اب کوئی اس قصہ کو باور کرے یا نہ کرے۔ مگر اس پر ہم ایمان لاتے ہیں کہ وہ بھی خدا نے ایک مادہ نیست سے ہست کیا تھا۔ یہ اعتقاد کہ نیست سے خدا ہست نہیں کر سکتا محض اس شخص کے لئے زیبا ہے کہ جس نے خدا کے تمام اسرار پر اطلاع پالی ہے ورنہ محض دخل بیجا ہے۔ جو کچھ خدا سے پیدا ہوتا ہے اگرچہ نیست سے ہست ہوتا ہے مگر وہ اس قسم کا نیست نہیں ہوتا جو انسان سمجھ سکتا ہے بلکہ یہ بھید خدا کو معلوم ہے۔ اگر یہ عقیدہ چھوڑ دیا جائے کہ سب چیزیں خدا تعالےٰ سے نکلی ہیں اور اُس کی مخلوق ہیں تو پھر خدا اور چیزوں کے برابر ہو جاتا ہے اور تمام چیزوں سے خدا کا تصرف اٹھ جاتا ہے اور یہ ماننا پڑتا ہے کہ ان خود بخود چیزوں کو خدا کے سہارے کی کچھ بھی ضرورت نہیں اور اگر اس کا وجود نہ ہو تب بھی اُن کا کچھ حرج نہیں اور اس صورت میں رُوح کے تزکیہ کے متعلق دُعا بھی محض بیکار اور عبث ہو جاتی ہے کیونکہ جن چیزوں کو اُس نے پیدا ہی نہیں کیا ان کی کمی بیشی اُس کے اختیار میں کیونکر ہو سکتی ہے۔ اور نیز اس صورت میں اُس کے وجود پر کوئی دلیل باقی نہیں رہتی۔ کیونکہ جب کہ تمام رُوح خود بخود ہیں اور اُن کی تمام طاقتیں بھی خود بخود۔ اور ذرات یعنی پرمانو بھی خود بخود ہیں اور اُن کی طاقتیں بھی خود بخود۔ تو پھر پرمیشر کے وجود پر قطعی طور پر کونسی دلیل باقی رہی۔ کوئی ہمیں سمجھا دے کیونکہ صرف جوڑنا اور جُدا کرنا اُن رُوحوں اور ذرات کا جو خود بخود ہیں پرمیشر کی ہستی پر کوئی دلیل نہیں ہو سکتی۔ کیا جائز اور ممکن نہیں کہ وہ رُوحیں اور وہ ذرات جو خود بخود ہیں اُن کا اتصال اور انفصال بھی خود بخود ہو اور خود بخود مل جائیں اور خود بخود علیحدہ ہو جائیں۔

صـ۶۷ یاد رہے کہ اگر انسان اپنے جھوٹے فلسفہ اور منطق کا شیفتہ ہو کر خدا تعالیٰ کی ہستی اور صفات کی نسبت اس طرز سے تحقیقات کرنا چاہے جس طرز سے مخلوقات کے وجود کی تحقیقات کی جاتی ہے تو پھر وہ اس گرداب سے ہرگز سلامت نہیں نکلے گا بلکہ کسی مرحلہ پر جاکر ضرور ہلاک ہوگا۔ مثلاً وہ سوچے گا کہ خدا نے یہ بنایا اور یہ بنایا تو اُس کے دل میں سوال پیدا ہوگا کہ خدا کو کس نے بنایا اور ایسا ہی اُس کے دل میں گمراہ کرنے والے بہت سے سوال پیدا ہوں گے۔ مثلاً یہ کہ وہ کہاں ہے اور کیوں دکھائی نہیں دیتا۔ اور ان سوالوں کے بیچ میں آکر اس کا ایمان ایسا پیسا جائے گا جیسا کہ چکی میں پڑ کر دانہ پیسا جاتا ہے۔ بلکہ جاننا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ کی معرفت اور شناخت کی یہ طرز نہیں ہے جس طرز کو دوسری قوموں نے اختیار کیا ہے اور اس بے جا دخل کا ہمیشہ نتیجہ یہ ہوا ہے کہ یا تو ایسے لوگ آخر کار دہریہ بن گئے ہیں۔ کیونکہ خدا کے وجود اور اُس کی صفات کی عقلی طور پر تشریح معلوم کرنے کے لئے جن باتوں پر انہوں نے بھروسہ کیا تھا وہ باتیں اُن کے دلوں کو کامل تسلی نہ دے سکیں آخر اپنے دلائل کو ناکافی سمجھ کر خدا کے وجود سے ہی منکر ہو گئے اسی وجہ سے یہ فرقہ ناستک مت کا آریہ ورت میں سب ملکوں سے زیادہ اور بکثرت پایا جاتا ہے اور بعض ایسے فرقے اسی وجہ سے پیدا ہو گئے کہ انہوں نے اپنے دلوں کو تسلی دینے کے لئے اور چیزوں کو بمنزلہ خدا کے بنالیا۔ پس آریہ ورت میں جس قدر ایسی قومیں پیدا ہوگئیں کہ وہ سُورج اور چاند اور آگ اور پانی اور پتھروں وغیرہ کی پرستش کرتے ہیں وہ پرستش دراصل اسی گھبراہٹ کا ایک نتیجہ ہے۔ اگر یہ بے جا دخل خدا کی ذات اور صفات میں نہ دیا جاتا تو یہ فرقے بہت کم پیدا ہوتے۔ اسی وجہ سے خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں خدا کے وجود کی ایک ڈاکٹر یا جرّاح کی طرح تشریح کرنا ناجائز قرار دیا ہے اور فرمایا کہ لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ۔
صـ۶۸ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ[1] یعنی جس طرح خدا کی ذات انسان کے علم اور فہم سے برتر

[1] الانعام: ۱۰۴

ہے۔اسی طرح خدا تعالےٰ کے افعال بھی انسان کے علم اور فہم سے برتر ہیں اور خدا نے قرآن شریف میں زبردست نشانوں کے ساتھ اپنی ذات اور صفات کو ثابت کیا ہے اور انسانی عقل کو وہ تکلیف نہیں دی جس کے وہ لائق نہیں۔ہاں اپنی بعض ایسی مخلوقات کا بھی ذکر کیا ہے کہ یہ معمولی عقل اُن کے وجود کو سمجھ نہیں سکتی جیسے فرشتے جو پوشیدہ طور پر خدا نے بعض بعض خدمات کے لئے مقرر کئے ہیں۔مثلاً جیسا کہ وحی اور الہام کے پہنچانے کے لئے۔ایک نادان کہے گا کہ جب کہ خدا قادر مطلق ہے تو پھر فرشتوں کے بنانے کے لئے کیا ضرورت پیش آئی؟ اس کا اسی قدر جواب کافی ہے کہ اُسی طرح ضرورت پیش آئی جیسا کہ باوجود خدا کے قادر ہونے کے کانوں تک آواز پہنچانے کے لئے ہوا کی ضرورت پیش آئی اور آنکھوں کو راہ دکھانے کے لئے سُورج کی ضرورت پیش آئی۔ اصل بات یہ ہے کہ جیسا کہ نظام جسمانی میں خدا نے بعض چیزوں کی تکمیل کے لئے بعض اسباب رکھے ہیں اسی طرح نظام رُوحانی میں بھی وہ اسباب ہیں تا دونوں نظام باہم مطابق ہو کر ایک خدا پر دلالت کریں۔

اسی طرح شیطان کے وجود پر بھی بعض ناسمجھ اعتراض کرتے ہیں کہ گویا خدا نے خود لوگوں کو گمراہ کرنا چاہا۔مگر یہ بات نہیں ہے بلکہ ہر ایک دانا اس بات کو سمجھ سکتا ہے کہ ہر ایک انسان میں دو قوتیں ضرور پائی جاتی ہیں جن میں سے ایک قوت کو عربی میں لمّہ شیطان کہتے ہیں اور دوسری کو لمّہ ملک۔یعنی انسانی فطرت میں یہ بات مشہود ہے کہ کبھی نامعلوم اسباب سے نیک خیال اس میں پیدا ہوتا ہے اور نیک کاموں کی طرف دل رغبت کرتا ہے اور پھر کبھی بدخیال اُس کے دل میں اٹھتا ہے اور بدی اور بدکاری اور ظلم اور شر کی طرف اُس کی طبیعت مائل ہو جاتی ہے۔پس وہ قوت جو بدخیال کا منبع ہے قرآنی تعلیم کی رُو سے وہ شیطان ہے اور وہ قوت جو نیک خیال کا منبع ہے وہ فرشتہ ہے پس ان دونوں قوتوں کو جو مشہود و محسوس ہیں بہرحال ماننا ہی پڑتا ہے خواہ تم کسی رنگ میں مان لو۔اسی طرح

بہت سے اعتراضات محض نادانی اور ناسمجھی سے قرآن شریف پر کئے گئے ہیں حالانکہ وہ تمام باتیں حق اور حکمت کا سرچشمہ ہیں۔ مگر تعصب ایک ایسی بلا ہے جو غور کرنے نہیں دیتا۔ اس مضمون کے لکھنے کے وقت مندرجہ ذیل مجھے الہام ہوئے۔ اور میں نے بہتر سمجھا کہ ان کو لکھ دوں۔ اور وہ یہ ہیں :۔

اِنَّهُمْ مَا صَنَعُوْا هُوَ كَيْدُ سَاحِرٍ ۔ وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ اَتٰى۔ اَنْتَ مِنِّيْ بِمَنْزِلَةِ رُوْحِيْ۔ اَنْتَ مِنِّيْ بِمَنْزِلَةِ النَّجْمِ الثَّاقِبِ۔ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ۔

اب ہم اس مضمون کو ختم کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ خدا تمام حاضرین کو بلکہ تمام دنیا کو راہ راست پر لاوے۔ آمین۔ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى۔

الراقـــــــــــم

خاکسار میرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود

۲ دسمبر ۱۹۰۷ء روز دوشنبہ ۲۵ شوال ۱۳۲۵ھ ۱۷ مگھر سمت ۱۹۶۴۔